

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

يَا رَسُولَ اللَّهِ كُنَّا

(أُمَّتٌ كَاتِبَةٌ مَرِيقٌ)

تاليف

محقق العصری مفتی محمد خان قادری

کاروان اسلام پبلی کیشنز لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

۸۵۲۲۳

یا رسول اللہ کہنا (امت کا متفقہ موقف)
مفتی محمد خان قادری

نام کتاب
تصنیف

علامہ قاری محمد بلال

عربی عبارات پر اعراب

الحاج صلاح الدین گوندل

بتعاون

محمد فاروق قادری، محمد عمران عنصر قادری

پروف ریڈنگ

ملک عقیل عباس

کمپوزنگ

مارچ ۲۰۱۰ء

اشاعت اول

کاروان اسلام پبلی کیشنز لاہور

ناشر

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی

فرید بک سٹال اردو بازار لاہور

مکتبہ برکات المدینہ بہادر آباد کراچی

مکتبہ غوثیہ سبزی منڈی کراچی

اسلامک بک کارپوریشن راولپنڈی

احمد بک کارپوریشن راولپنڈی

مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور

مکتبہ دارالعلم دربار مارکیٹ لاہور

مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ لاہور

مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ لاہور

روحانی کتب خانہ دربار مارکیٹ لاہور

مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور

مکتبہ کرمانوالا دربار مارکیٹ لاہور

قادری رضوی کتب خانہ دربار مارکیٹ لاہور

مکتبہ نبویہ دربار مارکیٹ لاہور

مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ لاہور

کاروان اسلام پبلی کیشنز لاہور

جامعہ اسلامیہ لاہور 1۔ میلادسٹریٹ گلشن رحمان ٹھوکر نیاں بیگ۔ لاہور

042-5300353...03004407048

انتساب

اس نابینا صحابی کے نام
جسے خود رسول اللہ ﷺ نے وسیلہ و استغاثہ کی تعلیم دی اور جب انہوں
نے آپ ﷺ سے استغاثہ کیا تو ان کی بینائی لوٹ آئی
معروف صحابی، گورنر عراق حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ
اور ان کی اولاد کے نام
جو سرزمین عراق میں لوگوں کو مشکلات سے نجات کے لیے اس وظیفہ
اور استغاثہ کی تعلیم دیتے رہے اور بعد میں ان کی اولاد نے بھی سکھانے کا یہ
معمول جاری رکھا۔

محمد خان قادری

مشکلات میں وسیلہ واستغاثہ کے لئے حضور ﷺ کا عطا فرمودہ اہم وظیفہ

دونوا فل ادا کر کے یہ دعا پڑھی جائے

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَآتُوْجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ
مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي
حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ

”اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں، میں تیرے نبی مکرم
حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رحمت کے وسیلہ سے تیری بارگاہ

میں متوجہ ہو رہا ہوں۔ اے میرے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ

آپ کے وسیلہ جلیلہ سے اپنے رب کی بارگاہ میں یہ حاجت

لے کر حاضر ہو رہا ہوں تاکہ میری حاجت پوری کر دی جائے

یا اللہ! (انتہائی کرم فرماتے ہوئے) حضور کی سفارش میرے

حق میں قبول فرما“ (جامع ترمذی، ابواب الدعاء، حدیث: ۳۷۰۱)

حُسن ترتیب

| | |
|----|--|
| 3 | انتساب |
| 4 | مشکلات میں وسیلہ واستغاثہ کیلئے حضور ﷺ کا عطا فرمودہ اہم وظیفہ |
| 23 | پیش لفظ |
| 26 | امت کا متفقہ درود و سلام |
| 27 | پہلا باب رسول اللہ ﷺ نے یا محمد بطور استغاثہ کہنے کی تعلیم دی |
| 34 | دواہم باتیں |
| 35 | پندرہ حفاظ حدیث کی مہر تصدیق |
| 36 | فصل: روایت پر اعتراضات کا جواب |
| 36 | پہلا اعتراض |
| 36 | جواب |
| 37 | ازالہ شبہ |
| 39 | دوسرا اعتراض |
| 39 | جواب۔ دعا نہیں استغاثہ و وسیلہ |
| 41 | جواب۔ دعا کرنا نہیں، سکھانا مراد ہے |
| 41 | اس معنی پر تائید |
| 42 | فصل: ابن تیمیہ کے اعتراض کا جواب |
| 42 | اعتراض و جواب |
| 46 | پہلے سوال کا جواب |

- 46 دوسرے سوال کا جواب
- 47 تیسرے سوال کا جواب
- 48 ابن تیمیہ کا اعتراض
- 50 دوسرا باب دور عثمانی و ندائے یا محمد ﷺ
- 52 صحت واقعہ پر اہم دلیل
- 53 دو سوالات کا جواب
- 53 پہلا سوال و جواب
- 54 دوسرا سوال: روایت طبرانی اور دیگر کی روایات میں تعارض
- 54 جواب
- 56 **فصل:** واقعہ پر اعتراضات کا ازالہ
- 57 واقعہ کی سند صحیح ہے
- 58 باپ بیٹا دونوں ثقہ ہیں
- 61 تدلیس کی تیسری صورت
- 66 حدیث ضریر ہی کافی ہے
- 68 **فصل:** شیخ اشرف علی تھانوی اور دعاء حاجت میں تبدیلی
- 68 تین مقامات
- 71 **فصل:** تھانوی صاحب کی جرأت کا نوٹس
- 71 تھانوی صاحب کی جرأت و بے باکی
- 73 ادعیہ ماثورہ میں الفاظ کا رد و بدل جائز نہیں
- 75 ایک شبہ کا ازالہ
- 80 **فصل:** بقاء ندائے یا محمد ﷺ پر دلائل
- 80 دوسری امت بھی شامل
- 80 اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے
- 80 ارادہ تمام امت کا
- 81 حدیث کے کچھ حصے کا معطل قرار پانا

| | |
|----|--|
| 81 | خود بیان فرما دیتے |
| 81 | وضاحت لازم تھی |
| 82 | دونوں معاملات میں فرق |
| 82 | الفاظ کی عموم پر دلالت |
| 82 | صحابی نے عموم مراد لیا |
| 83 | امت کا عمل |
| 83 | آئمہ امت کا نقل کردہ واقعہ |
| 84 | عموم اور حفاظ حدیث |
| 85 | خاص کرنا خلاف اصل ہے |
| 86 | مخالفین کے تین شبہات |
| 86 | فیصلہ کن جوابات |
| 86 | اول شبہ کا جواب |
| 87 | دوسرے شبہ کا جواب |
| 87 | امر اول: آپ کے زندہ ہونے پر اجماع ہے |
| 88 | امر ثانی |
| 89 | امر ثالث |
| 89 | تیسرے شبہ کا ازالہ |
| 90 | تیسرا باب وصال نبوی کے بعد حضرت بلال بن حارث المزنی کا استغاثہ |
| 91 | شیخ جزائری کے اعتراضات |
| 92 | پہلا اعتراض |
| 92 | جواب |
| 94 | دوسرا اعتراض |
| 94 | جواب |
| 95 | تیسرا اعتراض |
| 95 | جواب |

- 96 امام احمد رضا خان بریلوی کا قول
- 98 چوتھا اعتراض
- 98 جواب
- 98 امام بخاری کا قول
- 99 امام ابن ابی حاتم کا قول
- 99 امام ابن سعد کا قول
- 100 پانچواں اعتراض
- 100 جواب
- 102 **فصل:** حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنانا
- 104 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منع نہ کرنا
- 105 اکرام نبوی ﷺ کی وجہ سے
- 106 صالحین سے توسل
- 107 **فصل:** لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ كِي تَمِينَ تَفْسِير
- 107 آیت مبارکہ کی تفاسیر
- 107 پہلی تفسیر اولیٰ ہے
- 109 آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی محمد ﷺ کی دو حیثیتیں
- 110 حضور ﷺ کے اسم گرامی میں شروع سے ہی وصفیت ملحوظ تھی
- 112 کفار کا اعتراف کہ آپ کے اسم گرامی میں وصفی معنی ملحوظ ہیں
- 115 **چوتھاباب:** السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ (اے نبی آپ پر سلام ہو) کی تعلیم
- 115 السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ اور يَا نَبِيَّ اللّٰهِ میں کوئی فرق نہیں
- 116 نماز اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض سلام
- 117 بطور انشاء و عرض پڑھنے پر دلائل
- 117 **فصل:** تعلیم التحیات کا پس منظر
- 119 وسیلہ کی وجہ سے تقدیم
- 119 السلام علیک کا معنی

- 120 زمین و آسمان کے ہر صالح کو دعا کا پہنچنا
- 121 مراد خصوصی سلام ہے
- 122 یہ کلمات، دعا ہیں
- 123 اہل علم کا سوال
- 125 رسول اللہ ﷺ نے انہیں سلام قرار دیا
- 125 پہلے سلام آچکا ہے
- 126 بطور انشاء پڑھنے پر ایک اہم دلیل
- 129 **فصل:** اقوال علماء اُمت
- 138 صاحب تبلیغی نصاب
- 139 **فصل:** نماز میں سلام خطاب آپ ﷺ کی خصوصیت ہے
- 142 اہم نوٹ
- 142 مزید تائید
- 143 نماز کا نہ ٹوٹنا
- 143 اعتراضات کا ازالہ
- 144 ہماری گزارشات
- 146 رسول اللہ ﷺ کی روحانی موجودگی
- 147 روحانی و معنوی طور پر رسول اللہ ﷺ کی جلوہ گری
- 149 دوسری گزارش
- 149 جواب
- 149 نماز میں آپ کو سلام عرض کرنا آپ کی خصوصیت ہے
- 151 اہم نوٹ
- 152 ہمارا نظریہ
- 154 **فصل:** پھر بھی بطور انشاء و عرض ہی پڑھیں
- 155 غزالی زمان کی گفتگو
- 155 روایت کی سند ہی نہیں

- 156 ارشاد نبوی ﷺ پڑھیے
- 156 تحقیقی و اصولی بات
- 158 فقہاء اُمت کے اقوال
- 163 فصل: تعلق والے سلام کا جواب پاتے
- 166 کچھ بزرگوں کے نام
- 167 جواب سنے بغیر نہ گزرتے
- 168 فصل: السلام علیکم، خطاب و ندا
- 171 ابن کثیر کی یہ عبارت الحاقی ہے
- 172 جواب
- 175 ہماری گزارش
- 176 ہر جگہ اور ہر حال میں سلام خطاب
- 178 فصل: ایک اہم مغالطہ کا جواب
- 178 میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو پارہا ہوں
- 179 نبی نے چیونٹی کی آواز و گفتگو سن لی
- 179 بلقیس کے تخت کا لانا
- 180 حبیبِ خدا ﷺ کی شان اقدس
- 181 کہاں تک دیکھتے و سنتے ہیں
- 181 آسمانی آواز کا سننا
- 181 علماء کا استدلال
- 183 بصارتِ نبوی ﷺ کا مقام
- 183 قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی قوتیں
- 184 فصل: کیا صحابہ نے الفاظِ تشہد بدل دیئے تھے؟
- 185 ہماری گزارشات
- 185 بطور انشاء پڑھنے کا ثبوت
- 186 دور والے صحابہ کا معاملہ

- 187 کیا صحابہ ایسی جسارت کر سکتے ہیں؟
- 188 الفاظ صحابہ کی توجیہ
- 189 بعض یا تمام صحابہ
- 192 بعض نے بھی تبدیلی نہیں کی
- 193 حضرت ابن مسعود اور تابعین کو تعلیم تشہد
- 194 دو تائیدات
- 194 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی گفتگو
- 195 احناف کا موقف
- 197 شاذ ہونے کی وجہ
- 197 شارع علیہ السلام کی مخالفت
- 198 صحیح صورت حال کیا ہے؟
- 198 خطاب ہی جاری رہا
- 200 حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تائید
- 201 ایک اعتراض کا ازالہ
- 202 جواب
- 203 دو احتمالات کا تذکرہ
- 204 تو یہ دلیل ہی نہیں بن سکتا
- 204 اعتراض و جواب
- 207 اسے کیا کہا جائے؟
- 209 موافقت پیدا کرنا لازم
- 209 اس کی تائید
- 210 دیگر روایات کا جواب
- 211 سینوں کا مرض
- 212 اثر عطاء کا جواب
- 213 یہ روایت شاذ ہے

- 214 السلام علیک پر تمام روایات کا متفق ہونا
- 215 امام طحاوی حنفی کی فیصلہ کن گفتگو
- 216 اس پر اشکال
- 217 کس نے اختلاف کیا؟
- 220 تبدیلی چند دنوں کے لیے
- 221 تبدیلی میں مصلحت کیا تھی؟
- 221 چند کیفیات
- 222 گم سم ہو گئے
- 222 حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینا چھوڑ دی
- 222 میری آنکھیں واپس لے لے
- 223 چند دنوں کے لیے وجہ تبدیلی یہ ہے
- 224 الحاصل
- 224 یہ ان کا اجتہاد ہے
- 224 سراسر زیادتی و ظلم
- 225 تصریحات ملاحظہ کیجئے
- 225 نوٹ
- 226 سوال و جواب
- 227 امام بخاری کا عمل
- 230 شیخ محمد عوامہ مدنی کی قیمتی گفتگو
- 233 عظیم محدث شیخ عبداللہ صدیق غماری کی گفتگو
- 236 دعویٰ توقیف باطل ہے
- 236 پہلی دلیل
- 237 دوسری دلیل
- 237 تیسری دلیل
- 238 چوتھی دلیل

- 238 پانچویں دلیل
- 238 چھٹی دلیل
- 238 ساتویں دلیل
- 239 الفاظ نبوی ﷺ سے کیوں بھاگتے ہو؟
- 239 شیخ حسن علی سقاف کی گفتگو
- 242 **فصل:** السلام علیک اور شاہد و ناظر
- 243 اگر تبدیلی مان لیں
- 244 رسول اللہ ﷺ نے یہ کیوں محسوس نہ کیا؟
- 244 پھر اس کا جواب کیا ہے؟
- 244 پھر نداء یا محمد ﷺ کا کیا بنے گا؟
- 245 تھانوی صاحب کا حوالہ
- 246 مولانا کا تضاد اور داؤ
- 246 غور کیجیے
- 247 مسجد نبوی ﷺ میں جانا
- 247 تعلیم دینے والی کون سی ہستی ہے؟
- 248 صحابہ نے تصحیح کی
- 249 **فصل:** مزید دو اہم باتیں
- 249 سوال و جواب
- 250 حضرت عثمان اور ان کی اولاد کا لوگوں کو اس دعا کی تعلیم دینا
- 254 صحابی کے حالات
- 256 پانچواں باب: يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي (اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو)
- 256 اللہ کے بندو میری مدد کرو
- 259 عباد اللہ سے کون مراد ہیں؟
- 260 روایات مبارکہ اور ائمہ امت کا معمول
- 260 چند کی تصریحات

- 262 عبارت کیوں بدل دی؟
- 262 خدانے عقل ماردی
- 263 نواب صدیق حسن بھوپالی کا عمل و تجربہ
- 263 حاجی امداد اللہ مہاجر کی کا عمل
- 264 مرید کی مدد
- 264 اپنے اپنے بزرگوں کو پکارتے رہے
- 266 **فصل:** روایت پر اعتراضات کا جواب
- 266 بیان سند
- 268 ایک شبہ کا ازالہ
- 269 البانی کی غلطی اور اس کا محاسبہ
- 269 دو امہور کا تذکرہ
- 270 حاصل کلام
- 270 فائدہ
- 271 فائدہ
- 272 جواب اول
- 272 جواب دوم
- 273 بددیانتی کا مظاہرہ
- 275 علامہ سرفراز کا جواب
- 278 **چھٹا باب:** لَبَّيْكَ، نُصِرْتَ (میں تمہاری مدد کے لیے پہنچتا ہوں)
- 278 رسول اللہ ﷺ کا مدد کرنا
- 280 حدیث اور امام زرقانی کی تشریح
- 282 چند فوائد
- 284 اقوال
- 284 سوال و جواب
- 286 ثانیاً

- 286 ثنائاً
- 288 سائوال باب: دور سے خود سننے پر احادیث
- 288 حدیث کا صحیح و حسن ہونا
- 290 اعتراض کا جواب
- 291 کوئی کہیں سے بھی سلام عرض کرے رسول اللہ ﷺ خود سنتے ہیں
- 292 حدیث میں عموم ہے
- 293 سلام کرنے والے کے احوال سے آگاہی
- 294 توجہ خاص مراد ہے
- 297 مولانا عبدالحی لکھنوی کی تحقیق
- 298 مخالفین کا بھی سننے پر دلیل بنانا **فصل:**
- 298 سوال و جواب پڑھیے
- 298 سوال و جواب
- 299 ہماری گزارش
- 299 سوال و جواب
- 299 اہل حدیث فاضل کا استدلال
- 300 درود و سلام سننے پر امام احمد کا استدلال
- 301 دیوبندی علماء فیصل آباد کا فتویٰ
- 301 ہماری گزارشات
- 302 قبر انور کے ساتھ خاص کرنے والوں کا رد **فصل:**
- 302 امتیاز نہ رہا
- 303 قریب سے سننے میں امتیاز کیا ہے؟
- 303 عند قبوری کے الفاظ ثابت نہیں
- 305 محدثین کا موقف کیوں سامنے نہیں لایا؟ **فصل:**
- 306 کچھ لوگوں کی سراسر زیادتی
- 307 عند قبوری حدیث کا حصہ نہیں

- 308 نہایت ہی غلط تاثر
- 309 حافظ ابن حجر مکی کا موقف
- 310 ذاتی خیالات کا نام دین ہرگز نہیں
- 312 عدم صحت کی طرف امام سبکی کا اشارہ
- 312 ہماری گزارش
- 312 سوال و جواب
- 314 **فصل:** درود شریف پڑھنے والے کی آواز کا سننا
- 318 **فصل:** تھانوی صاحب کے اشکالات کا علمی رد
- 318 سوال
- 319 جواب
- 320 یہاں انہوں نے یہ سوالات اٹھائے ہیں
- 321 غزالی زماں کے جوابات
- 321 اقول
- 322 دیانت و انصاف کا خون
- 322 حدیث معنعن پر کلام
- 323 فروع
- 323 ارسال اور تدلیس کا فرق
- 324 اقول، یہ کلام ہی غلط ہے
- 324 توثیق نظر نہ آئی
- 325 امام منذری نے سند کو جید قرار دیا
- 326 اقول
- 326 دور سے سننے کی بحث
- 327 ظلم صریح ہے
- 327 ایک فرشتہ ساری مخلوق کی آوازیں سنتا ہے
- 328 **فصل:** سلام سننے پر آئمہ امت کی تصریحات

- 328 قوی و حسن جواب
- 338 امام ابن حجر مکی کا فتویٰ
- 343 اُمت کی اکثریت کا موقف
- 344 یہ جواب بھی درست ہے
- 344 کیا یہ دوسو سے اور توہمات ہیں؟
- 345 اہل بیت اطہار کی تائید
- 346 روایات دونوں طرح کی ہیں
- 348 شیخ ابن عبد الہادی کی تطبیق
- 349 جمعہ کے روز درود شریف کے بارے میں روایات
- 349 دونوں روایات میں یکسانیت
- 352 سوال و جواب
- 354 بلغنی صوتہ سے تائید
- 355 **فصل:** روضہ اقدس پر تمام آوازیں سننے والے فرشتے کا تقرر
- 356 یہ روایت حسن ہے
- 359 فرشتے کا روضہ اقدس پر تقرر خاصہ نبوی
- 362 صاحب تبلیغی نصاب کی گفتگو
- 364 فوائد از گفتگو
- 364 مزید شان و اہتمام
- 366 **فصل:** درود شریف پہنچنے کی دو صورتیں
- 368 بلا واسطہ درود شریف کا سماعت فرمانا
- 368 فرشتوں کا پہنچانا مزید تعظیم ہے
- 370 ان میں کوئی تضاد نہیں
- 370 پہلا طریقہ
- 370 دوسرا طریقہ
- 372 تبلیغ بھی اور سماع بھی

- 372 عرض اور سماع میں منافات نہیں
- 374 پیشگی کا متعدد دفعہ ہونا
- 376 **فصل:** درود شریف کا پیش ہونا سماع کے منافی نہیں
- 378 حدیث میں عموم
- 380 ابلاغ ملائکہ
- 381 فرشتوں کے درود پہنچانے کی حکمت
- 383 ایک شبہ کا ازالہ
- 383 جواب
- 384 غزالی زماں کی تائید
- 385 **فصل:** ایک روایت کا معنی و مفہوم
- 385 تقسیم والی روایت
- 386 یہ روایت موضوع ہے
- 387 غزالی زماں کی علمی گفتگو
- 387 تھانوی صاحب کی پیش کردہ حدیث پر کلام
- 388 حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر امام بیہقی کی جرح
- 388 حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر شارح حیات الانبیاء کی جرح
- 389 حدیث ابو ہریرہ پر امام ذہبی کی جرح
- 390 سند جید سے ثابت ہونا
- 391 روایات میں تطبیق و موافقت
- 391 روایت کے الفاظ مبارکہ
- 392 آپس میں تضاد نہیں
- 393 ملائکہ کا واسطہ ضروری نہیں
- 393 ابلغتہ، اعلمتہ کے معنی میں ہے
- 395 **فصل:** سمع کی دو اقسام
- 396 پست سے پست آواز کا سننا

- 397 مسجد صنعاء تک بڑھ گئی
- 397 سمع کی دوسری قسم
- 401 **فصل:** المدد یا رسول اللہ ﷺ پر مستقل کتب
- 402 کتاب و مصنف کا تعارف
- 402 وجہ تصنیف
- 404 ائمہ امت کی رائے و ثنا
- 415 ۳۔ تیسری کتاب کا نام و تعارف
- 416 ۴۔ التوسل و احکامہ
- 420 الفاظ تشہد سے تائید
- 422 ۵۔ شَوَاهِدُ الْحَقِّ فِي الْإِسْتِغَاثَةِ بِسَيِّدِ الْخَلْقِ ﷺ
- 422 اُمت کا اتفاق و اجماع
- 426 **فصل:** المدد یا رسول اللہ ﷺ پر چند واقعات
- 431 **فصل:** صحابہ اور نعرہ یا رسول اللہ ﷺ
- 431 شہر مدینہ یا محمد یا رسول اللہ کے نعروں سے گونج اٹھا
- 432 صحابہ اور یا محمد
- 434 صحابہ کا نعرہ یا محمد یا محمد
- 434 مسلمانوں کا شعار یا محمد
- 435 یا منصور کا نعرہ
- 438 آئمہ مجتہدین کا تاج یا محمد
- 439 یا محمد راہ میں الف استغاثہ
- 439 مفتی مدار اللہ مدار آرقشبندی دیوبندی کا موقف
- 442 **فصل:** روایات پر اعتراضات کا رد
- 442 اعتراضات کا علمی رد
- 446 امر اول
- 448 **فصل:** قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا سَيِّدِي يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

- 448 حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سمیت تمام اُمت کا عمل
تاریخ و حکمت
- 449 اعتراض اول: روایت ضعیف ہے
- 450 جواب
- 450 اعتراض ثانی۔ مرفوع نہ ہونا
- 451 جواب
- 451 موقوف ہی مان لیں
- 452 علماء کا عمل
- 453 چند اسلاف کا عمل
- 454 حضرت آدم علیہ السلام کا عمل
- 454 حضرت خضر علیہ السلام کا عمل
- 454 امام حسن رضی اللہ عنہ کا قول
- 455 فقہاء اُمت اور قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ
- 457 سوال و جواب
- 460 وجہ لڑائی۔ کم علمی
- 461 جواز یا رسول اللہ ﷺ اور علماء نجد و دیوبند
- 461 علماء دیوبند کے پیرومرشد اور یا رسول اللہ
- 461 زیارت رسول اللہ ﷺ کا وظیفہ
- 462 یا رسول اللہ اور شیخ رشید احمد گنگوہی
- 462 شیخ سرفراز خان صفدر گکھڑوی
- 462 یا محمد اور شیخ اشرف علی تھانوی
- 463 شیخ اشرف علی تھانوی کا استغاثہ
- 463 وعظ اور یا رسول اللہ کہنا
- 464 شیخ خلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں
- 465 محققین نجد اور یا رسول اللہ ﷺ

فصل:

- 467 ایک اور واقعہ
- 469 صحابہ کا مبارک معمول **فصل:**
- 470 صحابہ کرام سے ”الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ“ کا ثبوت
- 471 شیخ سرفراز خان صفدر کی گرفت
- 471 الجواب
- 473 ان تمام کا زور
- 474 تحیہ کا مفہوم
- 474 معاملہ کیا ہے؟
- 474 سلام تحیہ کا طریقہ
- 475 سلام نماز کا طریقہ
- 475 نزول آیت مبارکہ
- 475 نماز میں صلاۃ کا طریقہ
- 476 رجوع کی حکمت
- 477 نماز کے لیے سلام و صلاۃ کا مخصوص ہونا
- 478 کسی کا دعویٰ ہے
- 478 قدر زائد کے الفاظ
- 479 عبارت کا پس منظر
- 480 شیخ حیسری کی عبارت کا ماخذ
- 481 شیخ ابن قیم کی عبارت و دلائل
- 486 پہلے سوال کا جواب
- 487 دوسرے سوال کا جواب
- 487 تیسرے سوال کا جواب
- 488 تائید تراجم
- 490 پہلی دلیل
- 491 امام حیسری کی عبارت

- 497 دونوں کی متعلقہ گفتگو
- 499 امام قسطلانی کی گفتگو
- 500 ایک اور مقام ”الصلوة والسلام عليك يا رسول الله“
- 503 رسول اللہ ﷺ ہرگز مٹی اور پتھر کی طرح نہیں
فصل:
- 503 مقام حیرت
- 505 گیا گزرا قول
- 505 مخاطب میں اصل حاضر ہونا ہے
- 506 کیا رسول اللہ ﷺ مٹی اور پتھر کی طرح ہیں؟
- 507 نڈبہ ہے نداء نہیں
- 509 علماء اُمت اور علماء نجد و دیوبند کی سوچ میں فرق
- 511 حضرات انبیاء علیہم السلام ساری مخلوق سے ممتاز ہوتے ہیں۔
فصل:
- 513 صحابی سے تائید
- 514 حکماء اسلام کے دلائل
- 537 امام غزالی کی اہم نصیحت
- 537 ماخذ و مراجع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق اُمتِ مسلمہ ہمیشہ سے بطور محبت و استغاثہ یا رسول اللہ ﷺ کہتی چلی آرہی ہے اُمتِ حبیبِ خدا ﷺ کو کبھی تو 'الصَّلٰوَةُ وَ السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ'۔۔۔ کبھی 'قُرَّةُ عَیْنِیْ بِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ'۔۔۔ کبھی 'يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ'۔۔۔ اور کبھی 'اَغِثْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ'۔۔۔ اور خصوصاً نماز میں "السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ"۔۔۔ کے مبارک الفاظ سے پکارتی رہی۔۔۔ یاد کرتی رہی۔۔۔ استمداد کرتی رہی اور ایسے استغاثہ کے ذریعے فیض پاتی رہی۔

محراب و منبر سے لے کر میدانوں تک یا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ۔۔۔ کا نعرہ ہمیشہ گونجتا رہا۔۔۔ شہر مدینہ میں استقبالِ نبوی ﷺ کا روح پرور منظر ہو یا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت و سیادت میں صحابہ کی جماعت دشمنانِ اسلام سے صف آرا ہو ہر جگہ۔۔۔ یا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ۔۔۔ کے سرمدی نعرے کی گونج سنائی دیتی ہے۔۔۔ اور صحابہ اس معمول کے ساتھ صف با صف دکھائی دیتے ہیں۔۔۔ وہ اسی وظیفہ کی برکت سے اپنے ایمان کو جلا بخشتے۔ اور اپنی مشکلات کے حوالے سے استغاثہ عرض کرتے۔۔۔ ان کی مشکلات کا ازالہ ہو جاتا اور وہ فتح یاب ہو جاتے۔

آئمہ دین نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔۔۔ (جن کا تعارف و تذکرہ اسی کتاب میں آپ کو تفصیل کے ساتھ ملے گا) جن میں صحابہ سے لے کر ان مصنفین کے دور تک حضور ﷺ کی بارگاہِ عالی جناب میں استغاثہ کے واقعات کی تفصیلات موجود ہیں۔۔۔ ان واقعات کا بیان و اظہار ان بزرگوں کے ہاں ایمان کا حصہ رہا اور وہ اہتمام کے ساتھ انہیں بیان فرماتے رہے اور پوری اُمت کو اس سے آگاہ رکھنے کی سعی کرتے رہے۔۔۔ تاکہ مشکل اوقات میں ایسے وظائف کے ذریعے مخلوق، اللہ تعالیٰ

اور اس کے حبیب پاک ﷺ کی مدد و نصرت سے فیض یاب ہو سکے۔

وہ ایسا کیوں نہ کرتے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے مشکلات میں اپنی ذات سے استغاثہ اور وسیلہ کی، اور نماز میں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کی خود تعلیم دی --- يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي --- کا مبارک وظیفہ تمام امت مسلمہ کو خود عطا فرمایا اور یہ بھی فرمایا اگر کوئی مشکل دوران سفر درپیش ہو تو --- يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي --- پکار لیا کرو تمہاری مشکلات کا فورہ ہو جائیں گی ---

اور افسوس ہے کہ ہمارے دور میں بعض لوگوں نے اپنی کم علمی اور جہالت کے سبب اس مبارک وظیفہ کو شرک اور کفر تک قرار دے دیا حالانکہ یا رسول اللہ ﷺ کہنا امت مسلمہ کا متفقہ موقف رہا ہے۔

اس بات کو ایک دیوبندی فاضل شبیر احمد بن عبدالطیف یوں تحریر کرتے ہیں:

اس فقیر حقیر نے انہیں آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا کہ جس فرد نے حضور سرور کائنات ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ حرف 'یا' لکھا یا پڑھا بعض مسلمانوں نے بغیر کسی تحقیق کے اسے شرک قرار دے دیا۔ (۱)

قارئین کی تو اس طبع کے لیے ایک واقعہ نذو کر دوں --- ۲۰۰۵ -- ۲۰۰۶ میں محکمہ اوقاف حکومت پنجاب کا ایک اجلاس ڈائریکٹر اوقاف سید قمر علی زیدی کے کمرے میں منعقد ہوا جس میں تمام مکاتب فکر کے متعدد علماء نے شرکت کی وہاں اس نکتہ پر غور ہوا کوئی متفقہ درود و سلام محکمہ اوقاف کی طرف سے شائع کیا جائے تاکہ وحدت و اخوت کے حوالے سے موثر ہو اور امت اس سے فیض و برکات حاصل کرنے --- وہاں کچھ ممبران نے بڑی شد و مد سے یہ تجویز پیش کی کہ نماز والا درود پاک (درود ابراہیمی) سب سے افضل ہے اسے متفقہ درود و سلام قرار دے کر چھاپ دیا جائے۔ ہم نے اس کی بھرپور تائید کی اور ساتھ ہی یہ بھی مشورہ دیا کہ چونکہ نماز والے درود شریف میں "صلوٰۃ" ہے مگر "سلام" نہیں ہے --- اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوا تَسْلِيمًا --- جس میں ایمان والوں کو درود اور سلام دونوں عرض کرنے کا حکم ہے اس لیے سلام بھی اس درود کے

ساتھ شائع کر دیا جائے انہوں نے پوچھا کہ سلام کے الفاظ کون سے ہوں؟ بتائیں۔۔۔
میں نے فوراً کہا۔ سلام بھی نماز والا ہی سب سے افضل ہے۔۔۔ اَلسَّلَامُ
عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ۔۔۔ بس اتنا کہنا تھا کہ کھسیا نے انداز میں جان چھڑاتے ہوئے
کہنے لگے کہ اس پر ہم بڑوں سے مشورہ کرتے ہیں۔۔۔ وہ دن اور آج کا دن محکمہ اوقاف
اس حوالے سے کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا اور نہ مشورہ سامنے آیا۔

کاش ہم قرآن و سنت کی تعلیمات کو اپنے مخصوص افکار و نظریات کی بھینٹ نہ چڑھائیں۔
اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمیں جیسے نماز والا درود پسند و افضل نظر آتا ہے اسی طرح
نماز والا سلام بھی افضل و پسند ہے۔

لہذا اس موقع پر ہم نے اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے اس مسئلہ پر علم و تحقیق کی روشنی
میں لکھا ہے۔۔۔ ٹھنڈے دل کیساتھ خوب غور و خوض سے اس کا مطالعہ ہر قاری کے لیے
نفع کا باعث ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔۔۔۔۔

ہم نے نہایت دیانتداری اور متانت کے ساتھ حقائق کی روشنی میں یہ موقف واضح
کرنے کی کوشش کی ہے اس کے باوجود اگر کوئی خلش و خلیجان پیدا ہو تو ہمیں ضرور مطلع کریں۔
انہی دنوں ”علم نبوی اور امور دنیا“ کے علاوہ دو جلدوں میں۔۔۔ ۲۱ علمی مقالات
بھی طبع ہو کر منظر عام پر آگئے ہیں۔۔۔ تفسیر کبیر کے ترجمہ پر کام جاری ہے دس
اجزا کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے آخری بائیس سورتوں کا ترجمہ تو طبع ہو چکا ہے جبکہ سورۃ الفاتحہ
اور سورۃ البقرہ کی تفسیر کا ترجمہ بہت جلد منظر عام پر آ رہا ہے۔ بندہ یہاں اپنے عظیم دوست
الحاج صلاح الدین گوندل کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے بڑی ہی محبت سے اپنی نگرانی میں
کتاب کی بڑے سائز میں کمپوزنگ اور خوبصورت انداز میں طبع کروائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے
فضل و کرم سے ہم سب کو دنیا و آخرت میں نوازے۔ آمین

اسلام کا ادنیٰ خادم

(مفتی) محمد خان قادری

جامعہ اسلامیہ لاہور

۲۰ جنوری ۲۰۰۹ء

اُمت کا متفقہ درود و سلام

اللہ رب العزت کا فرمان:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۶)

”بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں حضرت محمد ﷺ پر

اے ایمان والو! تم بھی حضرت محمد ﷺ پر درود پڑھو اور خوب سلام پڑھو“

وہ درود و سلام سب سے اعلیٰ و افضل ہے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے خود ہمیں نماز میں دی ہے

سلام کے الفاظ:

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

(اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکات کا نزول ہو)

درود شریف کے الفاظ:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ

عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ

عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

پہلا باب:

رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَا مُحَمَّدٌ لَطُوبُ اسْتِغَاثَةٍ (مد مانگنے) کہنے کی خود تعلیمی

جس طرح نماز میں 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کی تعلیم خود رسول اللہ ﷺ نے دی اسی طرح آپ ﷺ نے صحابہ کو بطور استغاثہ یوں دعا کرنے کی بھی تعلیم دی ہے:

يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي

(اے محمد ﷺ) میں آپ کو اپنے رب کی بارگاہ میں وسیلہ بناتا ہوں)

جو واضح طور پر آپ ﷺ سے استغاثہ اور توسل کا جواز فراہم کر رہی ہے:

۱۔ امام ترمذی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ایک نابینا صحابی نے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا، آپ ﷺ اللہ رب العزت سے دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے بینائی عطا فرمائے، آپ ﷺ نے فرمایا، صبر سے کام لو تمہارے لئے بہتر رہے گا، وگرنہ تمہاری خواہش کے مطابق دعا کر دیتا ہوں، عرض کیا، یا رسول اللہ! صلِّ عَلَیْكَ دعا فرمادیں آپ ﷺ نے اسے حکم دیا اچھی طرح وضو کرو اور پھر یہ دعا کرو:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ
الرَّحْمَةِ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ
لِتُقْضَى لِي اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِي (۱)

(اے اللہ، میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں تیرے نبی محمد نبی

رحمت کے وسیلہ سے حاضر ہوں یا محمد میں آپ کو اپنے رب کے حضور اپنی حاجت میں وسیلہ بناتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری کر دی جائے یا اللہ! رسول اللہ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما)

امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

۲۔ امام ابن ماجہ نے یہ بھی نقل کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، وضو کے بعد دو رکعات نماز ادا کرو اور اس کے بعد یوں دعا کرو۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ
يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ
لِتُقْضَى لِي اللَّهُمَّ شَفِيعَهُ فِي

(یا اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیرے نبی رحمت کے وسیلہ سے حاضر ہوں اے محمد میں اپنے رب کی بارگاہ میں اپنی حاجت روائی کے لئے آپ کو وسیلہ بناتا ہوں اے اللہ! میرے حق میں آپ کی شفاعت قبول فرما)

پھر لکھا امام ابو اسحاق نے، فرمایا:

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ (۱) یہ حدیث صحیح ہے

۳۔ امام احمد بن اسنی (ت، ۳۶۴) نے روایت یوں نقل کی ہے کہ نابینا نے عرض کیا تو فرمایا صبر کیوں نہیں کر لیتے؟ عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ معاون کوئی نہیں اور میں بڑی تکلیف میں ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا وضو کی جگہ جاؤ، وضو کرو اور دو رکعات نماز ادا کرو اور پھر یوں دعا کرو:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ يَا نَبِيَّ
الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ
فَيَجْلِي عَن بَصَرِي اللَّهُمَّ شَفِيعَهُ فِي نَفْسِي

(یا اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں تیرے نبی ﷺ کو وسیلہ بناتا ہوں یا نبی رحمت یا محمد میں آپ کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بناتا ہوں کہ وہ میری بینائی لوٹا دے یا اللہ! ان کی سفارش میرے

حق میں قبول فرما)

راوی حدیث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ابھی مجلس برخاست نہ ہوئی اور نہ ہی زیادہ دیر ہوئی تھی۔

حَتَّى دَخَلَ الرَّجُلُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضَرْقُ قَطٍّ (۱)
(کہ وہ صحابی آئے گویا کبھی وہ نابینا تھے ہی نہیں)

۴۔ امام احمد نے بھی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ترمذی کے مطابق نقل کی۔

فَفَعَلَ الرَّجُلُ فَبَرِيءٍ (۲)

اس نابینا نے اس طرح عمل کیا تو اسے صحت نصیب ہو گئی۔

۵۔ امام حاکم نے اسی روایت و واقعہ کو ان الفاظ میں نقل کیا:

يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَالَتِي هَذِهِ
فَتَقَضَى لِي

(اے محمد میں اپنی اس حاجت میں آپ کو اپنے رب کی بارگاہ میں وسیلہ بناتا ہوں تاکہ میری حاجت روائی ہو جائے)

اور لکھا

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ (۳)

(یہ روایت امام بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے)

امام ذہبی نے بھی اسی حکم کو تسلیم کیا اور کہا:

عَلَى شَرْطِهِمَا (۴)

(یہ واقعہ بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہے)

امام حاکم نے ہی ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت عثمان بن حنیف

(۱) عمل اليوم والليلة، باب ما يقول من ذهب بصره، حدیث، ۲۳۳

(۲) (مسند احمد، ۴-۱۳۴)

(۳) المستدرک، کتاب صلاة التطوع، ۱۱۸۰

(۴) (تلخیص المستدرک-۱، ۴۵۸)

رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

فَوَاللَّهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَلَا طَالَ بِنَا الْحَدِيثُ حَتَّى دَخَلَ
الرَّجُلُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِيهِ ضَرْقُ قَطٍ
(اللہ کی قسم ابھی ہم جدا نہ ہوئے تھے اور نہ ہی زیادہ دیر ہوئی کہ وہ صحابی
آئے تو گویا انھیں کبھی یہ تکلیف تھی ہی نہیں)

پھر لکھا

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ (۱)
(یہ حدیث امام بخاری کے شرائط پر صحیح ہے)

یاد رہے امام ذہبی نے بھی امام حاکم کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے کہا:

هَذَا عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ (۲)
(یہ روایت شرائط بخاری کے مطابق ہے)

۶۔ امام ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ (ت، ۳۱۱) نے اسے ان الفاظ میں نقل کیا:

يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي
(اے محمد ﷺ آپ کو اپنی حاجت میں اپنے رب کی بارگاہ میں وسیلہ
بناتا ہوں)

اس کے محقق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ نے اس پر نوٹ بھی دیا ہے:

إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ (۳)
(اس کی سند صحیح ہے)

۷۔ امام احمد بن ابی خنیسہ (ت، ۳۱۱) نے روایت میں یہ اضافہ بھی نقل کیا

وَإِنْ كَانَتْ حَاجَةً فَا فَعَلْ مِثْلَ ذَلِكَ (۴)
(اگر کبھی ضرورت پڑے تو ایسا کر لیا کرو)

(۱) المستدرک، باب دعاء رد البصر، حدیث، ۱۹۳۰

(۲) تلخیص المستدرک، ۱، ۷۰۷

(۳) صحیح ابن خزیمہ، ۲-۲۲۵ حدیث، ۱۲۱۹

(۴) تاریخ ابن ابی خنیسہ، بحوالہ مصباح الزجاجة

۸۔ امام ابو بکر حسین بیہقی (ت، ۴۵۸) نے دلائل النبوة میں یہ عنوان قائم کیا

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيلِهِ الضَّرِيرَ مَا كَانَ فِيهِ شِفَاؤُهُ

حِينَ لَمْ يَصْبِرْ مَا ظَهَرَ فِي ذَلِكَ مِنْ آثَارِ النُّبُوَّةِ

(رسول اللہ ﷺ کا نابینا صحابی کو دعا و شفاء کی تعلیم دینا اور اس میں

نبوت کی شانوں کا اظہار)

اور اس کے تحت یہ روایت تفصیلاً ذکر کر کے فرماتے ہیں:

وَرَوَيْنَاهُ فِي كِتَابِ الدَّاعَوَاتِ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ عَنْ

رُوحِ بْنِ عَبَادَةَ (۱)

(ہم نے اسے کتاب الدعوات میں سند صحیح کے ساتھ روح بن عباده سے

نقل کیا ہے)

۹۔ امام احمد طبرانی نے المعجم الکبیر میں تذکرہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ

(۹-۱۷) اور المعجم الصغیر میں حدیث (۵۰۸) جلد ۱، صفحہ (۳۰۶) پر نقل کی ہے

شیخ محمد عبدالرحمن مبارکپوری (ت، ۱۳۳۵) نے لکھا

قَالَ الطَّبْرَانِيُّ بَعْدَ ذِكْرِ طُرُقِهِ وَالحَدِيثُ صَحِيحٌ (۲)

(امام طبرانی نے اس کے طرق و اسناد ذکر کرنے کے بعد فرمایا یہ حدیث صحیح ہے)

۱۰۔ امام حافظ زکی الدین عبدالعظیم منذری (ت، ۶۵۶) نے عنوان قائم کیا

الْتَّرْغِيبُ فِي صَلَاةِ الْحَاجَةِ وَدُعَائِهَا

(نماز حاجت اور اس کی دعا کا شوق)

اس کے تحت یہی روایت نقل کی اور لکھا:

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

وَالنِّسَائِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ خُزَيْمَةَ فِي

صَحِيحِهِ وَالْحَاكِمُ وَقَالَ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ البُخَارِيِّ

وَمُسْلِمٍ وَ لَيْسَ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ ثُمَّ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ

(۱) دلائل النبوة - ۶، ۱۶۶

(۲) تحفة الاحوزی، ۱۰، ۲۵

وَرَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَذَكَرَ فِي أَوَّلِهِ قِصَّةً وَهِيَ أَنَّ رَجُلًا
كَانَ يَخْتَلِفُ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي
حَاجَةٍ لَهُ وَذَكَرَ الْقِصَّةَ بِتَمَامِهَا ثُمَّ قَالَ الطَّبْرَانِيُّ بَعْدَ
ذِكْرِ طُرُقِهِ وَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ (۱)

(اسے امام ترمذی نے نقل کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح و غریب ہے امام
نسائی نے اسے نقل کیا اور یہاں یہ الفاظ انہی کے ہیں، امام ابن ماجہ اور
امام ابن خزیمہ نے اسے صحیح میں نقل کیا، امام حاکم نے نقل کر کے فرمایا یہ
امام بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق ہے ہاں ترمذی نے یہ الفاظ نقل
نہیں کیے کہ دو رکعت پڑھو پھر کہا امام طبرانی نے کہ یہ حدیث صحیح ہے)

۱۱۔ امام محمد عبدالرحمن سخاوی (ت، ۹۰۲) ارشاد الہی

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ
بَعْضًا (۲)

(تم حضور ﷺ کی دعا کو ایسے نہ سمجھو جیسے تم ایک دوسرے کے خلاف
دعا کو سمجھتے ہو)

کے تحت یہ واضح کرتے ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی بلاؤ یا محمد اور یا ابن عبد اللہ
کہہ کر نہ بلاؤ بلکہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ جیسے الفاظ ذکر کرو۔ لکھتے ہیں

وَلَا يُعَارِضُ هَذَا حَدِيثَ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفِ الْأَتَنِ
بَعْدَ يَسِيرٍ فِي الصَّلَاةِ عَلَيْهِ عِنْدَ الْحَاجَةِ تَعْرِضُ فَهُوَ
وَإِنْ كَانَ صَحِيحًا يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الصَّحَابِيُّ وَمَنْ
نَحْنُ نَحْوُهُ فَهَمَّ اخْتِصَاصَ هَذَا الْمَوْطِنِ مَا أُرْشِدَ
إِلَيْهِ ﷺ وَرَأَى أَنَّ الْفَاطَظَ الدَّعَوَاتِ وَالْأَذْكَارِ لَا
يَتَصَرَّفُ فِيهَا بِالزِّيَادَةِ وَالنَّقْصِ بَلْ يَقْتَصِرُ فِيهَا

(۱) الترغيب والترهيب، ۱، ۲۷۲

(۲) النور، ۶۳

عَلَى النَّصِّ أَوْ اِكْتَفَى بِمَا وَقَرَّ فِي قَلْبِ كُلِّ مُسْلِمٍ مِنْ
تَعْظِيمِ النَّبِيِّ ﷺ وَاجْلَالِهِ سِيَّئًا مَعَ كَوْنِهِ مُتَوَسِّلاً
بِهِ وَاللَّهُ الْمَوْفِقُ (۱)

(یہ چیز آگے آنے والی حدیث عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے مخالف نہیں وہ اگرچہ صحیح ہے کیونکہ ممکن ہے وہاں صحابی اور ان کے ہم مثل نے لفظ یا محمد کو اس مقام کے لئے مخصوص مانا جس کی رہنمائی رسول اللہ ﷺ نے کر دی تھی اور دعاؤں اور اذکار کے الفاظ میں کمی بیشی وہ جائز نہ جانتے ہوں بلکہ یہاں نص پر اکتفا رہنا چاہیے یا انھوں نے اس وقار و تعظیم پر اکتفا کیا جو ہر مسلمان کے دل میں موجود ہے خصوصاً جبکہ آپ ﷺ کے ساتھ تو سل کیا جا رہا ہے)

اگلے جس مقام کا حوالہ انھوں نے دیا ہے کہ یہ روایت 'الصَّلَاةُ عَلَيْهِ عِنْدَ الْحَاجَةِ تَعْرِضُ' کے تحت آرہی ہے وہاں روایت نقل کر کے لکھا

أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّلَائِلِ وَهُوَ مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ
أَمَامَةَ عَنْ عَمِّهِ عُمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ كَمَا صَرَّحَ بِهِ
الْبَيْهَقِيُّ أَيْضًا وَكَذَا النُّبَيْرِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ
وَالْتِّرَمِذِيُّ - وَقَالَ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، أَحْمَدُ
وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَالْحَاكِمُ - وَقَالَ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِهَا،
وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّلَائِلِ كُلُّهُمْ مِنْ طَرِيقِ عَمَّارَةَ (۲)

(اسے بیہقی نے دلائل میں نقل کیا ہے اور یہ حضرت ابو امامہ نے اپنے چچا حضرت عثمان بن حنیف سے روایت کیا جسے بیہقی نے تصریح کی اس طرح نمیری، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے کہا یہ حسن صحیح غریب ہے، امام احمد، ابن خزیمہ اور حاکم نے نقل کی اور کہا یہ بخاری و مسلم کی شرائط پر صحیح ہے اور بیہقی نے دلائل میں، ان تمام نے اسے عمارہ کے طریق سے بیان کیا)

(۱) القول البدیع، ۲۰۶

(۲) القول البدیع، ۲۳۲، ۲۳۵

پھر اس کے مختلف الفاظ نقل کر کے امام ابن ابی الدنیا کی کتاب ”ہجابی الدعوة“ کے حوالہ سے امام ابن ابجر کا واقعہ نقل کیا

۱۲۔ امام ابو ذکریا یحییٰ بن شرف نووی (ت، ۶۷۶) نے ’باب اذکار صلاة

الحاجة، کے تحت اسے امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کیا اور لکھا

قَالَ التِّرْمِذِيُّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ (۱)

(یہ حدیث حسن صحیح ہے)

۱۳۔ امام محمد بن جزری (ت، ۸۳۳) نے امام ترمذی سے نسائی، حاکم اور ابن ماجہ

کے حوالہ سے دعاء حاجت یوں نقل کی

وَمَنْ كَانَتْ لَهُ ضُرُورَةٌ فَلْيَتَوَضَّأْ فَيُحْسِنُ وُضُوئَهُ

وَيُصَلِّي رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ يَدْعُو اللَّهَ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ

إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ

بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ (۲)

(جسے حاجت پیش آئے وہ وضو کرے اور چھپی طرح کرے دو رکعات

نماز ادا کرے پھر یہ دعا کرنے اے اللہ، میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری

بارگاہ اقدس میں تیرے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے متوجہ ہوں، اے محمد

میں اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو وسیلہ بناتا ہوں)

دواہم باتیں

سابقہ گفتگو سے دواہم ترین باتیں سامنے آگئی

۱۔ یہ حدیث، یا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي، معتبر و مشہور کتب میں موجود ہے

مثلاً مسند احمد، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک

۲۔ اس کے صحیح ہونے پر بھی تمام حفاظ حدیث اذرا آئمہ کا اتفاق ہے اس میں کسی کا

بھی اختلاف نہیں

(۱) الاذکار، ۲۱۶

(۲) المحسن الحصین، ۱۲۲

پندرہ حفاظ حدیث کی مہر تصدیق

شیخ محمد زاہد الکوثری (ت، ۱۳۷۱) رقمطراز ہیں کہ اس روایت کو پندرہ حفاظ حدیث نے صحیح قرار دیا ہے، لکھتے ہیں۔

وَهَذَا الْحَدِيثُ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِي تَارِيخِهِ الْكَبِيرِ
وَالْتِّرْمِذِيُّ فِي أَوَاخِرِ الدَّعَوَاتِ مِنْ جَامِعِهِ وَابْنُ
مَاجَةَ فِي صَلَاةِ الْحَاجَةِ مِنْ سُنَنِهِ وَفِيهِ نَصٌّ عَلَى
صِحَّتِهِ وَالنِّسَائِيُّ فِي عَمَلِ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ وَأَبُو نَعِيمٍ فِي
مَعْرِفَةِ الصِّحَابَةِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النَّبُوَّةِ وَغَيْرُ
هُمْ عَلَى اخْتِلَافٍ يَسِيرٍ فِي غَيْرِ الْمَوْضِعِ الْإِسْتِشْهَادِ
وَصَحَّحَهُ جَمَاعَةٌ مِنَ الْحَفَّاظِ يُقَارِبُ عَدْدَهُمْ خَمْسَةَ
عَشَرَ حَافِظًا فَمِنْهُمْ سِوَى الْمُتَأَخِّرِينَ التِّرْمِذِيُّ
وَابْنُ حَبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَالطَّبْرَانِيُّ وَأَبُو نَعِيمٍ وَالْبَيْهَقِيُّ
وَالْمُنْذِرِيُّ (۱)

(اس حدیث کو امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ترمذی نے اپنی جامع کے باب الدعوات کے آخر میں، ابن ماجہ نے سنن کے باب صلاة الحاجة میں اور اس میں اس کی صحت کی تصریح بھی ہے، نسائی نے ”عمل اليوم والليلة“ میں ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ، بیہقی نے دلائل النبوة اور دیگر نے مقام تائید کے علاوہ میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے اور اسے ایک پوری جماعت تقریباً پندرہ حفاظ حدیث نے صحیح قرار دیا ہے ان میں متاخرین کے علاوہ یہ لوگ بھی شامل ہیں امام ترمذی، ابن حبان، حاکم، طبرانی، ابو نعیم، بیہقی اور منذری رحمہم اللہ تعالیٰ)

فصل:

روایت پر اعتراضات کا جواب

کچھ لوگوں نے اس پر اعتراضات اٹھائے ہیں ان کا جواب بھی ملاحظہ کر لیجئے

پہلا اعتراض:

امام ترمذی نے راوی حدیث ابو جعفر کے بارے میں لکھا **وَهُوَ غَيْرُ الْمُخَطَّبِي** (کہ یہ خطمی کے علاوہ کوئی اور ہے) اعتراض یہ ہے کہ یہ راوی مجہول ہے اور مجہول کی روایت ضعیف ہوتی ہے

جواب:

یہ بات باطل و مردود ہے کیونکہ امام طبرانی، امام ابن ابی خيثمة، امام حاکم اور بیہقی نے صراحتاً لکھا ہے کہ یہ ابو جعفر خطمی مدنی ہی ہیں حتیٰ کہ شیخ ابن تیمیہ نے بھی کہا ہے کہ ان کا خطمی ہونا ہی صواب و درست ہے۔

کچھ حوالہ جات ملاحظہ کر لیجئے

۱۔ امام ابن السنی (ت، ۳۶۴) نے سند یوں بیان کی ہے

قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِي جَعْفَرِ

الْمَدَنِيِّ وَهُوَ الْخَطْبِيُّ عَنْ أَبِي أَمَامَةَ (۱)

۲۔ امام ابن ماجہ کے الفاظ سند یوں ہیں

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَةُ عَنْ أَبِي

(۱) عمل الیوم والليلة، حدیث ۳۳۲

جَعْفَرُ الْمَدَنِيِّ عَنْ عَمَارَةَ (۱)

۳۔ امام حاکم نے اس کی ایک سندان الفاظ میں بیان کی ہے

وَمِنْ طَرِيقِ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدِ الْحَبِطِيِّ كِلَاهِمَا عَنْ
رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِي جَعْفَرِ الْمَدَنِيِّ وَهُوَ الْخَطْبِيُّ
عَنْ أَبِي أَمَامَةَ (۲)

۴۔ امام احمد ابن ابی خيثمه نے سند یوں ذکر کی ہے

حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ أَبِرْهَيْمٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ أَنَا
أَبُو جَعْفَرِ الْخَطْبِيِّ عَنْ عَمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ عَنْ عُثْمَانَ
بْنِ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۳)

۵۔ خود شیخ احمد بن تیمیہ کے یہ الفاظ ہیں کہ ترمذی میں اگرچہ غیر خطمی ہے مگر

وَسَائِرُ الْعُلَمَاءِ قَالُوا هُوَ جَعْفَرُ الْخَطْبِيُّ وَهُوَ
الصَّوَابُ (۴)

(باقی علماء نے کہا یہ جعفر خطمی ہیں اور یہی درست ہے)

۶۔ اس مسئلہ پر شیخ محمد اقبال قریشی دیوبندی کی یہ تحریر بھی قابل توجہ ہے۔

ازالہ شبہ:

مولانا غلام اللہ خان صاحب خطیب راولپنڈی نے اپنی تفسیر جواہر القرآن میں
وسیلہ کی احادیث پر جرح کر کے ان کو غیر مستند قرار دینے اور منکرین وسیلہ کی طرف سے
حق وکالت ادا کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابو جعفر کے
بارے میں بھی ان کی یہی کوشش ہے کہ وہ کذاب و وضاع ثابت ہوں۔ چنانچہ وہ لکھتے
ہیں کہ ان حوالوں سے معلوم ہو گیا کہ:

(۱) سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۳۸۵

(۲) المستدرک، ۱، ۷۰۸

(۳) تاریخ ابن ابی خيثمه، ---

(۴) مجموعۃ الفتاویٰ، ۱، ۱۹۰

ائمہ جرح و تعدیل نے ابو جعفر کو کذاب و وضاع قرار دیا ہے لہذا حاکم کا

اس حدیث کو صحیح کہنا غلط اور اس کی تساہل مشہور سے ناشی ہے۔ (۱)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کی تصحیح میں حاکم متفرد نہیں ہیں بلکہ علامہ ذہبی

اور علامہ طبرانی معجم صغیر صفحہ ۱۰۴ اور امام ابو بکر احمد بن محمد المعروف بابن السنی الدینوری

اپنی کتاب (عمل الیوم واللیلہ، ص ۲۰۲) نے بھی اس راوی کو ابو جعفر الخطمی قرار دے کر

اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ اس خطمی ثقہ ہے امام ابن معین، امام نسائی، امام ابن حبان

اور طبرانی وغیرہ نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ (۲)

علامہ خفاجی فرماتے ہیں:

وَهُوَ الْحَدِيثُ مُسْنَدٌ صَحِيحٌ (۳)

(یہ حدیث مسند اور صحیح ہے)

مگر مولانا موصوف نے اس کو غیر خطمی قرار دے کر اور پھر اس کو ائمہ جرح و

تعدیل کے حوالوں سے مجروح گردان کر حدیث کو موضوع قرار دینے کی متعدد بار کوشش

کی ہے۔ اگر مولانا حدیث کی دوسری کتابوں کی طرف مراجعت نہیں کر سکتے تھے اور امام

ترمذی کی ”مِنْ حَدِيثِ أَبِي جَعْفَرٍ وَهُوَ غَيْرُ الْخَطْمِيِّ“ (۴) فرمانے سے انہوں

نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ ابو جعفر غیر الخطمی ہے تو کم سے کم سامنے کی عبارت پر غور کر لیا ہوتا کہ

امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح فرما رہے ہیں تو کیا امام ترمذی کسی کذاب و وضاع راوی

کی حدیث کو حسن صحیح کا درجہ دے رہے ہیں؟ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ راوی

امام ترمذی کے نزدیک بھی اگرچہ غیر الخطمی ہو مگر وہ وضاع و کذاب نہیں ہے۔ (ترمذی شریف

طبع مصر، ج ۲، ص ۷۷۲) میں غیر الخطمی کی جگہ ”وہو الخطمی“ کے الفاظ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ

ترمذی کے بعض نسخوں میں کتابت کی غلطی ہے۔ غیر کا لفظ زیادہ لکھا گیا۔

(تسکین الصدور، از سرفراز گلکھروی ص ۲۳) واللہ اعلم (۵)

(۲) تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۱۵۱

(۱) جواہر القرآن، ج ۲، ص ۶۳۵

(۳) نسیم الریاض، ج ۳، ص ۱۱۴

(۴) ج ۲، ص ۱۹۷

(۵) مجموعہ رسائل توسل: ص ۹۴ تا ۹۵

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ترمذی میں سہو کاتب ہے اور درست خطمی ہی ہے اور یہ

ثقہ اور معروف راوی ہے نہ کہ مجہول

دوسرا اعتراض:

رسول اللہ ﷺ نے اس نابینا صحابی کے لئے دعا کی تھی تو یہ بصورت دعا تو مسل ہے جو ہم بھی مانتے ہیں لیکن یہ ذات کے ساتھ تو مسل واستغاثہ نہیں حالانکہ تم اسے ثابت کر رہے تھے اور وہ اس سے ثابت نہیں۔

جواب: دعا نہیں استغاثہ و وسیلہ:

یہ اعتراض اس لئے مردود و باطل ہے کہ ایسے دیگر مواقع پر رسول اللہ ﷺ کا دعا فرمانا ثابت ہے مگر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس مقام پر رسول اللہ ﷺ کے دعا فرمانے کا ذکر ہرگز نہیں کیا بلکہ ان کے الفاظ ہیں کہ اس نابینا صحابی نے آپ ﷺ کی تعلیم کے مطابق عمل کیا

فَوَاللَّهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَلَا طَالَ بِنَا الْحَدِيثُ حَتَّى دَخَلَ

الرَّجُلُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضُرٌّ

(اللہ کی قسم ابھی ہم جدا نہ ہوئے اور نہ مجلس طویل ہوئی کہ وہ آدمی آگیا گویا

انہیں کبھی تکلیف ہوئی ہی نہیں)

اس لئے محدثین مثلاً امام بیہقی نے عنوان یہ قائم کیا

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيهِ الضَّرِيرِ مَا كَانَ فِيهِ شِفَاؤُهُ

حِينَ لَمْ يَصْبِرْ (۱)

(اس میں باب کہ رسول اللہ ﷺ نے نابینا کو ایسی تعلیم دی جس سے

اسے شفاء مل جائے جبکہ وہ تکلیف پر صبر نہ کر سکے)

تو دیگر مواقع کے خلاف یہاں آپ ﷺ نے خود دعا فرمانے کے بجائے اس

صحابی کو نماز و دعا کی تعلیم دی تاکہ تاقیامت امت کو اپنی حاجت روائی کے لئے ایک اور

اہم ذریعہ بھی حاصل ہو جائے اور یہ فقط طالب دعا کے ساتھ خاص نہ رہے

عظیم محدث امام عبد اللہ الصدیق غماری (ت، ۱۳۱۳) نے بھی یہی دلیل یوں

بیان کی علاوہ ازیں

فَقَدْ دَعَا ﷺ لِأَناسٍ كَثِيرِينَ طَلَبُوا مِنْهُ الدُّعَاءَ فِي
عِدَّةٍ مُنَاسِبَاتٍ وَلَمْ يُرْشِدْهُمْ إِلَى مَا أُرْشَدَ إِلَيْهِ
هَذَا الضَّرِيرُ مِنَ الصَّلَاةِ وَالدُّعَاءِ فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ أَرَادَ
فِي حَدِيثِ الضَّرِيرِ تَشْرِيعًا جَدِيدًا يَكُونُ عَامًّا لِسَائِرِ
النَّاسِ وَلَا يَخْتَصُّ بِالْمَدْعُو لَهُ فَقَطْ (۱)

(متعدد لوگوں نے مختلف مقامات پر آپ ﷺ سے دعا کے لئے عرض کیا
تو آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور کسی کو بھی یہ تعلیم نہیں دی جو
نماز و دعا کی صورت میں اس نابینا صحابی کو دی تو آپ ﷺ کا یہ عمل
نشان دہی کر رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث نابینا کے ذریعے ایک
نئے شرعی ضابطے کو بیان کیا جو تمام لوگوں کے لئے عام ہے اور اسے
طالب دعا کے ساتھ ہی مخصوص نہیں رہنے دیا)

علامہ حمد اللہ داجوی اسی سوال کا جواب یوں دیتے ہیں،

لَوْ كَانَ التَّوَسُّلُ بِمَجَرِّدِ الدُّعَاءِ لَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ ﷺ
وَالْحَالُ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَمْرَةٌ بِالْوُضُوءِ
وَقَالَ لَهُ قُلُ اللَّهُمَّ فَعَلِمَ أَنَّ الْمَقْصُودَ تَعْلِيمُ
الدُّعَاءِ مَعَ بَعْضِ آدَابِهِ وَهُوَ التَّوَسُّلُ (۲)

(اگر محض دعا سے توسل ہوتا تو نبی ﷺ ان کے لئے دعا فرما دیتے حالانکہ
آپ ﷺ نے انھیں وضو کا کہا اور فرمایا یوں دعا کرو تو معلوم ہوا یہاں
مقصود کچھ آداب کے ساتھ تعلیم دعا ہے اور وہ توسل ہی ہے)

الغرض اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات اقدس سے استغاثہ اور توسل

کی تعلیم دی تاکہ تاقیامت امت اس سے مستفیض ہوتی رہے۔

سوال: یہاں کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا تھا

إِنْ شِئْتَ صَبْرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ

(اگر ہو سکے تو صبر سے کام لو تو تمہارے لئے یہ بہتر رہے گا اور اگر چاہو تو
میں دعا کرتا ہوں)

ان الفاظ کی دلالت اس پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تھی

جواب: دعا کرنا نہیں، سکھانا مراد ہے

جب روایت میں تفصیل موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں نماز ادا کرنے
اور دعا کرنے کی تعلیم دی اور اس صحابی نے اس پر عمل کیا تو انھیں بینائی نصیب ہو گئی تو اس
سے معلوم ہو گیا کہ یہاں 'إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ' سے مراد آپ ﷺ کا دعا کرنا نہیں
بلکہ مجازی معنی دعا سکھانا مراد ہے۔

اس معنی پر تائید:

اور یہ مجازی معنی (دعا سکھانا) مراد لینا لازم ہے تاکہ اول و آخر حدیث میں موافقت
رہے اگر یہ معنی نہیں لیتے تو پھر الفاظ حدیث میں تضاد ہوگا جو شان نبوی کے خلاف ہے لہذا
یہاں 'دَعَوْتُ' کا معنی ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں دعا اور استغاثہ کی تعلیم دی جو آپ ﷺ
سے استغاثہ اور توسل کی صورت میں تھی اس لئے مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

فَأَمْرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنُ وَضُوءَهُ وَيَدْعُوا بِهَذَا الدُّعَاءِ
(آپ ﷺ نے اسے اچھی طرح وضو کا حکم دیا تو اس نے اچھی طرح وضو
کیا اور یہ دعا مانگی)

اور دوسری روایت میں

فَأَمْرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ وَأَنْ يُصَلِّيَ رَكَعَتَيْنِ وَأَنْ يَدْعُوَ
بِهَذَا الدُّعَاءِ (۱)

(آپ ﷺ نے حکم دیا وضو کرو اور دو رکعات نماز ادا کر کے اس طریقہ سے دعا کرو)

اگر رسالت مآب ﷺ نے دعا فرمائی ہوتی تو راوی حدیث صحابی حضرت عثمان
بن حنیف رضی اللہ عنہما سے ضرور نقل کرتے اور اگر آپ دوسروں کی طرح ان کے لئے بھی دعا
کرنا چاہتے تو انہیں وضو، نماز اور دعا کی تعلیم نہ دیتے کیونکہ وہ تو ان کے بغیر بھی ہو سکتی تھی اگر ہم
آپ ﷺ سے دعا مان لیں تو پھر بھی حدیث میں تخصیص و تقیید نہیں جیسے آگے آ رہا ہے۔

فصل:

ابن تیمیہ کے اعتراض کا جواب

یہاں شیخ ابن تیمیہ نے ایک اعتراض وارد کیا ہے اس کا جواب دینا بھی لازمی ہے تاکہ معاملہ خوب آشکار ہو جائے

اعتراض

آپ لوگ کہتے ہیں اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے دعا نہیں فرمائی بلکہ دعا اور وسیلہ کی تعلیم دی اگر بقول تمہارے رسول اللہ ﷺ نے دعا نہیں کی تو پھر صحابی کا یہ کہنا، اے اللہ، رسول اللہ کی سفارش و دعا میرے حق میں قبول فرما کیسے درست ہو سکتا ہے؟ شیخ ابن تیمیہ کے الفاظ ہیں کہ نابینا صحابی نے آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کی تھی

أَنَّهُ عَلَّمَ الْأَعْمَى أَنْ يَدْعُو وَأَمَرَهُ فِي الدُّعَاءِ أَنْ يَقُولَ (اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ) وَإِنَّمَا يَدْعُوا بِهَذَا الدُّعَاءِ إِذَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ دَاعِيًا شَافِعًا لَهُ (۱)

(آپ ﷺ نے اسے دعا کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا تم یوں دعا کرو (اے اللہ حضور ﷺ کی دعا میرے حق میں قبول فرما) تو انہوں نے اس لیے ان الفاظ میں دعا کی کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان کے لیے دعا سفارش کرنے والے تھے)

جواب:

اس کا اہل علم نے نہایت ہی خوبصورت جواب دیا ہے کہ یہاں مراد آپ ﷺ

کی وہ روحانی دعا و سفارش ہے جو توسل کے بعد آپ ﷺ نے اس صحابی کے لیے کی یعنی پہلے آپ ﷺ نے اسے وضو، نماز اور توسل کی تعلیم دی، جب انہوں نے آپ ﷺ سے استغاثہ کیا تو بارگاہِ الہی سے ملی ہوئی طاقت سے آپ ﷺ اس توسل سے آگاہ ہوئے اور ان کے لیے بارگاہِ الہی میں دعا و سفارش کی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اُمت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں بلکہ آپ اعمالِ اُمت پر عینی شاہد ہیں۔

اسی روحانی دعا و سفارش کے بارے میں صحابی نے بارگاہِ الہی میں عرض کیا یا اللہ

حضور ﷺ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما

اہل علم کی چند تصریحات ملاحظہ کر لیجیے

۱۔ حضرت ملا علی قاری حنفی (ت، ۱۰۱۴) اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں

يَا مُحَمَّدُ الْبِفَاتُ إِلَيْكَ وَتَضَرُّعٌ لِأَنَّهُ يَتَوَجَّهُ رُوحَهُ إِلَى
اللَّهِ تَعَالَى وَيُغْنِي السَّائِلَ عَمَّا سِوَاهُ وَعَنِ التَّوَسُّلِ
إِلَى غَيْرِ مَوْلَاهُ قَائِلًا إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ أُمِّي بِذَرِيْعَتِكَ (۱)

(اے محمد ﷺ یہ آپ ﷺ کی طرف توجہ اور آپ کی بارگاہ میں التجا و عاجزی ہے تاکہ آپ ﷺ کی روح مقدس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہو کر سائل کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہونے سے بے نیاز کر دے یہ کہتے ہوئے کہ میں آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہوں)

آگے چل کر (اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ) کے تحت لکھتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے

يَا اللَّهُ اجْعَلْهُ شَفِيعًا أَوْ لَا فاقْبَلْ شَفَاعَتَهُ ثَانِيًا لِيَتِمَّ
بِهِ الْبَقْصُودُ (۲)

(اے اللہ پہلے رسول اللہ ﷺ کو میرے حق میں شفیع بنا اور پھر ان کی شفاعت کو قبول فرما تاکہ میرا مقصد و حاجت حاصل ہو جائے)

۲۔ امام زرقانی (ت، ۱۱۲۲) نے اس بات کو ان الفاظ میں اجاگر کیا ہے

(۱) الحزب الثمینی، ۳۵۸

(۲) ایضاً، ۳۵۹

لِتُقْضَىٰ أَى لِيَقْضِيَهَا رَبُّكَ لِى شَفَاعَتَكَ سَأَلَ اللهُ
 أَوَّلًا أَنْ يَأْذَنَ لِنَبِيِّهِ ﷺ أَنْ يَشْفَعَ لِقَوْلِهِ مَنْ
 ذَالَّذِى يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ
 بِنَفْسِهَا شَفَاعَةً ثُمَّ مُقْبِلًا عَلَى رَبِّهِ أَنْ يَقْبَلَهَا فَقَالَ
 (اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِى) أَقْبَلَ شَفَاعَتَهُ قِيلَ لَمْ يَدْعُ لَهُ
 بِنَفْسِهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَخْتَرِ الصَّبْرَ مَعَ قَوْلِهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ
 فَيَجِبُ خَاطِرُهُ بِأَمْرِهِ بِالْوُضُوءِ وَأَنْ يَدْعُو بِنَفْسِهِ
 مُتَوَسِّلًا بِهِ بِهَذَا الدُّعَاءِ (۱)

(تا کہ آپ کا رب آپ کی سفارش سے میری حاجت پوری کر دے پہلے
 صحابی نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ وہ اپنے نبی ﷺ کو اذن شفاعت
 عطا کرے کیونکہ ارشاد الہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اذن کے بغیر کوئی
 شفاعت نہیں کر سکتا پھر شفاعت کے حصول کے لیے رسول اللہ ﷺ کی
 طرف متوجہ ہوئے پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف قبولیت شفاعت کے
 لیے متوجہ ہو کر عرض کیا اے اللہ! آپ ﷺ کی شفاعت میرے حق میں
 قبول فرما آپ ﷺ نے اس موقع پر خود دعا نہیں فرمائی کیونکہ انہوں نے
 صبر کی راہ نہیں اختیار کی حالانکہ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے لیے بہتر
 ہے تو آپ ﷺ نے ان کی تسلی کے لیے حکم دیا وضو کرو خود مجھے وسیلہ
 بناتے ہوئے یہ دعا کرو)

۳۔ امام احمد خفاجی (ت، ۱۰۶۹) الفاظِ روایت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں

ثُمَّ التَّفَتَ خِطَابَهُ مِنَ اللهِ تَعَالَىٰ إِلَى خِطَابِ نَبِيِّهِ ﷺ
 لِأَنَّهُ وَاسِطَةٌ فِى كُلِّ مَا يَصِلُ مِنَ الْإِحْسَانِ
 وَالْفَيْضِ الْإِلَهِيِّ (يَا مُحَمَّدُ ﷺ إِنِّى أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى
 رَبِّكَ) أَى أَتَوَسَّلُ بِكَ فِيمَا طَلَبْتَهُ بِكَ مِنَ اللهِ تَعَالَىٰ (۲)

(۱) زرقانی علی المواہب، ۱۲، ۲۲۲

(۲) نسیم الریاض، ۵، ۱۳۶

(پھر دعا میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کے ساتھ اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہوئے کیونکہ آپ کی ذات، فیض الہی اور ہر نعمت کے لیے واسطہ ہے تو کہا ”يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ“ یعنی میں اپنی حاجت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کو وسیلہ و سفارشی بناتا ہوں

۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے اس اعتراض کا جواب تفصیل سے دیا ہے ہم ان کی علمی و تحقیقی گفتگو من و عن شامل کر رہے ہیں، لکھتے ہیں

شیخ ابن تیمیہ نے یہ تو کہا ہے کہ اگر اس حدیث کی سند صحیح ہو تو اس حدیث سے وفات کے بعد وسیلہ ثابت ہے، لیکن انہوں نے اس حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اس میں کوئی ضعف نہیں نکال سکے، علاوہ ازیں امام بیہقی کی روایت بیان کرنے کے بعد انہوں نے اسی روایت کو امام طبرانی کے حوالے سے بیان کیا اور اس کا متابع بھی بیان کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ یہ دونوں سندیں صحیح ہیں، جیسا کہ ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں، لہذا جب امام طبرانی کی روایت صحیح ہے اور اس روایت کی دوسری سند بھی صحیح ہے تو شیخ ابن تیمیہ کے اپنے اقرار کے مطابق وفات کے بعد وسیلہ ثابت ہو گیا، اور یہ واضح ہو گیا کہ نبی ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا اور آپ کو یا محمد کے صیغہ سے ندا کرنا صحابہ کرام کے نزدیک جائز تھا، جب بھی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ دعا کی تلقین کی کہ ”اے محمد ﷺ میں آپ ﷺ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے“

شیخ ابن تیمیہ نے اس بحث میں جو آخری اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے حافظ ابو بکر بن خثیمہ نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے

۱۔ وَإِنْ كَانَتْ حَاجَةً فَا فَعَلْ مِثْلَ ذَلِكَ
(اگر تمہیں کوئی کام ہو تو اسی طرح کرو)

یہ حضرت عثمان بن حنیف کے الفاظ ہیں، نبی ﷺ کے الفاظ نہیں ہیں

۲۔ دوسرے راویوں کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں (جیسا کہ گزر چکا ہے) اور اگر بالفرض یہ الفاظ ثابت ہوں تب بھی یہ دلیل نہیں ہے کیونکہ اس سے زیادہ

سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا کے بعض الفاظ کافی ہیں، کیونکہ انہوں نے مشروع دعا کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ دعا کے بعض الفاظ کہنے کا حکم دیا ہے

۳۔ حضرت عثمان بن حنیف نے یہ گمان کیا کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی اس طرح (یعنی حضور کے وسیلہ سے) دعا کرنا جائز ہے، حالانکہ حدیث کے الفاظ اس کیخلاف ہیں، کیونکہ اس نابینا صحابی نے نبی ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ اس کے لیے دعا کریں اور اس کو یہ یقین تھا کہ آپ اس کے لیے دعا کریں گے اور آپ نے اس کو حکم دعا دیا تھا، کہ وہ دعا میں یہ کہے کہ ”اے اللہ حضور کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما“ اور اس طریقہ سے دعا اس وقت صحیح ہوگی جب نبی ﷺ اس کیلئے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں، اور جس کو آپ کے دعا کرنے اور آپ کے شفاعت کرنے کا علم نہیں ہے اس کا اس طریقہ سے دعا کرنا صحیح نہیں ہے، اس طریقہ سے دعا کرنا اور اور شفاعت طلب کرنا آپ کی حیات دنیاوی میں ہی درست تھا اور یا قیامت کے دن درست ہوگا جب آپ شفاعت فرمائیں گے۔

پہلے سوال کا جواب:

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کے نہ ہوں بلکہ حضرت عثمان بن حنیف ہی کے ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے میں شیخ ابن تیمیہ کی بہ نسبت صحابی رسول کی فہم اور ان کے اجتہاد پر اعتماد کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

دوسرے سوال کا جواب:

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن خیثمہ کی اس روایت سے ہمارا استدلال نہیں ہے اگر اس پر شیخ کو اعتراض ہے تو اس روایت کو ہم چھوڑ دیتے ہیں، ہمارا استدلال تو امام طبرانی کی روایت سے ہے جس کے متعلق خود شیخ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ دو صحیح سندوں سے مروی ہے:

تیسرے سوال کا جواب:

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس درخواست کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یا اس درخواست پر مطلع کر دیتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ ہماری دعا کی قبولیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کرتے ہیں اور اس میں کون سا شرعی یا عقلی استبعاد ہے؟
امام مسلم روایت کرتے ہیں

عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي
حُسْنُهَا وَسَيِّئُهَا

(حضرت ابو ذرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اچھے اور برے اعمال پیش کیے جاتے ہیں)

اس حدیث کے پیش نظر جب آپ کا کوئی امتی آپ سے دعا کی درخواست کرے گا تو آپ کو اس کا علم ہو جائے گا اور آپ اس کی شفاعت فرمائیں گے، کیونکہ آپ نے خود اپنے وسیلہ سے دعا کرنے اور دعا کی درخواست کرنے کی ہدایت دی ہے اور اس ہدایت کو عام رکھا ہے اور اس میں حیات یا بعد از وفات کی قید نہیں لگائی

اس لیے شیخ ابن تیمیہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ”اور اس طریقہ سے دعا اس وقت صحیح ہوگی جب نبی ﷺ اس کے لیے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں اور جس کو آپ کے دعا کرنے اور آپ کے شفاعت کرنے کا علم نہیں ہے اس کا اس طریقہ سے دعا کرنا صحیح نہیں ہے“ کیونکہ حیات اور ممات میں وسیلہ کے جواز اور عدم جواز کا فرق، علم کے ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے ہو سکتا تھا اور آپ کو ہر دو صورت میں علم حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام مسلمانوں کیلئے قیامت تک کے لیے حجت ہیں اور آپ کے افعال مسلمانوں کے لیے اسوہ اور نمونہ ہیں، اگر آپ کا کوئی حکم صرف آپ کی حیات مبارکہ کے ساتھ مخصوص ہو اور بعد کے لوگوں کے لیے اس کا کرنا ناجائز ہو تو آپ پر لازم ہے کہ آپ یہ بیان فرمائیں کہ یہ حکم میری زندگی کے ساتھ خاص ہے اور بعد کے لوگوں

کے لیے اس حکم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بردہ بن نیار کو ایک شش ماہ بکرے کی قربانی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا تمہارے بعد کسی کے لیے یہ عمل جائز نہیں ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں۔

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ ذَبَحَ أَبُو بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ
النَّبِيُّ ﷺ أَبَدِ لَهَا فَقَالَ لَيْسَ عِنْدِي إِلَّا جِدْعَةٌ
قَالَ شُعْبَةُ وَأَحْسِبُهُ قَالَ هِيَ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ قَالَ
إِجْعَلَهَا مَكَانَهَا وَلَنْ تُجْزِيَّ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ

(حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی، نبی ﷺ نے فرمایا اس کے بدلہ میں قربانی کرو، انہوں نے کہا میرے پاس صرف چھ ماہ کا ایک بکرا ہے جو سال کے بکرے سے فربہ ہے، آپ نے فرمایا اس کے بدلہ میں اس کی قربانی کر دو، اور تمہارے بعد کسی اور کے لیے شش ماہہ بکرے کی قربانی جائز نہیں ہوگی)

نبی ﷺ نے یہ استثناء اس لیے فرمایا کہ نبی ﷺ کے تمام اقوال اور افعال مسلمانوں کے حق میں قیامت تک کے لیے حجت ہیں، اگر آپ یہ استثناء نہ فرماتے تو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی جائز ہو جاتی

ابن تیمیہ کا اعتراض:

شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ وفات کے بعد کسی بزرگ سے دعا کی درخواست کرنا شرک کی طرف لے جاتا ہے

وَكَذَلِكَ الْأَنْبِيَاءُ وَالصَّالِحُونَ وَإِنْ كَانُوا أَحْيَاءَ فِي
قُبُورِهِمْ وَإِنْ قَدَّرَ أَنَّهُمْ يَدْعُونَ لِلْأَحْيَاءِ وَإِنْ
وَرَدَتْ بِهِ أَثَارٌ فَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَطْلُبَ مِنْهُمْ ذَلِكَ
وَلَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ أَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ لِأَنَّ ذَلِكَ ذَرِيعَةٌ
إِلَى الشِّرْكِ بِهِمْ وَعِبَادَتِهِمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ تَعَالَى

بِخِلَافِ الطَّلَبِ مِنْ أَحَدِهِمْ فِي حَيَاتِهِ فَإِنَّهُ لَا
يُفْضِي إِلَى الشِّرْكِ (۱)

(ہر چند کہ انبیاء اور صلحاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ زندوں کے لیے دعا کرتے ہیں اور بے شک اس کی تائید میں احادیث بھی ہیں، پھر بھی کسی شخص کے لئے ان سے دعا طلب کرنا جائز نہیں ہے اور پہلے لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کیا کیونکہ یہ شرک کا سبب ہے، اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کا ذریعہ ہے، اس کے برخلاف اگر ان کی زندگی میں ان سے دعا طلب کی جائے تو یہ شرک نہیں ہے)

شیخ ابن تیمیہ کا یہ قاعدہ باطل ہے کیونکہ وفات کے بعد کسی سے دعا کی درخواست کرنا شرک کا سبب ہوتا تو نبی ﷺ اس نابینا صحابی سے فرمادیتے کہ اس طریقہ سے دعا کرنا صرف میری زندگی میں جائز ہے اور میرے وصال کے بعد اس طریقہ سے دعا کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ شرک کا سبب ہے، کیونکہ آپ کی بعثت کا مقصد ہی شرک کی بیخ کنی کرنا تھا۔ اور جب نبی ﷺ نے بغیر کسی استثناء کے نابینا صحابی کو دعا کا یہ طریقہ تعلیم کیا تو معلوم ہوا کہ قیامت تک اس طریقہ سے دعا کرنا جائز ہے اور صحابی رسول حضرت عثمان بن حنیف نے اس حدیث سے یہی سمجھا تھا اسی وجہ سے انہوں نے رسول اللہ کے بعد بھی ایک شخص کو دعا کا یہ طریقہ بتلایا اور ہمارے لیے صحابی رسول کے طریقہ کی اتباع کرنا، شیخ ابن تیمیہ کے افکار کی اتباع کرنے سے بہتر ہے۔

دوسرا باب :

دورِ عثمانی اور ندائے امام محمد ﷺ

(بعد از وصال نبوی ﷺ بھی صحابہ کا آپ سے استغاثہ کرنا)

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد بھی صحابہ، رسول اللہ ﷺ کو بطور استغاثہ اور مدد پکارتے اور پریشانی کے وقت اس وظیفہ و عمل کی تعلیم دیتے

ہم یہاں ایک ایسا واقعہ ذکر کئے دیتے ہیں جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا اور اس میں صحابی رسول ﷺ نے دوسرے کو ندایا محمد ﷺ مکی تعلیم دی انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا تو ان کی حاجت پوری ہو گئی

امام سلیمان بن احمد طبرانی (ت، ۳۶۰) اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک شخص اپنے کسی کام کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور نہ اس کے کسی کام کی طرف دھیان دیتے ایک دن اس کی ملاقات مجھ سے ہوئی تو اس نے معاملہ بتایا تو میں نے اس سے کہا وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرو اور یوں دعا کرو، اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اپنے نبی رحمت محمد کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فَيَقْضِي لِي حَاجَتِي
(اے محمد میں آپ کے واسطے سے آپ کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہو

رہا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری فرمادے)

پھر اپنی حاجت کا تذکرہ کرو اور میرے پاس آؤ تاکہ میں تمہارے ساتھ جاؤں اس شخص نے جا کر میرے بتائے ہوئے طریقہ پر اس عمل کو کیا پھر وہ حضرت عثمان غنی

رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا

وَجَاءَ الْبَوَّابُ حَتَّى أَخَذَ بِيَدِهِ فَأَدْخَلَهُ عَلَى عُثْمَانَ
بْنِ عَفَّانَ فَأَجْلَسَهُ مَعَهُ عَلَى الطَّنْفَسَةِ وَقَالَ مَا
حَاجَّتُكَ؟ فَذَكَرَ حَاجَّتَهُ فَقَضَاهَا لَهُ ثُمَّ قَالَ لَهُ مَا
ذَكَرْتُ حَاجَّتَكَ حَتَّى كَانَتْ هَذِهِ السَّاعَةُ وَقَالَ مَا
كَانَتْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ فَأَتَيْنَا

(دربان نے ان کا دروازہ کھول دیا اور انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی مسند پر ساتھ بٹھایا اور پوچھا تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے اپنا کام بتایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا کام کر دیا اور فرمایا اس وقت تک مجھے آپ کا کام یاد نہ رہا جب بھی کام ہو میرے پاس آ جایا کرو)

پھر اس شخص کی ملاقات حضرت ابن حنیف رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میرے کام کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے اور نہ ہی اس معاملہ کی طرف غور کرتے تھے حتیٰ کہ تم نے ان کے ہاں میری سفارش کی۔

حضرت ابن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا، خدا کی قسم، میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے تمہاری کوئی سفارش نہیں کی ہاں ہم ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھے آپ کے پاس ایک نابینا آیا اور اس نے اپنے نابینا پن کے بارے میں عرض کی آپ ﷺ نے فرمایا صبر کر سکتے ہو اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرا کوئی معاون نہیں اور میرے لیے بڑی مشکل ہے آپ ﷺ نے فرمایا وضو خانے جاؤ، وضو کرو پھر دو رکعات نماز پڑھو پھر ان کلمات سے دعا کرو

حضرت ابن حنیف رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ابھی ہم مجلس سے الگ ہوئے نہ تھے اور نہ ہی طویل گفتگو ہوئی تھی کہ وہ نابینا شخص آ گیا کہ پہلے نابینا ہی نہ تھا امام طبرانی نے نقل کر کے لکھا

وَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ (۱) یہ حدیث صحیح ہے

امام نور الدین علی بیہقی (ت، ۷۰۸) لکھتے ہیں امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حدیث نقل کی ہے مگر واقعہ ذکر نہیں کیا البتہ امام طبرانی نے سابقہ واقعہ نقل کر کے فرمایا

وَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ (۲) یہ حدیث صحیح ہے

امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری (ت، ۶۵۶) نے بھی امام طبرانی سے اس کا صحیح ہونا نقل کیا ہے (۳)

صحت واقعہ پر اہم دلیل

پچھے تفصیل کے ساتھ آچکا ہے کہ حدیث ضریر کی صحت پر اُمت کا اتفاق واجماع ہے جب اس حدیث کی صحت مسلمہ ہے تو واقعہ کی صحت کو بھی تسلیم کرنا لازم و ضروری ہے کیونکہ جس سند کے ساتھ حدیث مروی ہے واقعہ کی سند بھی وہی ہے جب دونوں کی سند ایک ہے تو پھر ایک کو صحیح اور دوسرے کو کذب و جھوٹ قرار دینا سواہے ظلم کے کچھ نہیں

عظیم محدث شیخ عبداللہ صدیق غماری (ت، ۱۴۱۳) ایک مخالف کا یہ قول نقل کرتے ہیں

الْقِصَّةُ الَّتِي حَصَلَتْ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَنَّهَا
مَكْذُوبَةٌ

(حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور کا یہ واقعہ سراسر جھوٹ ہے)

پھر اس کا رد ان الفاظ میں کیا

إِنَّ تَكْذِيبَ الْمُتَنَطِّعِ لِلْقِصَّةِ الْمَذْكُورَةِ يَتَنَافِي مَعَ
قَوْلِهِ سَابِقًا أَنَّ التِّرْمِذِيَّ قَالَ الْحَدِيثُ حَسَنٌ وَ
ذَلِكَ لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ الْحَدِيثُ حَسَنًا فَيَجِبُ أَنْ يَكُونَ
الْقِصَّةُ كَذَلِكَ لِأَنَّهَا مَرْوِيَّةٌ بِإِسْنَادِ الْحَدِيثِ بِنَفْسِهِ
وَمَا أَوْقَعَ الْمُتَنَطِّعَ فِي هَذَا التَّنَافِي إِلَّا جَهْلُهُ وَعَدَمُ

(۱) المعجم الصغير، ۱، ۱۸۳

(۲) مجمع الزوائد، ۱۰، ۵۶۵

(۳) الترغيب والترهيب، ۱، ۴۷۴

إِطْلَاعِهِ (۱)

(اس متعصب کا مذکورہ واقعہ کو جھوٹا قرار دینا اس کے سابق اس قول کے منافی ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا یہ اس لئے کہ جب حدیث حسن ہے تو اس واقعہ کا بھی حسن ہونا لازم ہوگا کیونکہ یہ حدیث کی اسی سند سے مروی ہے تو ضدی اپنے عدم مطالعہ اور جہالت کی وجہ سے اس منافات میں پڑ گیا)

دو سوالات کا جواب:

مخالفین کی طرف سے یہاں دو سوالات کیے جاتے ہیں ہم ان کا جواب بھی عرض کیے دیتے ہیں۔

پہلا سوال:

اس واقعہ کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ طعن لازم آتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کا خیال نہیں رکھتے تھے، لوگ ان کے پاس حاجات کے لیے آتے مگر وہ متوجہ ہی نہ ہوتے تو یہ خلیفہ راشد کی شان کے خلاف ہے، شیخ غماری نے یہ اعتراض یوں نقل کیا

۱- هَذِهِ الزِّيَادَةُ كُلُّهَا مَكْذُوبَةٌ يُكْذِبُهَا مِنْ أَسَاسِهَا أَنَّ
عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ لَوْ فَعَلَ ذَلِكَ مَعَ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ
لَكَانَ ظَالِمًا

(یہ واقعہ اور اضافہ سرے سے ہی جھوٹ ہے کیونکہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کسی کے ساتھ ایسا کریں گے تو وہ ظالم قرار پائیں گے

۲- وَقَدْ خَلَّتْ مِنْهَا كُتُبُ السُّنَّةِ كُلُّهَا

(اور اس واقعہ سے تمام کتب حدیث و سنت خالی ہیں)

جواب:

شیخ موصوف نے معترض کی دونوں باتوں کا جواب یہ دیا کہ پہلی بات کا جواب

واقعہ کے آخری الفاظ ہیں کہ میں تمہاری حاجت و کام بھول گیا تھا آج مجھے یاد آیا۔ الفاظ یہ ہیں۔

مَا ذَكَرْتُ حَاجَتَكَ حَتَّى كَانَتْ هَذِهِ السَّاعَةُ (۱)

(مجھے آپ کی حاجت یاد نہیں رہی یہاں تک کہ یہ وقت آ گیا)

اور نسیان و بھول جانے میں کوئی گرفت و پکڑ نہیں

دوسرا اعتراض کہ یہ کہنا کہ اس واقعہ سے کتب سنت خالی ہیں یہ سراسر اس کی جہالت اور مطالعہ کی کمی ہے اس لیے کہ یہ واقعہ متعدد کتب حدیث میں موجود ہے ان کتب کا حوالہ اوپر گزرا ہے، بعض کتب حدیث کے نام یہ ہیں۔

۱۔ المعجم الصغير للطبرانی ۲۔ دلائل النبوة للبيهقي ۳۔ الترغيب والترهيب للمنزري
۴۔ مجمع الزوائد للهيثمی ۵۔ المستدرک للحاکم ۶۔ مسند احمد

دوسرا سوال۔ روایت طبرانی اور دیگر کی روایات میں تعارض:

کچھ کم علم لوگ یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ صحیح ترمذی کی روایت اور طبرانی کی روایت میں تعارض ہے وہ یوں کہ ترمذی وغیرہ کی روایت میں اس واقعہ کا تذکرہ نہیں حالانکہ طبرانی میں ہے۔

جواب:

اسے تعارض نہیں کہا جا سکتا کیونکہ محدثین کا یہ مسلمہ طریقہ ہے کہ آئمہ اختصار کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور بعض تفصیل کے ساتھ روایت کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایک ہی حدیث کو اپنی کتاب کے ایک باب میں اجمالاً جبکہ دوسرے باب میں اسی حدیث کو تفصیلاً ذکر کر دیتے ہیں اس کی بکثرت مثالیں بخاری میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔

عظیم محقق علامہ غلام رسول سعیدی اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں

کہ ایک حدیث کو بعض آئمہ اختصار کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور بعض آئمہ تفصیل کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ اعتراض کا محل یہ تھا کہ اس روایت کی سند صحیح نہ

ہوتی یا ضعیف ہوتی اور جب شیخ ابن تیمیہ نے خود بیان کیا کہ طبرانی کی مفصل روایت دو صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے تو پھر اعتراض کی کیا گنجائش ہے شیخ ابن تیمیہ کی اصل عبارت یہ ہے

قَالَ الطَّبْرَانِيُّ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ شَيْبَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ وَاسْمُهُ عُمَرُ بْنُ أَبِي يَزِيدَ وَهُوَ ثِقَّةٌ تَفَرَّدَ بِهِ عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ عَنْ شُعْبَةَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْمُقَدَّسِيُّ وَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ قُلْتُ وَالطَّبْرَانِيُّ ذَكَرَ تَفَرُّدَهُ بِمَبْلَغٍ عَلَيْهِ وَلَمْ يَبْلُغْهُ رِوَايَةُ رَوْحِ بْنِ عَبَادَةَ عَنْ شُعْبَةَ وَذَلِكَ إِسْنَادٌ صَحِيحٌ يُبَيِّنُ أَنَّهُ لَمْ يَنْفَرِدْ بِهِ عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ (۱)

(طبرانی نے کہا اس حدیث کو شیبہ نے ابو جعفر سے روایت کیا اور اس کا نام عمر بن ابی یزید ہے اور وہ ثقہ ہے، عثمان بن عمر شعبہ سے اس روایت میں متفرد ہے۔ ابو عبد اللہ مقدسی نے کہا حدیث صحیح ہے، میں کہتا ہوں امام طبرانی نے اپنے مطالعہ کے اعتبار سے عثمان بن عمر کو متفرد قرار دیا انھیں معلوم نہیں کہ روح بن عبادہ نے بھی شعبہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور یہ اسناد صحیح ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ عثمان بن عمر روایت کرنے میں متفرد نہیں)

فصل:

واقعة پر اعتراضات کا ازالہ

ہم یہاں امام عبد اللہ صدیق غماری (ت، ۱۴۱۳) کی وہ قیمتی گفتگو نقل کیے دیتے ہیں جو انہوں نے البانی کا رد کرتے ہوئے تحریر کی ہے اس سے اس روایت و واقعہ پر وارد اعتراضات کا از خود ازالہ بھی ہو جاتا ہے، لکھتے ہیں

صَحَّحَهُ الطَّبْرَانِيُّ، وَ تَعَقَّبَهُ حَمْدِيُّ السَّلْفِيِّ بِقَوْلِهِ :
لَا شَكَّ فِي صِحَّةِ الْحَدِيثِ الْمَرْفُوعِ، وَإِنَّمَا الشَّكُّ فِي
هَذِهِ الْقِصَّةِ الَّتِي يُسْتَدَلُّ بِهَا عَلَى التَّوَسُّلِ
الْمُبْتَدَعِ، وَهِيَ أَنْفَرَدَ بِهَا شَيْبٌ كَمَا قَالَ الطَّبْرَانِيُّ،
وَشَيْبٌ لَا بَأْسَ بِحَدِيثِهِ بِشَرِّ طَيْبٍ أَنْ يَكُونَ مِنْ
رِوَايَةِ ابْنِهِ أَحْمَدَ عَنْهُ، وَأَنْ يَكُونَ مِنْ رِوَايَةِ
شَيْبٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ - وَالْحَدِيثُ رِوَاةٌ عَنْ
شَيْبٍ ابْنِ وَهْبٍ وَوَلَدَاهُ إِسْمَاعِيلُ وَأَحْمَدُ، وَقَدْ
تَكَلَّمَ الثَّقَاتُ فِي رِوَايَةِ ابْنِ وَهْبٍ عَنْ شَيْبٍ،
وَإِبْنِ إِسْمَاعِيلَ لَا يُعْرَفُ، وَأَحْمَدُ وَإِنْ رَوَى
الْقِصَّةَ عَنْ أَبِيهِ إِلَّا أَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ طَرِيقِ يُونُسَ
بْنِ يَزِيدَ، ثُمَّ اخْتَلَفَ فِيهَا عَنْ أَحْمَدَ، فَرَوَاهُ ابْنُ
السَّنَنِ فِي عَمَلِ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ وَالْحَاكِمُ مِنْ ثَلَاثَةِ
طُرُقٍ بِدُونِ ذِكْرِ الْقِصَّةِ، وَرَوَاهُ الْحَاكِمُ مِنْ طَرِيقِ
عَوْنِ بْنِ عَمَّارَةَ الْبَصْرِيِّ عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ بِهِ،

قَالَ شَيْخُنَا مُحَمَّدٌ نَاصِرُ الدِّينِ الأَلْبَانِي: وَعَوْنٌ هَذَا
وَإِنْ كَانَ ضَعِيفًا فَرِوَايَتُهُ أَوْلَى مِنْ رِوَايَةِ شَبِيبٍ
لِيُؤَافِقَتِهَا لِرِوَايَةِ شُعْبَةَ وَحَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي
جَعْفَرِ الخَطْمِيِّ -

(امام طبرانی نے اس حدیث اور واقعہ کو صحیح قرار دیا، حمدی سلفی نے امام
طبرانی کا ان الفاظ کے ساتھ تعاقب ورد کیا۔ حدیث مرفوع کی صحت میں
تو کوئی شک نہیں، شک تو اس قصہ میں ہے جس سے ایسے توسل پر استدلال
کیا جاتا ہے جو بدعت ہے اور اس قصہ کو اکیلے شبیب نے روایت کیا ہے
جیسا کہ طبرانی نے کہا، شبیب کی حدیث میں دو شرائط کے ساتھ کوئی حرج
نہیں ایک تو یہ کہ اس کا بیٹا احمد اس سے روایت کرے۔ دوسرا کہ شبیب
یونس بن یزید سے روایت کرے۔ اور اس حدیث کو شبیب سے ابن
وہب اور اس کے دونوں بیٹوں اسماعیل اور احمد نے روایت کیا ہے اور
روایت ابن وہب عن شبیب کے بارے میں ثقہ محدثین نے کلام کیا ہے
اور اس کا بیٹا اسماعیل غیر معروف ہے اور احمد نے یہ قصہ اگرچہ باپ سے
روایت کیا مگر یہ یونس بن یزید کے طریق سے نہیں ہے پھر احمد سے
روایت میں مختلف طرق ہیں اسے ابن سنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں اور
حاکم نے تین طریقوں سے اس قصہ کے ذکر کے بغیر روایت فرمایا اور حاکم
نے اس کو عون بن عمار البصری عن روح بن القاسم سے اس قصہ کے
ساتھ روایت فرمایا، ہمارے شیخ ناصر الدین البانی نے بیان کیا کہ یہ عون
اگرچہ ضعیف ہے مگر اس کی روایت شبیب کی روایت پر مقدم ہے کیونکہ یہ
شعبہ اور حماد بن سلمہ عن ابی جعفر الخطمی کی روایت کے موافق ہے)

واقعہ کی سند صحیح ہے:

اس کارڈ کرتے ہوئے شیخ غماری نے لکھا

مذکورہ کلام میں تدلیس، جھوٹ اور تحریف ہے جس کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں

(اولاً) پہلی بات یہ ہے۔ هَذِهِ الْقِصَّةُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي

دَلَائِلِ النَّبُوَّةِ مِنْ طَرِيقِ يَعْقُوبَ بْنِ سُفْيَانَ
 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ شَيْبٍ بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ
 رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِي جَعْفَرِ الْخَطْبِيِّ عَنْ أَبِي أَمَامَةَ
 بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنْ عُمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ رَجُلًا
 كَانَ يَخْتَلِفُ إِلَى عُمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ،
 فَذَكَرَ الْقِصَّةَ بِتَمَامِهَا - وَيَعْقُوبُ بْنُ سُفْيَانَ هُوَ الْفَسَوِيُّ
 الْحَافِظُ الْإِمَامُ الثَّقَةُ، بَلْ هُوَ فَوْقَ الثَّقَةِ، وَهَذَا
 إِسْنَادٌ صَحِيحٌ فَالْقِصَّةُ صَحِيحَةٌ جِدًّا وَقَدْ وَافَقَ عَلَى
 تَصْحِيحِهَا أَيْضًا الْحَافِظُ الْمُنْذِرِيُّ فِي التَّرْغِيبِ
 وَالْحَافِظُ الْهَيْثَمِيُّ فِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ (٢٠٦، ٢٤٩، ٢٠٦)

(اس واقعہ کو امام بیہقی نے دلائل النبوة میں اس سند (یعقوب بن سفیان بن
 حدیثنا احمد بن شیبہ بن سعید حدیثنا ابی عن روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطیبی
 عن ابی امامہ بن سہل بن حنیف عن عمہ عثمان بن حنیف) سے روایت کیا
 ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آتا جاتا تھا پھر پورا
 واقعہ ذکر کیا، یعقوب بن سفیان فسوی حافظ حدیث امام ثقہ بلکہ ثقہ سے
 بھی بلند ہے اور یہ سند بالکل صحیح ہے اور حافظ منذری نے بھی ترغیب میں
 (ج ٢ ص ٦٠٦ اور حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد ٢ ص ٢٤٩) سے صحیح
 قرار دینے میں ان کی موافقت کی ہے)

باپ بیٹا دونوں ثقہ ہیں:

(ثانیا) دوسری بات یہ ہے

أَحْمَدُ بْنُ شَيْبٍ مِنْ رِجَالِ الْبُخَارِيِّ، رَوَى عَنْهُ فِي
 الصَّحِيحِ وَفِي الْأَدَبِ الْمُبْرَدِ - وَثَقَّهُ أَبُو زُرْعَةَ وَأَبُو
 حَاتِمٍ وَالنِّسَائِيُّ وَالذَّهَبِيُّ وَالذَّارِقُطْنِيُّ وَالطَّبْرَانِيُّ فِي
 الْأَوْسَطِ - قَالَ أَبُو حَاتِمٍ: كَانَ عِنْدَهُ كُتُبُ يُونُسَ

بْنِ زَيْدٍ، وَهُوَ صَاحِبُ الْحَدِيثِ لَا بَأْسَ بِهِ، وَقَالَ ابْنُ
عَدِيٍّ: وَلِشَيْبٍ نُسْخَةُ الزُّهْرِيِّ عِنْدَهُ عَنْ يُونُسَ
عَنِ الزُّهْرِيِّ أَحَادِيثٌ مُسْتَقْبِيَةٌ - وَقَالَ ابْنُ
الْمَدِينِيِّ: ثِقَةٌ كَانَ يَخْتَلِفُ فِي تِجَارَةٍ إِلَى مِصْرَ
وَكِتَابُهُ كِتَابٌ صَحِيحٌ، هَذَا مَا يَتَعَلَّقُ بِتَوْثِيقِ
شَيْبٍ، وَلَيْسَ فِيهِ إِشْتِرَاطٌ صِحَّةٍ رِوَايَتِهِ بِأَنَّ
تَكُونَ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ، بَلْ صَرَخَ ابْنُ الْمَدِينِيِّ
بِأَنَّهُ كِتَابُهُ صَحِيحٌ - وَابْنُ عَدِيٍّ إِنَّمَا تَكَلَّمَ عَلَى
نُسْخَةِ الزُّهْرِيِّ عَنْ شَيْبٍ فَقَطْ، وَلَمْ يَقْصُدْ جَمِيعَ
رِوَايَاتِهِ، فَمَا ادَّعَاهُ الْأَلْبَانِيُّ تَدْلِيلًا وَخِيَانَةً -
يُؤَكِّدُ ذَلِكَ أَنَّ حَدِيثَ الضَّرِيرِ صَحَّحَهُ الْحَفَاطُ وَلَمْ
يَرْوِهِ شَيْبٌ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَإِنَّمَا رَوَاهُ
عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ، وَدَعَوَاهُ ضَعْفُ الْقِصَّةِ
بِالِاخْتِلَافِ فِيهَا حَيْثُ لَمْ يَذْكُرْهَا بَعْضُ الرُّوَاةِ
عِنْدَ ابْنِ السَّنِيِّ وَالْحَاكِمِ، لَوْ أَنَّ آخَرَ مِنَ التَّدْلِيلِ
لِأَنَّ مِنَ الْمَعْلُومِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ بَعْضَ الرُّوَاةِ
يَرْوِي الْحَدِيثَ وَمَا يَتَّصِلُ بِهِ كَامِلًا، وَبَعْضُهُمْ
يَخْتَصِرُ مِنْهُ بِحَسَبِ الْحَاجَةِ - وَالْبُخَارِيُّ يَفْعَلُ هَذَا
أَيْضًا، فَكَثِيرًا مَا يَذْكُرُ الْحَدِيثَ مُخْتَصِرًا أَوْ يُوْجِدُ
عِنْدَ غَيْرِهِ تَامًا - وَالَّذِي ذَكَرَ الْقِصَّةَ فِي رِوَايَةِ
الْبَهَيْقِيِّ إِمَامٌ قَدْ يَقُولُ عَنْهُ أَبُو زُرْعَةَ الدِّمَشْقِيُّ:
قَدِمَ عَلَيْنَا رَجُلَانِ مِنْ نُبَلَاءِ النَّاسِ أَحَدُهُمَا
وَأَرْحَلُهُمَا يَعْقُوبُ بْنُ سُفْيَانَ يَعْبِزُ أَهْلَ الْعِرَاقِ
أَنْ يَرَوْا مِثْلَهُ رَجُلًا (1)

(احمد بن شیبہ رجال بخاری میں سے ہے۔ امام بخاری اپنی صحیح اور ادب المفرد میں اس سے روایت کرتے ہیں۔ حافظ ابو زرعہ عراقی اور ابو حاتم، امام نسائی، ذہبی، امام دارقطنی اور طبرانی نے اوسط میں اسے ثقہ قرار دیا ہے، امام ابو حاتم کہتے ہیں اس کے پاس یونس بن یزید کی کتب ہیں وہ صالح الحدیث ہیں اس سے نقل حدیث میں کوئی حرج نہیں، ابن عدی کہتے ہیں کہ شیبہ کے پاس زہری کا نسخہ ہے اور اس کے پاس یونس عن الزہری سے مروی صحیح احادیث ہیں۔ ابن مدینی کہتے ہیں کہ یہ ثقہ ہے وہ تجارت کی غرض سے مصر آتا جاتا رہتا ہے اور اس کی کتاب، کتاب ثقہ ہے، یہ ہیں وہ ائمہ کے تبصرے جن کا تعلق شیبہ کے ثقہ ہونے سے ہے اور ان میں اس کی روایت کے صحیح ہونے کے لیے یونس بن یزید سے روایت کرنے کی شرط کا کہیں ذکر نہیں بلکہ ابن مدینی نے تصریح کی ہے کہ اس کی کتاب صحیح ”اور ابن عدی نے صرف نسخہ زہری عن شیبہ کے بارے کلام فرمایا ہے جس میں یونس بن یزید کے علاوہ باقی شیوخ سے بھی روایت ہے۔ اور انہوں نے تمام روایات پر کلام کا ارادہ نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ البانی کا دعویٰ، تدلیس اور خیانت ہے۔ مذکورہ بالا کلام سے یہ حقیقت پختگی سے ثابت ہو جاتی ہے کہ حفاظِ محدثین نے حدیث ضریح (ناہینا) کو صحیح قرار دیا ہے اگرچہ انہوں نے شیبہ عن یونس عن زہری سے اسے روایت نہیں کیا بلکہ صرف روح بن قاسم سے روایت کیا ہے اور البانی کا اس واقعہ کے ضعیف ہونے کا دعویٰ اس وجہ سے کرنا کہ ابن سنی اور حاکم کے بعض راویوں نے اس کو ذکر نہیں کیا ایک اور انداز کی تدلیس ہے کیونکہ اہل علم کے ہاں یہ بات مسلم ہے کہ بعض راوی حدیث کو روایت کرتے ہیں اور جو واقعہ اس کے ساتھ متصل ہو اس کو بھی کامل طور پر ذکر کر دیتے ہیں اور بعض بقدر ضرورت اختصار سے کام لیتے ہیں خود امام بخاری بھی اکثر ایسا کرتے ہیں کہ وہ حدیث کو اختصار کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں جبکہ باقی محدثین مکمل حدیث ذکر کرتے ہیں بیہقی کی روایت میں اس واقعہ کو

جس جلیل القدر امام نے ذکر کیا ہے امام ابو زرعد مشقی ان کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس جلیل القدر لوگوں میں سے دو شخص آئے ان میں سے ایک اور ان دونوں میں سے (حصول علم کے لیے) زیادہ سفر کرنے والے یعقوب بن سفیان ہیں جس کی مانند اہل عراق نے کوئی اور نہیں دیکھا)

تدلیس کی تیسری صورت:

وَتَقْدِيمُهُ رِوَايَةَ عَوْنِ الضَّعِيفِ عَلَى مَنْ زَادَ الْقِصَّةَ،
لَوْ أَنَّ ثَالِثًا مِنَ التَّدْلِيْسِ وَالْغِشِّ - فَإِنَّ الْحَاكِمَ رَوَى
حَدِيثَ الضَّرِيرِ مِنْ طَرِيقِ عَوْنٍ مُخْتَصِرًا ثُمَّ قَالَ: تَابَعَهُ
شَبِيبُ ابْنِ سَعِيدِ الْحَبْطِيِّ عَنْ رَوْحِ بْنِ قَاسِمٍ زِيَادَاتٍ
فِي الْمَثْنِ وَالْإِسْنَادِ، وَالْقَوْلُ فِيهِ قَوْلُ شَبِيبٍ فَإِنَّهُ
ثِقَةٌ مَأْمُونٌ، هَذَا كَلَامُ الْحَاكِمِ، وَهُوَ يُؤَكِّدُ مَا تَقَرَّرَ
عِنْدَ عُلَمَاءِ الْحَدِيثِ وَالْأُصُولِ أَنَّ زِيَادَةَ الثِّقَةِ
مَقْبُولَةٌ، وَأَنَّ مَنْ حَفِظَ حُجَّةً عَلَى مَنْ لَمْ يَحْفَظْهُ -
وَالْأَلْبَانِيُّ رَأَى كَلَامَ الْحَاكِمِ لَكِنْ لَمْ يُعْجِبْهُ لِذَلِكَ
ضَرَبَ عَنْهُ صَفْحًا، وَتَمَسَّكَ بِأَوْلَوِيَّةِ رِوَايَةِ عَوْنِ
الضَّعِيفِ عِنَادًا وَخِيَانَةً،

(اور البانی کا ضعیف راوی کی روایت کو روایت عاون پر مقدم کرنا) اس شخص کی روایت پر جس نے قصہ میں اضافہ نقل کیا ہے) یہ ملاوٹ اور تدلیس کی تیسری قسم ہے کیونکہ امام حاکم نے حدیث ضریر کو عاون کے طریق سے مختصر روایت کر کے فرمایا کہ شبیب بن سعید الحبطلی عن روح بن قاسم نے اس کی متابعت کی ہے جس کی روایت میں متن اور سند میں شبیب کا قول ہی فیصل ہے کیونکہ وہ ثقہ مامون ہے اسے وہ اصول موکد

کرتا ہے جو علمائے حدیث و اصول کے نزدیک مسلمہ اور ثابت ہے کہ ثقہ کا اضافہ مقبول ہے اور محفوظ رکھنے والا نہ محفوظ رکھنے والے پر حجت ہوتا ہے، البانی نے حاکم کا کلام دیکھا لیکن اسے پسند نہ آیا تو اس نے اس سے اعراض کیا اور اپنے بغض اور خیانت کی بناء پر دلیل کے لیے ضعیف راوی عون والی روایت کو اولیٰ قرار دے دیا

(مثالثاً) تیسری بات یہ ہے

تَبَيَّنَ مِمَّا أوردناه وَ حَقَّقْنَا فِي كَشْفِ تَدْلِيْسِ
الْأَلْبَانِي وَ غَشِهِ أَنَّ الْقِصَّةَ صَحِيحَةٌ جِدًّا رَغْمَ
مَحَاوَلَاتِهِ وَ تَدْلِيْسَاتِهِ وَ هِيَ تَفِيدُ جَوَازَ التَّوَسُّلِ
بِالنَّبِيِّ ﷺ بَعْدَ انْتِقَالِهِ، لِأَنَّ الصَّحَابِيَّ رَاوِيَ
الْحَدِيثِ فَهَمَ ذَلِكَ، وَ فَهْمُ الرَّاوِي لَهُ قِيَمَتُهُ
الْعَلِيَّةُ، وَلَهُ وَزْنُهُ فِي مَجَالِ الْإِسْتِنْبَاطِ - وَإِنَّمَا
قُلْنَا إِنَّ الْقِصَّةَ مِنْ فَهْمِ الصَّحَابِيِّ، عَلَى سَبِيلِ
التَّنْزِيلِ، وَالْحَقِيقَةُ أَنَّ مَا فَعَلَهُ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ
مِنْ إِرْشَادِهِ الرَّجُلَ إِلَى التَّوَسُّلِ، كَانَ تَنْفِيذًا لِمَا
سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ كَمَا ثَبَتَ فِي حَدِيثِ الضَّرِيرِ
قَالَ ابْنُ أَبِي خَيْشَبَةَ فِي تَارِيخِهِ: حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ
إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلْبَةَ أَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الْخَطْبِيُّ
عَنْ عَمَّارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا أَعْمَى أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي
أَصَبْتُ فِي بَصْرِي فَادْعُ اللَّهُ لِي قَالَ: "إِذْهَبْ
فَتَوَضَّأْ وَصَلِّ رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ قُلِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَشْفِعُ بِكَ
عَلَى رَبِّي فِي رَدِّ بَصْرِي اللَّهُمَّ فَتَشْفَعْنِي فِي نَفْسِي
وَ شَفِّعْ نَبِيِّي فِي رَدِّ بَصْرِي وَإِنْ كَانَتْ حَاجَةٌ فَافْعَلْ

مِثْلَ ذَلِكَ "إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ - وَالْجُمْلَةُ الْأَخِيرَةُ مِنْ
 الْحَدِيثِ تَصَرَّحَ بِإِذْنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي التَّوَسُّلِ بِهِ عِنْدَ
 عُرُوضِ حَاجَةٍ تَقْتَضِيهِ - وَقَدْ أَعْلَى ابْنُ تَيْبِيَّةَ
 هَذِهِ الْجُمْلَةَ بِعَلَلٍ وَاهِيَةٍ - بَيَّنْتُ بُطْلَانَهَا فِي غَيْرِ
 هَذَا الْمَحَلِّ وَابْنُ تَيْبِيَّةَ جَرَى فِي رَدِّ الْحَدِيثِ الَّذِي
 لَا يُوَافِقُ غَرَضَهُ - وَلَوْ كَانَ فِي الصَّحِيحِ - مِثَالُ
 ذَلِكَ: رَوَى الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ حَدِيثًا: "كَانَ اللَّهُ
 وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرُهُ وَهُوَ مُوَافِقٌ لِدَلَالِ النَّقْلِ
 وَالْعَقْلِ وَالْإِجْمَاعِ الْمُتَيَقِّنِ - لَكِنَّهُ خَالَفَ رَأْيَهُ فِي
 إِعْتِقَادِهِ قَدَمَ الْعَالَمِ، فَعَمَدَ إِلَى رِوَايَةِ لِلْبُخَارِيِّ
 أَيْضًا فِي هَذَا الْحَدِيثِ بِلَفْظِ 'كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ
 قَبْلَهُ' فَرَبَّحَهَا عَلَى الرِّوَايَةِ الْمَذْكُورَةِ، بِدَعْوَى أَنَّهَا
 تَوَافَقَ الْحَدِيثَ الْآخَرَ "أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ
 شَيْءٌ" - قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجْرٍ: مَعَ أَنَّ قَضِيَّةَ الْجَمْعِ
 بَيْنَ الرِّوَايَتَيْنِ تَقْتَضِي حَمْلَ هَذِهِ الرِّوَايَةِ عَلَى
 الْأُولَى لَا الْعَكْسَ، وَالْجَمْعُ مُقَدَّمٌ عَلَى التَّرْجِيحِ
 بِالِاتِّفَاقِ - أَه - قُلْتُ: تَعْصِبُهُ لِرَأْيِهِ أَعْمَاهُ عَنْ فَهْمِ
 الرِّوَايَتَيْنِ اللَّتَيْنِ لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا تَعَارُضٌ، لِأَنَّ
 رِوَايَةَ "كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهُ" تُفِيدُ مَعْنَى
 إِسْمِهِ 'الْأَوَّلِ بِدَلِيلِ "أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ
 شَيْءٌ" وَرِوَايَةَ "كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرُهُ"
 تُفِيدُ مَعْنَى إِسْمِهِ الْوَاحِدِ بِدَلِيلِ رِوَايَةِ "كَانَ اللَّهُ
 قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ" مِثَالُ ثَانٍ: حَدِيثُ أَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ
 ﷺ بِسَدِّ الْأَبْوَابِ الشَّارِعَةِ فِي الْمَسْجِدِ وَتَرْكِ بَابِ

عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى، حَدِيثٌ صَحِيحٌ، أَخْطَأَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ
بِذِكْرِهِ فِي الْقَوْلِ الْمُسَدَّدِ، وَابْنُ تَيْبِيَّةٍ لِإِنْحِرَافِهِ عَنِ
عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى كَمَا هُوَ مَعْلُومٌ - لَمْ يَكْفِهِ حُكْمُ
ابْنِ الْجَوْزِيِّ بِوَضْعِهِ فَزَادَ مِنْ كَيْسِهِ حِكَايَةَ إِتْفَاقِ
الْمُحَدِّثِينَ عَلَى وَضْعِهِ، وَأَمْثَلَةٌ رَدَّهُ لِلْأَحَادِيثِ الَّتِي
يَرُدُّهَا لِخَالَفَةِ رَأْيِهِ كَثِيرَةٌ يُعَسِّرُ تَتَبُعُهَا

(البانی کی تدلیس اور دھوکے کے بارے جو ہم نے تحقیق پیش کی ہے اس سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ مذکورہ واقعہ بالکل صحیح ہے۔ البانی کی تدلیسات اور حیلہ سازیوں کے باوجود یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ سے وسیلہ پر ثبوت فراہم کرتا ہے کیونکہ حدیث بیان کرنے والے صحابی ہیں اور انہوں نے اس سے یہی سمجھا ہے۔ حدیث کو سمجھنے کے بارے میں راوی کے فہم کی علمی قدر و قیمت ہوتی ہے اور استدلال کے میدان میں اس کا ایک خاص مقام ہوتا ہے۔ ہم علی سبیل التوازن یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ صحابی کا فہم ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جو اس شخص کو توسل کی طرف رہنمائی فرمائی ہے وہ اسی حکم کا نفاذ ہے جو انہوں نے حضور ﷺ سے سنا ہے جیسا کہ حدیث ضریر سے ثابت ہے، امام ابن ابی خنیثمہ نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کو روایت کیا ہم سے بیان کیا مسلم بن ابراہیم نے انہوں نے حماد بن سلمہ سے انہوں نے ابو جعفر الحطمی سے اور انہوں نے حضرت عثمان بن حنیف سے روایت کیا کہ ایک نابینا شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میری بینائی چلی گئی ہے میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ وضو کرو دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا کرواے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی نبی رحمت حضرت محمد ﷺ کی وساطت سے متوجہ ہوتا ہوں یا محمد ﷺ میں اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کا طلب گار ہوں کہ وہ میری بینائی کو لوٹا دے۔ اے اللہ میری

شفاعت کو میرے حق میں اور میرے نبی کی شفاعت کو میری بینائی کو لوٹانے میں قبول فرما اور اگر کوئی حاجت پیش آجائے تو اس طرح کر لیا کرو اس حدیث کی سند صحیح ہے حدیث پاک کا آخری جملہ 'إِنْ كَانَتْ حَاجَةٌ فَاَفْعَلْ مِثْلَ ذَلِكَ' واضح کر رہا ہے کہ جس وقت بھی کوئی حاجت پیش آجائے جس کا تقاضا نبی اکرم ﷺ کا تو تسل ہو تو نبی اکرم ﷺ کی جانب سے اس کی اجازت ہے اور ابن تیمیہ نے حدیث کے اس آخری جملہ کو کئی کمزور علتوں سے معلول کرنے کی کوشش کی ہے، ہم نے اس قول کا بطلان دوسرے مقام (امام غماری کی کتاب "مصباح الزجاجة" میں اس کی تفصیل ہے اس کا ترجمہ بنام 'نگاہ نبوت اور مشاہدہ اعمال امت چھپ گیا ہے) پر واضح کیا ہے ابن تیمیہ ہر اس حدیث کو رد کرنے میں بڑی جسارت سے کام لیتا ہے جو اس کی غرض کے موافق نہ ہو اگرچہ وہ حدیث صحیح ہو امام بخاری نے بخاری میں اس حدیث کو روایت کیا، كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْئٌ غَيْرَهُ "اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی یہ حدیث دلائل عقلیہ و نقلیہ اور اجماع یقینی کے مطابق ہے لیکن یہ حدیث ابن تیمیہ کے اعتقاد کہ عالم قدیم ہے کے خلاف ہے لہذا اس نے بخاری کی ایک اور روایت کا ذکر کیا جس کے الفاظ یہ ہیں، "كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهُ" اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اس نے اس روایت کو مذکورہ روایت پر ترجیح دیتے ہوئے کہا کہ یہ ایک دوسری حدیث کے موافق ہے اور وہ یہ ہے 'أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ' تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ جمع بین الروایتین کے اصول کا تقاضا یہ ہے کہ اس روایت کو پہلی مذکورہ روایت پر محمول کیا جائے نہ کہ اس کے خلاف اور متعارض احادیث کو جمع کرنا اور ان میں موافقت پیدا کرنا بالاتفاق ان کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے سے مقدم ہے میں کہتا ہوں ابن تیمیہ کو اس کے تعصب نے ایسی دو روایتوں کو سمجھنے سے اندھا کر دیا ہے جن کے

درمیان کوئی تعارض ہی نہیں کیونکہ روایت كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ
قبلہ، اللہ تعالیٰ کے اسم اول کا مفہوم دے رہی ہے اس پر دلیل یہ حدیث
أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ ہے

اور روایت كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ یہ اللہ تعالیٰ کے اسم واحد پر دل ہے دلیل یہ
ارشاد نبوی ہے كَانَ اللهُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ دوسری مثال: حدیث میں ہے رسول اکرم
ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ میں کھلنے والے تمام دروازے بند کروادے مگر حضرت علی رضی
اللہ عنہ والا دروازہ کھلا رہنے دیا یہ حدیث صحیح ہے امام ابن جوزی نے اسے موضوعات
میں ذکر کر کے خطا و غلطی کی ہے حافظ ابن حجر نے القول المسدود، میں امام ابن جوزی کا رد
کیا ہے، ابن تیمیہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منحرف ہے اور یہ ایک واضح حقیقت ہے
لہذا اس کو ابن جوزی کے اس حکم (یہ حدیث موضوع ہے) سے تسلی نہ ہوئی تو اس نے
اپنی جیب سے اس کے موضوع ہونے پر محدثین کے اتفاق کا اضافہ کر دیا ہے، ابن تیمیہ
نے اپنی رائے کے خلاف ہونے کی وجہ سے جن احادیث کو رد کیا ہے ان کی تعداد اتنی کثیر
ہے کہ ان کا تتبع و احاطہ مشکل ہے۔

حدیث ضریر ہی کافی ہے:

(رابعاً) چوتھی بات یہ ہے

وَنَقُولُ عَلَى سَبِيلِ التَّنْزِيلِ: لَوْ فَرَضْنَا أَنَّ الْقِيَصَةَ
ضَعِيفَةٌ تَطْيِبًا لِخَاطِرِ الْبَانِي، وَأَنَّ رِوَايَةَ ابْنِ أَبِي
خَيْثَمَةَ مَعْلُومَةٌ كَمَا فِي مُحَاوَلَةِ ابْنِ تَيْبِيَّةَ، قُلْنَا فِي
حَدِيثِ تَوْسَلِ الضَّرِيرِ كِفَايَةٌ وَغِنَاءٌ، لِأَنَّ النَّبِيَّ
ﷺ حِينَ عَلَّمَ الضَّرِيرَ ذَلِكَ التَّوَسَّلَ، دَلَّ عَلَى
مَشْرُوعِيَّتِهِ فِي جَمِيعِ الْحَالَاتِ - لَا يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ
عَنْهُ: تَوْسَلُ الْبُتْدِيعِ وَلَا يَجُوزُ تَخْصِيصُهُ بِحَالِ
حَيَاتِهِ ﷺ، وَمَنْ خَصَّصَهُ فَهُوَ الْبُتْدِيعُ حَقِيقَةً
لِأَنَّهُ عَطَّلَ حَدِيثًا صَحِيحًا وَأَبْطَلَ الْعَمَلَ بِهِ، وَهُوَ

حَرَامٌ - وَالْأَلْبَانِي عَفَا اللَّهُ عَنْهُ جَرِيٌّ عَلَى دَعْوَى
التَّخْصِيصِ وَالنَّسْخِ لِبُجْرَدٍ خِلَافِ رَأْيِهِ وَهَوَاهُ -
فَحَدِيثُ الضَّرِيرِ لَوْ كَانَ خَاصًّا بِهِ، لَبَيَّنَهُ النَّبِيُّ ﷺ،
كَمَا بَيَّنَّ لِأَبِي بُرْدَةَ أَنَّ الْجِزْعَةَ مِنَ الْمَعْرِ تَجْزِئُهُ فِي
الْأُضْحِيَّةِ وَلَا تُجْزِئُ غَيْرَهُ كَمَا فِي الصَّحِيحَيْنِ -

وَتَأْخِيرُ الْبَيَانَ عَنْ وَقْتِ الْحَاجَةِ لَا يَجُوزُ - (۱)

(ہم علی سبیل التزل یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم البانی کی دلجوئی کے لیے اس قصہ کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور روایت ابن ابی خيثمه کو معلول سمجھ لیتے ہیں جیسا کہ ابن تیمیہ کی حیلہ سازی میں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حدیث تو سل ضریر ہی کافی ثانی ہے کیونکہ جب آپ ﷺ نے اس سے نابینا شخص کو تو سل سکھا دیا تو یہ تمام حالات میں تو سل کی مشروعیت ثابت ہوگئی اور یہ کہنا ناجائز ہو گیا کہ وسیلہ بدعت ہے اور نہ ہی اس کو بنی اکرم ﷺ کی حیات ظاہرہ کے ساتھ مخصوص کرنا جائز ہوگا حقیقت میں بدعتی وہی ہے جس نے ایسی (ناروا) تخصیص کی ہے کیونکہ اس نے حدیث صحیح کو معطل کر کے اس پر عمل کرنے کو باطل قرار دیا ہے اور حدیث صحیح کے ساتھ ایسا سلوک کرنا حرام ہے، البانی (اللہ تعالیٰ معاف فرمائے) صرف اپنی رائے اور خواہش کیخلاف حدیث ہونے کی وجہ سے اس میں تخصیص اور نسخ کا دعویٰ کرنے پر بڑا دلیر ہے اگر حدیث ضریر اسی شخص کے ساتھ خاص ہوتی تو سرکار دو عالم ﷺ ضرور اس کو بیان فرما دیتے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے لیے واضح فرما دیا کہ بکری کا چھ ماہ کا بچہ قربانی میں صرف انہی کے لیے جائز ہے کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں (بخاری و مسلم) اور اصول یہ ہے ”بوقت حاجت خاموشی اختیار کرنا جائز نہیں ہوتا“

فصل:

شیخ اشرف علی تھانوی

اور دعاءِ حاجت میں تبدیلی

قارئین کرام ان تمام ائمہ اُمت اور محدثین کا یہ عمل بتا رہا ہے کہ یہ ندا بعد از وصال نبوی بھی ظاہری حیات کی طرح ہی چودہ صدیوں سے جاری اور جائز ہے اُمت میں سے کسی نے بھی اسے مختصر نہیں کیا اور نہ ہی اسے تبدیل کیا اور نہ ہی کسی نے آج تک اُمت کو مشورہ دیا کہ چونکہ اس ندا (یا محمد) سے شرک کا وہم ہوتا ہے لہذا اسے ترک کر دیا جائے اگر اس میں تبدیلی کی تو وہ شیخ اشرف علی دیوبندی نے کی آئیے اس کی تفصیل ملاحظہ کرتے ہیں۔

تین مقامات: ہم ان کے تین مقامات کی عبارت سامنے لے آتے ہیں پہلا مقام: لکھتے ہیں

حاشیہ بالا کے شروع ہی میں جس حدیث کا نسائی و ترمذی و ابن ماجہ وغیر ہم محدثین کے حوالہ سے ذکر ہے میں نے اس کی دعا کو تتمہ قربات معروف مناجات مقبول میں وارد کیا ہے اور حفاظتِ عوام کے لئے صیغہ ندا کو اس سے مختصر کر کے ایک حاشیہ لکھ دیا ہے۔

إِخْتَصَرْتُهُ لِأَنَّ النَّدَاءَ الْوَارِدَ فِيهِ لَا دَلِيلَ عَلَى بَقَائِهِ بَعْدَ حَيَاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

(میں نے اس کو مختصر کر دیا ہے کیونکہ اس میں موجود ندا یا محمد حضور ﷺ کے ظاہری حیات کے بعد باقی ہونے پر کوئی دلیل نہیں)

اور اس پر امرِ ترس سے بطورِ طعن کے جو کہ آدابِ اہل علم کے خلاف ہے ایک سوال آیا کہ آپ نے اندھے کی روایت میں یا محمد ﷺ کو ترمیم کر دیا ہے شاید قعدہ میں بھی آپ ”السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ“ کی تلقین کرتے ہوں گے اذکارِ ماثورہ میں ترمیم و تنسیخ کا اختیار غالباً نہیں ہے۔

اس کا جواب جو یہاں لکھا گیا ہے جو بتامہ النور ماہ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ میں شائع ہوا اور قابل ملاحظہ ہے اس کا نہایت مختصر ملخص اس مقام پر نقل کرنا اس لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ تحقیق بالا سے جس طرح مسئلہ تو سئل میں افراط کی اصلاح کی گئی ہے کہ تو سئل کو استغاثہ میں داخل کر کے جائز نہ سمجھ لیں جیسا کہ اس مصلحت کو قابل رعایت ہونا متن رسالہ کے ختم کے قریب عبارت ”نَعَمْ لَوْ مُنِعَ عَنْهُ لِمَصْلِحَةِ الْعَوَامِ“ میں مذکور ہوا ہے وہ ملخص یہ ہے۔

میں تو تشہد میں ”السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ“ کی تلقین نہیں کرتا مگر بعض اجلہ صحابہ نے یہ بھی کیا کہ ”رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي كِتَابِ الْإِسْتِئْذَانِ فِي بَابِ الْأَخْذِ بِالْيَدَيْنِ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ“ اور عامہ آئمہ کا ایسا کرنا اس بنا پر ہے کہ یہ خطاب بوجہ اقتران بالسلام کے بواسطہ ملائکہ کے حضور اقدس ﷺ تک پہنچا دیا جاتا ہے اس لئے اس میں کسی مفسدہ کا احتمال نہیں بخلاف قصہ اعمیٰ کے کہ وہاں نہ کوئی دلیل بلاغ ہے اور واقعہ میں خود حضور ﷺ سامنے تشریف رکھتے ہیں اور بعد میں اس وقت کے عوام خوش عقیدہ تھے اس کو حکایت پر محمول کر لیا کرتے تھے بخلاف اس وقت کے اکثر عوام کے فساد عقیدہ ان کا مشاہدہ ہے البتہ اگر کسی عامی کا عقیدہ یقیناً صحیح ہو اس کے لئے اب بھی منقول کا اتباع اولیٰ ہے (۱)

دوسرا مقام: مولانا موصوف نے جس تتمہ مناجات مقبول کا حوالہ دیا ہے وہاں انہوں نے یہ کیا کہ یہی دعا حاجت ان الفاظ میں ذکر کی اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى لِي

ساتھ عربی حاشیہ میں لکھا

إِخْتَصَرْتُهُ لِأَنَّ النَّدَاءَ الْوَارِدَ فِيهِ لَا دَلِيلَ عَلَى
بَقَائِهِ بَعْدَ حَيَاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ (۱)

میں نے اس دعا کو مختصر کر دیا ہے کیونکہ اس میں موجود ندا (یا محمد) کے
حضور ﷺ کی حیات کے بعد باقی رہنے پر کوئی دلیل نہیں

اب بعض نسخوں میں یہ حاشیہ بھی ختم کر دیا گیا

تیسرا مقام: پھر نشر الطیب میں حدیث نابینا، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ، کا ترجمہ
نقل کرنے کے بعد لکھا

اور اس میں جو یا محمد ﷺ آیا ہے اس سے نداء غائب کا ثبوت نہیں ہوتا
کیونکہ وہ تو آپ کی خدمت میں حاضر تھا

آگے چل کر اس سوال (کہ اس پر عمل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں

صحابہ اور تابعین نے کیا) کا جواب دیتے ہوئے لکھا

اور ندا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جاوے دو وجہ سے ایک تو متبادر قصہ یہ ہے کہ مسجد

نبوی میں جانے کو فرمایا ہے سو وہاں حضور قریب ہی تشریف رکھتے ہیں ندا غائب لازم نہیں

آتی دوسرے سلف صالح خوش اعتقاد تھے ندا المقصد تبلیغ ملائکہ ان کے حال سے ظاہر تھا

بخلاف اس وقت کے عوام کے، عقیدہ میں غلو رکھتے اس لئے ان کو منع کیا جاتا بلکہ ان کی

حفاظت کے لئے خواص کو بھی روکا جاتا ہے (۲)

ملاحظہ کیا مولانا موصوف نے تینوں مقامات پر دعائیں تبدیلی کی اور کہا اب ان

کلمات سے دعا جائز نہیں حالانکہ تمام آئمہ محدثین نے یہ روایت نقل کی، اسے صحیح قرار دیا

اور اس کی تعلیم دی تاکہ امت مسلمہ اس سے فیض یاب ہوتی رہے۔

آئیے شیخ موصوف کا جو علمی رد علامہ سید احمد سعید کاظمی نے لکھا اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔

(۱) مناجات مقبول، ۱۷۳

(۲) نشر الطیب، ۲۷۷

فضل:

تھانوی صاحب کی جرأت کا نوٹس

از علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ احمد سعید کاظمی ان احادیث مبارکہ سے استدلال کے بعد تھانوی کی حرکت کار د کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

علماء محدثین نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بعد الوفات بھی توسل اور استشفاع جائز ہے۔ ساتھ ہی ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات ظاہری اور بعد الوفات دونوں زمانوں میں لفظ ”یا“ کے ساتھ حضور ﷺ کو پکارنا خود حضور علیہ السلام کے اپنے ارشاد کے مطابق ہے۔ جو شخص اس کا منکر ہوگا، وہ ارشاد رسول کا معاند اور منکر حدیث قرار پائے گا

تھانوی صاحب کی جرأت و بے باکی

(حدیث شریف میں ترمیم کر ڈالی)

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے ابن ماجہ شریف کی روایت منقولہ بالا میں رسول اللہ ﷺ کی تلقین فرمائی ہوئی دعا کے الفاظ میں سے ”يَا مُحَمَّدُ اِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلَى رَبِّي“ کے الفاظ نکال دیئے۔ اور اپنی کتاب ”مناجات مقبول“ ص ۱۱۴ مطبوعہ اصح المطابع بقول شخصے (عذر گناہ بدتر از گناہ) یہ لکھ دیا کہ

اِخْتَصَرْتُهُ لِأَنَّ النِّدَاءَ الْوَارِدَ فِيهِ لَا دَلِيلَ عَلَى

بَقَائِهِ بَعْدَ حَيَاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ :

(یعنی میں نے صیغہ نداء اور خطاب کی تمام عبارت نکال کر) اس حدیث کو

اس لیے مختصر کر دیا کہ اس حدیث میں (یا محمد کے الفاظ) جو ندا اور خطاب کے الفاظ وارد ہیں حضور ﷺ کی حیات کے بعد ان کے باقی رہنے پر کوئی دلیل نہیں۔

میں عرض کروں گا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خود بنفسِ نفیس یہ الفاظ تلقین فرمائے تو اب صیغہ نداء و خطاب کا ہونا اصل قرار پا گیا اور قاعدہ ہے کہ اصل اپنی بقا میں محتاج دلیل نہیں ہوتی، بلکہ عدم بقا خلاف اصل ہونے کے باعث محتاج دلیل ہوگا تھانوی صاحب کا ”اصل“ کو محتاج دلیل قرار دینا علم و عقل کی روشنی میں انتہائی تعجب انگیز ہے۔

علاوہ ازیں عہدِ خلافتِ عثمانیہ میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک حاجت مند کو یہی دعا بصیغہ نداء و خطاب تلقین کرنا بروایت طبرانی ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بقا اور نداء پر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ رہی یہ بات کہ اس وقت کے مسلمان خوش عقیدہ تھے، اس زمانے میں فسادِ عقیدہ امر مشاہدہ ہے۔ لہذا حفاظِ عوام کے لیے صیغہ نداء کو حذف کرنا ضروری ہے تو یہ اور بھی زیادہ تعجب انگیز اور مضحکہ خیز ہے

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تشہد سے بھی ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کو حذف کر دینا ضروری ہے تھانوی صاحب نا معلوم کس موڈ میں لکھ گئے انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ ”ابن ماجہ“ والی دعا تو کبھی کوئی مسلمان پڑھتا ہوگا لیکن ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ تو ہر مسلمان شب و روز ہر نماز میں پڑھتا ہے۔ حفاظتِ عوام کے لیے تو نماز سے صیغہ نداء کا حذف کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ جب نماز میں اس کا باقی رہنا محتاج دلیل نہیں تو دعاء حاجت میں اس کی بقا کیوں کر محتاج دلیل ہو سکتی ہے؟

اس کے جواب میں تھانوی صاحب کا یہ فرمانا کہ ”التَّحِيَّاتُ“ میں صیغہ ندا مقرون بالسلام ہے اور سلام بارگاہ رسالت میں پیش ہوتا ہے اس لیے ندا کا صیغہ مضر نہیں قطعاً بے سود ہے اس لیے کہ بارگاہ رسالت میں صلوة و سلام ہی پیش نہیں ہوتا بلکہ اُمت کے تمام اعمال بھی پیش ہوتے ہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دعا بھی ایک عمل بلکہ عمل صالح ہے باقی اعمال کے ساتھ یہ عمل بھی بارگاہ رسالت میں ضرور پیش ہوگا ایسی صورت میں دونوں یکساں ہو گئے تشہد کا صیغہ نداء سلام کے ضمن

میں پیش ہوا اور دعا حاجت کا یہ صیغہ ندا (يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي) اعمالِ حسنہ کے ساتھ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا نہ وہ مضر رہا اور نہ یہ۔ ایسی صورت میں تھانوی صاحب کی تفریق بالکل بے سود ہو کر رہ گئی۔

پھر یہ کہ تھانوی صاحب جب صیغہ ندا مقرون بالسلام کو جائز سمجھتے ہیں تو اس دعا میں ”یا محمد“ الخ کو حذف کرنے کی بجائے اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لکھ دیتے تاکہ یہاں بھی صیغہ ندا مقرون بالسلام ہو کر مضر نہ رہتا اور دعا پڑھنے والے کو درود و سلام کی فضیلت بھی حاصل ہو جاتی اور حدیث میں کانٹ چھانٹ کی نوبت بھی نہ آتی خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ بموجب احادیث صحیحہ دعا کے ساتھ درود و سلام پڑھنا قبولیت دعا کا موجب ہے

ادعیہ ماثورہ میں الفاظ کا رد و بدل جائز نہیں:

تھانوی صاحب کی یہ دیدہ دلیری کہ انہوں نے الفاظِ احادیث میں اختصار کر دیا انتہائی موجب حیرت ہے کیا انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ ادعیہ ماثورہ میں اختصار تو درکنار الفاظ کا رد و بدل کرنا بھی جائز نہیں ہے دیکھئے صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک دعا کی تلقین فرمائی جس کے آخر میں یہ الفاظ تھے ”أَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أُرْسَلْتُ“ براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ الفاظ نبی کریم ﷺ کے سامنے دوبارہ پڑھے تو ”بِنَبِيِّكَ“ کی بجائے

”بِرَسُولِكَ“ پڑھ دیا حضور ﷺ نے فرمایا! ”لَا وَبِنَبِيِّكَ“ نہیں بلکہ ”بِنَبِيِّكَ“ کہو حالانکہ نبی کریم ﷺ نبی بھی ہیں اور رسول بھی مگر چونکہ دعا میں الفاظ ماثورہ کو بدلنا جائز نہ تھا اس لیے حضور نبی کریم ﷺ نے ان پر رد فرمایا اور وہی الفاظ ادا کرنے کی تاکید فرمائی جو رسول اللہ ﷺ تلقین فرما چکے تھے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

”وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ فِي بَعْضِ طُرُقِهِ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ

قُلْتُ وَرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ فَقَالَ وَنَبِيِّكَ - - -
وَالْأَظْهَرُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ فِي وَجْهِ الرَّدِّ أَنَّ الْأُدْعِيَةَ
الْوَارِدَةَ لَا تُغَيَّرُ عَنِ الْفَاطِظِ الْخ (۱)

(علامہ ابن حجرؒ نے کہا اس حدیث کے بعض طرق میں حضرت براء سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے وَرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ کے الفاظ کہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”وَرَسُولِكَ نہ کہو بلکہ وَنَبِيِّكَ ہی کہو اس رد کی سب سے ظاہر وجہ واللہ اعلم یہ ہے کہ جو دعائیں شرع مطہر میں وارد ہیں وہ اپنے الفاظ سے متغیر نہیں کی جاتیں)

ثابت ہوا کہ ادعیہ ماثورہ کے الفاظ میں اختصار کو تو درکنار تغیر بھی باطل و مردود ہے اس کے باوجود بھی تھانوی صاحب نے اختصار فی الحدیث کی جرأت فرمائی۔ معاذ اللہ! یہ حدیث جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں صحیح بخاری، صحیح مسلم دونوں کتابوں میں وارد ہے دیکھئے بخاری شریف جلد ثانی ص ۹۳۴، مسلم شریف جلد ثانی ص ۳۲۸ حاشیہ بخاری میں کرمانی سے منقول ہے

وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ رِعَايَةَ الْفَاطِظِ الْمَرْوِيَةِ أَمْرٌ مُهِمٌّ
فِيهِ حِكْمَةٌ بِالِغَةِ (۲)

(یعنی اس حدیث میں اس امر پر دلیل ہے کہ الفاظ مرویہ کی رعایت امر عظیم اور مہتمم بالشان ہے جس میں حکمت بالغہ پائی جاتی ہے)

افسوس تھانوی صاحب نے کرمانی کی تصریح کو بھی نظر انداز کر دیا اسی حدیث براء بن عازب کے تحت علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں

”وَإِخْتَارَ الْمَازِرِيُّ وَغَيْرُهُ أَنَّ سَبَبَ الْإِنْكَارِ أَنَّ
هَذَا ذِكْرٌ وَدُعَاءٌ يَنْبَغِي فِيهِ إِلَّا قِتْصَارٌ عَلَى اللَّفْظِ
الْوَارِدِ بِحُرُوفِهِ وَقَدْ يَتَعَلَّقُ الْجَزَاءُ بِتِلْكَ الْحُرُوفِ
وَلَعَلَّهُ أَوْحَى ﷺ بِهَذِهِ الْكَلِمَةِ فَيَتَعَيَّنُ أَدَاتُهَا

(۱) مرقاة جلد ۳ ص ۹۷ طبع مصر

(۲) حاشیہ ۲: بخاری شریف ص ۹۳۴

بِحُرُوفِهَا وَهَذَا قَوْلُ حَسَنِ (۱)

(اور اختیار کیا مازری وغیرہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ پر رسول اللہ کے انکار کا سبب یہ تھا کہ یہ ذکر اور دعا ہے اس لیے اس میں اسی لفظ پر اقتصار کرنا چاہیے جو اس کے حروف کے ساتھ وارد ہوا ہے اور بسا اوقات جزاء بھی انہی حروف کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہی کلمات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی گئی ہو تو ان کلمات کا انہی حروف کے ساتھ ادا کرنا متعین ہوگا اور یہ قول بہت اچھا ہے)

تعب ہے کہ تھانوی صاحب نے شارحین حدیث کی ان تمام تصریحات کو دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ فرمائی اور قطعاً نہ سوچا کہ اگر انہی کلمات حروف کے ساتھ یہ دعا حضور ﷺ کی طرف وحی کی گئی ہو تو ان حروف و کلمات کے ساتھ ان کا ادا کرنا یقیناً متعین ہوگا ایسی صورت میں کلمات کا اختصار وحی الہی میں تحریف صریح قرار پائے گی جس شخص کے دل میں ذرا بھی خوف خداوندی ہو تو وہ کبھی ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔

بلکہ میں تو یہ عرض کروں گا کہ بموجب آیت کریمہ ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ“ اغلب یہی ہے کہ اُدعیہ واردہ اور اذکار ماثورہ کے حروف و کلمات بھی حضور ﷺ کی طرف وحی کیے جاتے ہیں کلمات وحی الہی میں اختصار کی جرأت اس شخص کی ہو سکتی ہے کہ جس کے دل میں نہ وحی الہی کی کوئی عظمت ہونے خدا کے خوف کا کوئی اثر ہو۔

ایک شبہ کا ازالہ:

اس مقام پر اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ترمذی کی حدیث میں بھی یہی دعا صیغہ نداء کے بغیر مروی ہے اگر تھانوی صاحب نے اختصار کر دیا تو کیا ہوا ابو نعیم ترمذی نے بھی تو صیغہ نداء کو حذف کر کے اختصار سے کام لیا ہے۔

اس کا ازالہ یہ ہے کہ ترمذی میں صرف ”يَا مُحَمَّدُ“ کا لفظ نہیں ہے باقی خطاب کے الفاظ بعبارت ذیل موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي“ تھانوی صاحب نے صرف ”يَا مُحَمَّدُ“ کو ہی حذف نہیں کیا بلکہ پوری سطر صاف کر گئے۔

رہا لفظ ”يَا مُحَمَّدُ“ کا نہ ہونا تو میں عرض کروں گا کہ ایک ہی حدیث کے بعض طرق میں اگر بعض ایسے الفاظ مروی ہوں جو کسی دوسرے طریق میں نہیں تو اس کی وجہ سے ان کا نہ ہونا لازم نہیں آتا یہ نسخوں کا اختلاف نہیں کہ جس میں سہل انکاری کا دخل ہو یہ تو طرق روایت کا تفاوت ہے ابو عیسیٰ ترمذی نے نہ اس روایت کا انکار کیا نہ اختصار کا دعویٰ کیا بلکہ ایک طریقہ کو ذکر کر دیا دوسرے طریق میں یہی روایت ”یا محمد“ کے الفاظ سے جب وارد ہوگئی تو اب ”يَا مُحَمَّدُ“ کا روایت ہونا متعین ہو گیا جس کا انکار یا اختصار نہ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کیا نہ کسی دوسرے محدث نے۔ البتہ تھانوی صاحب کو یہ جرأت ضرور ہوئی کہ انہوں نے حدیث کے الفاظ واردہ ماثورہ مرویہ میں کمی کر دی۔

علاوہ ازیں یہ کہ اس صورت میں تھانوی صاحب کو اختصار کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہ صاف لکھ دیتے کہ میں نے ترمذی کی روایت میں یا محمد کے الفاظ نہیں پائے۔ اس لیے انہی کو نقل کر دیا بلا وجہ اختصار کا دعویٰ کر کے انہوں نے اپنے سر پر اختصار حدیث کا بوجھ اٹھایا۔ بات یہی ہے کہ ترمذی یا کسی دوسری کتاب میں بصیغہ ندا کا نہ پایا جانا اس کے مروی ہونے پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ بعض طرق میں اس کا وارد ہو جانا اس کی روایت کو متعین کر دیتا ہے اب اس کے بعد اس میں اختصار کرنا یقیناً تحریف حدیث ہے جس کا ارتکاب صرف تھانوی صاحب نے کیا ہے ابو عیسیٰ ترمذی یا کسی دوسرے محدث کے دامن کو اس جرأت عظیمہ کی وجہ سے ملوث نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد تھانوی صاحب کے اس دعویٰ کو ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد تشہد میں صیغہ نداء چھوڑ دیا تھا اور التحیات میں ”السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ“ پڑھتے تھے۔ تھانوی صاحب نے بخاری شریف کتاب الاستیذان کی جس حدیث سے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ ان کے دعویٰ کے ثبوت سے بالکل ساکت ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث حسب ذیل ہے

”كُنَّا نَقُولُ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ السَّلَامُ عَلَيْكَ

أَيُّهَا النَّبِيُّ فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ يَعْنِي النَّبِيَّ“

تھانوی صاحب نے اس حدیث کے معنی یہ سمجھ لیے کہ عبد اللہ بن مسعود یہ فرما رہے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی تو ہم نے ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ چھوڑ دیا اور اس کی بجائے ”سلام علی النبی“ کہا۔ حالانکہ اس معنی پر حدیث کی دلالت نہیں۔ یہ تو ایک احتمال ہے جس سے استدلال کرنا سراسر باطل اور علم و دانش کے خلاف ہے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ ”قُلْنَا سَلَامًا“ پر ختم ہو جاتے ہیں یعنی ”علی النبی“ راوی کا قول ہے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نہیں۔ اس تقدیر پر حدیث میں دو احتمال پیدا ہو گئے ہیں۔

ایک یہ کہ ہم نے صیغہ نداء کو چھوڑ کر صرف ”السَّلَامُ عَلَي النَّبِيِّ“ پر اکتفا کر لیا۔ لیکن یہ معنی آئمہ اربعہ کے نزدیک مردود ہیں۔ اس لیے کہ کسی امام نے صیغہ نداء کے بغیر تشہد نقل نہیں کیا۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مذہب میں بھی وہی تشہد پڑھا جاتا ہے۔ جس میں ندا اور خطاب کے صیغے موجود ہیں۔ اگر صیغہ نداء کا ترک اس حدیث کا مدلول ہوتا، تو کسی امام کا مذہب ان صحابہ کے مذہب کے مطابق ہوتا۔ لیکن کسی نے ”السَّلَامُ عَلَي النَّبِيِّ“ پڑھنے کو اپنا مذہب قرار نہیں دیا یہ ثابت ہوا کہ اس حدیث کا مدلول صیغہ ندا اور خطاب کا ترک نہیں بلکہ یہ صرف احتمال ہے جو ثبوت دعویٰ کے لیے کافی نہیں ہو سکتا۔

دوسرا احتمال یہ کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد ہم نے تشہد میں حضور ﷺ پر سلام پڑھنا ترک نہیں کیا۔ بلکہ بعد الوفات بھی ہم بدستور ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ پڑھتے رہے چونکہ دونوں احتمال پیدا ہو گئے اس لیے اس حدیث میں کسی ایک معنی پر دلالت باقی نہ رہی اور تشہد میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ پڑھنا احادیث صحیحہ اور مذاہب آئمہ اربعہ سے ثابت ہے لہذا اس کا مخالف احتمال مرجوح ہو کر مردود قرار پائے گا۔ دیکھئے ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں

وَأَمَّا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ كُنَّا نَقُولُ فِي حَيَاةِ رَسُولِ

اللَّهِ ﷺ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ فَلَمَّا قُبِضَ عَلَيْهِ
السَّلَامُ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ فَهُوَ رَوَايَةُ أَبِي
عَوَانَةَ وَرَوَايَةُ الْبُخَارِيِّ الْأَصَحُّ فِيهَا بَيِّنَةٌ أَنَّ
ذَلِكَ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مُسْعُودٍ بَلْ مِنْ فَمِّ
الرَّائِي عَنْهُ وَلَفْظُهَا فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ ، يَعْنِي
عَلَى النَّبِيِّ فَقَوْلُهُ قُلْنَا السَّلَامُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ أَرَادَ بِهِ
إِسْتَمْرَارًا بِهِ عَلَى مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهُ
أَرَادَ عَرْضَنَا عَنْ الْخِطَابِ وَإِذَا احْتَمَلَ اللَّفْظُ لَمْ يَبْقَ
فِيهِ دَلَالَةٌ كَذَا إِذَا كَرِهَ ابْنُ حَجْرٍ (۱)

(حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ ہم حضور ﷺ کی
حیات میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کہتے تھے جب
حضور ﷺ کی وفات ہوگئی تو ہم نے ”السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ“ کہا۔
یہ ابوعوانہ کی روایت ہے۔ بخاری کی روایت میں جو اس کے مقابل اصح
ہے یہ الفاظ عبد اللہ ابن مسعود کے نہیں بلکہ راوی کا فہم ہیں۔ بخاری
شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ ”فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا سَلَامًا“ یعنی ’عَلَى
النَّبِيِّ‘۔ جب حضور ﷺ کی وفات ہوگئی تو ہم نے سلام کہا (یعنی نبی
کریم ﷺ پر بخاری کی اس روایت نے بیان کر دیا کہ یہ قول حضرت
ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہیں بلکہ راوی کا قول ہے اس نے اپنی فہم
کے مطابق اپنے لفظوں میں بیان کر دیا اور اس قول میں بھی دو احتمال
ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح حضور کی حیات ظاہری میں ہم ”السَّلَامُ
عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کہا کرتے تھے اسی طرح حضور کی وفات کے بعد
بھی کہتے رہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہم نے خطاب چھوڑ دیا۔ جب الفاظ
میں احتمال پیدا ہو گیا تو دلالت (قطعاً) باقی نہ رہی۔

’الْحَمْدُ لِلَّهِ!‘ ہمارے اس بیان اور ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ کی اس عبارت

کی روشنی میں تھانوی صاحب کا یہ دعویٰ بھی غلط ثابت ہوا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد صیغہٴ خطاب ترک کر دیا تھا۔

بعض لوگ اس بات پر انتہائی زور دیتے ہیں کہ متابعات اور شواہد کی روشنی میں ابو عوانہ کی روایت کے بموجب یہ بات بالکل صحیح ہے کہ صحابہ کرام نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کی بجائے ”السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ“ کہنا شروع کر دیا تھا۔ میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر آپ کی یہ بات صحیح ہے تو پھر آپ صحابہ کرام کے مذاہب کے موافق ”عَلَى النَّبِيِّ“ کیوں نہیں پڑھتے۔ خود تھانوی صاحب عمر بھر ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ پڑھتے اور پڑھواتے رہے۔ ثابت ہوا کہ تھانوی صاحب کا یہ دعویٰ ان کے اپنے نزدیک بھی باطل ہے۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ تھانوی صاحب کا یہ حدیث رسول ﷺ میں رد و بدل کرنا، بلکہ تقریباً پوری سطر غائب کر دینا کس قدر شدید مداخلت فی الدین ہے اور حدیث رسول ﷺ پر کیسی عظیم قسم کی زیادتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ منکرین حدیث کو بھی ایسی جرأت نہیں ہو سکتی۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْاَبْصَارِ

فصل:

بقاء ندائے با محمد پر دلائل

مخالفین بشمول تھانوی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ وصال نبوی ﷺ کے بعد نداء ”یا محمد“ کے جواز و بقاء پر کوئی دلیل نہیں۔

لہذا اب ہم بقاء نداء پر دلائل ذکر کیے دیتے ہیں

۱۔ دوسری اُمت بھی شامل:

اس حدیث مبارکہ کے ورود کا سبب اگرچہ خاص یعنی نابینا صحابی کا سوال ہے لیکن تاقیامت اس میں دوسری اُمت بھی شامل ہے کیونکہ احکام شرعیہ میں سب لوگ برابر ہیں۔

۲۔ اعتبار، عموم الفاظ کا ہوتا ہے:

خطاب اگرچہ حدیث میں نابینا صحابی کے لئے ہے مگر شرعاً حکم میں عموم ہے کیونکہ اس پر اہل علم کا اتفاق و اجماع ہے کہ شارع کے خطابات عموم پر ہوتے ہیں اگرچہ ان کا سبب مخصوص ہو ہاں کوئی دلیل اس کے برخلاف ہو تو تخصیص ہو سکتی ہے اور یہاں ایسی کوئی دلیل موجود ہی نہیں

۳۔ ”ارادہ“ تمام اُمت کا:

نابینا صحابی نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے دعا فرمائیں تو آپ ﷺ نے خود دعا فرمانے کے بجائے انھیں ایسی دعا کی تعلیم دی جس میں یہ نداء ہے

کلمات ہیں ”يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي“
تو آپ ﷺ کا دعانہ کرنا اور انھیں وسیلہ ونداء کے ساتھ دعا کی تعلیم دینا بتا رہا
ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارادہ تمام امت کے لئے اس کی تعلیم ہے اور یہ صرف اسی صحابی
کے ساتھ مخصوص نہیں

۴۔ حدیث کے کچھ حصہ کا معطل قرار پانا:

اس دعاء وسیلہ میں رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کو نماز اور دعا کی تعلیم دی یعنی
نماز پڑھو اور ان کلمات کے ساتھ بارگاہ الہی میں دعا کرو۔ ”يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ
بِكَ“ تو اب ہر ایک کے لئے ادائیگی نماز بالاتفاق جائز ہے تو اب ہر ایک کے لئے
دعائیہ وندائیہ کلمات بھی بالاتفاق جائز ہونے چاہیے
ورنہ بلا دلیل حدیث (حکم نبوی) کے کچھ حصہ کا معطل ہونا لازم آئے گا جو دین
کو کھیل بنانے کے مترادف ہے

۵۔ خود بیان فرمادیتے:

اگر یہ ندا اس نابینا صحابی کے لئے ہی ہوتی یا آپ ﷺ کی موجودگی کے ساتھ
خاص اور عدم موجودگی میں ناجائز یا آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں جائز اور بعد از
وصال جائز نہ ہوتی تو آپ ﷺ اس کی خود وضاحت فرمادیتے، جیسے بخاری و مسلم کی
روایت میں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ایک سال سے کم عمر بکری بطور قربانی
تمہارے لئے جائز مگر کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں

۶۔ وضاحت لازم تھی:

اگر یہ ندا صرف نابینا صحابی کے لئے تھی یا آپ ﷺ کی ظاہری حیات یا
موجودگی میں ہی جائز تھی تو رسول اللہ ﷺ پر اس وقت اس کی وضاحت و بیان لازم تھا
کیونکہ بوقت حاجت بیان کو موخر کرنا ممنوع ہے کیونکہ ایسی صورت میں غیر معلوم چیز پر عمل
کی تکلیف لازم آتی ہے جو جائز نہیں، اوپر گزر اسی سال سے کم عمر قربانی کی، حضرت ابو بردہ

رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تو ساتھ ہی فرمادیا کہ یہ تمہارے سوا کسی کے لئے جائز و کافی نہ ہوگی تو اگر یہاں بھی ایسا ہی معاملہ تھا تو آپ ﷺ اسی وقت فرمادیتے کہ یہ صرف تمہارے لئے ہی ہے کسی اور کو اجازت نہیں
دونوں معاملات میں فرق:

پھر ان دونوں معاملات میں فرق بھی بڑا ہے کہ کم عمر کی قربانی کی صورت میں تو صرف قربانی نہ ہوگی مسلمان دائرہ اسلام سے نہیں نکلتا مگر زیر بحث معاملہ میں بقول مخالفین مسلمان دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے لہذا سرور عالم پر لازم تھا کہ آپ ﷺ اس کی وضاحت کر دیتے تاکہ امت شرک سے بچ جاتی جب کہ ایسی کوئی بات آپ ﷺ نے نہیں فرمائی تو ہمیں بھی اپنے غلط خیالات پر نظر ثانی کرنی چاہیے

۷۔ الفاظ کی عموم پر دلالت:

امام ابن ابی خیشمہ کی روایت کے الفاظ

إِنْ كَانَتْ حَاجَةً فَاَفْعَلْ مِثْلَ ذَلِكَ جب تمہیں حاجت پیش آئے تو ایسا کر لیا کرو

نہایت ہی واضح طور پر عموم پر دال ہیں کہ جہاں کہیں بھی کسی کو پریشانی ہو وہ ان ندائیہ کلمات سے استغاثہ و وسیلہ کر سکتا ہے

يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي اے محمد (ﷺ) میں آپ کو اپنے

رب کی بارگاہ میں وسیلہ بناتا ہوں

۸۔ صحابی نے عموم مراد لیا:

پھر دیکھئے اس حدیث کے راوی صحابی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ ہیں وہ اس کی مراد اور معنی سے دوسروں سے زیادہ آگاہ ہیں تو انہوں نے بھی اسے عموم پر محمول کیا تبھی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں بخور و عافیہ دوسرے کو بتایا اور ان کا کام ہو گیا جیسے تفصیلاً اوپر آچکا

اگر یہ ندا ظاہری حیات تک محدود تھی تو صحابہ نے اس پر عمل کیوں کیا حالانکہ یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ہے

۹۔ اُمت کا عمل:

اس پر اُمت کا عمل ہے کیونکہ اسے امام ترمذی نے ”کتاب الدعوات“ میں نقل کیا ہے اور کتاب العلل میں ان کا قول یہ ہے کہ میری کتاب کی دو احادیث کے علاوہ ہر حدیث پر اُمت کا عمل ہے یعنی تمام احادیث معمول بہا ہیں تو معلوم ہوا حدیث ضریر پر بھی اُمت کا عمل جاری و ساری ہے

ائمہ اُمت کا نقل کردہ واقعہ:

اس وظیفہ مبارکہ پر اُمت کے عمل پر ایک ایسا واقعہ بھی شاہد ہے جسے ائمہ اُمت اور محدثین نے نقل کیا ہے

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی الدنیاء (ت، ۲۸۱) نے ’ہجابی الدعوة‘ میں اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ایک آدمی (اپنے وقت کے عظیم محدث اور طبیب) حضرت عبد الملک بن ابجر کے پاس علاج کے لیے آیا

فَجَسَّ بَطْنَهُ، فَقَالَ بِكَ دَاءٌ لَا يَبْرَأُ فَقَالَ مَا هُوَ قَالَ
هُوَ الدَّيْبِيلَةُ فَتَحَوَّلَ الرَّجُلُ: فَقَالَ ”اللَّهُ، اللَّهُ، رَبِّي
لَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا، اللَّهُمَّ إِنِّي أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ
مُحَمَّدٍ ﷺ، نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ، إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى
رَبِّكَ وَرَبِّي أَنْ يَرْحَمَنِي هَمَّابِي، رَحْمَةً يُغْنِنِي بِهَا عَنْ
رَحْمَةِ مَنْ سِوَاهُ، - ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ عَادَ إِلَى ابْنِ
أَبَجَرَ، فَجَسَّ بَطْنَهُ، فَقَالَ: بَرِئْتُ، مَا بِكَ عِلَّةٌ“ (۱)

(انہوں نے اس کے بطن کو چیک کیا تو فرمایا تمہیں ایسی بیماری ہے جو لا علاج ہے پوچھا وہ کونسی بیماری ہے؟ بتایا یہ کینسر ہے وہ آدمی واپس پلٹا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض و دعا کی اے اللہ! اے میرے رب! میں تیرا کسی کو شریک نہیں مانتا! اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں تیرے

رحمت والے نبی کو واسطہ بناتا ہوں، اے محمد میں آپ کو آپ کے اور اپنے رب کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ وہ مجھ پر اس قدر رحمت فرمائے کہ کسی دوسرے کی رحمت سے مجھے بے نیاز کر دے اس آدمی نے یہ وسیلہ اور دعائیں دفعہ کی اور پھر وہ شیخ ابن ابجر کے پاس چیک کروانے کے لیے آیا انہوں نے چیک کیا فرمایا تم صحت مند ہو اب تمہیں کوئی بیماری ہی نہیں۔

اس واقعہ کو امام محمد بن عبدالرحمن سخاوی (ت، ۹۰۳) نے روایت ضریر کے بعد ذکر کیا (۱) جس سے وہ آشکار کرنا چاہ رہے ہیں کہ نداء یا محمد پر اُمت کے محدثین اور ائمہ کا عمل بھی ہے یعنی وہ مشکل وقت میں رسول اللہ ﷺ سے مدد طلب کرتے ہوئے بارگاہ الہی میں آپ ﷺ کو بطور وسیلہ پیش کیا کرتے جس سے وہ مشکلات سے نجات پاتے امام عبداللہ صدیق غماری (ت، ۱۳۱۳) شیخ ابن ابجر کا تعارف یوں کرواتے ہیں

كَانَ ابْنُ ابِجَرَ حَافِظًا وَهُوَ مِنْ رِجَالِ مُسْلِمٍ وَأَبْنِ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ وَكَانَ لَا يَأْخُذُ أَجْرًا عَلَى الْعِلَاجِ وَثَقَّهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَعِينٍ وَغَيْرُهُمَا وَاثْنُوَا عَلَيْهِ خَيْرًا (۲)

(یہ حافظ حدیث اور مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کے راویوں میں سے ہیں، یہ علاج کی فیس نہیں لیا کرتے تھے انہیں امام احمد، ابن معین اور دیگر محدثین نے ثقہ قرار دیتے ہوئے ان کی بڑی مدح کی ہے)

۱۰۔ عموم اور حفاظ حدیث:

یہی وجہ ہے تمام آئمہ محدثین نے اسے نقل کر کے اُمت پر احسان کیا اور کسی نے بھی اس ندا کو ظاہری حیات تک محدود نہیں کیا اوپر آئمہ محدثین کے نام گزرے جنہوں نے اس روایت کو ایسے عنوانات کے تحت ذکر کیا جس سے عموم ہی آشکار ہے مثلاً

(۱) القول البدیع، ۴۵۳

(۲) مصباح الزجاجة، ۴۵

امام ترمذی، امام حاکم، امام بیہقی اور امام جزری نے دعاؤں کے باب میں اسے ذکر کیا اور بتایا یہ دعا منقول و مشروع دعاؤں میں سے ہے جن کا سرکارِ دو عالم ﷺ نے حکم دیا امام ابن ماجہ، امام منذری، امام بیہقی نے کتاب الصلاة کے باب ”نوافل“ کے ضمن میں ذکر کیا جو ہر ایک کے لئے جواز و مشروعیت پر دال ہے امام نووی نے اسے اذکارِ صَلَاةِ الْحَاجَّةِ کے تحت ذکر کیا تو تمام محدثین نے یہی تعلیم دی کہ اس نداء پر عمل کیا جائے اور اس پر اتفاق ہے کہ تمام لوگوں کے لئے تمام احوال میں جائز ہے اگر یہ حدیث کسی شخص کے ساتھ یا کسی حالت حیات کے ساتھ خاص ہوتی تو کوئی، محدث تو اس کی نشاندہی کرتا جیسے وہ متعدد احادیث میں کر دیتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے اور یہ مخصوص ہے لہذا اس پر عمل جائز نہیں لیکن اس حدیث کے بارے میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں

۱۱۔ خاص کرنا خلاف اصل ہے:

اصول یہ ہے کہ ہر حکم شرعی میں تمام لوگ برابر شامل ہوتے ہیں کسی ایک دوسرے کا فرق نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ایک حالت کا دوسری حالت میں فرق ہے ہاں اگر دلیل آجائے کہ یہ فلاں شخص یا فلاں وقت سے مخصوص ہے تو پھر تخصیص جائز ہوگی لیکن اس کے علاوہ شارع کے کلام میں اصل و لازم ”عموم“ ہی ہوتا ہے تو اس نداء میں صحابی کو اسی صحابی کے ساتھ یا رسول اللہ ﷺ کی موجودگی یا ظاہری حیات کے ساتھ مخصوص کرنے کا دعویٰ خلاف اصل ہے، اس پر دلیل لانا مدعی کی ذمہ داری و فریضہ ہے

فصل:

مخالفین کے تین شہادت

اور

ان کے فیصلہ کن جوابات

- ۱۔ اگر مخالف اس پر کوئی دلائل لا سکتا ہے تو وہ یہ تین ہیں
اگر اس دعا کو عموم پر رکھا جائے تو اس سے شرک لازم آئے گا کیونکہ اس میں
وسیلہ واستغاثہ کا ماننا لازم آرہا ہے
- ۲۔ اس میں ندا و خطاب ہے ”يَا مُحَمَّدُ اِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلَى رَبِّي“ اور یہ زندہ
وسامنے موجود کے لئے ہو سکتا ہے غائب و وفات پا جانے والے کے لئے ایسے
کلمات سے خطاب جائز نہیں ہو سکتا
- ۳۔ اس میں وسیلہ کی تعلیم ہے حالانکہ صحابہ نے وصال نبوی کے بعد حضرت عباس
رضی اللہ عنہما کو وسیلہ بنایا اگر وصال کے بعد آپ ﷺ کو وسیلہ بنانا ناجائز ہوتا
تو وہ ایسا نہ کرتے

فیصلہ کن جوابات

ان کے فیصلہ کن جوابات ملاحظہ کر لیجئے

اول شبہ کا جواب

وسیلہ بنانے کو شرک قرار دینا محض وہم اور جہالت ہے اگر اس میں کوئی ایسا شبہ
ہوتا تو وہ رسول اللہ ﷺ پر مخفی و پوشیدہ نہ ہوتا اور آپ مسلمانوں کو ایسی دعا ہرگز نہ
سکھاتے کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت ہی شرک اور اسباب شرک (وہ قولاً ہو یا عملاً) کو مٹانے
کے لئے ہوئی ہے تو یہ محال قطعاً ہے کہ آپ ﷺ امت کو کوئی ایسی تعلیم دیں جس میں کسی

قسم کے شرک کا کوئی ایسا پہلو ہو جو عقیدہ مشرکین کے مشابہ ہو لہذا یہ شبہ اصلاً ہی باطل ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب:

اس شبہ کا جواب تین امور سے ہے

امراول: آپ ﷺ کے زندہ ہونے پر اجماع ہے۔

اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ مزار انور میں زندہ ہیں

۱۔ امام محمد بن عبدالرحمن سخاوی (ت، ۹۰۲) فوائد کے تحت چھٹے فائدہ میں لکھتے ہیں

يُؤْخَذُ مِنْ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ أَنَّهُ ﷺ حَيٌّ عَلَى
الدَّوَامِ وَذَلِكَ أَنَّهُ فَحَالٌ عَادَةً أَنْ يَخْلُوَ الْوُجُودُ كُلَّهُ
مِنْ وَاحِدٍ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ فِي لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ وَنَحْنُ نُؤْمِنُ
وَنُصَدِّقُ بِأَنَّهُ ﷺ حَيٌّ يُرْزَقُ فِي قَبْرِهِ وَإِنَّ جَسَدَهُ
الشَّرِيفَ لَا تَأْكُلُهُ الْأَرْضُ وَالْإِجْمَاعُ عَلَى هَذَا (۱)

(ان احادیث سے یہ استدلال ہے کہ آپ ﷺ دائمی طور پر زندہ ہیں یہ محال

ہے کہ کائنات میں دن یا رات کا کوئی لمحہ آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھنے والے سے خالی

ہو ہم اس پر ایمان رکھتے ہوئے تصدیق کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مزار اقدس

میں زندہ اور رزق پاتے ہیں اور آپ ﷺ کے جسم اطہر کو مٹی نہیں کھا سکتی اور اس

پر اُمت کا اجماع ہے)

۲۔ علامہ ابو محمد علی بن احمد بن حزم (ت، ۴۵۶) شہداء کرام کی حیات و زندگی کے

بارے میں آیات قرآنی ذکر کر کے کہتے ہیں۔

وَلَا خِلَافَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ فِي أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ

السَّلَامُ أَرْفَعُ قَدْرًا وَدَرَجَةً وَأَتْمُ فَضِيلَةً عِنْدَ اللَّهِ

عَزَّوَجَلَّ وَأَعْلَى كَرَامَةً مِنْ كُلِّ مَنْ دُونَهُمْ وَمَنْ

خَالَفَ فِي هَذَا فَلَيْسَ مُسَلِّمًا (۱)

(مسلمانوں کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان شہداء سے درجہ و شان میں بلند، فضیلت میں کامل اور عزت و شرف میں اعلیٰ ہیں جو اس کے مخالف ہے وہ مسلمان نہیں) انہوں نے ہی الفصل میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ پر دلائل دیتے ہوئے لکھا

أَجْمَعَ النَّاسُ عَلَيْهِ وَجَاءَ بِهِ النَّصُّ مِنْ قَوْلِ كُلِّ مُصَلٍّ
فَرَضًا أَوْ نَافِلَةً السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ
وَبَرَكَاتُهُ فَلَوْ لَمْ يَكُنْ رُوحُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَوْجُودًا
قَائِمًا لَكَانَ السَّلَامُ عَلَى الْعَدَمِ هَدْرًا (۲)

(تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور ہر نمازی خواہ فرض ادا کرے یا نفل وہ اعلانیہ کہتا ہے اے نبی! آپ پر سلام، اللہ کی رحمت و برکات ہوں اگر آپ ﷺ کی روح طیبہ موجود و زندہ نہ ہو تو یہ سلام ”معدوم“ پر لغو ہوگا۔)

امر ثانی:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے جس نے جمعہ کے دن اور رات کو سو دفعہ مجھ پر درود شریف پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجات پوری فرمائے گا ان میں سے ستر آخرت اور تینس دنیاوی ہونگی اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا جو اسے لے کر میری قبر میں آتا ہے جیسے تمہیں ہدایا و تحائف پیش کیے جاتے ہیں

إِنَّ عَلَيَّ بَعْدَ مَوْتِي كَعَلَيَّ فِي الْحَيَاةِ (۳)

(میرا علم میری موت کے بعد اسی علم کی طرح ہے جو میری ظاہری حیات میں تھا)

اسی صحابی سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری ظاہری حیات تمہارے لئے بہتر ہے تمہیں مسائل پیش آتے ہیں میں انہیں حل کر دیتا ہوں جب میرا وصال ہوگا وہ بھی تمہارے لئے بہتر، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے اگر

(۱) لمحلی، ۲۵، ۱

(۲) الفصل فی السَّلَام، ۱۰۸، ۱

(۳) (کتاب الترغیب للتیمی، ۲، ۳۲۰) (القول البدیع، ۳۱۷)

وہ اچھے ہوئے تو میں اللہ کی حمد کروں گا۔ اور اگر اس کے مخالف ہوئے تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کروں گا (۱)

اس کے حاشیہ میں عظیم محقق علامہ محمد عوامہ مدنی نے امام عراقی کے حوالہ سے لکھا اسے امام بزار نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے (۲) اس حدیث پر شیخ عبد اللہ صدیق غماری نے مستقل کتاب 'بِهَايَةِ الْأَمَالِ فِي شَرْحِ وَصِيَّةِ حَدِيثِ عَرَضِ الْأَعْمَالِ' تحریر کی ہے۔ جس کا ترجمہ علامہ رسول بخش سعیدی حفظہ اللہ نے بنام، نگاہ نبوت اور مشاہدہ اعمال اُمت، کیا ہے جب آپ ﷺ درود و سلام کا سماع فرماتے ہیں تو (یا محمد ﷺ) سے خطاب درست و صحیح ہے

امرِ ثالث:

نماز کے تشہد میں تواتر کے ساتھ ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ سے سلام عرض کرنا اجماع اُمت سے ثابت ہے اور اس میں آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی نداء و خطاب موجود ہے اور یہ محال ہے کہ اُمت ایسی نداء و مخاطبت میت پر اجماع کرے کہ وہ نہ جانتی ہو اور نہ شعور رکھتی ہو لہذا ایسی نداء و خطاب پر شبہ وارد کرنا باطل ہے۔ جب یہ حالت نماز میں جائز ہے جو عبادتِ الہی کا کامل مظہر ہے تو پھر نماز سے باہر تو بطریق اولیٰ و احسن جائز ہوگا یہی بات شیخ ابن حزم نے کہی ہے

الغرض جب السلام عليك سے خطاب جائز ہے تو يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ فِي شَرْكٍ كَيْسَ لَزَامٍ آتَى؟

تیسرے شبہ کا ازالہ:

یہ کہنا کہ صحابہ، بعد از وصال آپ ﷺ کو وسیلہ نہیں بنایا کرتے تھے، نہایت ہی غلط ہے کیونکہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے بارے میں تفصیلاً گزر چکا ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس وظیفہ کی تعلیم دی ”يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي“ اور آج تک اُمت اس پر عمل پیرا ہے

(۱) القول البدیع، ۳۲۴

(۲) طرح الشریب، ۳، ۲۹۷

وصالِ نبوی کے بعد

حضرت بلال بن حارث المزنی کا استغاثہ

یہاں ایک اور صحابی کے بارے میں بھی ملاحظہ کر لیجیے کہ انہوں نے وصال کے بعد آپ ﷺ کو وسیلہ بنایا اور آپ سے استغاثہ کیا جو اس کے ہمیشہ باقی رہنے پر عظیم شاہد ہے

امام بیہقی نے دلائل النبوة میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر مالیات حضرت مالک الدار سے نقل کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قحط پڑا

فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
 اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا فَأَتَاهُ رَسُولُ اللَّهِ
 فِي الْمَنَامِ فَقَالَ إِنْتِ عُمَرُ فَأَقْرئَهُ السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُ
 أَنَّهُمْ مُسْقُونَ وَ قُلْ لَهُ عَلَيْكَ الْكَيْسُ عَلَيْكَ
 الْكَيْسُ فَأَتَى الرَّجُلُ عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ رَضِيَ
 اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ قَالَ يَا رَبِّ مَا أَلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ (۱)

(ایک آدمی نے مزار نبی ﷺ کے پاس آ کر عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ آپ اللہ سے بارش کی دعا کریں کیونکہ ہم ہلاک ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کے خواب میں تشریف لائے فرمایا عمر کے پاس جاؤ انہیں میرا سلام کہو اور کہو خوب دانائی و احتیاط سے کام لو اس آدمی نے آ کر حضرت عمر کو بتایا تو وہ رو دیئے اور عرض کرنے لگے اے میرے رب! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر

(۱) (دلائل النبوة) (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: ۱۲۰۵۱)

(میں عاجز بندہ ہوں)

امام شیخ عبداللہ الصدیق غماری (ت: ۱۴۱۳) اس کے تحت لکھتے ہیں

اس روایت کی سند صحیح ہے

إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ (۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی (ت: ۸۵۲) اس واقعہ کی ایک اور سند کا حوالہ دیتے

ہوئے فرماتے ہیں

امام ابن ابی شیبہ نے صحیح سند

وَرَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ

کے ساتھ روایت کیا ہے

پھر اس صحابی کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا

وَقَدْ رَوَى سَيْفٌ فِي الْفَتْوحِ أَنَّ الَّذِي رَأَى الْبَنَامَ

الْبَدْرُ كُوْرَهُوْ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ الْمَزْنِيُّ أَحَدُ أَصْحَابِهِ (۲)

(سیف نے الفتوح میں نقل کیا کہ جنہوں نے خواب مذکور دیکھا ان کا نام

حضرت بلال بن حارث المزنی اور یہ صحابی رسول ہیں)

الغرض صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ صحابہ بعد از وصال نبوی آپ ﷺ کو

وسیلہ بنایا کرتے اور آج امت مسلمہ اس پر عمل پیرا ہے

۲۔ یاد رہے نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ لازم و فرض نہیں بلکہ جائز ہے اس کا ترک اور

کسی دوسرے کو وسیلہ بنانا جائز ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت

عباس رضی اللہ عنہ کو بنایا

شیخ جزائری کے اعتراضات:

اس روایت پر کچھ اعتراضات ہیں ان کا جواب مخدوم اہلسنت حضرت علامہ

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری (ت: ۱۴۲۸ھ) نے لکھا۔ آئیے ان کے الفاظ میں

اعتراضات اور ان کا جواب ملاحظہ کیجیے۔

(۱) مصباح الزجاجة، ۲۶

(۲) فتح الباری، ۲، ۱۹۷

شیخ ابوبکر جابر الجزائری، داعظ مسجد نبوی جو تو سہل کو جائز قرار دینے والے علماء پر زبانِ طعن دراز کرنے میں احتیاط کی حدوں سے گزر گئے ہیں، کہتے ہیں:

”حضرت بلال بن حارث کی روایت جسے امام بیہقی نے ”دلائل النبوة“ میں، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔ اس نے مجھے واقعی حیران کر دیا۔

پہلا اعتراض:

پھر باعثِ حیرت یوں بیان کرتے ہیں:

یہ روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ جب کہ یہ دین کے سب سے بڑے اصل کے مخالف ہے اور وہ اصل یہ ہے کہ قصد اور طلب کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہونا چاہیے اور اس روایت میں نبی اکرم ﷺ سے جبکہ آپ قبر میں ہیں۔ سوال کیا گیا کہ اُمت کے لیے بارش کی دعا فرمائیں۔ (۱)

جواب:

اس پر سولہ محدثین کے حوالہ سے یہ اثر نقل کیا اور لکھا۔

یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ بقول جزائری اس حدیث کو امام بخاری، امام بیہقی اور حافظ ابن حجر نے بیان کیا اور اس سے پہلے گزر چکا کہ اس حدیث کو حافظ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں، سیف بن عمر نے فتوح میں روایت کیا اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں، اس کی سند کو صحیح قرار دیا، علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں اس سند کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے۔

اس سے پہلے حافظ ابن کثیر سے ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ اس شخص نے بکری ذبح کی، تو کھال اتارنے پر سرخ ہڈیاں نمودار ہوئیں، یہ حدیث اسی سند کے ساتھ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بیان کی ہے یہی روایت ابن اثیر نے الکامل میں بیان کی ہے۔

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث کے چند حوالے مزید ملاحظہ ہوں:
ابن ابی خیشمہ نے یہ حدیث روایت کی جسے علامہ ابن حجر نے الاصابہ میں نقل کیا۔

ابن عبدالبر نے استیعاب ج ۲، ص ۶۴۲ حرف عمر میں بیان کیا۔

امام تقی الدین سبکی نے شفاء السقام میں ص ۱۷۴ میں نقل کیا۔

عالم اسلام کے جلیل القدر محدثین کرام کی روایت کی، تصحیح اور استناد کے باوجود

اگر اس قسم کی تنقیدات کا دروازہ کھول دیا جائے کہ یہ حدیث تو اصول دین ہی کے خلاف ہے، تو کہنے دیجیے کہ دنیا کا اعتماد صرف ان ائمہ دین ہی سے نہیں، بلکہ دین سے بھی اٹھ جائے گا۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں:

وَالْبُخَارِيُّ مِنْ أَعْرَفِ خَلْقِ اللَّهِ بِالْحَدِيثِ وَعَلَيْهِ مَعَ
فِقْهِهِ فِيهِ (۱)

(امام بخاری حدیث اور اس کی علل کی معرفت، مخلوق خدا میں سب سے

زیادہ رکھنے والوں میں سے ہیں اور حدیث کی فقاہت بھی رکھتے ہیں۔)

یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنا جلیل القدر امام اور دیگر ائمہ ایسی حدیث روایت کر

جائیں، جو اصول دین کے منافی ہو اور وہ کنایہ اور اشارہ بھی اس کی تضعیف نہ کریں۔

اللہ اکبر! اگر یہی توحید ہے تو نبی اکرم ﷺ سے آپ کی حیات میں دعا اور

شفاعت کی درخواست کرنا بھی اصول دین کے مخالف ہوگا، کیونکہ بیان مذکور کے مطابق

دین کی سب سے بڑی اصل یہ ہے، کہ جو مانگنا ہے اللہ تعالیٰ سے مانگو اور مخلوق سے مانگنا

توحید کے منافی ہے اب کسی ہستی سے وصال کے بعد مانگیں تو بھی توحید کے منافی اور اگر ان

کی زندگی میں مانگیں تو بھی توحید کے منافی، یہ کیسی توحید ہے؟ کہ کسی مخلوق سے وفات کے

بعد سوال کیا جائے تو اس کے تقاضے مجروح ہو جاتے ہیں اور زندگی میں مانگیں تو جائز ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کی دعا اور شفاعت کو وسیلہ بنانا جیسے کہ قیامت کے دن لوگ

آپ سے درخواست کریں گے کہ ہمارے لیے شفاعت فرمائیں اور جیسے کہ صحابہ استسقاء وغیرہ میں آپ کی شفاعت کو وسیلہ بناتے تھے۔۔۔۔۔ تو یہ تیسری قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں آپ کی عزت و کرامت کے سبب آپ کی دعا اور شفاعت قبول فرماتا ہے، لہذا جس کے لیے رسول اللہ ﷺ شفاعت اور دعا فرمائیں وہ اس شخص سے مختلف ہے جس کے لیے آپ دعا اور شفاعت نہ فرمائیں۔ (۱)

دوسرا اعتراض:

شیخ ابو بکر جزائری نے دوسرا اعتراض یہ کیا کہ یہ روایت خواب سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتی اور خوابوں سے احکام شرعیہ ثابت نہیں کیے جاسکتے، ہاں انبیاء کی خوابیں دلیل بن سکتی ہیں کہ وہ وحی ہیں۔ (۲)

جواب:

اس روایت سے استدلال اس بنا پر ہے کہ ایک صحابی بیداری میں نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں دعا کی درخواست کرتے ہیں آپ نے انہیں خواب میں بارش کی بشارت دی، انہوں نے یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بازگاہ میں بیان کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ اور تابعین کے سامنے اسے بیان کیا۔ اگر حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی بارگاہ میں دعا کی درخواست کرنا شرک ہوتا، تو حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ جیسے صحابی اس کا ارتکاب کیوں کرتے؟ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ یہ تو شرک تھا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ گویا صحابہ کرام کا یہ واضح ترین اجماع تھا کہ ان کا عمل نہ شرک تھا اور نہ ہی حرام، بلکہ آج تک مسلمہ ائمہ دین میں سے کسی نے بھی اسے شرک قرار نہیں دیا، تو اگر آج کوئی شخص صحابی کے اس عمل کو شرک یا حرام قرار دیتا ہے تو اس کا قول اجماع صحابہ اور ائمہ دین کے مقابل کیا حیثیت رکھتا ہے؟

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ: ۱-۲۳۸

(۲) وجاؤ ایر کضون - ۲۳

تیسرا اعتراض:

شیخ ابو بکر جزائری کا تیسرا اعتراض اس حدیث کی سند پر جرح ہے ان کا کہنا کہ اس کی سند میں اعمش ہیں جو مدلس ہیں، لہذا جب تک سماع کی تصریح نہ کریں ان کی روایت قابل استدلال نہیں ہے۔

جواب:

ائمہ محدثین سے پوچھیے کہ اعمش کون ہیں؟ وہ جلیل القدر تابعی اور ائمہ فقہ و حدیث کے استاذ ہیں، امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت شعبہ کے استاذ حدیث ہیں۔ صحیحین، بلکہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔ امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

جب تو ان مذکورہ حضرات، عطاء یزید، اور لیث کا منصور بن معتمر، سلیمان اعمش اور اسماعیل ابن ابی خالد سے حدیث کے ضبط اور استقامت میں موازنہ کرے، تو پہلے تین حضرات کو مؤخر الذکر حضرات سے الگ پائے گا یہ ان کے مقام کے قریب بھی نہیں ہیں علماء حدیث کے نزدیک یہ حقیقت بلا شک و شبہ ثابت ہے، کیونکہ منصور، اعمش اور اسماعیل کے حافظہ کی صحت اور ان کا حدیث کو محفوظ کرنا مشہور و معروف ہے۔

غور کیجیے اول الذکر تین حضرات مستور العیب ہیں، صادق اور صاحب علم ہیں، اس کے باوجود امام مسلم کے نزدیک مؤخر الذکر حضرات کے مقام کو نہیں پہنچتے جن میں امام اعمش بھی ہیں، اس سے اندازہ کیجئے کہ امام مسلم کے نزدیک امام اعمش کا مقام کیا ہے امام ابن ابی حاتم، امام اعمش کے بارے میں فرماتے ہیں:

ان سے سفیان ثوری اور شعبہ نے روایت کی ہے۔ یحییٰ ابن معین سے مروی ہے کہ سلیمان اعمش، ثقہ ہیں، جریر جب اعمش سے روایت کرتے تو کہتے کہ یہ دیباج (قیمتی روایت) ہے اور وہ اہل کوفہ کے استاذ ہیں عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں نے ابو زرہ کو کہتے ہوئے سنا کہ سلیمان اعمش امام ہیں۔ (۱)

امام احمد رضا خان بریلوی کا قول:

یہ امام اعمش، امام اجل، ثقہ ثبت، حجت، حافظ کبیر القدر، جلیل الفخر، اجلہ ائمہ تابعین و رجال صحاح ستہ سے ہیں جبکہ ان کی وثاقت، عدالت، جلالت، آفتاب نیم روز سے روشن تر، ان کا اسم مبارک سلیمان ہے۔۔۔ اسی تقریب میں تھا ”سَلِيمَانُ بِنُ مَهْرَانَ الْأَعْمَشُ ثِقَّةٌ، حَافِظٌ، عَارِفٌ بِالْقِرَاةِ، وَرَعٌ۔ (۱)

رہا یہ مسئلہ وہ مدلس ہیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تدلیس کیا ہے؟ کیا مدلس کی روایت مقبول ہی نہیں ہوتی۔ شارح مسلم امام نووی فرماتے ہیں۔ کہ تدلیس کی ایک قسم یہ ہے کہ راوی اپنے کسی معاصر سے وہ حدیث روایت کرے جو اس سے سنی نہیں ہے اور انداز ایسا ہو کہ سننے والے کو گمان ہو کہ اس سے حدیث سنی ہے مثلاً کہے: قال فلان، فلاں نے اس طرح کہا: عن فلان، فلاں سے روایت ہے، بعض علماء نے کہا ایسے شخص کی روایت مقبول نہیں ہے، اگرچہ سماع کی تصریح بھی کر دے۔

امام نووی فرماتے ہیں:

صحیح وہ ہے جو جمہور محدثین نے فرمایا اگر مدلس ایسے الفاظ سے روایت کرے جو احتمال رکھتا ہو، اور سماع کی تصریح نہ کرنے تو وہ مرسل ہے اور جس میں سماع کی تصریح کر دے مثلاً کہے سمعت، حدثنایا خبرنا وغیرہ تو وہ حدیث صحیح اور مقبول ہے اور قابل استدلال ہے۔ صحیحین وغیرہما کتب اصول میں اس قسم کی ان گنت حدیثیں ہیں، جیسے قتادہ، اعمش دونوں سفیان (سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ) اور ہشیم وغیرہم اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تدلیس جھوٹ نہیں ہے۔ غور کیجیے! امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ تدلیس جھوٹ نہیں ہے اور مدلس اگر سماع کی تصریح نہیں کرتا تو اس کی روایت مرسل ہے اور حدیث مرسل کی روایت میں امام نووی ہی کا بیان ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

پھر امام شافعی اور محدثین یا جمہور محدثین اور فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب یہ

ہے کہ مرسل سے استدلال نہیں کیا جائے گا، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور اکثر فقہاء فرماتے ہیں مرسل سے استدلال کیا جائے گا، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی دوسری روایت مرسل کو تقویت دینے والی مل جائے تو اس سے استدلال کیا جائے گا۔

مثلاً وہ حدیث دوسری سند سے مسنداً یا مرسلأ مروی ہو یا اس پر بعض صحابہ یا اکثر

علماء کا عمل ہو (۱)

حدیث مذکور میں ایک راوی مدلس ہے اور انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی

۔۔۔۔۔ تو وہ حدیث مرسل ہے اور حدیث مرسل امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد

کے نزدیک غیر مشروط طور پر حجت ہے ہم البدایۃ والنہایۃ کے حوالے سے دو روایتیں

دوسری سند سے نقل کر چکے ہیں لہذا بجاطور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث چاروں اماموں

کے نزدیک حجت ہے۔

امام بخاری وغیرہ دوسرے ائمہ حدیث نے امام اعمش سے مروی حدیث معنعن

سے استدلال کیا ہے امام بخاری نے ”باب الصلوٰۃ فی مسجد السوق“ میں اپنی سند کے ساتھ

روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ جماعت کی نماز اکیلے نماز پڑھنے سے از

روئے ثواب زائد ہوتی ہے۔ (۲)

امام بخاری کوئی متابع نہیں لائے تاکہ سماع کی تصریح ثابت کر سکیں بلکہ اسی

حدیث سے استدلال کیا۔ اور اسی پر اکتفاء کیا۔

اور مندرجہ ذیل سند حافظ ابن ابی شیبہ کی ہے۔۔۔ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ

الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ مَالِكِ الدَّارِ۔ ان دونوں سندوں میں مماثلت

دیکھو کہ دونوں سندوں میں ابو معاویہ اعمش سے اور وہ ابو صالح سے روایت کر رہے ہیں۔

اور امام ابن ماجہ نے اپنی کتاب کی ابتداء ہی ان احادیث سے کی ہے جو

امام اعمش سے بطریق عنعنہ مروی ہیں اگر ان کی روایات مقبول نہ ہوتیں تو نہ ائمہ

حدیث ان پر اعتماد کرتے اور نہ ہی ان سے استدلال کرتے۔

(۱) مقدمہ شرح مسلم، ۱۷۰

(۲) صحیح البخاری :- ۳۹، ۱

ابن تیمیہ نے کہا کہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ ابو بکر بن شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر میری قبر کے پاس درود بھیجا میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے درود بھیجا وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے

اس حدیث کو محمد بن مروان مدنی نے روایت کیا اور سدی صغیر ثقہ نہیں ہیں اس حدیث کو سدی نے اعمش سے روایت نہیں کیا۔ (۱)

دیکھو! ابن تیمیہ نے اس روایت کو رد کیا ہے مگر اس لیے نہیں کہ اس حدیث کی سند میں اعمش جیسا مدلس راوی ہے بلکہ اس لیے کہ سدی صغیر ثقہ نہیں ہے۔

چوتھا اعتراض:

مالک الدار جس پر اس روایت کا مدار ہے وہ مجہول ہیں، امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے ان کے ذکر پر سکوت اختیار کیا ہے اور علماء حدیث کے نزدیک یہ قاعدہ ہے کہ جس کے ذکر سے امام بخاری اور ابن ابی حاتم سکوت اختیار کریں وہ مجہول اور غیر معروف ہے۔

جواب:

سبحان اللہ کیا کہنا! یہ قاعدہ اصول حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملے گا اور نہ کوئی اس کو تسلیم کرے گا۔ اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے مالک الدار کا ذکر کیا ہے

امام بخاری کا قول:

مالک بن عیاض الدار روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے میرے رب! میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا مگر جب کہ میں عاجز ہو جاؤں، یہ قول علی نے محمد بن حارم سے انہوں نے ابو صاریج سے اور انہوں نے مالک الدار سے روایت کیا ہے۔ (۱)

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ۔ ۱۔ ۲۳۸

(۲) التاریخ الکبیر۔ ۵۔ ۳۰۳

امام ابن ابی حاتم کا قول:

مالک بن عیاض حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ان سے ابو صالح سمان نے روایت کی اور وہ کہتے ہیں میں نے ان سے سنا (۱)

امام ابن سعد کا قول:

مالک الدار حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں اور یہ قبیلہ حمیر میں سے جبلان کی طرف سے منسوب تھے مالک الدار نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور ان سے ابو صالح سمان نے اور وہ معروف تھے۔ (۲)

ابن سعد نے تصریح فرمائی ہے کہ وہ معروف تھے نہ کہ مجہول۔

علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی فرماتے ہیں۔

مالک الدار حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کے خازن تھے اور وہ مالک بن عیاض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے انہوں نے حضور ﷺ کا زمانہ مبارک پایا وہ شیخین اور حضرت معاذ اور حضرت ابو عبیدہؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے دو بیٹوں عبداللہ اور عوف کے علاوہ ابو صالح اور عبدالرحمن سعید الحزومی نے روایت کی ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے عیال کیلئے گلے کی پیمائش پر مقرر کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں انہیں تقسیم پر مامور کیا۔ (۳)

اور اگر مالک الدار پر اعتماد نہ کیا جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں خازن مقرر نہ فرماتے اور نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں تقسیم کے کام پر مقرر فرماتے۔

جیسا کہ امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے ان کا ذکر کیا اور ابن سعد نے تصریح فرمائی ہے کہ مالک الدار معروف ہیں نہ کہ مجہول۔

جبکہ علامہ زرقانی نے ان سے چار روایات ذکر کی ہیں یہ سب کچھ بیان کرنے کے

(۱) کتاب الجرح: ۸-۲۱۳

(۲) طبقات: ۵-۲۱

(۳) شرح المواہب: ۸-۷۷

بعد بھی اگر کوئی عالم یہ کہے کہ مالک الدار مجہول ہیں تو یہ علماء کی شان کے لائق نہیں ہے۔
 شیخ جزائری اس بات کے معترف ہیں کہ واقعہً اس روایت نے مجھے حیران کر
 دیا ہے جب میں نے مدینہ کے محدث شیخ حماد الانصاری سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا کہ
 میں نے اس حدیث کے ماخذ کا مطالعہ کیا چنانچہ یہ حدیث نہ تو سند کے اعتبار سے مقبول
 ہے نہ متن کے اعتبار سے

ہماری ذکر کردہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ان دو افراد نے امام بخاری
 کی تاریخ کبیر اور ابن ابی حاتم کی جرح و تعدیل نامی کتاب کی طرف مراجعت نہیں کی
 پانچواں اعتراض:

سیف ضبی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے جبکہ سیف ضبی پر کذاب اور زندق
 ہونے کی تہمت ہے اور اس کے بارے میں ابن ابی حاتم نے کہا کہ اس پر زندق ہونے
 کی تہمت ہے اور یہ منکر الحدیث ہے

جواب

ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ استدلال کا دار و مدار حافظ ابن ابی شیبہ کی
 روایت پر ہے اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اس روایت کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح
 الباری میں شارح بخاری علامہ قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند
 میں سیف ضبی کا ذکر نہیں کیا لہذا ہم اسے ضعیف قرار نہیں دے سکتے

چہ جائیکہ ہم اسے باطل قرار دیں جن دو روایات کا تذکرہ حافظ ابن کثیر نے کیا
 وہ متابع ہیں استدلال کا مدار ان پر نہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب جرح و تعدیل میں کہا ہے کہ سیف بن عمر ضبی
 ضعیف اور متروک الحدیث ہے اس کی حدیث واقدی کی حدیث کی طرح ہے۔ اس سے
 زیادہ کچھ نہ کہا ہم نہیں جانتے کہ کس مقام پر کہا ہے کہ اس پر زندق ہونے کی تہمت
 ہے۔ (۱)

یہاں پر یہ بات واضح کر دوں کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک انبیاء کرام

وصال کے بعد بھی زندہ ہیں تو کون سی چیز ان کی بارگاہ میں طلب دعا اور شفاعت کی درخواست کرنے سے مانع ہے؟

علامہ ابن قیم نے شیخ احمد بن عمرو سے نقل کیا ہے کہ موت صرف عدم محض نہیں بلکہ ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونا ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شہداء اپنے قتل اور موت کے بعد اپنے رب کے حضور زندہ ہوتے ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش و خرم ہیں اور یہ صفت حیات دنیا ہے جب یہ شان شہداء کی ہے تو انبیاء کی زندگی تو شہداء سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ زمین انبیاء کے اجساد کو نہیں کھاتی اور بیت المقدس میں معراج کی رات اور آسمان پر انبیاء کیساتھ ملاقات ہوئی اور خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ ﷺ کی ملاقات ثابت ہے اور آپ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں ہے جو آپ کو سلام پیش کرتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کی روح مبارکہ واپس لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ آپ سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں اس کے علاوہ دوسری احادیث جن سے اس بات کا قطعی ثبوت ملتا ہے کہ انبیاء کی موت کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اگرچہ وہ زندہ حالت میں موجود ہیں۔ (۱)

فصل:

حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنانا

رہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ، کو وسیلہ بنانا تو یہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کو ہی وسیلہ بنانا ہے کیونکہ انھیں وسیلہ بنانے کی وجہ فقط یہی تھی کہ وہ رسول اللہ کے چچا اور آپ کے ہاں ان کا ایک مقام ہے جیسے اس پر احادیث میں تصریح موجود ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ حضرت انس سے یوں مروی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس سے وسیلہ پکڑتے ہوئے کہا کرتے

اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ ﷺ فَتَسْقِينَا
وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِينَا فَاسْقِنَا (۱)
(اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی ﷺ کو وسیلہ بناتے تو بارش کا نزول ہو جاتا ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ دیتے ہیں ہمیں بارش عطا فرما)

اس میں الفاظ یہ ہیں، إِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِينَا (ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں) ہمارے دعویٰ پر یہ تصریح ہے امام ابن عبد البر مالکی نے استیعاب میں جن الفاظ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے اس میں اس سے بھی واضح الفاظ ہیں۔

جب سترہ ہجری کو قحط پڑا تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا، امیر المؤمنین قحط کی صورت میں بنی اسرائیل کے لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام کے قریبی رشتہ

داروں کو وسیلہ بنا کر دعا کیا کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

هَذَا عَمُّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَصِنُّوْ أَبِيهِ وَ سَيِّدُ بَنِي هَاشِمٍ

(رسول اللہ ﷺ کے چچا آپ کے والد کے نائب اور ہاشمی خاندان کے سردار ہیں)

پھر ان کے پاس گئے اور بتایا کہ لوگ قحط سالی کی وجہ سے پریشان ہیں پھر

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر خطبہ دیا اور یہ دعا کی

اللَّهُمَّ إِنَّا تَوَجَّهْنَا إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا وَصِنُّوْ أَبِيهِ

فَاسْقِنَا الْغَيْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِينَ

(اے اللہ! ہم تیری بارگاہ اقدس میں اپنے نبی کے چچا جو ان کے والد کی

جگہ ہیں کے ساتھ حاضر ہیں ہمیں بارش عطا فرما اور ہمیں ناامید نہ کرنا)

اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا

قُمْ يَا أَبَا الْفَضْلِ فَادْعُ (الاستیعاب، باب عباس) اے ابوالفضل اب تم دعا کرو

امام موصوف لکھتے ہیں ہمیں متعدد اسناد سے معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نماز استسقاء کے لئے نکلے تو ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو لیا اور وہاں ان الفاظ کے

ساتھ دعا کی

اللَّهُمَّ إِنَّا نَتَقَرَّبُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ ﷺ نُسْتَشْفَعُ

بِهِ فَاحْفَظْ فِيهِ بِنَبِيِّكَ كَمَا حَفِظْتَ الْغُلَامِينَ

لِصَّلَاحِ أَبِيهِمَا (۱)

(اے اللہ ہم تیری بارگاہ مبارکہ میں تیرے نبی کے چچا کے ساتھ حاضر ہیں

اور انھیں سفارشی بنا رہے ہیں تو ان کی وجہ سے اپنے نبی کی نسبت کا خیال

فرما جیسے تو نے دونو جوانوں میں ان کے نیک والدین کا خیال فرمایا تھا)

اس موقع پر جن کلمات کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی

بارگاہ میں دعا کی وہ ہمارے مدعی کو آشکار کر رہے ہیں

حافظ ابن حجر عسقلانی (ت، ۸۵۲) لکھتے ہیں کہ امام زبیر بن بکار نے سند کے

ساتھ الانساب میں اس واقعہ کی تفصیل میں نقل کیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر یوں دعا کی

اللَّهُمَّ أَنَّهُ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ إِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ يَكْشِفْ إِلَّا
بِتَوْبَةٍ وَقَدْ تَوَجَّهَ الْقَوْمُ بِى إِلَيْكَ لِمَكَانِي مِنْ نَبِيِّكَ
وَهَذِهِ أَيْدِينَا إِلَيْكَ بِالذُّنُوبِ وَ نَوَاصِينَا إِلَيْكَ
بِالتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ (۱)

(اے اللہ کوئی مصیبت گناہ کے بغیر نازل نہیں ہوتی، اس کا ازالہ توبہ کیے بغیر نہیں۔ لوگوں نے تیرے نبی ﷺ کے قرب کی وجہ سے مجھے وسیلہ بنایا ہے۔ یہ گنہگار ہاتھ تیری بارگاہ کی طرف ہیں اور ہم ہر شرمندگی سے توبہ کرتے ہیں ہم پر بارش کا نزول فرما)

تو یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ ہی ہے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منع نہ کرنا

اس سے قبل، حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ بات ذکر کی گئی کہ انھوں نے دورِ فاروقی میں حضور ﷺ کو وسیلہ بنایا اور یہ بات انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں لائی اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بعد از وصال ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کے منکر ہوتے تو انھیں اس سے منع کرتے اور تائید نہ کرتے حالانکہ انھوں نے منع کرنے کے بجائے ان کی بات کے مطابق عمل کر کے ان کی تائید کی، شیخ غماری نے خوب لکھا۔

فَعُمِّرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمْ يَنْهَ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ عَمَّا
فَعَلَ وَلَا نَبَّهَ وَلَوْ كَانَ التَّوَسُّلُ بِالنَّبِيِّ ﷺ مَمْنُوعًا
فِي اجْتِهَادِهِ لَمَا سَكَتَ عَنْ بِلَالٍ بَلْ لَصَاحَهُ بِالنَّهْيِ
وَصَكَّ بِهِ صَكَ الْجُنْدَلِ وَ شِدَّةُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ فِيهَا

يَرَاهُ حَقًّا مَعْرُوفَةً لَا تَحْتَاجُ إِلَى اسْتِدْلَالٍ (۱)
 (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلال بن حارث کو اس عمل سے نہ منع کیا اور نہ
 اس پر تنبیہ کی اگر نبی ﷺ کو وسیلہ بنانا ان کے ہاں منع ہوتا تو وہ بلال
 کے اس عمل پر خاموش نہ رہتے بلکہ وہ اس سے فی الفور سختی سے منع کرتے
 حق کہنے کے معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شدت مشہور ہے اور وہ
 کسی تعارف و دلیل کی محتاج نہیں)

تو واضح ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ذات نبی سے وسیلہ کے منکر نہ تھے اور
 انہوں نے اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا تو اس کی وجہ ان کا عمّ نبی ہونا ہے اور
 ان کے قرب و مقام کی وجہ سے انہیں وسیلہ بنایا

۴۔ اکرام نبوی ﷺ کی وجہ سے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس لئے وسیلہ نہیں بنایا
 کہ وہ حضور کی ذات اقدس سے وسیلہ نہیں مانتے تھے بلکہ اس کی وجہ روایات میں یہی آئی
 ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ حضرت عباس کا خوب اکرام و احترام فرمایا کرتے تو رسول
 اللہ ﷺ کی اقتداء کرتے ہوئے انہوں نے ایسا کیا جیسے امام زبیر بن بکار نے انساب
 میں سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
 قحط سالی میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بارش کے لئے وسیلہ بناتے ہوئے فرمایا

فَخَطَبَ النَّاسَ عُمَرُ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ
 يَزِي مَا يَزِي وَلَدٌ لِلْوَالِدِ فَاقْتَدُوا أَيُّهَا النَّاسُ
 بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَاتَّخِذُوا وَسِيلَةً إِلَى اللَّهِ (۲)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کیا اور بتایا رسول اللہ ﷺ
 ان کو والد کی طرح ہی جانتے تو ان میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرو
 اور انہیں بارگاہ الہی میں وسیلہ بناؤ)

(۱) مصباح الزجاجة في فوائد صلاة الحاجة، ۳۷

(۲) فتح الباری، ۲، ۳۹۸

اسے بلاذری نے بھی سند کے ساتھ نقل کیا
صالحین سے توسل:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے یہ واضح کرنا چاہا کہ حضور ﷺ کے علاوہ آپ کی اُمت کے اولیاء و صالحین کو بھی وسیلہ بنانا جائز ہے ائمہ اُمت نے ان کے اس عمل سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی اس واقعہ کے فوائد میں لکھتے ہیں

يُسْتَفَادُ مِنْ قِصَّةِ الْعَبَّاسِ اسْتِحْبَابُ الْاِسْتِشْفَاعِ
بِاهْلِ الصَّلَاحِ وَالْخَيْرِ وَاَهْلِ بَيْتِ النَّبُوَّةِ (۱)

(حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے یہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ

نیک، اہل خیر اور اہل بیت نبوی کو وسیلہ، سفارشی بنایا جاسکتا ہے)

ان کا یہ عمل اس لئے نہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو بعد از وصال وسیلہ نہ مانتے

تھے بلکہ انہوں نے اس سے آگاہ کیا کہ ہر نیک آدمی کو بارگاہ الہی میں وسیلہ بنایا جاسکتا ہے
تا کہ لوگ اس پر فتویٰ بازی نہ کریں۔

فصل:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ كِي تَيْنِ تَفَاسِيرٍ أُولَىٰ كَوْنِ سَيِّءٍ؟

مذکورہ روایت میں رسول اللہ ﷺ نے خود ”یا محمد“ کہنے کی اجازت و تعلیم دی ہے کچھ لوگ حقیقتِ حال سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے ہر حال میں ان الفاظ سے پکارنے سے منع کرتے ہوئے آیت مبارکہ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا سے استدلال کرتے ہیں لہذا ہم یہاں اس کی کچھ وضاحت بھی کر دیتے ہیں

آیت مبارکہ کی تفاسیر

اس آیت مبارکہ کی تین تفاسیر ہیں

- ۱- تم میں سے رسول اللہ ﷺ کے بلانے اور یاد فرمانے کو ایک دوسرے کے بلانے کی طرح مت سمجھو آپ ﷺ جیسے ہی طلب فرمائیں حاضر ہو جاؤ اگرچہ تم حالت نماز میں ہی کیوں نہ ہوں
 - ۲- رسول اللہ ﷺ کی دعا کو اپنی دعاؤں کی طرح مت سمجھو کیونکہ جو مقام آپ کی دعا کا ہے وہ کسی دوسرے کی دعا کا کہاں ہو سکتا ہے؟
 - ۳- رسول اللہ ﷺ کو اس انداز سے مت بلاؤ جس طرح تم ایک دوسرے کو بلا تے ہو
- پہلی تفسیر اولیٰ ہے

اگرچہ تینوں تفاسیر میں کوئی تضاد نہیں مگر پہلی تفسیر اولیٰ ہے کیونکہ آیت مبارکہ کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ دوسری تفاسیر یہاں اولیٰ نہیں اس وجہ سے مفسرین کرام نے

پہلے معنی کو ہی اولیٰ قرار دیا ہے۔ چند تصریحات ملاحظہ ہوں

۱۔ امام فخر الدین رازی (ت: ۶۰۶) اس معنی کو ترجیح دیتے ہوئے یوں بیان کرتے ہیں

لَا تَجْعَلُوا أَمْرَهُ إِيَّاكُمْ وَدُعَاءَهُ لَكُمْ كَمَا يَكُونُ مِنْ
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ إِذَا كَانَ أَمْرُهُ فَرَضًا لَازِمًا هُوَ
إِخْتِيَارُ الْمُبَدَّرِ وَالْقَفَالِ وَالْوَجْهُ الْأَوَّلُ أَقْرَبُ إِلَى
نَظْمِ الْآيَةِ (۱)

(رسول اللہ ﷺ جو تمہیں حکم دیں اسے تم ایک دوسرے کے حکم کی طرح
مت سمجھو کیونکہ آپ ﷺ کا حکم لازم ہے یہ امام مبرد اور قفال کا مختار
ہے اور یہی معنی نظم آیت کے زیادہ قریب و مناسب ہے)

۲۔ امام سید محمود آلوسی (ت: ۱۲۷۰) نے دو معانی بیان کرتے ہوئے پہلا یوں لکھا

لَا تَقْيِسُوا دُعَاءَهُ ﷺ إِيَّاكُمْ عَلَى دُعَاءِ بَعْضِكُمْ
بَعْضًا فِي حَالٍ مِنَ الْأَحْوَالِ (۲)

(رسول اللہ ﷺ جب تمہیں بلا تے ہیں اس بلا نے کو کبھی بھی آپس میں
بلانے کی طرح مت سمجھو)

دوسری تفسیر و معنی ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

أَلَا ظَهَرَ فِي مَعْنَى الْآيَةِ مَا ذَكَرْنَاهُ أَوَّلًا (۳)

(آیت کا وہی معنی زیادہ مناسب ہے جو ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے)

۳۔ شیخ عبد الماجد دریا آبادی خلیفہ اشرف علی تھانوی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں

اے لوگو! رسول اللہ ﷺ کو اس طرح مت پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے
کو پکارتے ہو منقول یہ تفسیر بھی ہے لیکن سیاق سابق سے بہت بعید ہے (۴)

۴۔ سید مودودی لکھتے ہیں

(۱) تفسیر کبیر ج ۲۳، ۲۹

(۲) روح المعانی، ۱۸-۲۰۲

(۳) (ایضاً)

(۴) تفسیر ماجدی، ۷۶۸

ان تینوں کا مطلب اگرچہ معنی کے لحاظ سے صحیح اور قرآن کے الفاظ تینوں کو شامل ہیں لیکن بعد کے مضمون سے پہلا مطلب ہی مناسبت رکھتا ہے (۱)

کچھ اہل علم نے تیسرے معنی و تفسیر کو ضعیف بھی قرار دیا ہے مثلاً امام قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی (ت: ۶۸۵) نے آیت کی دوسری تفسیر یہ کی

وَقِيلَ لَا تَجْعَلُوا نِدَاءً هُوَ تَسْبِيْتُهُ كِنِدَاءِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ بِاسْمِهِ (۲)

(کہ آپ ﷺ کو نام لے کر نہ بلاؤ جیسے تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو)

تو اس پر امام احمد خفاجی (ت: ۱۰۶۹) نے لکھا

لَمَّا كَانَ الْأَوَّلَ أَظْهَرَ مَرَضَ هَذَا وَآخَرَ (۳)

(چونکہ پہلی تفسیر مختار اور اظہر تھی اس لیے دوسری تفسیر کو ضعیف قرار دیتے

ہوئے اسے مؤخر کیا)

اس مسئلہ پر نہایت ہی تحقیق کے ساتھ علامہ مفتی غلام سرور قادری مدظلہ نے کتاب 'ندائے یا محمد' لکھی ہے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے اس سے ایک اقتباس درج ذیل ہے

آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی محمد ﷺ کی دو حیثیتیں:

یہ مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی محمد ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں ایک اسی علمی حیثیت ہے جس میں نام کے معنوں کا لحاظ نہ ہو جیسے عام لوگوں کے نام ہوتے ہیں جب ہم کسی کو اس کے نام سے پکارتے ہیں تو اس کے نام میں معنویت اور وصفیت کا کوئی لحاظ نہیں رکھتے۔ مثلاً کسی کا نام اس کے ماں باپ نے "چراغ دین" رکھا ہے۔ اس کا نام رکھتے وقت اس کے ماں باپ کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ بچے کو دین کا چراغ کرے گا اور جب اس بچے کو کوئی دوسرا شخص اسی نام سے پکارتا ہے تو اس سے محض اس کی

(۱) تفہیم القرآن، ۳-۲۲

(۲) انوار التزیل، ۳-۲۶۱

(۳) حاشیہ الخفاجی، ۶-۲۰۲

شخصیت کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت کو متوجہ کرنے کے ساتھ اس کے نام کی وصفیت کے ذریعے اس کی مدح و توصیف مقصود نہیں ہوتی لیکن آپ ﷺ کے اسم گرامی کی بات اس سے مختلف ہے

حضور ﷺ کے اسم گرامی میں شروع سے ہی وصفیت ملحوظ تھی:

کیونکہ جب آپ کا اسم گرامی ”محمد“ آپ ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب نے تجویز فرمایا تھا اس وقت آپ کے اسم گرامی میں وضعی اور وضعی معنی کو ملحوظ رکھا گیا۔ چنانچہ سیرت حلبیہ میں ہے

لَا يَخْفَى أَنَّ جَمِيعَ أَسْمَاءِ هِ ﷺ مُشْتَقَّةٌ مِنْ صِفَاتٍ
قَامَتْ بِهِ تَوْجِبُ لَهُ الْمَدْحُ وَالْكَمَالُ فَلَهُ مِنْ كُلِّ
وَصْفٍ إِسْمٌ (۱)

(یہ بات مخفی نہ رہے کہ آپ ﷺ کے تمام اسماء گرامی ایسی صفات سے ماخوذ ہیں جو آپ میں پائی جاتی ہیں جن سے آپ کی مدح و کمال ثابت ہوتا ہے پس ہر وصف سے آپ ﷺ کا ایک اسم گرامی ماخوذ ہے)

علامہ امام علی بن برہان حلبی علیہ الرحمہ ۱۰۳۳ھ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے اسم گرامی میں وصفیت کا معنی ملحوظ ہے اس کے بعد موصوف فرماتے ہیں جس کا ترجمہ عرض ہے: آپ ﷺ کا اسم گرامی ”محمد“ آپ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب نے رکھا، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کی پیدائش کے ساتویں روز آپ کا عقیقہ کیا گیا ایک مینڈھے کو ذبح کیا گیا اور آپ کا نام آپ کے جد امجد نے ”محمد“ رکھا تو ان سے عرض کی گئی کہ اے ابو الحارث (یہ حضرت عبدالمطلب کی کنیت ہے) آپ نے اپنے پوتے کا نام محمد کیونکر رکھا ہے؟ اس کا نام اپنے آباء کے نام پر کیوں نہیں رکھا؟ دوسری روایت میں ہے کہ یہ نام آپ کے آباء و اجداد اور آپ کی قوم میں سے کسی کا نہیں ہے آپ نے جواب دیا

أَرَدْتُ أَنْ يُحْمَدَهُ اللَّهُ فِي السَّمَاءِ وَيُحْمَدَهُ النَّاسُ فِي الْأَرْضِ

میں نے ان کا نام محمد (حمد سے ماخوذ) اس لیے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر اور لوگ زمین پر اس کی حمد و تعریف کریں علامہ موصوف فرماتے ہیں۔ یہ اس مشہور روایت کے مطابق ہے جس میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کے جد امجد نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام پر آپ کا نام محمد رکھا اس میں ان کی مراد نیک شگون تھی کہ مخلوق ان کی حمد و تعریف کرے گی کیونکہ آپ ایسی پیاری خصلتوں کے مالک واقع ہوں گے جو قابل تعریف و ستائش ہوں گی اور واقعی آپ ﷺ ایسے ہوئے اور اسی لیے محمد، محمود سے ابلغ ہے اور اسی طرف حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے قول میں اشارہ فرمایا ہے

فَشَقَّ لَهُ مِنْ إِسْمِهِ لِيَجْلَهُ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَ هَذَا مُحَمَّدٌ

(کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم گرامی ”محمود“ سے آپ کے اسم گرامی ”محمد“ کو بنایا عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ہے)

علامہ موصوف آگے چل کر فرماتے ہیں

وَأَمَّا هَذَا فَهُوَ الَّذِي يَحْمَدُهُ أَهْلُ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
وَأَهْلُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (۱)

(یہ وہ محمد ﷺ ہیں جن کی آسمان والے اور زمین والے اور دنیا و آخرت والے تعریف کرتے ہیں)

یعنی جیسے حضور ﷺ کے جد امجد نے نام رکھتے وقت حمد کا تصور کیا تھا ویسے ہی ہوا کہ آسمان و زمین اور دنیا و آخرت والے آپ کی تعریف سے رطب اللسان ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں:

إِنَّ مُحَمَّدًا مِّنْ كَثَرِ حَمْدِ النَّاسِ لَهُ

(محمد ﷺ کہتے ہی اس ذات والا صفات کو جن کی لوگ بکثرت تعریف کرتے ہیں)

اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آپ کے نام مبارک میں وصفیت شروع سے ہی

محفوظ تھی، ہے اور رہے گی

کفار کا اعتراف کہ آپ کے اسم گرامی میں وصفی معنی ملحوظ ہیں:

اس بات کا کفار بھی اعتراف کرتے ہیں کہ آپ کے اسم گرامی میں وصفی معنی ملحوظ ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو کفار ”محمد“ (تعریفوں والے) کی بجائے مذمم (برائی والے) کہہ کر گالیاں دیتے تھے اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا

أَلَا تَعْجَبُونَ كَيْفَ يُضْرَفُ اللَّهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ
وَلَعَنَهُمْ يَشْتَبُونَ مُذَمَّمًا وَأَنَا مُحَمَّدٌ (۱)

(کیا تمہیں یہ بات عجیب نہ لگے گی کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے قریش کی گالی گلوچ کو کیسے پھیرتا ہے وہ مذمم کو گالی دیتے ہیں اور میں تو محمد (تعریفوں والا) ہوں)

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کفار آپ کے اسم گرامی کے وصفی معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس نام سے گالی دیتے اپنی حماقت تصور کرتے تھے یعنی وہ سمجھتے تھے کہ جنہیں ہم گالی دیتے اور برا بتاتے ہیں اور جس نام سے ہم انہیں پکارتے ہیں وہ تو محمد ہے اور محمد ﷺ کا معنی بار بار تعریف کیا ہوا ہے اور یہ نام اس بات سے پاک ہے کہ ہم اس کی نسبت برائی کی طرف کریں ایک طرف تو زبان پر ان کا نام محمد لیں اور دوسری طرف سے اس کو برا بتائیں اس سے بڑھ کر کم عقلی کی کون سی بات ہوگی لہذا ان کا نام محمد نہ لیا کرو بلکہ مذمم کہہ کر گالی دیا کرو۔ لہذا یہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کے اسم گرامی محمد میں حمد و تعریف کا وصفی معنی بڑی شہرت رکھتا ہے۔ لہذا اس مبارک نام میں جو وصفیت ہے کہ اس کے اعتبار سے آپ کو نداء کرنا بلاشبہ جائز ہے اور ممانعت کا تعلق اس بات سے ہے کہ آپ کے اسم گرامی کو ادب و احترام کے بغیر عامیانہ انداز میں یا عام لوگوں کی طرح زبان پر لا کر قرینہ تعظیم کے بغیر عام طریقے سے نداء کی جائے چنانچہ مفسرین نے یہ لکھا ہے

ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی ”كِنْدَاءٌ بَعْضِكُمْ بَعْضًا“ میں کاف تشبیہ سے

واضح ہے یعنی تم آنحضرت ﷺ کو ایسے نہ پکارو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے

ہو، ظاہر ہے کہ ہمارا ایک دوسرے کو پکارنا عامیانه طریقے سے ہوتا ہے اور خالی نام سے پکارنا ہوتا ہے جس میں وصفی معنی ملحوظ ہی نہیں ہوتا اور یا پس دیوارِ حجرہ، عامیانه طریقے سے نداء کرنا اور بجائے اس کے کہ آپ ﷺ کے تشریف لانے کا انتظار کیا جائے آپ کی گھریلو مصروفیات یا استراحت و آرام میں حائل نہ ہو جائے آپ ﷺ کو پس دیوارِ نداء کر کے آپ کے آرام و سکون میں خلل انداز ہونا بھی ممنوع ہے جیسے کہ تفسیر روت المعانی میں ہے۔

وَالنِّدَاءُ وَرَاءَ الْحُجُرَاتِ (۱)

(آپ ﷺ کے آرام و سکون کا خیال کیے بغیر) حجروں کی دیواروں

کے پیچھے آپ کو عامیانه طریقے سے نام لے کر مت بلاؤ

اور امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں

ذَلِكَ نَهَى مِنَ اللَّهِ أَنْ يَدْعُو رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِغَلْظٍ وَ

جَفَاءٍ وَ أَمَرَهُمْ أَنْ يَدْعُوهُ بِلِينٍ وَ تَوَاضِعٍ وَ

لَا يَقُولُوا يَا مُحَمَّدٌ فِي تَجْهِمِهِ (۲)

(یعنی یہ اللہ کی طرف سے اس بات کی ممانعت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو

سخت درشت (بے ادبی سے) اور ترش لب ولہجہ میں یا محمد کہہ کر پکارا

جائے اور اسی میں تواضع سے پکارنے کا حکم ہے)

یہ روایت سیدنا مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے معلوم ہوا کہ مطلقاً یا محمد سے

پکارنا منع نہیں بلکہ قرینہ تعظیم کے بغیر عام لوگوں کی طرح پکارنا منع ہے اگر رسول

اللہ ﷺ کے اسم گرامی سے پکارنا آپ کے ادب کے خلاف ہے تو اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی

بھی ذاتی ہے لہذا ”یا اللہ“ سے نداء بھی جناب باری تعالیٰ میں سوء ادبی ہوگی ایک چیز اگر

نبی کی شان کے خلاف ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف بطریق اوں ہو سکتی ہے لہذا

”یا اللہ“ کہنا درست نہ ہوگا۔ اسی طرح عثمانی صاحب جن کا تعلق دیوبندی مکتب فکر سے

ہے لکھتے ہیں نیز مخاطبات میں حضور ﷺ کے ادب و عظمت کا پورا خیال رکھنا چاہیے عام

(۱) روح المعانی، ج ۱۸، ص: ۲۰۴

(۲) تفسیر ابن جریر طبری، ج ۸، ص: ۱۳۴

لوگوں کی طرح یا محمد وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے انہوں نے بھی ہمارے دعوے کی تائید کی ہے کہ

مطلقاً ”یا محمد“ کہنے کی ممانعت نہیں بلکہ عام لوگوں کی طرح (کسی بھی ایسے طریقے سے جس میں تعظیم کا پہلو نہ نکلتا ہو) آپ ﷺ کو نداء نہ کریں (۱)

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ كِتَابُكَ تَعْلِيمٌ (اے نبی آپ پر سلام ہو)

ہر نماز میں اللہ تعالیٰ نے تشہد کا حکم دے رکھا ہے اس کے کلمات معروف ہیں التحیات للہ والصلوات، الخ اس میں نمازی یونہی بارگاہ خداوندی میں اپنی عبودیت و بندگی، تواضع و انکساری اور مالی و بدنی عبادات پیش کرتا ہے تو اسے حکم ہے وہ اپنے نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں یوں سلام عرض کرے

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ
(اے نبی محترم آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکات کا نزول ہو)

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ اور (يَا نَبِيَّ اللَّهِ) میں کوئی فرق نہیں:

یہاں اس بات کو ذہن نشین کر لینا نہایت ہی ضروری ہے کہ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ اور السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ میں ہرگز کوئی فرق نہیں، اگر ایک نماز کے اندر جائز ہے تو دوسرا کیوں جائز نہیں حالانکہ دونوں کا معنی و مفہوم یکساں ہے اس پر بھی ہم اہل علم کی تصریح ذکر کر دیتے ہیں

امام ابو بکر حسین بیہقی (ت، ۴۵۸) حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حکم

سلام، (وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا) کی تفصیل میں لکھتے ہیں

أَمَّا السَّلَامُ فَهُوَ أَنْ يُقَالَ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ أَوْ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَوْ يَا

رَسُولُ (۱)

(سلام کی تفصیل یہ ہے کہ یوں سلام عرض کیا جائے السَّلَامُ عَلَي النَّبِيِّ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ)

امام احمد خفاجی (ت، ۱۰۶۹) نے سلام کی تفصیل ان کلمات سے کی ہے

إِنَّ الْمُرَادَ بِالسَّلَامِ قَوْلُهُمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (۱)

(سلام عرض کرنے سے مراد الصلوة والسلام عليك يا رسول الله ہے)

نماز اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض سلام:

نمازی جس طرح بقیہ تمام نماز، ثناء، فاتحہ اور تسبیحات رکوع و سجود وغیرہ بطور انشاء ادا کرتا ہے اس طرح آپ کی خدمت اقدس میں سلام بھی بطور انشاء ہی عرض کرے، یہ کلمات بطور حکایت و اخبار نہ کہے جیسا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کتنے افسوس کی بات ہے باقی تمام نماز بطور انشاء ادا کی جائے اور یہ کلمات بطور حکایت کہے جائیں، آخر ان کو بطور حکایت پڑھنے پر کونسی نص ہے؟ اللہ و رسول جنہوں نے یہ کلمات نماز میں شامل فرمائے انہوں نے ان میں اور بقیہ نماز میں کسی فرق و امتیاز سے آگاہ نہیں فرمایا، اگر انہوں نے امتیاز نہیں کیا تو کسی دوسرے کو یہ حق کیسے دیا جاسکتا ہے کہ ان میں امتیاز و تفریق کی کوشش کرے۔

فصل:

بطور انشاء و عرض پڑھنے پر دلائل

ہم یہاں ’السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ‘ بطور انشاء پڑھنے پر دلائل ذکر کر دیتے ہیں اس سے پہلے بطور تمہید التحیات کا پس منظر سامنے لانا ضروری ہے

۱۔ تعلیم التحیات کا پس منظر:

امام دارقطنی نے صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہم تعلیم تشہد سے پہلے یوں کیا کرتے تھے

السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ، السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائيلَ
(اللہ پر سلام، جبریل و میکائیل پر سلام)

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

لَا تَقُولُوا كَذَا فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ لَكِنْ قُولُوا
التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ اخ (۱)

(اس طرح نہ کہو کیونکہ اللہ سرِ اِسلام ہے تم یوں کہو التحیات لله اخ)

بخاری و مسلم میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا جب تم تشہد میں بیٹھو تو التحیات لله اخ پڑھا کرو اور ’وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ‘ کے ساتھ فرمایا

فَإِنَّكُمْ إِذَا فَعَلْتُمْ ذَلِكَ فَقَدْ سَلَّمْتُمْ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ لِلَّهِ
الصَّالِحِ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

(جب تم نے یہ پڑھا تو تم نے ہر بندہ صالح پر سلام کیا خواہ وہ آسمان پر

(۱) سنن الدارقطنی، باب صفة التشہد

ہے یا میں پر)

رسول اللہ ﷺ نے اُمت کو نماز میں جو تشہد کی تعلیم دی، اس کی حکمت بھی یہی تھی کہ اُمت نماز میں حسب درجہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے بندوں کی بارگاہ میں تحیہ و سلام عرض کرے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ یہ تمام بطور انشاء و دعا ہونہ کہ بطور حکایت و خبر۔ اگر السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کے کلمات بطور حکایت ہوں تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں تحیہ اور اس کے صالحین بندوں کے لیے دعا تو ہو مگر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام نہ ہو اور ایسی بات اسلام کبھی برداشت ہی نہیں کرتا کیونکہ خصوصی طور پر سلام آپ ﷺ کے لیے شامل کیا گیا ہے اس حکمت کو اہل علم نے یوں بیان کیا ہے

امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی (ت، ۷۴۳) تعلیم تشہد پر لکھتے ہیں

وَعَلَيْهِمْ أَنْ الدُّعَاءَ لِلْمُؤْمِنِينَ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ شَامِلًا لَهُمْ وَعَلَيْهِمْ مَا يَعْتُهُمْ وَأَمْرُهُمْ بِأَفْرَادٍ صَلَوَاتِ اللَّهِ عَلَيْهِ بِالذِّكْرِ لِشَرَفِهِ وَمَزِيدٍ حَقَّهُ عَلَيْهِمْ وَتَخْصِيصِ أَنْفُسِهِمْ فَإِنَّ الإِهْتِمَامَ بِهَا أَهَمُّ (۱)

(آپ ﷺ نے اہل ایمان کے لئے ایسی دعا کی تعلیم دی جو تمام کو شامل و عام ہو اور اپنی ذات صلوات اللہ علیہ کے لئے الگ سلام کا حکم دیا اور یہ آپ ﷺ کے شرف اور نمازیوں پر خوب حق کی وجہ سے ہے اور اپنے لئے دعا کیونکہ اس کا اہتمام اہم اور ضروری ہے)

حافظ ابن حجر عسقلانی (ت، ۸۵۲) نے یہی بات امام بیضاوی کے حوالہ سے لکھی ہے

عَلَيْهِمْ أَنْ يُفْرَدُوا ﷺ بِالذِّكْرِ لِشَرَفِهِ وَمَزِيدٍ حَقَّهُ عَلَيْهِمْ (۲)

(رسول اللہ ﷺ کے مقام عالی اور مسلمانوں پر لازم حق کی وجہ سے آپ ﷺ کے تذکرہ و سلام کا الگ حکم دیا)

(۱) الکاشف، ۲، ۲۱۹

(۲) فتح الباری، ۲، ۲۵۰

وسیلہ کی وجہ سے تقدیم

جب یہ سوال اٹھا کہ دعا میں تعلیم یہ ہے کہ پہلے اپنے لیے دعا کی جائے اور پھر دوسروں کے لیے جیسے

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ
الْحِسَابُ ﴾ (۱)

(اے ہمارے رب مجھے معاف کر دے ہمارے والدین کو اور مومنوں کو
حساب کے دن)

امام ترمذی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہی تھا کہ جب کوئی آپ ﷺ سے دعا کے لیے عرض کرتا تو آپ ﷺ پہلے اپنے لیے دعا کرتے (۲)

تو یہاں تشہد میں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کہ پہلے اپنے لیے پھر دوسروں کے لیے دعا کی جاتی لیکن یہاں پہلے اپنے لیے نہیں بلکہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے اس کا جواب دیتے ہوئے محدثین نے لکھا چونکہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہمارے لئے بارگاہ الہی میں وسیلہ ہے اس لیے انہیں مقدم کیا گیا ہے

حضرت ملا علی قاری (ت، ۱۰۱۴) اَلْسَّلَامُ عَلَيْنَا کے تحت رقمطراز ہیں کہ اس سے مراد موجود نمازی اور ان کے ساتھ ملائکہ ہیں

وَقَدَّمَ اَنْفُسَهُمْ لِاِنَّهٗ اَدَّبَ الدُّعَاءِ وَ قَدَّمَ النَّبِيَّ
ﷺ لِاِنَّهٗ الْوَسِيْلَةُ (۳)

(پہلے اپنے کو مقدم کیا کیونکہ دعا کا طریقہ یہی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو
سب سے مقدم کیا اس لئے کہ آپ کی ذات اقدس وسیلہ ہے)

۲۔ اَلْسَّلَامُ عَلَيْكَ كَا مَعْنَى:

تمام ائمہ نے اَلْسَّلَامُ عَلَيْكَ کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ بھی یہی واضح کرتا

(۱) ابراہیم: ۴۱

(۲) فتح الباری، ۲، ۲۵۰

(۳) المرقاة المفاتیح، ۲، ۶۲۸

ہے کہ یہ کلمات نماز بطور انشاء و دعا ہی ہیں
اہل علم نے یہ حقیقت بھی آشکار کی ہے کہ تشہد میں حسب درجہ تحیہ و سلام ہے مثلاً
اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ سلام مناسب نہیں بلکہ تحیہ کا لفظ ہے اسی طرح اپنے اوپر اور دیگر
صالحین کے لیے دعا ہے اس طرح اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے الفاظ سلام مخصوص
ہیں تاکہ اس سے آپ کا مقام و شرف بندے پر آشکار ہو امام بیضاوی اس حقیقت کو ان
الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔

عَلَيْهِمْ أَنْ يُفَرِّدُوهُ ﷺ بِالذِّكْرِ لِشَرَفِهِ وَمَزِيدٍ حَقِّهِ
عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَلَيْهِمْ أَنْ يَخْصُوهُ انْفُسُهُمْ أَوْلًا لِأَنَّ
الْإِهْتِمَامَ بِهَا أَهَمُّ ثُمَّ أَمَرَهُمْ بِتَعْيِيبِهِمُ السَّلَامَ عَلَى
الصَّالِحِينَ إِعْلَامًا مِنْهُ بِأَنَّ الدُّعَاءَ لِلْمُؤْمِنِينَ يَنْبَغِي
أَنْ يَكُونَ شَامِلًا لَهُمْ (۱)

(مسلمانوں کو تعلیم دی کہ اللہ کا رسول ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ
کا تذکرہ الگ کریں پھر انھیں اپنے لئے دعا کا کہا کیونکہ اس سے شروع
ہونا اہم ہے پھر تمام صالحین پر سلام کا حکم ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ دعا
میں تمام اہل ایمان کو شامل کرنا چاہیے ﷺ کی عظمت اور آپ کے عظیم
حق کی وجہ سے جو آپ کو مخلوق پر حاصل ہے (جبکہ مخلوق کا فرض ہے کہ
آپ کی تعظیم و توقیر بجالائے)

زمین و آسمان کے ہر صالح کو دعا کا پہنچنا:

بخاری میں ہے حضور ﷺ نے تشہد کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا جب تم یہ کلمات
پڑھتے ہو وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ (اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں پر سلام ہو)
أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلَّهِ الصَّالِحِ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
(تو زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے ہر صالح بندے کو پہنچتی ہے)

اس کے تحت حافظ ابن حجر عسقلانی (ت، ۸۵۲) امام فاکھانی کے حوالہ سے

رقطراز ہیں

يَنْبَغِي لِلْمُصَلِّي أَنْ يَسْتَحْضِرَ فِي هَذَا الْمَحَلِّ جَمِيعَ
الْأَنْبِيَاءِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْمُؤْمِنِينَ يَعْنِي لِيَتَّوَافَقَ
لَفْظُهُ مَعَ قَصْدِهِ (۱)

(نمازی کو چاہیے کہ وہ اس مقام پر تمام انبیاء، ملائکہ اور اہل ایمان کا ارادہ
کرے تاکہ اس کے الفاظ واردہ میں موافقت ہو جائے)

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد عالی بھی ہم پر واضح کر رہا ہے کہ کلمات تشہد بطور
انشاء پڑھیں جب تمام حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے سلام و دعا عرض
کیا جا رہا ہے لیکن اس ہستی پر سلام عرض کرنا مقصود ہی نہ ہو جو ان تمام برکات کا وسیلہ عظیمی
ہے تو کس قدر افسوس کی بات ہوگی۔

۳۔ مراد خصوصی سلام ہے:

تشہد کے کلمات میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ اس طرح
”السَّلَامُ عَلَيْنَا“ دونوں کے مقامات پر السلام کو معرفہ لانے کی حکمت یہ بیان ہوئی
ہے کہ یہاں ’السلام‘ سے مراد حسب درجہ مخصوص سلام ہے رسول اللہ ﷺ کے لیے وہ
مخصوص سلام ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے لیے ہوتا ہے اور خود اپنے اوپر سلام
سے مراد امتیوں والا سلام ہے

امام بدرالدین عینی نے یہاں سوال اٹھایا ہے

مَا الْأَلِفُ وَاللَّامُ فِي السَّلَامِ عَلَيْكَ ؟

(السلام عليك میں الف لام کون سا ہے؟)

اس کا جواب امام شرف الدین طیبی (ت، ۷۳۳) کے حوالہ سے دیا کہ یہ اللہ

لام عہد ذہنی ہے اور مراد

ذَلِكَ السَّلَامُ الَّذِي وَجَّهَ إِلَى الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ

وَالسَّلَامُ الْمُتَقَدِّمَةُ مُوجَّهٌ إِلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ (۲)

(۱) فتح الباری، ۲، ۲۵۰

(۲) عمدة القاری، ۶، ۱۵۹

(وہ سلام ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کو پیش کیا جاتا ہے تو ایسا سلام
اے نبی آپ کی خدمت میں ہو)

اس کے بعد امام حافظ نسفی کے حوالہ سے لکھا یہاں السلام سے مراد خصوصی سلام
ہے جو اللہ تعالیٰ نے شب معراج آپ ﷺ پر فرمایا

يَعْنِي السَّلَامُ الَّذِي سَلَّمَ اللَّهُ عَلَيْكَ لَيْلَةَ الْبِعْرَاجِ (۱)
(وہ سلام ہو جو اللہ تعالیٰ نے معراج کے موقع پر آپ پر کیا)

اہل علم یہ بیان کر رہے ہیں کہ تشہد میں نمازی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس
میں خصوصی سلام عرض کرتا ہے مگر نادانوں و کم علم لوگ یہاں سلام عرض کرنا مانتے ہی نہیں

۴۔ یہ کلمات ”دعا“ ہیں:

ان کلمات کے بطور انشاء ہونے پر ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ یہ کلمات دعا
ہیں نہ کہ خبر البتہ بصورتِ خبر ہیں۔ اس پر اہل علم کی چند تصریحات ملاحظہ کر لیں

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

إِذَا قَعَدَ يَدْعُو وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى فِخْذِهِ (۲)
(جب نمازی بیٹھے تو دعائے مانگے اور اپنے ہاتھ رانوں پر رکھے)

اس کے تحت محدثین نے لکھا کہ اس حدیث میں تشہد کو دعا سے تعبیر کیا گیا ہے
جیسے شہادتین کی وجہ سے اسے تشہد کہا جاتا ہے اس طرح اس میں دعائے کلمات کی وجہ سے
اسے دعا بھی کہا جاتا ہے ’السَّلَامُ عَلَيْكَ سَ السَّلَامُ عَلَيْنَا‘ تک دعائے
کلمات ہیں

۱۔ امام شرف الدین حسین بن محمد طبری (ت، ۷۴۳) نے اسی حقیقت کو اپنے ان
الفاظ میں آشکار کیا ہے

سُمِّيَ الذِّكْرُ الْمَخْصُوصُ تَشَهُدًا لِاشْتِمَالِهِ عَلَى كَلِمَتِي
الشَّهَادَةِ كَمَا سُمِّيَ الدُّعَاءُ لِاشْتِمَالِهِ عَلَيْهِ فَإِنَّ

(۱) عمدة القاری، ۱۶۰

(۲) مسلم

قَوْلُهُ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَ سَلَامٌ عَلَيْنَا دُعَاءٌ عُبِّرَ عَنْهُ

بِلَفْظِ الْأَخْبَارِ لِتَزِيدِ التَّأَكِيدِ (۱)

(ذکر مخصوص کا نام تشہد اس لئے ہے کہ یہ دو شہادتوں پر مشتمل ہے جیسے اس کا

نام دعا بھی ہے کیونکہ السَّلَامُ عَلَيْكَ سے لے کر السَّلَامُ عَلَيْنَا

تک دعائیہ کلمات ہیں البتہ مزید تاکید کے لئے الفاظِ خبر لائے گئے ہیں)

حافظ ابن حجر مکی (ت، ۹۷۳) الفاظ حدیث إِذَا قَعَدَ يَدْعُو كِي تَشْرِيحٍ مِی لَكِهْتِ

ہیں تشہد دعا ہے

لِ شَتْمَالِهِ عَلَيْهِ إِذْ مِنْ جُمْلَتِهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا

النَّبِيُّ إِلَى الصَّالِحِينَ وَهَذَا كُلُّهُ دُعَاءٌ وَإِنَّمَا عُبِّرَ عَنْهُ

بِلَفْظِ الْأَخْبَارِ لِتَزِيدِ التَّأَكِيدِ (۲)

(یہ اس پر مشتمل ہے کیونکہ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ سے لیکر

صالحین تک تمام دعا ہے ہاں مزید تاکید کے لئے لفظ خبر سے تعبیر کر دی)

جب یہ کلمات دعا ہیں تو اب انشاء تسلیم نہ کرنا ظلم کے سوا کچھ نہیں

۵۔ اہل علم کا سوال:

اس موقع پر اہل علم نے جو سوال اٹھایا ہے وہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ اسے بطور

انشاء ہی پڑھا جاتا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ یہاں سیاق کا تقاضا یہ تھا کہ کلماتِ غائبہ سے

ہی تحیہ پیش کیا جاتا پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

پھر اپنی ذات پر اور پھر دیگر صالحین پر لیکن یہاں تو حضور ﷺ کے سلام کے لیے خطاب

کے الفاظ ہیں ایسا کیوں؟

امام شرف الدین حسین بن محمد الطیب (ت، ۷۴۳) نے یہ سوال یوں کیا

فَإِنْ قُلْتَ مَا مَعْنَى قُلْنَا سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ

عَلَى الْخِطَابِ وَهَلَّا جِئِي بِهَا عَلَى الْغَيْبَةِ وَهِيَ عَلَى

(۱) الكاشف عن حقائق السنن، ۲، ۴، ۲۱۷

(۲) مرقاة المفاتیح، ۲، ۶۲۵

الظَّاهِرِ سِيَاقًا لِيَنْقُلَ مِنْ تَحِيَّةِ اللَّهِ تَعَالَى إِلَى تَحِيَّةِ
النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ إِلَى تَحِيَّةِ النَّفْسِ ثُمَّ يَعُمُّ الصَّالِحِينَ
مِنْ عِبَادِهِ (۱)

(اگر تم سوال کرو کہ بطور خطاب کلمات سلام کہہ رہے ہیں حالانکہ الفاظ
غائب کا ہونا ضروری تھا کیونکہ ظاہری سیاق کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ
کے تحیہ کے بعد نبی ﷺ کے لئے تحیہ پھر اپنے اور پھر نیک بندوں کے
لئے تحیہ ہو)

کیا اس سوال میں اہل علم نے تصریح نہیں کی کہ یہاں مقصود حسب درجہ اللہ
تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اولیاء کی خدمت میں سلامِ نیاز عرض کرنا ہے اگر یہ کلمات
بطور حکایت ہوتے تو یہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا

اسی اعتراض کو حافظ ابن حجر عسقلانی (ت، ۸۵۲) نے خوب کھول کر بیان کیا ہے

فِي أَنْ قِيلَ كَيْفَ شُرِعَ هَذَا اللَّفْظُ وَهُوَ خِطَابٌ بِشَرِّ
مَعَ كَوْنِهِ مَنْهِيًّا عَنْهُ فِي الصَّلَاةِ فَأَجَابَ أَنَّ ذَلِكَ
مِنْ خَصَائِصِهِ ﷺ فَإِنْ قِيلَ فَمَا الْحِكْمَةُ فِي الْعَدُولِ
عَنِ الْغَيْبَةِ إِلَى خِطَابٍ فِي قَوْلِهِ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ مَعَ
أَنَّ لَفْظَ الْغَيْبَةِ هُوَ الَّذِي يَقْتَضِيهِ السِّيَاقُ كَانَ يَقُولُ
السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ فَيَنْتَقِلُ مِنْ تَحِيَّةِ اللَّهِ إِلَى تَحِيَّةِ
النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ إِلَى تَحِيَّةِ النَّفْسِ ثُمَّ إِلَى الصَّالِحِينَ (۲)

(اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہ الفاظ ایک انسان کے ساتھ خطاب و گفتگو
ہے جو نماز میں منع ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رسول ﷺ کا خاصہ
ہے اگر یہ سوال ہو کہ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ میں غائب سے
خطاب کی طرف جانے کی حکمت کیا ہے؟ حالانکہ الفاظ غائب کا تقاضا
سیاقِ کلام میں موجود ہے کہ الفاظ یوں ہوتے السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ پھر

(۱) الکاشف، ۲، ۳۲۲

(۲) فتح الباری، ۲، ۲۵۰

اللہ تعالیٰ کے تحیہ سے نمازی تحیہ نبی کی طرف پھر اپنے لئے اور پھر تمام
صالحین کے تحیہ کی طرف جاتا ہے)

۶۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں سلام قرار دیا:

ان کلمات کے بطور انشاء پڑھے جانے پر نہایت ہی اہم دلیل یہ بھی ہے کہ انہیں
رسول اللہ ﷺ نے اپنے اوپر سلام قرار دیا اگر ان کلمات کو بطور حکایت ہی پڑھا جانا
ہوتا تو آپ ﷺ انہیں اپنے اوپر سلام قرار نہ دیتے حالانکہ حدیث کے الفاظ پر غور کیجیے
فرمایا، صلاۃ یہ ہے اور سلام وہی ہے جو تم سیکھ چکے ہو

مسلم میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے الفاظ
ہیں کہ جب ہم نے آپ ﷺ پر درود پڑھنے کا طریقہ پوچھا تو آپ نے ہمیں درود
ابراہیمی کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا

وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ (۱)

(اور سلام کا طریقہ وہی ہے جو تم پہلے جانتے ہو)

ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ

أَمَّا السَّلَامُ فَقَدْ عَرَفْتُمْ (۲)

سلام کا طریقہ تم پہچان چکے ہو

اگر یہ کلمات 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' بطور انشاء نہیں بلکہ بطور حکایت

ہیں تو پھر انہیں رسول اللہ ﷺ کا اپنے اوپر سلام قرار دینا کیسے مناسب ہے؟

جب آپ ﷺ نے انہیں اپنے لیے سلام قرار دیا ہے تو ہمیں بھی دل و جان

سے اسے تسلیم کرنا ہوگا

۷۔ پہلے سلام آچکا ہے:

ان کلمات کے بطور انشاء ہونے پر ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ اہل علم خصوصاً امام

نووی نے جب لکھا کہ فقط صلاۃ پر اکتفا مناسب نہیں

(۱) القول البدائع، ۱۰۱

(۲) ایضاً، ۱۰۹

قَدْ نَصَّ الْعُلَمَاءُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ عَلَى كَرَاهَةِ
الْإِقْتِصَارِ عَلَى الصَّلَاةِ عَلَيْهِ ﷺ مِنْ غَيْرِ تَسْلِيمٍ (۱)
(اہل علم رضی اللہ عنہم نے اس پر تصریح کی کہ سلام کے بغیر صلاۃ پر اکتفاء
مکروہ و ناپسند ہے)

اس پر اعتراض ہوا کہ نماز کے آخری تشہد میں صلاۃ ہے لیکن اس کے ساتھ سلام
نہیں اس کا جواب اہل علم نے یہ دیا ہے۔

إِنَّ السَّلَامَ تَقَدَّمَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فِي كَلِمَاتِ التَّشَهُدِ
وَهُوَ قَوْلُهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ (۲)
(کہ کلمات تشہد میں پہلے سلام ان الفاظ میں آچکا ہے، السَّلَامُ
عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ)

جب تمام امت کے اہل علم اسے حضور پر سلام قرار دے رہے ہیں تو تبھی
درست ہوگا جب ان کلمات کو بطور انشاء پڑھا جائے اگر یہ کلمات بطور حکایت ہوتے تو یہ
لوگ انہیں سلام قرار نہ دیتے حالانکہ انہوں نے انہیں سلام قرار دیا ہے جو آشکار کر رہا ہے
کہ نماز میں یہ کلمات بطور حکایت نہیں بلکہ بطور انشاء ہیں

پھر سب سے لطف کی بات یہ ہے کہ خود رسول ﷺ نے انہیں اپنے اوپر سلام
قرار دیا اگر ہم اسے سلام تسلیم نہیں کرتے تو کہیں ایمان سے ہی ہاتھ نہ دھو بیٹھیں

۸۔ بطور انشاء پڑھنے پر ایک اہم دلیل:

اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ جب آیت مبارکہ 'إِنَّ اللَّهَ وَ
مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ' نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی خدمت
اقدم میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ اس آیت میں ہمیں دو چیزوں صلاۃ و سلام کا
حکم ہے آپ کی خدمت میں سلام کا طریقہ تو ہم نے تشہد کے ذریعے بصورت،،

(۱) شرح مسلم، ۱، ۱۶۰

(۲) ایضاً

”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ سیکھ لیا ہے اب آپ ہمیں صلاۃ کے طریقے سے آگاہ فرمائیں تو آپ ﷺ نے ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ“ کی تعلیم دی امام احمد، بخاری، نسائی، ابن ماجہ اور ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا

قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ قَدْ عَلِمْنَا
فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ؟ قَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ (۱)
ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ، آپ پر سلام کا طریقہ تو معلوم ہو گیا ہے صلاۃ کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا یوں کہا کرو، ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ“ امام سخاوی، امام بیہقی کے حوالہ سے صحابہ کے جملہ ”ہم نے سلام عرض کرنا تو سیکھ لیا ہے“ صلاۃ کا طریقہ کیا ہے کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

مَا عَلَّمَهُمْ إِلَّا فِي التَّشْهَدِ مِنْ قَوْلِهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ
أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ فَيَكُونُ الْمُرَادُ
بِقَوْلِهِمْ فَكَيْفَ نَصَلِّي عَلَيْكَ أَيْ بَعْدَ التَّشْهَدِ
سلام سے مراد وہی سلام ہے جو آپ ﷺ نے انہیں حالت تشہد میں
(یوں سکھایا تھا السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ
ہم صلوٰۃ کس طرح پڑھیں؟ سے مراد وہ صلاۃ ہے جو تشہد کے بعد پڑھا جاتا ہے)

آگے امام ابن حجر عسقلانی کی تائید ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں

قَالَ شَيْخُنَا وَتَفْسِيرُ السَّلَامِ بِذَلِكَ هُوَ الظَّاهِرُ (۲)

(ہمارے استاذ (ابن حجر) نے فرمایا سلام کی تفسیر مذکورہ کلمات سے کرنا ہی مختار و ظاہر ہے)

مذکورہ گفتگو واضح کر رہی ہے کہ صحابہ اللہ تعالیٰ کے حکم مبارک ”سَلِّبُوا“ پر عمل کرتے ہوئے نماز میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کے کلمات پڑھا کرتے اگر بطور خبر و حکایت انہیں پڑھا جائے تو اس حکم پر عمل ہی نہ ہوگا، اس حکم پر عمل

(۱) الدر المنثور، ۶: ۶۳۹

(۲) القول البدیع: ۱۰۰

بصورتِ انشاء پڑھنے میں ہی ہے صحابہ کا یہ کہنا کہ نماز میں ہمیں سلام عرض کرنے کا طریقہ آگیا ہے آپ ہمیں صلوٰۃ کا طریقہ بتادیں واضح طور پر بتا رہا ہے کہ وہ اسے بطور انشاء ہی پڑھا کرتے تھے نہ کہ بطور حکایت۔

فصل:

اقوال علماء اُمت

ہم یہاں اُمت کے مسلمہ بزرگوں کے اقوال ذکر کیے دیتے ہیں جنہوں نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ یہ الفاظ بھی دیگر نماز کی طرح بطور انشاء ہی پڑھے جائیں نہ کہ بطور حکایت

۱۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (ت۔ ۵۰۵) نماز کے ہر عمل کے وقت حضورِ قلب کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں اے نمازیو! جب تم حالتِ نماز میں تشہد پڑھتے ہوئے السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُهُ پر پہنچو

وَاحْضُرْ فِی قَلْبِكَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ شَخْصَهُ الْكَرِیْمِ وَ قُلْ
 ”السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُهُ“
 وَ لِيَصْدُقْ اَمْلَاكٌ فِیْ اَنَّهُ يَبْلُغُهُ وَ يَرُدُّ عَلَیْكَ مَا هُوَ
 اَوْفَى مِنْهُ (۱)

(تو اپنے دل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ذاتِ مبارکہ کو حاضر سمجھ کر عرض کرے نبی محترم! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکات کا نزول ہو اور اس بات کی امید بھی رکھو کہ ہمارا اسلام آپ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے اور آپ اس کے بہتر جواب سے نوازتے ہیں)

۲۔ امام علاؤ الدین الحسکفی تنویر الابصار کی شرح در مختار میں رقم طراز ہیں

وَ يُقْصَدُ بِالْفَاظِ التَّشْهَدِ مَعَانِيهَا مُرَادَةٌ لَهُ عَلَى وَجْهِ

(الإنشاء) كَأَنَّهُ يُحْيِي اللَّهَ تَعَالَى وَيُسَلِّمُ عَلَى نَبِيِّهِ
وَعَلَى نَفْسِهِ وَأَوْلِيَاءِهِ لَا (الْإِخْبَارِ) عَنْ ذَلِكَ وَ
ظَاهِرُهُ أَنَّ ضَمِيرَ عَلَيْنَا لِلْحَاضِرِينَ لَا حِكَايَةَ سَلَامٍ
اللَّهُ تَعَالَى (۱)

(نمازی الفاظِ تشہد کے معانی کا ارادہ کر کے ان کو بطریق انشاء کہے گویا نمازی
اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز و نیاز پیش کر رہا ہے اور اپنی طرف
سے اپنے نبی پر اور اپنی ذات پر اور اولیاء پر سلام کہہ رہا ہے یہ الفاظ کہتے
وقت اس واقعہ کی خبر کی حکایت کا ارادہ نہ ہو جو شب معراج ہوا)

۳۔ امام عبدالوہاب الشعرانی، شیخ علی الخواص کے حوالے سے لکھتے ہیں

سَمِعْتُ سَيِّدِي عَلِيَّ الْخَوَاصَّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَقُولُ
إِنَّمَا أَمَرَ الشَّارِعُ لِلْبُصَلِيِّ بِالصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى
رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي التَّشَهُدِ لِيُنْبِتَهُ الْغَافِلِينَ فِي
جُلُوسِهِمْ بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى شُهُودٍ فِي تِلْكَ
الْحَضْرَةِ فَإِنَّهُ لَا يُفَارِقُ حَضْرَةَ اللَّهِ أَبَدًا فَيُنَا طَبُونَهُ
بِالسَّلَامِ مُشَافَهَةً (۲)

(میں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا کہ شارع حقیقی نے
(قعدہ) تشہد میں نمازی کو رسول اللہ ﷺ پر صلوة و سلام پڑھنے کا حکم
صرف اس لئے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بیٹھنے والے غافلوں کو
اس بات پر تنبیہ فرمادی کہ جہاں وہ بیٹھے ہیں اس بارگاہ میں ان کے نبی ﷺ
تشریف فرما ہیں اور وہ کبھی بھی اللہ کی بارگاہ سے جدا نہیں ہوتے تو نمازی
نبی کریم ﷺ کو بالمشافہہ سلام کے ساتھ کتاب کرے۔)

۴۔ امام بدرالدین عینی (۸۵۵) اور حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲) تشہد میں سلام
پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں

(۱) الدر المنثور۔ ۱: ۱۷۷

(۲) کتاب المیزان، ۱۳۵

وَ يَحْتَبِلُ أَنْ يُقَالَ عَلَى طَرِيقِ أَهْلِ الْعِرْفَانِ أَنَّ
 الْمُصَلِّينَ لَنَا اسْتَفْتَحُوا بَابَ الْمَلَكُوتِ بِالتَّحِيَّاتِ
 أذِنَ لَهُمْ بِاللَّدْخُولِ فِي حَرِيمِ الْحَبِيبِ الَّذِي لَا يَمُوتُ
 فَقَرَّتْ أَعْيُنُهُمْ بِالنَّجَاةِ فَنَبَّهُوا عَلَى أَنَّ ذَلِكَ
 بِوَسِطَةِ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَ بَرَكَاتِ مُتَابَعَتِهِ فَالْتَفَتُوا
 فَإِذَا الْحَبِيبُ فِي حَرَمِ الْحَبِيبِ حَاضِرٌ فَأَقْبَلُوا عَلَيْهِ
 قَائِلِينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ
 بَرَكَاتُهُ (۱)

(اہل معرفت کے طریقہ پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب نمازیوں نے التحیات کیساتھ ملکوت کا دروازہ کھلوا یا تو انہیں حی لا یموت کی بارگاہ میں داخلہ کی اجازت مل گئی ان کی آنکھیں فرحت مناجات سے ٹھنڈی ہوئیں تو انہیں اس بات پر تنبیہ کی گئی کہ بارگاہ خداوندی میں جو انہیں شرف باریابی حاصل ہوا ہے یہ سب نبی رحمت کی برکت و متابعت کے سبب ہے نمازیوں نے اس حقیقت سے باخبر ہو کر نظر اٹھائی تو حبیب کو اپنے محبوب تعالیٰ کے حرم میں موجود پایا تو حضور کو دیکھتے ہی عرض کرنے لگے
 السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ)

۵۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ت، ۱۰۵۲) حضور ﷺ کی اس شان علمی کا اظہار

ان کلمات میں کرتے ہیں

”و نیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں و قرۃ العین عابداں است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادت و آخر آں کہ وجود نورانیت و انکشاف دریں احوال بیشتر قوی تر است و بعضی از عرفاء گفتہ اند کہ اس خطاب بجهت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت در ذواتِ مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نبود تا بہ انوار قرب و اسرار

معرفت متنور و فائز گرد“ (۱)

”اور حضور ﷺ ہمیشہ مومنوں کا نصب العین اور عابدوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں تمام احوال و واقعات خصوصاً حالت عبادت میں اور اس کے آخر میں کہ نورانیت اور انکشاف کا وجود اس مقام میں بہت زیادہ اور نہایت قوی ہوتا ہے اور بعض عرفاء نے فرمایا کہ یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ ﷺ تمام موجودات کے ذرات اور افراد ممکنات میں جاری و ساری ہے پس آنحضرت ﷺ نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں لہذا نمازی کو چاہیے کہ اس کے معنی سے آگاہ رہے اور حضور ﷺ کے اس حاضر ہونے سے غافل نہ ہوتا کہ انوار قرب اور اسرار معرفت سے روشن اور فیضیاب ہو“

۶- علامہ محمد عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ (ت، ۱۳۰۴) اپنے والد گرامی حضرت العلام مولانا عبدالحلیم لکھنوی کے مقالہ، نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمن، کے حوالے سے رقم طراز ہیں

السِّرُّ فِي خِطَابِ التَّشْهَدِ (أَيِّ فِي "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ") أَنَّ الْحَقِيقَةَ الْمُحَمَّدِيَّةَ كَأَنَّهَا سَارِيَةٌ فِي كُلِّ وُجُودٍ وَحَاضِرٌ فِي بَاطِنِ كُلِّ عَبْدٍ وَانْكِشَافٌ هَذِهِ الْحَالَةَ عَلَى الْوَجْهِ الْأَتَمِّ فِي حَالَةِ الصَّلَاةِ فَحَصَلَ فَحْلُ الْخِطَابِ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ أَنَّ الْعَبْدَ لَمَّا تَشَرَّفَ بِثَنَاءِ اللَّهِ فَكَانَهُ فِي حَرِيمِ الْحَرَمِ الْإِلَهِيِّ وَنَوَّرَ بِصِيْرَتِهِ وَوَجَدَ الْحَبِيبَ حَاضِرًا فِي حَرَمِ الْحَبِيبِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ وَقَالَ اللَّهُ لَمَّا عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ (۲)

(خطاب تشہد یعنی التحیات میں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کہنے کا راز یہ

(۱) اشعة اللبعات: ۱، ۲۰۱

(۲) السعایہ، ۲: ۲۲۸

ہے کہ حقیقت محمدیہ ہر وجود میں جاری و ساری اور ہر بندہ کے ظاہر و باطن میں حاضر و موجود ہے۔ اس حالت کا پورا انکشاف بحالت نماز ہوتا ہے۔ لہذا محل خطاب حاصل ہو گیا۔ اور بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ بندہ جب ثناء الہی سے مشرف ہوا تو اسے حرم الہی میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی اور اس کی بصیرت کو خوب روشن کر دیا گیا حتیٰ کہ اس نے حرم حبیب میں حبیب کو حاضر پایا۔ فوراً ان کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ (اے نبی ﷺ آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں)

۷۔ شیخ احمد الطحطاوی (ت۔ ۱۳۲۰) حاشیہ مراقی الفلاح میں ان الفاظ کو بطور حکایت و خبر پڑھنے والوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فَيَقْصُدُ الْبُصْطَىٰ اِنْشَاءً بِهَذِهِ الْاَلْفَاظِ مُرَادَةً لَهُ قاصداً مَعْنَاهُ الْبَوْضُوعَةَ لَهُ مِنْ عِنْدِهِ كَاَنَّهُ يُحْيِي اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ وَيُسَلِّمُ عَلَي النَّبِيِّ ﷺ وَ عَلَي نَفْسِهِ وَ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ تَعَالَىٰ خَلَا فَا لِيَا قَالَهُ بَعْضُهُمْ اَنَّهُ حِكَايَةٌ سَلَامِ اللّٰهِ لَا اِبْتِدَاءً سَلَامٍ مِنَ الْبُصْطَىٰ (۱)

(نمازی ان الفاظ کے مرادی معانی کو ذہن میں رکھ کر ان کو پڑھے یعنی اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں عاجزی و انکساری کا اظہار کرے اور نبی ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرے پھر اپنی ذات پر اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر، ان لوگوں کی مخالفت کرے جو کہتے ہیں یہ الفاظ بطور حکایت اللہ کا سلام ہے یہ نمازی کی طرف سے سلام نہیں ہے)

۸۔ حضرت ملا علی قاری (ت۔ ۱۰۱۴) تشہد پر گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں

قِيلَ وَ يُمَكِّنُ فِي شَرْعِ اَهْلِ الْعِرْفَانِ وَ نَقُولُ الصَّلَوَاتُ مَحْمُولٌ عَلَي مَا تُعْوَرَفُ مِنَ الْاَرْكَانِ

الْمَخْصُوصَةِ وَالطَّيِّبَاتِ عَلَى أَنَّهَا خَالِصَةٌ لِرُوحِهِ اللَّهُ
تَعَالَى مُخْلِصَةٌ كَمَا قَالَ تَعَالَى إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَ
مَحْيَايَ وَمَمَاتِي وَجِ تَقْرِيرُ وَجْهِ الْخُطَابِ فِي السَّلَامِ
أَنَّهُمْ اسْتَفْتَحُوا بَابَ الْمَلَكُوتِ وَ اسْتَأْذَنُوا
بِالتَّحِيَّاتِ عَلَى الْوُلُوجِ كَأَنَّهُمْ أُذِنَ لَهُمْ بِالدُّخُولِ
فِي حَرِيمِ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ فَقَرَّتْ أَعْيُنُهُمْ
بِالْمَنَاجَاةِ كَمَا وَرَدَ وَقَرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ وَأَرْحَنَا يَا
بِلَالُ فَآخِذُوا فِي الْحَمْدِ وَالشَّانِ وَالْتَّحْيِيدِ وَ طَلِبِ
الْمَزِيدِ وَ شَغْفُوا بِحَاجَاتِهِمْ فَعِنْدَ ذَلِكَ فَنَبِّهُوا عَلَى
أَنَّ هَذَا الْبِنَحِّ وَالْأَلْطَافِ بِوَاسِطَةِ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَ
بَرَكَاتِ مُتَابَعَتِهِ فَالْتَفَتُوا فَإِذَا الْحَبِيبُ فِي حَرَمِ
الْحَبِيبِ حَاضِرٌ فَاقْبَلُوا عَلَيْهِ مُسَلِّبِينَ بِقَوْلِهِ
السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ (۱)

(اہل معرفت کے طریق پر ہم یہاں یہ گفتگو کر رہے ہیں الصلوات سے مراد ارکان مخصوصہ ہیں اور پاکیزگیاں بھی اس کے لئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت (اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے) اب السلام علیک کے خطاب کی تقریر کچھ یوں ہوگی جب نمازی ملکوت کا دروازہ کھلواتے ہیں اور التحیات کے ذریعے حرم میں جانے کی اجازت طلب کرتے ہیں تو ان کی آنکھیں ٹھنڈک پاتی ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز، اے بلال نماز کے ذریعے ہمیں آرام دو۔ تو نمازی اللہ کی حمد و ثناء اور مزید لطف کے طلبگار ہوتے ہیں تو انہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ یہ لطف و کرم اس نبی رحمت پر ان کی غلامی اور واسطہ کے طفیل ہوا ہے وہ متوجہ ہوتے ہیں تو دیکھتے ہیں اپنے

حبیب کے حرم میں موجود ہیں تو وہ یوں سلام عرض کرتے ہیں السَّلَامُ
عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ)
عارف کامل شیخ شہاب الدین سہروردی نمازی کو یہ کلمات کہتے وقت ادب کی
تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں

وَيُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَ يُمِثُّهُ بَيْنَ عَيْنَيْ قَلْبِهِ (۱)
(نمازی اپنے نبی ﷺ کو سلام عرض کرتے ہوئے آپکو دل کی آنکھوں
کے سامنے محسوس کرے)

۱۰۔ امام الاولیاء امام ابو العباس احمد بن عطاء اللہ سکندری (ت، ۹۰۷) (جن کے علم
و معرفت پہ تمام اولیاء اور محدثین کا اتفاق ہے) اپنی کتاب تاج العروس میں
نماز ادا کرنے والے کو سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں

إِذَا دَخَلْتَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّكَ تُنَاجِي اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَ
تَعَالَى وَ تَكَلَّمَ رَسُولُهُ ﷺ ، لِأَنَّكَ تَقُولُ السَّلَامُ
عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ وَلَا يُقَالُ
أَيُّهَا الرَّجُلُ عِنْدَ الْعَرَبِ إِلَّا لِمَنْ يَكُونُ حَاضِرًا (۲)
(جب تم نماز میں داخل ہوتے ہو تو تم اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے مناجات و دعا
اور اس کے رسول ﷺ سے ہم کلام ہو رہے ہوتے ہو کیونکہ تم کہہ رہے
ہوتے ہو اے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکات کا نزول ہو اور
عربوں کے ہاں ایھا الرجل اسے ہی کہا جاتا ہے جو سامنے موجود ہو)

۱۱۔ علامہ محقق دوانی اس کی تائید میں کہتے ہیں

”و تحقیق دریں مقام آں است کہ باطابق اصحاب نظر و برهان و اتفاق
ارباب شہود و عیان نخستیں گوهر یکہ بامرکن فیکون بوسیله قدرت و ارادہ
بیچون از دریائے غیب مکنون بساحل شہادت آمد جوهر بسیط نورانی بود کہ
بعرف حکماء آنرا عقل اول خوانند تعبیر از اں بقلم اعلیٰ رختہ و اکابر آئمہ کشف
و تحقیق آنرا حقیقت محمدیہ خوانند و اں جوهر نورانی خود را مبدع خود را و ہرچہ

از مبدع بتوسط صادر تو اندہ شد از افراد موجودات چنانکہ بودست و خواند بود و دیدانست و تمام حقائق اعیان بر سبیل الطوائے علمی در حقیقت او مندرج و مندرج بود ہم چنان دانہ مشتمل است بنوع از اشتمال براغصان و حدائق و اثمار موجودات در معاد یعنی بر تلوہماں ترتیب کہ در آں جوہر مستکن است از قوت منظر فعل از کتم غیب بقضائے شهودی آیند یحو اللہ مایشاء و یثبت و عندہ ام الكتاب (۱)

(اس مقام پر تحقیق کلام یہ ہے کہ تمام اصحاب نظر و برہان اور ارباب شہود و عیاں اس بات پر متفق ہیں کہ ”بوسیلہ قدرت و ارادہ خدائے قدوس امر کن فیکون“ سے سب سے پہلے جو گوہر مقدس دریائے غیب مکنون سے ساحل شہود پر آیا وہ جوہر بسیط نورانی تھا جسے عرف حکماء میں عقل اول کہا جاتا ہے اور بعض احادیث میں قلم اعلیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اکابر آئمہ کشف و تحقیق اسے حقیقت محمدیہ کہتے ہیں، اس جوہر نورانی نے اپنے کو اور ان تمام افراد موجودات کو موجود بتوسط کیا جو اس جوہر نورانی کے خالق بے مثال سے صادر ہو سکتے ہیں جس طرح وہ افراد موجودات پہلے تھے اور اب ہیں اور اب آئندہ ہونگے سب کو جملہ کیفیات کے ساتھ تمام و کمال جان لیا اور تمام حقائق موجودات بطور نوائے علمی اس جوہر حقیقت محمدی نورانی میں مندرج اور مخفی ہیں۔ جس طرح دانہ ایک خاص طریقہ سے شاخوں، پتوں اور پھل پر مشتمل ہوتا ہے۔ کل افراد موجودات اسی ترتیب کے موافق اس جوہر بسیط نورانی میں پوشیدہ ہیں کمیں گاہ قوت سے جلوہ گاہ اور سر پردہ غیب سے میدان شہود میں بصورت مراد خارجیہ ظہور پذیر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے ام الكتاب اس کے پاس ہے)

۱۲۔ پیشوائے اہل حدیث نے بھی یہی لکھا ہے

علامہ صدیق حسن خان بھوپالی (جو اہل حدیث حضرات کے ہاں امام کا درجہ رکھتے ہیں) نے جو کچھ اس مقام پر لکھا وہ بھی اس کی تائید کر رہا ہے۔ ان کے الفاظ تقریباً شیخ عبدالحق محدث دہلوی والے ہی ہیں

”آن حضرت ہمیشہ نصب العین مومناں و قرۃ العین عابداں است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادات و نورانیت و انکشاف دریں محل بیشتر قوی تر است و بعضی از عرفاء قدس سرہم گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است علیہ الصلاۃ والسلام در ذرا موجودات و افراد ممکنات پس آن حضرت ﷺ در ذوات مصلیاں موجود و حاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب و اسرار معرفت منور و فائز گردد و آری شعر در راہ عشق قرب و بعد نیست نیمسنت عیاں و دعائے فرستمت“ (۱)

(حضور ﷺ ہمیشہ تمام احوال و واقعات میں مسلمانوں کے نصب العین عبادات گزاروں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں خصوصاً حالت عبادات میں کیونکہ اس موقع پر نورانیت و قوی انکشاف بہت ہوتے ہے بعض اہل معرفت قدس سرہم فرماتے ہیں کہ السلام علیک ایہا النبی خطاب کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت محمدی علیہ الصلاۃ والسلام کائنات کے ذرہ ذرہ اور ممکنات کے ایک ایک فرد میں جاری و ساری اور جلوہ گر ہے تو حضور ﷺ نمازیوں کی ذات میں موجود اور تشریف فرما ہیں تو نمازی کو اس حقیقت سے آگاہ ہونا چاہیے اور اس مشاہدہ سے غافل نہیں رہنا چاہئے تا کہ قرب کے انوار اور معرفت کے نور سے منور و مستفیض ہو جا سکے تو یہ شعر یاد کر لو عشق کی راہ میں دور و نزدیک ہوتا ہی نہیں اے محبوب میں تجھ دیکھ رہا ہوں اور تجھ سے عرض کر رہا ہوں)

ہم نے پہلے بھی عرض کیا کہ آج ہمیں ضدیں اور آپس کی لڑائیاں لے ڈوبی ہیں اگر ہم اپنے بزرگوں کو پڑھتے تو ہم کبھی بھی اس طرح فتویٰ بازی نہ کرتے

۱۳۔ صاحب تبلیغی نصاب:

صاحب تبلیغی نصاب مولانا زکریا سہارنپوری (ت۔ ۱۲۰۲) نے بھی اس حقیقت کو یوں آشکار کیا۔

وَعَلَىٰ هَذَا التَّوْجِيهِ فَالْكَافُ إِبْقَاءٌ لِلْحِكَايَةِ عَلَىٰ أَصْلِهَا وَلَكِنْ يَنْبَغِي أَنْ يَقْصَدَ بِكَلَامِهِ هَذَا حِينَئِذٍ إِلَّا نَشَاءُ لَا مُجَرَّدُ الْحِكَايَةِ فَعَلِمَ بِهَذَا أَنَّ لِلْمَشَائِخِ فِي تَوْجِيهِهِ الْخِطَابِ ثَلَاثَةَ اقْوَالٍ مُجَرَّدُ الْإِتْبَاعِ وَ كَوْنُ الْحَبِيبِ فِي حَرِيمِ الْحَبِيبِ وَ حِكَايَةُ مَا فِي الْبِعْرَاجِ عَلَى طَرِيقِ الْإِنْشَاءِ (۱)

(اس توجیہ پر کاف خطاب، حکایت کو اس کی اصل پر باقی رکھنے کے لئے ہے کہ اس وقت نمازی ان الفاظ میں انشاء سلام کا قصد و ارادہ کرے محض حکایت کا ارادہ ہرگز نہ ہو اس سے معلوم ہو گیا کہ خطاب کی توجیہ میں مشائخ کے تین اقوال ہیں محض اتباع، حبیب کریم کا حریب میں موجود ہونا اور بطریق انشاء واقعہ معراج کی حکایت کرنا)

۱۴۔ اقوال کا اختتام امام فخر الدین رازی (ت: ۶۰۶) کے ان جملوں پر کرتے ہیں۔ تشہد نماز کی تفصیل میں لکھتے ہیں:

ثُمَّ فِي هَذَا الْمَقَامِ يَصْعَدُ نُورُ رُوحِكَ وَيَنْزِلُ نُورُ رُوحِ مُحَمَّدٍ فَيَتَلَاقِي الرُّوحَانِ، وَيَحْضُلُ هُنَاكَ الرُّوحُ وَالرَّاحَةُ وَالرَّيْحَانُ فَلَا بُدَّ لِرُوحِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مِنْ مُحَمَّدَةٍ وَ تَحِيَّةٍ فَقُلْ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ (۲)

(پھر اس مقام پر تمہارے روح کا نور بلند ہوگا اور روح محمدی کے نور کا نزول ہوگا اور دونوں روحوں میں ملاقات ہوگی اور وہاں سکون و راحت اور خوشیاں حاصل ہوں گی، تو اب سیدنا محمد ﷺ کی روح کے لیے ہماری طرف سے حمد اور تحفہ ضروری ہے تم کہو ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“)

فصل:

نماز میں سلامِ خطاب آپ ﷺ کی خصوصیت ہے

آئمہ اُمت نے تشہد میں سلامِ خطاب کی بنا پر ہی یہ تصریح کی ہے کہ نمازی کا نماز میں آپ کو بصورتِ خطاب سلام عرض کرنا آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، یہی وجہ ہے اگر نمازی کسی اور کو نماز میں سلام کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن اگر آپ ﷺ کو سلام عرض نہ کرے تو نماز مسترد ہو جاتی ہے اگر یہ سلام بطور خبر و حکایت ہو جیسے مخالفین کہتے ہیں تو پھر اسے آپ ﷺ کی خصوصیت قرار دینا سوائے جہالت کے کچھ نہ ہوگا حالانکہ یہ تمام لوگ اُمت کے امام ہیں تو بالیقین ماننا پڑے گا کہ یہاں سلام بطور انشاء ہی ہے ہم یہاں چند بزرگوں کی تصریحات ذکر کئے دیتے ہیں

۱۔ امام جلال الدین سیوطی (ت۔ ۹۱۱) نے باقاعدہ آپ کی اس ”خصوصیت“ پر باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے

بَابُ إِخْتِصَاصِهِ ﷺ بِأَنَّ الْمُصَلِّيَ يُخَاطِبُهُ بِقَوْلِهِ
السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَلَا يُخَاطِبُهُ سَائِرَ النَّاسِ (۱)
(حضور ﷺ کا یہ خاصہ ہے کہ نمازی دوران نماز آپ سے مخاطب ہو کر
السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کے ساتھ سلام عرض کرتا ہے حالانکہ
نمازی کسی اور سے مخاطب ہو نہیں سکتا)

۲۔ امام احمد بن محمد قسطلانی (ت۔ ۱۱۲۲) آپ ﷺ کی اس خصوصیت کا تذکرہ
ان الفاظ میں کرتے ہیں

مِنْهَا أَنَّ الْبُصْبِيَّ يُخَاطِبُهُ بِقَوْلِهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا
النَّبِيُّ وَلَا يُخَاطَبُ غَيْرَهُ (۱)

(آپ کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ نمازی حالت نماز میں آپ کی
خدمت میں 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کہہ کر سلام عرض کرتا ہے
اور آپ کی علاوہ کسی کو مخاطب نہیں کر سکتا)

۳- امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (ت- ۹۴۲) آپ ﷺ کے خصائص و
فضائل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں

الرَّابِعَةُ وَبِأَنَّ الْبُصْبِيَّ يُخَاطِبُهُ بِقَوْلِهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ
أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ وَلَا يُخَاطَبُ سَائِرَ النَّاسِ
وَهُوَ ثَابِتٌ فِي حَدِيثِ التَّشْهَدِ وَخَاطَبَةُ النَّبِيِّ ﷺ
بِذَلِكَ وَاجِبَةٌ عَلَى الصَّحِيحِ (۲)

(چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ نمازی حالت نماز میں آپ ﷺ کی خدمت
اقدس میں یوں مخاطب ہو کر سلام عرض کرتا ہے السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا
النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ حالانکہ آپ کے علاوہ کسی اور کو نماز میں
مخاطب نہیں کیا جاسکتا اور یہ بات حدیث تشہد سے ثابت ہے کہ نماز میں
حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر سلام عرض کرنا صحیح قول کے مطابق لازم ہے)

۴- شیخ محمد شمس الحق رقمطراز ہیں

فَإِنْ قِيلَ كَيْفَ شُرِعَ هَذَا اللَّفْظُ وَهُوَ خِطَابٌ بِشَرِّ
مَعَ كَوْنِهِ مَنْهِيًّا عَنْهُ فِي الصَّلَاةِ فَالْجَوَابُ أَنَّ ذَلِكَ
مِنْ خِصَائِصِهِ ﷺ (۳)

(اگر یہ سوال کیا جائے کہ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کیسے مشروع
و جائز ہو سکتا ہے حالانکہ یہ ایک انسان سے خطاب ہے اور خطاب بشر نماز

(۱) المواہب اللدنیہ- ۹۷۶:۲

(۲) سبل الہدی والرشاد: ۱۰-۱۰۵۱

(۳) عون المعبود: ۱-۳۲۵

میں ممنوع و ناجائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کی
(خصوصیات سے ہے)

۵۔ امام ابو حفص عمر علی المعروف ابن الملقن علیہ الرحمہ (ت، ۷۸۰) خصائص میں
ذکر کرتے ہیں کہ ایک خاصہ آپ ﷺ کا یہ بھی ہے

يُخَاطِبُهُ الْبُصَيِّ بِقَوْلِهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ
وَلَا يُخَاطِبُ سَائِرَ النَّاسِ (۱)

(نمازی ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کے کلمات کے ساتھ
آپ ﷺ سے خطاب (سلام) کر سکتا ہے مگر کسی دوسرے سے مخاطب
نہیں ہو سکتا)

۶۔ امام قطب الدین الخیضری (ت۔ ۸۹۰) آپ ﷺ کا یہی خاصہ مذکورہ ان
الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں

كَذَا قَالَهُ الشَّيْخَانِ وَ هُوَ ثَابِتٌ فِي التَّشْهَدِ وَ
مُخَاطَبُهُ ﷺ بِذَلِكَ وَاجِبَةٌ هَذَا هُوَ الصَّوَابُ (۲)
(اسی طرح شیخین (امام رافعی و نووی) نے کہا اور یہ حدیث تشہد سے
ثابت ہے اور ان کلمات سے آپ ﷺ کو سلام عرض کرنا لازم ہے اور
درست رائے بھی یہی ہے)

۷۔ حضرت ملا علی قاری (ت۔ ۱۰۱۳) اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں

إِذَا جُمِعَ الْأَرْبَعَةُ عَلَى أَنَّ الْبُصَيِّ يَقُولُ أَيُّهَا النَّبِيُّ
وَأَنَّ هَذَا مِنْ خُصُوصِيَّاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذْ لَوْ
خَاطَبَ مُصَلٍّ أَحَدًا غَيْرَهُ وَ يَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ
بَطَلَتْ صَلَاتُهُ (۳)

(۱) غایۃ السؤل فی خصائص الرسول۔ ۲۷۳

(۲) اللفظ المکرم بخصائص النبی المعظم۔ ۳۵۰

(۳) شرح الشفاء: ۲۔ ۱۱۹

(چاروں خلفاء راشدین اس پر متفق ہیں کہ نمازی ایھا النبی ہی پڑھے اور یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہے کیونکہ اگر نمازی کسی دوسرے شخص سے مخاطب ہو کر سلام کہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی)

اہم نوٹ:

یاد رہے یہ خصوصیت تب بنے گی جب یہ سلام بطور انشاء ہو اگر بطور حکایت ہو تو یہ خصوصیت نہیں بن سکتی بلکہ اس پر اعتراض ہی وارد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس وقت یہ خطاب ہی نہیں لیکن آپ نے دیکھ لیا ان تمام اہل علم نے واضح کیا کہ نمازی اس موقع پر سلام عرض کر رہا ہوتا ہے چونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہے لہذا نماز فاسد نہ ہوگی اگر وہ ایسا عمل کسی اور سے کرتا تو نماز فاسد ہو جائے گی جب کہ نماز حضور کو مخاطب کر کے سلام عرض کرنے سے مقبول ہوتی ہے تو نماز سے باہر اسے ناجائز کہنا اور اس سے منع کرنا سوائے جہالت کے کچھ نہیں

مزید تائید:

اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر آپ ﷺ حالت نماز میں یاد فرمائیں تو فی الفور حاضر ہو جانا لازم و فرض ہے اور آپ سے ہم کلامی کے باوجود نماز باطل نہیں ہوتی امام بخاری نے صحابی رسول حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے میں نماز ادا کر رہا تھا رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے مجھے یاد فرمایا، میں فراغت کے بعد خدمت میں آیا، عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ دیر اس لیے ہوئی کہ

میں نماز ادا کر رہا ہوں

إِنِّي كُنْتُ أَصَلِّي

آپ ﷺ نے فرمایا

أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ تَعَالَى اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَ لِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ (۱)

(کیا اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہیں کہ اللہ اور رسول کے بلائے پر فی الفور حاضر ہو جاؤ)
اسی طرح کا واقعہ امام ترمذی نے صحابی رسول حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ

عنه کا بھی نقل کیا (۱)

نماز کا نہ ٹوٹنا:

تمام فقہاء اُمت نے یہ تصریح کی ہے کہ ایسی صورت میں نماز باطل نہ ہوگی امام
زرقانی نے اختلاف ذکر کرنے کے بعد فیصلہ دیا

الْمُعْتَمِدُ فِي الْمَذْهَبَيْنِ الصَّحَّةُ (۲)

(دونوں مذاہب میں مختار یہی ہے کہ نماز صحیح رہے گی)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی نے بھی اسی قول کو مختار کہا ہے (۳)

اعتراضات کا ازالہ:

کچھ لوگ اَلْسَلَامُ عَلَيْنِكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کے کلمات کو بطور انشاء پڑھنا مانتے

ہیں مگر وہ حضور ﷺ کی بطور علم موجودگی نہیں مانتے مثلاً شیخ سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں

یہ حکایت محض حکایت نہیں بلکہ بطور انشاء و دعا ہے اس پر در مختار اور اَلدُّرُّ

الْمُنْتَقَى، عالمگیری اور اوجز المسالک کا حوالہ بھی دیا پھر اہل معرفت کا قول امام عینی اور

دیگر اہل علم کے حوالہ سے نقل کر کے لکھا

تصوف اور تعرف کے اس شارحانہ یا عارفانہ نکتہ سے بھی ثابت ہوا کہ آں

حضرت ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوتے بلکہ نمازی کو خود کمال پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے

دربار میں حبیب کے سلام کے لیے حاضر ہونا پڑتا ہے مگر یہ مقام کتنوں کو حاصل ہے؟

جس کو خدا دے ۴ اس کے الطاف بہت ہیں کہ گنہگار بہت (۴)

آگے چل کر امام غزالی کا حوالہ اُحْضُرْ فِي قَلْبِكَ دے کر رقمطراز ہیں

(۱) سنن الترمذی: ۱۱۱، ۲

(۲) شرح المواہب: ۳۰۹، ۵

(۳) المنظری: ۶۳، ۴

(۴) تبرید النواظر: ۱۶۴

قارئین کرام، دل میں حاضر کر اور تصور باندھ کا معنی تو جانتے ہی ہونگے اگر جناب رسول اللہ ﷺ حقیقی طور پر حاضر و ناظر ہیں تو دل میں حاضر کرنے اور تصور باندھنے کا کیا مطلب ہے۔ اسی طرح حقیقتاً حاضر ہونے اور دل میں حاضر کرنے کا فرق سمجھ لیجئے (۱)

مولانا کہہ رہے ہیں اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ علمی طور پر موجود ہوتے ہیں بلکہ محض تصور جماؤ اور دل کو حاضر کرو تصور کرنے اور موجود ہونے میں بڑا فرق ہے ہماری گزارشات:

اس سلسلہ میں ہماری گزارشات یہ ہیں کہ اہل علم و معرفت کی عبارات پر پہلے نظر ڈال لیتے ہیں کہ وہ کیا کہتے ہیں مثلاً تین متفقہ علماء کی آراء یہاں نقل کیے دیتے ہیں

۱۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی (ت۔ ۱۰۵۲) کے الفاظ ہیں عرفاء فرماتے ہیں

”اس خطاب بجمہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرات موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت ﷺ در ذوات مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب و اسرار معرفت متنور و فائز گردد“ (۲)

(اس خطاب کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلاة والسلام تمام موجودات کے ذوات اور افراد ممکنات میں جاری و ساری ہے تو حضور ﷺ نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہوتے ہیں لہذا نمازی کو چاہیے کہ وہ اس معنی سے آگاہ رہے اور حضور ﷺ کے موجود ہونے سے غافل نہ ہوتا کہ انوار قرب اور اسرار معرفت سے خوب روشن اور فیضیاب ہو جائے)

۲۔ مولانا عبدالحلیم لکھنوی کے الفاظ بھی یہی ہیں کہ تشہد میں سلام کہنے کا راز یہ ہے

(۱) تبرید النواظر: ۱۷۳

(۲) اشعة اللمعات: ۱-۲۰۱

إِنَّ الْحَقِيقَةَ الْبُحْمَدِيَّةَ كَأَنَّهَا سَارِيَةٌ فِي كُلِّ مُوجُودٍ وَ
حَاضِرٍ فِي بَاطِنِ كُلِّ عَبْدٍ وَانْكِشَافُ هَذِهِ الْحَالَةِ عَلَى
الْوَجْهِ الْأَتَمِّ فِي حَالَةِ الصَّلَاةِ فَحَصَلَ مَحَلُّ الْخِطَابِ (۱)
(کہ حقیقت محمدیہ ﷺ ہر وجود میں جاری و ساری اور ہر بندے کے
باطن میں حاضر و موجود ہے اور اس حالت کا کامل انکشاف بحالت نماز ہوتا
ہے لہذا محل خطاب حاصل ہو گیا)

۳۔ اولیاء کے سربراہ امام ابو العباس احمد بن عطا اللہ سکندری (ت۔ ۷۰۹) کے یہ
الفاظ پیچھے گزرے وہ نمازیوں سے فرماتے ہیں

إِذَا دَخَلْتَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّكَ تُنَاجِي اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَ
تَعَالَى وَ تَكَلَّمَ رَسُولُهُ ﷺ لِأَنَّكَ تَقُولُ السَّلَامُ
عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ وَلَا يُقَالُ
أَيُّهَا الرَّجُلُ عِنْدَ الْعَرَبِ إِلَّا لِمَنْ يَكُونُ حَاضِرًا (۲)
(جب نماز میں داخل ہوتے ہو تو اس وقت تم اللہ تعالیٰ سے مناجات اور
اس کے رسول ﷺ سے کلام کا شرف پا رہے ہوتے ہیں کیونکہ تم کہہ
رہے ہوتے ہو اے نبی آپ پر سلام، اللہ کی رحمت اور اس کی برکات ہوں
عربوں کے ہاں أَيُّهَا الرَّجُلُ اسے ہی کہا جاتا ہے جو موجود اور سامنے ہو)

کیا یہ عبارات آپ کی نظر سے نہیں گزریں، ان تمام میں موجود ہے کہ حقیقت
محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تمام نمازیوں کے اندر موجود و تشریف فرما ہوتی ہے ہر
نمازی کو اس سے آگاہ رہنا چاہیے اور حضور سے ہم کلامی کا شرف پا کر سلام عرض کرنا چاہیے
رہا یہ کہ ہر ایک کو نصیب نہیں تو اس میں قصور کس کا، نمازی کا یا حقیقت
محمدیہ ﷺ کا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ہم اپنے حجابات کی وجہ سے تجلیات الہی کا بھی
ادراک نہیں کر پاتے تو اس میں کمی ہماری ہے نہ کہ تجلیات الہیہ کی؟

(۱) السعایۃ: ۲-۸۲۲

(۲) تاج العروس- ۲۸

رسول اللہ ﷺ کی روحانی موجودگی:

یہاں یہ بات بھی سامنے لانا ضروری ہے کہ درود شریف کے موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتب میں الفاظ خطاب کی حکمت لکھی ہی یہی گئی ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی روحانی طور پر موجودگی کی وجہ سے خطاب کر کے سلام عرض کیا جاتا ہے چند تصریحات ملاحظہ کیجئے:

۱۔ امام محمد بن عبدالرحمن سخاوی (ت ۹۰۳) نے سوال و جواب کی صورت میں یہی حکمت یوں لکھی:

وَكَذَاسُئِلَ عَنِ الْحِكْمَةِ فِي الْعُدُولِ عَنِ الْغَيْبَةِ إِلَى
الْخِطَابِ فِي (عَلَيْكَ) مَعَ أَنَّ لَفْظَ الْغَيْبَةِ هُوَ الَّذِي
يَقْتَضِيهِ السِّيَاقُ؟ وَأَجِيبَ عَلَى طَرِيقِ الْعِرْفَانِ:
بِأَنَّ الْبُصَيِّ لَمَّا اسْتَفْتَحَ بَابَ الْمَلَكُوتِ بِالتَّحِيَّاتِ
أُذِنَ لَهُ فِي الدَّخُولِ فِي حَرَمِ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ
فَقَرَّتْ عَيْنُهُ بِالْمُنَاجَاةِ؛ فَنَبَّهَ عَلَى أَنَّ ذَلِكَ
بِوَاسِطَةِ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَبِرُكَّةٍ مُتَابِعَتِهِ فَالْتَفَتَ، فَإِذَا
الْحَبِيبُ حَاضِرٌ ثُمَّ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ قَائِلًا: السَّلَامُ
عَلَيْكَ - - - إلى آخره (۱)

(اس طرح السلام علیک میں بھی غیب ہے خطاب کی طرف عدول کی حکمت کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے حالانکہ سیاق و مقام کا تقاضا الفاظ غائب ہی تھے؟ اس کا جواب بطریق معرفت یہ دیا گیا کہ نمازی تہیہ کے ذریعے ملکوتی دروازہ کھلواتا ہے اور اسے اس زندہ جاوید کی بارگاہ میں داخلہ ملتا ہے اس کی آنکھیں مناجات الہی سے ٹھنڈی ہوتی ہیں تو اسے آگاہ کیا جاتا ہے کہ یہ تمام مقامات نبی رحمت کے واسطے اور ان کی اتباع کی برکت سے ہیں وہ متوجہ ہوتا ہے تو حبیب خدا ﷺ کو وہاں

موجود پاتا ہے تو وہ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر یوں گویا ہوتا ہے

”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“

۲۔ حافظ ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) نے بھی یہی سوال اٹھایا

وَحُوطِبَ الْحُضُورُ مَعَ أَنَّ سِيَّاقَ التَّشْهَدِ يَقْتَضِي الْغَيْبَةَ

(آپ ﷺ کو سامنے مان کر خطاب کیا جا رہا ہے حالانکہ سیاق تشہد کا

تقاضا الفاظ غائب ہیں)

اور اس کے بعد اوپر والا جواب ہی نقل کیا کہ آپ ﷺ روحانی طور پر موجود ہوتے ہیں (۱)

۳۔ یہی بات شارح بخاری امام قسطلانی نے لکھی ہے (۲)

روحانی و معنوی طور پر رسول ﷺ کی جلوہ گری

مولانا موصوف تو یہ کہہ رہے ہیں فقط ذہن کو اس طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے مگر یہاں ہوتا کچھ نہیں لیکن ائمہ امت نے یہاں تک تصریح کر دی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ اس موقع پر روحانی طور پر نمازیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں لہذا آدمی مخاطب ہو کر سلام عرض کرتا ہے۔

۴۔ حافظ احمد بن حجر مکی (ت، ۹۷۴) نماز میں تقدیم سلام از صلوة اور ارکان نماز کی

تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس مقام ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے تو آخری تشہد تو مقصود و انتہا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی اکمل اوصاف اور سب سے جامع الفاظ میں ثناء ہے جو تعظیم و خضوع الہی کی نسبت نماز کا مقصود ہے۔

ثُمَّ لَمَّا تَمَّ هَذَا الْمَقَامُ انْتَقَلْنَا لِمَقَامٍ مِّنْ وَصَلَتْ لَنَا

تِلْكَ الْهِدَايَةُ الْبَاهِرَةُ عَلَى يَدَيْهِ فَاِبْتَدَأْنَا بِمُخَاطَبِهِ

ﷺ بِالسَّلَامِ عَلَيْهِ إِشَارَةً إِلَى حُضُورِهِ ﷺ مَعَنَا

بِالْبَعْنَى (۳)

(جب یہ مقام مکمل ہوا تو ہم اس مقام کی طرف منتقل ہوئے جن کے

ہاتھوں سے ہمیں ہدایت کاملہ نصیب ہوئی تو ہم نے آپ ﷺ کو ابتداً

سلام بطور خطاب عرض کیا جو اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ معنوی و روحانی طور پر ہمارے ساتھ تشریف فرما ہیں)

ان کے الفاظ، حَضُورُهُ مَعَنَا بِالْبَعْنَى (آپ روحانی طور پر ہم میں جلوہ فرما ہوتے ہیں) کو بار بار پڑھیے اور غور کیجئے وہ کیا فرما رہے ہیں کیا ہم آج ان بزرگوں کی راہ پر ہیں؟

۵۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ت، ۱۰۵۲) ایک مقام پر اہل معرفت کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

(خطاب از مصلی بملا حظہ شہود روح مقدس آنحضرت و سریاں روح وے در ذرات موجودات خصوصاً در ارواح مصلین است و بالجملہ دریں حال از شہود وجود آنحضرت ﷺ غافل و ذاہل نباید بود بامید ورود فیوض از روح پر فتوح وے ﷺ) (۱)

(نمازی آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر سلام کہتا ہے کیونکہ آپ کی روح مقدس تشریف فرما ہوتی ہے اور تمام موجودات خصوصاً نمازیوں کے ارواح میں وہ جاری و ساری رہتی ہے الغرض آپ ﷺ کی اس حالت میں موجودگی سے نمازی کو غافل اور غیر متوجہ نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کی روح مبارک سے فیضان پارہا ہے)

۶۔ اسی طرح التحیات کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و بعضی عرفاء از ارباب تحقیق گفتہ اند کہ آنحضرت باعتبار سریان حقیقت وی ﷺ در ذرات موجودات و احاطہ ذات بابرکات وی بسائر ممکنات در ذات مصلی حاضر و شاہدست و درود بصیغہ خطاب در حقیقت بملا حظہ آن حضور و شہود است صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وسلم“ (۲)

(بعض اہل تحقیق عرفاء فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی حقیقت موجودات کے ذرات میں اور آپ ﷺ کی ذات اقدس تمام ممکنات کا احاطہ کیے

(۱) مدارج النبوت، ۱، ۱۳۵

(۲) تحصیل البرکات بر حاشیہ اخبار الانبیاء، ۳۱۶

ہوئے ہے اور وہ نمازی کی ذات میں بھی موجود و حاضر ہے تو الفاظ خطاب سے سلام بھی اس موجودگی اور تشریف فرمائی کی وجہ سے ہے اے اللہ کے رسول آپ پر صلاۃ و سلام کا نزول ہو)

دوسری گزارش:

اگر یہ محض نمازی کا تصور ہی ہوتا ہے یہاں موجود کچھ بھی نہیں تو پھر اس پر یہ مسئلہ اور سوال کیوں پیدا ہوا؟ کہ یہ سلام خطاب ہے جو نماز میں ہرگز جائز نہیں کیونکہ حالت نماز میں کسی کو سلام کہنا یا کسی کے سلام کا جواب دینا نماز کے لیے مفسد ہوتا ہے خواہ زبان سے ہو یا اشارہ سے ہو اور ادھر یہ خطاب بھی ہے اور باقاعدہ سلام عرض کیا جا رہا ہے تو نماز فاسد کیوں نہ ہوگی؟

جواب:

اس سوال کا جواب تمام اہل علم نے یہی دیا ہے کہ معاملہ ذات رسول ﷺ کو سلام کا ہے جس سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے لہذا اس خطاب سے نماز فاسد نہ ہوگی اس کو آپ ﷺ کی خصوصیت قرار دیا ہے چند حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

نماز میں آپ کو سلام عرض کرنا آپ کی خصوصیت ہے:

آئمہ نے تشہد کی بنا پر ہی یہ تصریح کی ہے کہ نمازی کا نماز میں آپ کو بصورت خطاب سلام عرض کرنا آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، اگر نمازی کسی اور کو نماز میں سلام کرے تو نماز مسترد ہو جاتی ہے، ہم یہاں چند بزرگوں کی تصریحات ذکر کیے دیتے ہیں۔

۱۔ امام جلال الدین سیوطی (ت، ۹۱۱) نے باقاعدہ آپ کی اس خصوصیت پر باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے۔

بَابُ اِخْتِصَاصِهِ ﷺ بِأَنَّ الْمُصَلِّيَّ يُخَاطِبُهُ بِقَوْلِهِ
السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ لَا يُخَاطِبُهُ سَائِرَ
النَّاسِ (۱)

(حضور ﷺ کا یہ خاصہ ہے کہ نمازی دوران نماز آپ کو مخاطب کر کے ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کے ساتھ سلام عرض کرتا ہے حالانکہ نمازی کسی اور کو مخاطب نہیں کر سکتا)

۲- امام احمد بن محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) آپ ﷺ کی اسی خصوصیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

مِنْهَا أَنَّ الْمُصَلِّيَّ يُخَاطِبُهُ بِقَوْلِهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَلَا يُخَاطِبُ غَيْرَهُ (۱)

(آپ ﷺ کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ نمازی حالت نماز میں آپ کی خدمت میں ’السلام عليك ايها النبي‘ کہہ کر سلام عرض کرتا ہے اور آپ کے علاوہ کسی کو مخاطب نہیں کر سکتا۔)

۳- امام محمد بن يوسف الصالحی الشامی (ت: ۹۲۲) آپ ﷺ خصائص و فضائل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

الرَّابِعَةُ وَ بَانَ الْمُصَلِّيُّ يُخَاطِبُهُ بِقَوْلِهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ وَلَا يُخَاطِبُ سَائِرَ النَّاسِ وَ هُوَ ثَابِتٌ فِي حَدِيثِ التَّشْهُدِ وَ مُخَاطَبَةُ النَّبِيِّ ﷺ بِذَلِكَ وَاجِبَةٌ عَلَى الصَّحِيحِ (۲)

(چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ نمازی حالت نماز میں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں یوں مخاطب ہو کر سلام عرض کرتا ہے، ’السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ‘ حالانکہ آپ کے علاوہ کسی اور کو نماز میں مخاطب نہیں کیا جاسکتا اور یہ بات حدیث تشہد سے ثابت ہے اور نماز میں حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر سلام عرض کرنا صحیح قول کے مطابق لازم ہے) باقی حوالہ جات کی تفصیل اسی فصل میں موجود ہے

(۱) المواهب اللدنیہ، ۶: ۶۷۹

(۲) سبل الہدی والرشاد، ۱۰: ۳۵۱

اہم نوٹ:

یہاں مولانا موصوف کے یہ کلمات بھی قابل ذکر ہیں آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوتے بلکہ نمازی کو خود کمال پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حبیب کے سلام کے لیے حاضر ہونا پڑتا ہے مگر یہ مقام کتنوں کو حاصل ہے؟ جس کو خدا دے۔ (تبرید النواظر، ۱۶۴)

کیا اس عبارت سے یہ واضح نہیں ہو رہا ہے کہ یہ کمال امتی کو حاصل ہو سکتا ہے اور حضور ﷺ کے لیے یہ کمال ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

بلکہ یہی بات مولانا حسین احمد مدنی نے کھل کر لکھی ہے وہ یا رسول اللہ ﷺ کے جواز کی پانچویں صورت یوں لکھتے ہیں۔

ارباب نفوس ذکیہ اور اصحاب ارواح طاہرہ جن کے بعد مکانی اور کثافت جسمانی اپنے عرائض کی تبلیغ سے مانع نہ ہو اس میں کوئی قباحت نہیں وہابیہ خبیثیہ یہ صورتیں نہیں نکالتے اور جملہ انواع کو منع کرتے ہیں چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ وہ ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حریمین پر سخت نفرتیں اس خطاب اور ندا کی وجہ سے کرتے ہیں اور ان کا استہزاء اڑاتے ہیں اور کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین اس صورت کو اور جملہ صورتہائے درود شریف کو اگرچہ بصیغہ خطاب و نداء کیوں نہ ہو مستحب و مستحسن جانتے ہیں اور اپنے متعلمین کو اس کا امر کرتے ہیں (۱)

اس پر امام العصر مولانا محمد اشرف سیالوی کا یہ اقتباس نہایت ہی قابل ملاحظہ ہے لکھتے ہیں

”ان اخلاف کو آئینہ دکھلانا منظور ہے، جو مطلقاً یا رسول اللہ کہنا حرام بلکہ شرک قرار دیتے ہیں اور دیوبندیت کے مدعی ہونے کے باوجود حقیقت میں بقول مدنی صاحب وہابیہ خبیثیہ کے زمرے میں شامل ہوتے ہیں نیز یہ بھی واضح کرنا ہے کہ مدنی صاحب کے نزدیک امت مصطفیٰ ﷺ میں سے ارواح طاہرہ اور نفوس ذکیہ کے مالک اس مرتبہ و

مقام کے مالک ہو جاتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل دور ہونے کے باوجود، بدنی اور جسمانی لباسوں اور پردوں میں ملبوس و مستور ہونے کے باوجود بارگاہ رسالت میں براہ راست اپنی عرضیں اور حاجات و ضروریات پیش کر سکتے ہیں اور انہیں کوئی امر مانع نہیں ہوتا۔

لیکن نبی مکرم ﷺ کے لیے کوئی ایسی صورت فکر نہیں کی کہ آپ اپنی روحانی طہارت و پاکیزگی اور تجرد و نچافت اور نورانیت کاملہ کی بناء پر دور دراز سے پکارنے والوں کی آواز سن لیں اور ان کی حاجات و ضروریات معلوم کر لیں اوزان کے مشکلات و مصائب پر مطلع ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا و التجا کر کے امداد و اعانت بہم پہنچائیں جس سے صاف ظاہر ہے کیونکہ (السکوت فی معرض البیان بیان ہوا کرتا ہے) کہ علمائے دیوبند نبی الانبیاء، حبیب کبریا ﷺ کے لیے ان صاف باطن و پاکیزہ روح اور منزہ نفس اُمتیوں کے برابر بھی صلاحیت و استعداد اور روحانی و نورانی قوت و طاقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔

ورنہ جائز صورتوں میں اس کا ذکر سرفہرست نہ ہوتا تو کم از کم پانچویں یا چھٹی جگہ تو ہوتا ہی سہی اس کو سرے سے نظر انداز نہ کیا جاتا بلکہ ناجائز صورتوں میں شمار نہ کیا جاتا۔ لہذا اس سے یہ واضح ہو گیا کہ علماء دیوبند کے نزدیک صرف ملک الموت اور شیطان ہی نہیں بلکہ اُمتی بھی قوت و طاقت اور استعداد و صلاحیت میں نبی الانبیاء اور امام المرسلین سے بڑھے ہوئے ہیں اور جن کے توسط سے اور دسترخوان جو دونوں سے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کمال حاصل کرتے ہیں اور نبوت و رسالت اور آیات و معجزات کی خیرات حاصل کرتے ہیں وہ اُمت کے بعض کالمیلین سے بھی کمتر مقام اور درجہ میں ہیں۔

الْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔“

ہمارا نظریہ:

جب مدنی صاحب کے اعتراف و تسلیم سے واضح ہو گیا کہ ارواح طاہرہ اور نفوس ذکیہ والے حضرات کے لیے بُعد مکانی اور کثافت جسمانی دور دراز سے عرائض پیش

کرنے میں رکاوٹ نہیں بن سکتے تو پھر ہم یہ عقیدہ رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ محبوبیت کے مقام پر فائز اولیاء کرام اور فرائض و نوافل کے انوار سے منور اور فراست کے نور سے بہرہ ور حضرات کو دور دراز سے پکارنا اور ان کی شان کے لائق استمداد و استعانت حاصل کرنا بالکل جائز اور صحیح ہے کیونکہ جو استعانت اللہ تعالیٰ سے مختص ہے اور جو چیزیں عطا کرنا اس کا خاصہ ہے وہ غیر اللہ سے طلب کرے خواہ قریب سے اور ظاہری حیات میں تو پھر بھی شرک ہے اور جو استعانت اس سے مختص نہیں، مثلاً دعاؤ التجاء کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے لے کر دینے کا عقیدہ تو وہ اولیاء کرام علیہم الرضوان سے جائز ہے خواہ قریب ہوں یا دور اور ظاہری حالت حیات میں ہوں یا وصال فرما چکے ہوں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے انوار سے منور ہونے کے بعد ملاء اعلیٰ میں شامل ہو کر کارکنان قضاء قدر سے بن جاتے ہیں اور ان کے لیے دوریاں اور مسافتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اور موت کی صورت میں حجاب بدن اور پردہ جسمانی کے دور ہو جانے سے روحانی قوتیں اور باطنی صلاحیتیں مزید نکھر جاتی ہیں جیسا کہ کثیر حوالہ جات سے یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے۔ (۱)

فصل:

پھر بھی بطور انشاء عرض کیا پڑھیں

بعض اہل علم نے لکھا کہ نمازی ان الفاظ کو شبِ معراج کے واقعہ سے حکایت کرتے ہوئے پڑھے یعنی ان الفاظ سے سلام کہے جن کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے کیا اور وہ یہ ہیں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اس سے انکار نہیں لیکن آگے انہوں نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ کلمات شبِ معراج والے ہی پڑھیں مگر بطور انشاء پڑھیں یعنی ان سے مقصود حضور ﷺ پر سلام ہونا چاہیے کیونکہ محض حکایت سے سلام نہیں ہوگا، چند تصریحات ملاحظہ کر لیجیے

۱۔ شیخ محمد زکریا سہارنپوری (ت، ۱۳۰۲) نے امام بیہمی کی کتاب تحفۃ الحجیب کے حوالہ سے لکھا جب رسول اللہ ﷺ حریم کبریا، میں پہنچے تو بارگاہ الہی میں عرض کیا

’التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ‘ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ اس کے بعد موصوف سہارنپوری تحریر کرتے ہیں

وَعَلَىٰ هَذَا التَّوَجُّيهِ فَالْكَافُ إِبْقَاءٌ لِلْحِكَايَةِ عَلَىٰ أَصْلِهَا وَلَكِنْ يَنْبَغِي أَنْ يُقْصَدَ بِكَلَامِهِ هَذَا حِينَئِذٍ إِلَّا نَشَاءً لَا مُجَرَّدَ الْحِكَايَةِ

(اس توجیہ پر کاف اپنے اصل پر حکایت ہوگا لیکن الفاظ سے مقصود اب بھی انشاء ہوگا نہ کہ محض حکایت)

اس پر فتاویٰ شامی کا حوالہ دیا کہ الفاظِ تشہد کو بطور انشاء یوں پڑھا جائے کہ آدمی محسوس کرے کہ وہ

يُحْيِي اللَّهُ تَعَالَى وَيُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَى نَفْسِهِ
وَلَا يَقْصُدُ الْإِخْبَارَ وَالْحِكَايَةَ عَمَّا وَقَعَ فِي الْبِعْرَاجِ
عَنْهُ ﷺ (۱)

(اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تحیہ عرض کر رہا ہے اور حضور پر سلام اور نمازی اپنی ذات پر اور اس سے واقعہ معراج سے حکایت و خبر کا قصد نہ کیا جائے)

غزالی زمان کی گفتگو:

اس مسئلہ پر غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی (ت ۱۳۰۶) کی علمی و تحقیقی گفتگو کا مطالعہ کیجئے۔ لکھتے ہیں

مخالفین کہتے ہیں کہ نماز میں جو ہم 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کہتے ہیں اس میں حضور ﷺ کو مخاطب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج میں حضور ﷺ کو مخاطب فرما کر 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' فرمایا تھا ہم اس سلام و خطاب کی حکایت کرتے ہیں

اس کا جواب یہ ہے کہ مخالفین کا سلامِ تشہد کو واقعہ معراج کی حکایت قرار دینا مخالفین کے اپنے اصول و مسلمات کے خلاف ہے اس لئے کہ وہ علی الاطلاق کسی ایسی روایت کو نہیں مانتے جس کی سند موجود نہ ہو بخلاف ہمارے کہ ہم ابوابِ فضائل و مناقب میں ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی سند ہمارے سامنے نہ ہو مگر علماء محدثین یا فقہائے معتبرین و دیگر علمائے معتمد علیہم نے انہیں قبول کیا ہو۔

روایت کی سند ہی نہیں:

جس روایت کے پیش نظر، یہ کہا جاتا ہے کہ سلامِ تشہد واقعہ معراج کی حکایت ہے اس کی کوئی سند نہیں اگر ہے تو پیش کیجئے آپ کے مولوی انور شاہ صاحب "عرف

شدی“ میں صفحہ ۱۳۹ پر اس روایت کے متعلق کہتے ہیں

وَلَكِنْ لَّمْ أَجِدْ سَنَدَ هَذِهِ الرَّوَايَةِ

(یعنی اس روایت کی سند میں نے نہیں پائی)

اب بتائیے بے سند روایت پر آپ کے مسلمات کی روشنی میں اس حکایت کا حکم
کیسے قائم ہوگا؟

ارشاد نبوی ﷺ پڑھیے:

علاوہ ازیں بخاری شریف میں حدیث تشہد کے آخر میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد
مبارک مخالفین کے اعتراض کا قلع قمع کر رہا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں

فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمْوهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (۱)

(جب تم (یہ الفاظ سلام) کہہ لیتے ہو تو وہ زمین و آسماں میں اللہ تعالیٰ کے
ہر نیک بندے کو پہنچ جاتے ہیں)

ظاہر ہے کہ نقل و حکایت کی تقدیر پر سلام پہنچنے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے۔
سلام پہنچنا اسی صورت میں مقصود ہے جب کہ اپنی طرف سے انشاء سلام کی نیت ہو
تحقیقی و اصولی بات:

کلام کو مختصر کرنے کے لیے ہم ایک تحقیقی بات تحریر کرتے ہیں۔ امید ہے
ناظرین کرام اسے بغور ملاحظہ فرما کر حق و باطل میں امتیاز فرمائیں گے

اور وہ یہ ہے کہ جن عبارات میں سلام تشہد کا علی سبیل الحکایت ہونا وارد ہے
، وہاں مجرد حکایت مراد نہیں بلکہ حکایت علی طریق الانشاء مراد ہے یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ نے
شب معراج میں نبی کریم ﷺ کو ’السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ‘ کے ساتھ مخاطب
فرمایا تھا لہذا نمازی کو بھی چاہیے کہ حرم حبیب میں حبیب کو حاضر پا کر واقعہ معراج کے
مطابق بہ نیت انشاء سلام نبی کریم ﷺ کو ’السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ‘ کے ساتھ

مخاطب کرے نہ یہ کہ صرف اللہ تعالیٰ کے سلام کی نقل و حکایت ہو اور نمازی خود اپنی جانب سے حضور ﷺ پر انشاء سلام کی نیت نہ کرے۔ معاذ اللہ ایسا کہنا تمام محدثین و فقہاء بلکہ ساری اُمتِ مسلمہ کے خلاف چل کر سبیلِ مومنین سے اعراض کرنا اور جہنم کی طرف جانا ہے ہمارے حضرات اہل سنت مقلدین کو تو ایک طرف رکھیے، غیر مقلدوں سے پوچھئے تو وہ بھی مجرد حکایت کے قائل نہیں دیکھے عون المعبود میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کے تحت مرقوم ہے۔

فَإِنْ قِيلَ كَيْفَ شُرِعَ هَذَا اللَّفْظُ وَهُوَ خِطَابٌ
بَشَرٍ مَعَ كَوْنِهِ مَنْهِيًّا عَنْهُ فِي الصَّلَاةِ فَالْجَوَابُ أَنَّ
ذَلِكَ مِنْ خَصَائِصِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۱)
(یعنی اگر کہا جائے کہ ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کیسے مشروع
ہوا حالانکہ وہ خطاب بشر ہے اور خطاب بشر نماز میں جائز نہیں تو اس کا

جواب یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیات سے ہے)

دیکھئے اگر یہاں مجرد حکایت ہوتی تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ محض بطریق حکایت تو ”یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم، یا موسیٰ“ حتیٰ کہ یا ہامان بھی قرآن مجید میں وارد ہے اور وہ الفاظ قرأت قرآن کے اثنا میں نمازوں میں پڑھے جاتے ہیں اور ان کا پڑھنا منفسدِ صلوٰۃ نہیں۔

پھر حضور ﷺ کی خصوصیت کا قول کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ غیر مقلدوں کے نزدیک بھی سلامِ تشہد میں خطاب اور انشاء کا ہونا ضروری ہے مجرد حکایت کا قول قطعاً باطل اور مردود ہے

علیٰ ہذا القیاس علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی مضمون کو مختصر الفاظ میں

ادا کیا ہے۔ علامہ موصوف حضور سید عالم ﷺ کے خصائص کے بیان میں فرماتے ہیں

وَمِنْهَا أَنَّ الْمُصَلِّيَ يُخَاطَبُهُ بِقَوْلِهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ

أَيُّهَا النَّبِيُّ وَلَا يُخَاطَبُ غَيْرَهُ (۲)

(۱) عون المعبود، ۱، ۳۶۵

(۲) مواہب اللدنیہ، ۱، ۴۴۴

(یعنی نبی کریم ﷺ کی خصوصیت سے یہ امر بھی ہے کہ نمازی اپنے قول
'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کے ساتھ حضور ﷺ کو خطاب کرتا
ہے اور حضور ﷺ کے غیر کو خطاب نہیں کر سکتا)

فقہاء اُمت کے اقوال

محدثین کے بعد فقہاء کی طرف آئیے اور ان کی عبارات جلیلہ کو دیکھئے پھر آپ کو
معلوم ہوگا کہ مجرد حکایت کا قول مردود ہے یا نہیں؟

۱- در مختار میں ہے:

(وَيُقْصَدُ بِالْفَاطِ التَّشْهَدِ) مَعَانِيهَا مُرَادَةٌ لَهُ عَلَى
وَجْهِ (الْإِنْشَاءِ) كَأَنَّهُ يُحْيِي اللَّهُ تَعَالَى وَيُسَلِّمُ عَلَى
نَبِيِّهِ وَعَلَى نَفْسِهِ وَأَوْلِيَائِهِ (لَا الْإِخْبَارِ) عَنْ ذَلِكَ
ذَكَرَهُ فِي الْمُجْتَبَى وَظَاهِرُهُ أَنَّ ضَمِيرَ عَلَيْنَا
لِلْحَاضِرِينَ لَا حِكَايَةَ سَلَامِ اللَّهِ تَعَالَى (۱)

(نمازی الفاظ تشہد سے ان معنی کا قصد کرے جو اس کی مراد ہیں اور یہ
قصد علی وجہ الانشاء ہو، گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تحفے پیش کر رہا
ہے اور اپنے نبی کریم ﷺ پر اور خود اپنی ذات اور اولیاء اللہ پر سلام
پیش کر رہا ہے اخبار اور حکایت سلام کی نیت ہرگز نہ کرے، اس کو ”مجتبیٰ“
میں ذکر کیا اور اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ ”علینا“ کی ضمیر تمام حاضرین
کے لیے ہے، سلام تنہد بہ نیت انشاء کہا جائے، اللہ تعالیٰ کے سلام کی نقل و
حکایت کا ارادہ نہ ہو)

۲- علامہ شامی اس کے تحت فرماتے ہیں:

(قَوْلُهُ لَا الْإِخْبَارِ عَنْ ذَلِكَ) أَيْ لَا يَقْصَدُ الْإِخْبَارَ
وَالْحِكَايَةَ عَمَّا وَقَعَ فِي الْبِعْرَاجِ مِنْهُ ﷺ وَعَنِ اللَّهِ
سُبْحَانَهُ وَمِنَ الْمَلَائِكَةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ (۲)

(۱) در مختار۔ ۱۔ ۲۷۶

(۲) شامی۔ ۱۔ ۲۷۶

(مصنف کے قول (لَا الْإِخْبَارَ عَنْ ذَلِكَ) کے معنی یہ ہیں کہ نمازی تشہد میں اس واقعہ کی نقل و حکایت کا ارادہ نہ کرے جو معراج میں آپ ﷺ اور اللہ تعالیٰ سبحانہ اور فرشتوں سے واقع ہوا تھا)

صاحب درمختار اور علامہ شامی دونوں نے مجرد حکایت و اخبار کے قول کو رد فرما کر

انشاء سلام کے قصد کو متعین فرما دیا

۳۔ عالمگیری میں ہے:

وَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ يُقْصَدَ بِالْفَاطِطِ التَّشْهَدِ مَعَانِيهَا الَّتِي
وُضِعَتْ لَهَا مِنْ عِنْدِهِ كَأَنَّهُ يُحْيِي اللَّهَ تَعَالَى وَيُسَلِّمُ
عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَى نَفْسِهِ وَأَوْلِيَاءِ اللَّهِ تَعَالَى كَذَا
فِي الزَّاهِدِي (۱)

(نمازی کے لیے الفاظ تشہد کے معانی موضوعہ کا اپنی طرف سے بطور انشاء مراد لینا اور ان کا قصد کرنا ضروری ہے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تحفے پیش کر رہا ہے اور نبی کریم ﷺ اور اپنی ذات و اولیاء کرام پر سلام عرض کر رہا ہے)

۴۔ الدر المنتهی فی شرح الملتقی جلد اول ص ۱۰۰ پر ہے

خِلَافًا لَهَا قَالَهُ بَعْضُهُمْ أَنَّهُ حِكَايَةٌ سَلَامٍ لِلَّهِ لَا
إِبْتِدَاءً سَلَامٍ مِنَ الْمُصَلِّي

(یعنی نمازی کی یہ نیت ”انشاء سلام“ اس قول کے خلاف ضروری ہونی چاہیے جو بعض لوگوں نے کہہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت ہو نمازی اپنی طرف سے ابتدا سلام کی نیت نہ کرے)

ان تمام عبارات سے یہ مسئلہ اظہر من الشمس ہو گیا کہ ”السَّلَامُ عَلَيْكَ

أَيُّهَا النَّبِيُّ“ میں صرف حکایت معراج کا قصد کرنا جائز نہیں بلکہ انشاء سلام اور خطاب کی نیت بھی ضروری ہے۔

۵۔ آخر میں دیوبندیوں کے ایک مقتدا کی عبارت نقل کر کے آخری حجت تمام کرتا

ہوں ناظرین کرام بغور ملاحظہ فرمائیں

اوجز المسالك جلد ۱ ص ۲۲۵ پر ہے

وَعَلَىٰ هَذَا التَّوْجِيهِ فَالْكَافُ إِبْقَاءٌ لِلْحِكَايَةِ عَلَىٰ أَصْلِهَا وَلَكِنْ يَنْبَغِي أَنْ يُقْصَدَ بِكَلَامِهِ هَذَا الْإِنْشَاءُ لَا مُجَرَّدُ الْحِكَايَةِ قَالَ الشَّامِيُّ وَ يُقْصَدُ بِالْفَاطِ التَّشْهَدِ مَعَانِيهَا مُرَادَةً لَهُ عَلَىٰ وَجْهِ الْإِنْشَاءِ كَأَنَّهُ يُحْيِي اللَّهَ تَعَالَىٰ وَيُسَلِّمُ عَلَىٰ نَبِيِّهِ ﷺ وَ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَأَوْلِيَّائِهِ وَلَا يُقْصَدُ الْإِخْبَارَ وَالْحِكَايَةَ عَمَّا وَقَعَ فِي الْبِعْرَاجِ عَنْهُ ﷺ إِنْتَهَىٰ فَعَلِمَ بِهَذَا أَنَّ لِلْمَشَاحِخِ فِي تَوْجِيهِ الْخِطَابِ ثَلَاثَةَ أَقْوَالٍ مُجَرَّدِ الْإِتِّبَاعِ وَ كَوْنِ الْحَبِيبِ فِي حَرِيمِ الْحَبِيبِ وَ حِكَايَةِ مَا فِي الْبِعْرَاجِ عَلَىٰ طَرِيقِ الْإِنْشَاءِ (۱)

(اس توجیہ پر ”کافِ خطاب“ حکایت کو اس کی اصل پر باقی رکھنے کے لیے ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ اس وقت نمازی ان الفاظ سے انشاء سلام کا قصد کرے مجرد حکایت کا ارادہ ہرگز نہ ہو۔ علامہ شامی نے کہا کہ نمازی الفاظِ تشہد سے ان کے مرادی معنی کا انشاء کے طریقہ پر قصد کرے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تحفے پیش کر رہا ہے اور نبی کریم ﷺ اور اپنی ذات اور اولیاء کرام پر سلام عرض کر رہا ہے اور اس واقعہ کی نقل و حکایت کا بالکل ارادہ نہ کرے جو حضور ﷺ سے معراج میں واقع ہوا تھا)

اس قول سے معلوم ہوا کہ خطاب کی توجیہ میں مشاخ کے تین قول ہیں۔ مجرد اتباع، اور حبیب کا حریم حبیب میں حاضر ہونا اور انشاء کے طریق پر واقعہ معراج کی حکایت کرنا

الْحَمْدُ لِلَّهِ! اس عبارت سے ہمارے لکھے ہوئے مسائل بالکل واضح ہو گئے۔ سلام تشہد میں حکایت علی طریق انشاء بھی ثابت ہو گیا اور توجیہ الخطاب میں فاذا

الْحَبِيبُ فِي حَرِيمِ الْحَبِيبِ بھی مذکور ہو گیا۔ اگر مخالفین اس بیان کو عقل و انصاف کی روشنی میں پڑھیں تو انہیں ہمارے مسلک کی حقانیت میں ذرا برابر شبہ نہیں رہ سکتا۔ اس تمام بحث کے آخر میں اتنی بات اور عرض کر دوں کہ جب دلائل کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ نمازی کا التحیات میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کہنا اس امر پر مبنی ہے کہ دربار خداوندی میں نبی کریم ﷺ حاضر ہیں تو یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ کوئی مقام اور کوئی وقت حضور ﷺ سے خالی نہیں۔ بلکہ دن میں، رات میں، مشرق و مغرب میں، سفر و حضر میں، زمین کے کسی گوشے پر، پہاڑ کی چوٹی پر یا ریت کے ٹیلے پر، سمندر میں، ہوائی جہاز میں، جہاں کہیں اس نے نماز کی نیت باندھی فوراً دربار خداوندی میں حاضر ہو گیا اور جب وہ حریم ذات میں پہنچا تو حبیب کی حریم میں حبیب کو حاضر پایا یعنی اللہ تعالیٰ کے دربار میں حضور ﷺ حاضر ملے تو صاف ظاہر ہو گیا کہ حضور ﷺ کسی سے دور نہیں البتہ ہم لوگ حضور ﷺ سے اس لیے دور ہو سکتے ہیں کہ ہم اس دربار میں حاضر نہیں ہوتے

رہا یہ امر کہ ہر نمازی کو حضور ﷺ نماز میں نظر نہیں آتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری نظر کا قصور ہے۔ جن اہل بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے یہ نور عطا فرمایا ہے وہ دیکھتے ہیں ہمیں لازم ہے کہ اگر خود دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تو دیکھنے والے کی بات مان لیں۔ کعبہ کو بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے مگر نماز کی نیت باندھے وقت ہر کوئی شخص کہتا ہے ”میرا منہ کعبہ شریف کی طرف“ یہ کہنا اس لیے ہے کہ کعبہ دیکھنے والوں کے قول کو تسلیم کر لیا ورنہ ہمیں بغیر دیکھے کہاں معلوم کہ کعبہ کونسی طرف ہے؟ پس اگر حضور ﷺ کے حق میں بھی عارفین کا قول تسلیم کر لیا جائے تو کونسی قباحت ہے؟

اس کے ساتھ یہ امر بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ بحکم قرآن و حدیث نمازی پر حضور ﷺ کی اجابت فرض ہے اور حضور ﷺ سے بحالت نماز بولنا بھی مفسدِ صلوة نہیں حالانکہ حضور ﷺ کے علاوہ ہر شخص سے بحالت نماز بات کرنا مفسدِ صلوة ہے بلکہ اگر یوں کہہ دیا جائے کہ نماز میں حضور ﷺ سے بات کرنا واجب ہے تب بھی کوئی قباحت لازم نہیں آتی کیونکہ تشہد واجب ہے اور اسی تشہد میں ہی ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا

النَّبِيِّ“ بھی ہے اور ظاہر ہے کہ خطاب کے ساتھ انشاء سلام یقیناً کلام ہے تو نماز میں حضور ﷺ سے سلام و کلام کا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہونا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ حضور ﷺ حرمِ حبیب میں ضرور حاضر ہیں کیونکہ غیر سے کلام کرنا اسی لیے مفسدِ صلوة ہے کہ جب غیر سے کلام کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے دربار سے اعراض ہوگا

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ دربارِ خداوندی سے الگ نہیں ورنہ ان کو مخاطب کرنے سے بھی حریمِ الہی سے اعراض ہوتا اور نماز فاسد ہو جاتی لیکن ایسا نہیں ہوتا ثابت ہوا کہ مشائخ کا حرمِ حبیب میں حبیب کو حاضر ماننا عینِ حق و صواب ہے اور جن لوگوں نے اپنی بے بصری کی بنا پر اس کا انکار کیا ہے وہ نماز کی حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں (۱)

تعلق والے سلام کا جواب پاتے

اسی لیے اہل علم نے یہ بھی تصریح کی کہ متعدد اہل معرفت حالت تشہد میں جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرتے تو رسول اللہ ﷺ اس کا جواب عنایت فرماتے اور اپنے کانوں سے سنتے ہیں اس بارے میں امام یوسف نجھانی (ت۔ ۱۳۵۰) کا اقتباس کس قدر قابل توجہ ہے۔

وَيُؤَيِّدُ سَمَاعَ النَّبِيِّ ﷺ سَلَامًا مَنْ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ مِنْ
بَعِيدٍ وَ قَرِيبٍ مَشْرُوعِيَّةُ السَّلَامِ عَلَيْهِ ﷺ فِي
التَّشْهَدِ فِي الصَّلَاةِ بِصِيغَةِ الْخِطَابِ، إِذْ يَقُولُ
الْمُصَلِّي: السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ
بَرَكَاتُهُ، فَلَوْلَمْ يَكُنْ ﷺ حَيًّا يَسْمَعُ جَمِيعَ الْمُصَلِّينَ
أَيْنَمَا كَانُوا بِاسْمَاعِ اللَّهِ لَهُ ذَلِكَ لَمَا كَانَ لِهَذَا
الْخِطَابِ مَعْنَى، بَلْ كَانَ صُدُورُهُ مِنَ الْمُصَلِّينَ
أَشْبَهَ بِكَلَامِ الْبَجَانِينِ مِنْهُ بِكَلَامِ الْعُقَلَاءِ، فَإِنَّكَ
إِذَا سَمِعْتَ مُتَكَلِّمًا يُخَاطَبُ إِنْسَانًا مَيِّتًا مِنْ عَضْوِ
كَثِيرَةٍ أَوْ حَيًّا وَ لَكِنَّهُ فِي بِلَادٍ بَعِيدَةٍ تَظُنُّ أَنَّ ذَلِكَ
الْمُتَكَلِّمَ قَدْ اخْتَلَطَ عَقْلُهُ حَتَّى خَاطَبَ مِنْ ذِكْرِ
بِخِطَابِ الْحَاضِرِ مَعَهُ، فَإِذَنْ لَمْ تَشْرَعْ لَنَا مُخَاطَبَةً

النَّبِيِّ ﷺ فِي الصَّلَاةِ بِهَذَا الْخِطَابِ إِلَّا وَهُوَ يَسْمَعُهَا
 فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَمَاتِهِ ﷺ حَتَّى أَنْ بَعْضَ الْأَوْلِيَاءِ
 سَمِعُوا عَلَى سَبِيلِ الْكِرَامَةِ رَدَّهُ السَّلَامَ عَلَيْهِمْ
 عِنْدَ قَوْلِهِمْ: السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَ
 بَرَكَاتُهُ وَلَا إِسْتِحَالَةَ فِي ذَلِكَ، لِأَنَّ الَّذِي أَطَّلَعَهُ
 عَلَى الْغَيْبِ وَأَسْمَعَهُ كَلَامَ مَنْ يُخَاطَبُ مِنْ بَعِيدٍ وَ
 قَرِيبٍ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا فَرْقَ عِنْدَهُ تَعَالَى بَيْنَ أَنْ
 يَكُونَ ذَلِكَ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَمَاتِهِ ﷺ، فَقَدْ صَحَّحَ
 أَنَّهُ حَىٌّ فِي قَبْرِهِ ﷺ لَا سَيِّبًا وَغَلَبَةُ الْحُكْمِ هُنَاكَ
 الرُّوحُ النِّيْرَةُ الطَّاهِرَةُ الْمُقْتَبِسُ مِنْ نُورِهَا
 الْأَعْظَمِ جَمِيعُ أَنْوَارِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَهِيَ لَا يَجِبُهَا
 شَيْءٌ مِّنَ الْأَكْوَانِ مَهْمَا تَبَاعَدَتِ الْأَمَكْنَةُ وَ
 تَقَادَمَتِ الْأَزْمَانُ، وَلِذَلِكَ يَسْمَعُ الْخِطَابَ مِنْ
 جَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ وَيَرُدُّ عَلَى مَنْ أَرَادَ اللَّهُ كَرَامَتَهُ مِنَ
 الْأَوْلِيَاءِ الْعَارِفِينَ، مَهْمَا شَطَّ الْمَزَارُ وَتَبَاعَدَتِ
 الدِّيَارُ (۱)

(رسول اللہ ﷺ پر تشہد میں بصیغہ خطاب سلام بھیجنا اور ”السَّلَامُ
 عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ عرض کرنا اور شریعت
 مطہرہ کا اس کو حالت حیات و وصال میں مشروع قرار دینا اور قرب و بعد
 ہر دو حالت میں اس کو جائز ماننا ہمارے اس دعویٰ کی واضح دلیل ہے اور
 پہلی دلیل کی بین تائید و تصدیق کہ آپ بعید و قریب سے درود و سلام بھیجنے
 والے ہر شخص کا درود و سلام سنتے ہیں۔ ورنہ اس خطاب کا کوئی معنی نہ ہوگا
 بلکہ نمازیوں سے اس کا صادر ہونا مجنون اور پاگل لوگوں کے کلام کے

مشابہ ہوگا کیونکہ جو شخص بھی عرصہ دراز سے فوت شدہ شخص کو پکارے یا زندہ بھی ہو لیکن دور دراز علاقے میں موجود ہو تو لوگ اس پکارنے والے کو مجبوظ الحواس اور پاگل و مجنون ہی خیال کریں گے تو شریعت مطہرہ میں زبان رسالت مآب ﷺ پر ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ کی شان کے مالک ہونے کے باوجود ایسی تعلیم و ارشاد کا جاری ہونا کیوں کر تصور کیا جاسکتا ہے تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اس نداء و خطاب کا شرعاً جواز صرف اور صرف اسی صورت پر مبنی ہے کہ سرور کونین علیہ السلام امت کے سلام و درود کو قریب و بعید سے حالت حیات ظاہرہ اور برزخیہ میں سنتے ہیں بلکہ بعض اولیاء کرام نے بطور کرامت اپنے سلام ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ کا جواب بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے براہ راست سنا اور اس میں کوئی استحالہ بھی نہیں ہے کیونکہ آپ کو غیب پر مطلع فرمانے والا اور قریب و بعید کا کلام سنانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس پر آپ کی دونوں حالتیں یکساں ہیں جبکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ آپ مزار اقدس میں زندہ ہیں علی الخصوص عالم برزخ میں آپ کے روح انور، نفس اطہر اور شمس حقیقت کے احکام و اثرات بدنی احکام پر غالب ہیں اور اس کے انوار تجلیات سے ہی دنیا اور آخرت کی چیزیں روشن اور مستنیر و مستفیض ہیں لہذا حقیقت محمدیہ اور آپ کے روح قدسیہ پر کائنات کی کوئی چیز محبوب و مستور نہیں رہ سکتی خواہ مکان کے لحاظ سے دور ہو یا زمان کے لحاظ سے سابق و مقدم ہو اس لیے آپ سب کا کلام سنتے بھی ہیں (اور سب کو جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں) اور جن کی عزت و کرامت کا اللہ تعالیٰ کو اظہار مطلوب ہوتا ہے ان کو بارگاہ نبوت کا سلام سناتا بھی ہے خواہ مزار پر انوار ان سے دور ہی ہو اور ان کے مساکن و دیار اس دربار گہر بار سے دور ہوں)

کچھ بزرگوں کے نام:

ہم یہاں کچھ ایسے خوش بخت بزرگوں میں سے کچھ کے اسماء گرامی کا تذکرہ کیے دیتے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ کا مقدس جواب بھی سننا نصیب ہوتا۔

۱۔ امام عبدالوہاب شعرانی (ت، ۹۷۳) امام ابوالعباس المرسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے تلامذہ سے پوچھا:

أَفِيكُمْ أَحَدٌ إِذَا سَلَّمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي صَلَاتِهِ
سَمِعَ رَدَّهُ السَّلَامَ عَلَيْهِ بِأُذُنِهِ

(کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو نماز میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام

عرض کرے اور وہ حضور ﷺ کا جواب اپنے کانوں سے سنے)

عرض کیا کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں تو فرمایا!

تَبْكُونَ عَلَى قُلُوبٍ فَحُبُوبَةٍ عَنِ اللَّهِ وَعَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

(تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اپنے محبوب دلوں پر رونا چاہیے)

پھر فرمایا کہ میں دن رات رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف پاتا ہوں اگر زیارت نہ ہو تو اپنے کو فقراء میں شامل و شمار نہ کروں (۱)

۲۔ امام سید الشلی، عارف باللہ امام علی بن علوی بن عیسیٰ علوی (ت، ۵۲۷) کے

بارے میں ”البشرع الروی فی مناقب السادات بنی علوی“

میں لکھتے ہیں کہ امام موصوف رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف پاتا اور

آپ ﷺ سے مشکل مسائل میں رہنمائی لیتے۔

وَكَانَ إِذَا قَالَ فِي التَّشْهَدِ أَوْ غَيْرِهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ

أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ يَسْمَعُ الْمُصْطَفَى ﷺ

وَيَقُولُ لَهُ عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا شَيْخُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

(اور جب یہ تشہد میں اور اس کے علاوہ آپ ﷺ کو یوں سلام عرض

کرتے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو رسول اللہ ﷺ سماعت فرماتے اور سلام کے جواب سے نوازتے ہوئے فرماتے وَ عَلَیْكَ السَّلَامُ يَا شَيْخُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

جواب سننے بغیر نہ گزرتے:

یہاں تک لکھا کہ بسا اوقات بار بار سلام عرض کرتے رہتے، عرض کیا گیا لِمَ تَكَرَّرَ فَقَالَ حَتَّى أَسْمَعَ جَوَابَ النَّبِيِّ ﷺ (۱)
(آپ السلام علیک میں تکرار کیوں کرتے ہیں تو فرمایا تاکہ میں نبی اکرم ﷺ سے سلام کا جواب پا اور سن سکوں)

فصل:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ خِطَابٌ وَنِدَاءٌ

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ 'السَّلَامُ عَلَيْكُمْ' محض دعا ہے اس میں خطاب و نداء کا پہلو موجود ہی نہیں، ہم یہاں اشکار کیے دیتے ہیں کہ جس طرح السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دعا کے ساتھ ساتھ خطاب و نداء بھی ہے اس طرح السَّلَامُ عَلَيْكُمْ میں بھی دونوں پہلو موجود ہیں مثلاً رسالت مآب ﷺ نے اُمت کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب تم قبرستان جاؤ تو اہل قبور کو ان الفاظ سے سلام کہو

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ
يَا أَهْلَ الْقُبُورِ

(اے اہل ایمان بستی والو! تم پر سلام ہو۔ اے اہل قبور تم پر سلام ہو)

اس سے اہل علم نے ثابت کیا کہ اہل قبور برزخ میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ اپنے زائرین کو پہنچانتے، ان کا سلام سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں ورنہ ان سے الفاظِ خطاب سے سلام کہنے کا کوئی جواز ہی نہ تھا بلکہ یہ الفاظ فقط مذاق ٹھہرتے کیونکہ یہ معدوم و حیات سے خطاب قرار پاتا۔ حافظ ابن قیم (ت، ۷۱، ۷۲) نے اس سلام پر اُمت کا تواتر نقل کرتے ہوئے لکھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اُمتیوں کو یہ طریقہ بتایا کہ جب تم اہل قبور کو سلام کرو تو ان سے اس طرح سلام کریں جیسے مخاطب سے کیا جاتا ہے

هَذَا خِطَابٌ لِّمَنْ يَسْمَعُ وَيَعْقِلُ وَ لَوْ لَا ذَلِكَ لَكَانَ
هَذَا الْخِطَابُ بِمَنْزِلَةِ خِطَابِ الْمَعْدُومِ وَالْجِنَادِ

وَالسَّلَفُ يَجْمَعُونَ عَلَىٰ هَذَا (۱)

(اور یہ خطاب ان سے ہے جو سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ

خطاب معدوم اور جماد سے ہوتا حالانکہ سلف کا اس پر اجماع ہے)

اس پر شیخ سرفراز گکھڑوی نے جو لکھا وہ بھی سامنے لے آتے ہیں وہ سماعِ موتی

پر دوسری دلیل دیتے ہوئے رقمطراز ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (ت، ۵۷ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَتَى الْمَقْبَرَةَ فَقَالَ السَّلَامُ

عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَا

حِقُونَ (۲)

(جناب رسول اللہ ﷺ قبرستان تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے (مردوں

کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا) سلام ہو تم پر اے مومنوں کی بستی میں رہنے والو اور بلاشبہ

ہم بھی ان شاء اللہ تعالیٰ تم سے ملنے والے ہیں)

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوا إِلَى الْمَقَابِرِ

الْحَدِيثَ (۳)

(آنحضرت ﷺ صحابہ کو یہ تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب وہ قبرستان میں

جائیں (تو ان الفاظ سے انہیں سلام کہا کریں)

اور تعلیم کے الفاظ کے بغیر نفسِ سلام کہنے کی ان کی روایت نسائی ج ۱ ص ۲۲۲،

سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۷۹ اور مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۴ میں موجود ہے۔ اور اسی مضمون کی روایت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے (ترمذی ج ۱ ص ۵۲۱، وقال حسن

غریب و مسند احمد و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۵) اور اسی مضمون کی روایت حضرت بشیر رضی اللہ عنہ بن

الخصاصیہ (المتوفی ھ) سے بھی مروی ہے (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۰ وقال رواه

(۱) کتاب الروح - ۴

(۲) (مسلم ج ۱، ص ۱۲۶، ابوداؤد ج ۲، ص ۱۰۵ و سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۷۸ و مسند ج ۲ ص ۳۰۰) و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۵۹

(۳) (مسلم ج ۱ ص ۳۱۴، ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۱۲، سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۷۹، و مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۳، وابن ابی

شیبہ ج ۲ ص ۱۳۸ طبع ملتان و شرح السنۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۸۶)

ثقات) اور اسی مضمون کی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت مجمع بن حارثہ سے بھی مروی ہے (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۶۰) ان کی سندیں اگرچہ کمزور ہیں مگر اصول حدیث کی رو سے پہلی صحیح روایات کی تائید، ان سے ہو سکتی ہے۔

ان الفاظ اور اس انداز سے مردوں کو سلام کہنے کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ خطاب کے اہل ہیں اور سلام کہنے والوں کا سلام سنتے ہیں اسی لیے تو آنحضرت ﷺ نے خود بھی مردوں کو سلام کہا اور اُمت کو اس کی تعلیم بھی دی کہ وہ بھی جب قبرستان میں جائیں تو اس طرح ان کو سلام کیا کریں۔ اور حافظ ابن حجرؒ وَالسُّنَّةُ أَنْ يَقُولَ الزَّائِرُ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ الخ (تلخیص الحییر ص ۱۳۷) نے اس طرح سلام کہنے کو سنت سے تعبیر کیا ہے

حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں کہ

وَتَبَّتْ عَنْهُ ﷺ لِأُمَّتِهِ إِذَا سَلَّمُوا عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ
 أَنْ يُسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ سَلَامًا مَنْ يُخَاطِبُونَهُ فَيَقُولُ
 الْمُسَلِّمُ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَهَذَا
 خِطَابٌ لِمَنْ يَسْمَعُ وَيَعْقِلُ وَلَوْ لَا هَذَا الْخِطَابُ
 لَكَانُوا بِمَنْزَلَةِ خِطَابِ الْمَعْدُومِ وَالْجِنَادِ وَالسَّلْفِ
 فَجَبَعُونَ عَلَى هَذَا وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْآثَارُ عَنْهُمْ بِأَنَّ الْبَيْتَ
 يَعْرِفُ بِزِيَارَةِ الْحَيِّ لَهُ وَيَسْتَبْشِرُ بِهِ (۱)

(آنحضرت ﷺ سے اُمت کے لیے یہ حکم ثابت ہے کہ وہ جب اہل قبور کو سلام کرے تو اس طرح سلام کرے جس طرح مخاطب سے سلام کیا جاتا ہے سو تو سلام کہنے والا کہے اے مومنوں کی بستی میں رہنے والو تم پر سلام ہو اور یہ خطاب اس کو ہے جو سننا اور جانتا ہے اگر ان کو یہ خطاب نہ ہوتا تو اس میں وہ ایسے ہوتے جیسے معدوم و جناد اور سلف و صالحین کا اس پر اجماع ہے اور تواتر کے ساتھ ان سے آثار مروی ہیں کہ جب کوئی زندہ،

مردہ کی زیارت کے لیے آتا ہے اور اسے سلام کہتا ہے تو اس کی آواز سے
مردہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کی آمد سے وہ خوش محسوس کرتا ہے)
اس کے بعد انہوں نے اپنے اس دعوے کے اثبات کے لیے کئی روایات اور

آثار نقل کیے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ

وَقَدْ شَرِعَ السَّلَامُ عَلَى الْمَوْتَى وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ

لَمْ يُشْعِرْ وَلَا يَعْلَمُ بِالْمُسْلِمِ مُحَالٌ (۱)

(بے شک مردوں پر سلام کہنا مشروع ہے، جو سلام کہنے والے کا نہ تو شعور

رکھتا ہو اور نہ علم محال ہے)

اور اس بحث کے اختتام پر لکھتے ہیں کہ

فَهَذَا السَّلَامُ وَالْخِطَابُ وَالنِّدَاءُ لِمَوْجُودٍ يَسْمَعُ

وَيُنْخَاطَبُ وَيَعْقِلُ وَيَرُدُّ وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ الْمُسْلِمُ الرَّدَّ

وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ (۲)

(پس یہ سلام و خطاب اور نداء اس موجود کو ہے جو سنتا ہے اور اس سے خطاب

کیا جا سکتا ہے اور جو سمجھتا ہے اور سلام کا جواب دے سکتا ہے اگرچہ سلام

کہنے والا میت کے جواب کو نہیں سنتا اور اللہ تعالیٰ ہی خوب اور بہتر جانتا ہے)

ان صحیح احادیث اور سلف صالحین کے اجماع و اتفاق کے پیش نظر حافظ ابن کثیر

کا یہ بیان اور تشریح خالص حق ہے اور شرعی طور پر اس میں ذرہ بھر بھی افراط و تفریط نہیں ہے

ابن کثیر کی یہ عبارت الحاقی ہے؟

مؤلف ندائے حق نے ص ۱۹۲ و ص ۲۹۲ میں بلاوجہ اس پر خالصاً و تماماً افسوس

کہ ابن کثیر کی یہ عبارت الحاقی ہے کیونکہ یہ عبارت ابن کثیر جیسے کاتبِ حق ہے جو

مفوض الی الشکر ہے بلکہ یار لوگوں کا الحاق ہے تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۵ کے حاشیہ پر

کسی خدا کے بندے نے صاف لکھ دیا ہے کہ مِنْ هَهُنَا إِلَى الْآيَةِ الثَّلَاثَةِ

(۱) ج ۳ ص ۴۳۲

(۲) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۹۳۲

زِيَادَةٌ مِنَ النُّسْخَةِ الْمَكِّيَّةِ وَهُوَ غَيْرُ مَوْجُودٍ فِي النُّسْخَةِ الْأَمِيرِيَّةِ

اللہ اس لکھنے والے کے درجے بلند کرے جس نے ابن کثیرؒ کے سر سے الزام اتارا۔ صاحب تسکین الصدور پر تعجب ہے کہ وہ حاشیہ کی اس عبارت سے اغماض کرتے ہیں اس محشیؒ کی عبارت سے ہمیں اپنے شیخ مولانا حسین علیؒ کے قول کی تصدیق ہو جاتی ہے جو آپ نے اپنی خودنوشت تفسیر بے نظیر میں تحریر فرمایا ہے ہر نبی کو خداوند کریم نے یہ حکم دیا ہے کہ خالص اللہ کو پکارو اور کتابوں میں بھی یہی حکم بھیجا۔ باغیوں نے خلاف کیا اور لکھ دیا جن کو ان کا لکھا مل گیا ان کو شک پڑ گیا لیکن علماء ثقات نے بیان فرمادیا کہ یہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے ان کے بیان کرنے کے بعد جھگڑا غیر مقبول ہے وہ عذاب سے نہیں بچ سکتے اب جو شخص خلاف قرآن کے لکھا ہوا دکھا دیوے اس کو کہو یہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اگر جس کی طرف وہ نسبت کرتے ہیں وہ مقبول الہی ہے کہہ دو اس کی طرف کسی باغی نے نسبت کی ہے اگر آیت الہی کے مقابلے میں صحیح حدیث لائیں کہ مطلب اس حدیث کا آیت کے مخالف ہو تو کہہ دو کہ ہم ظاہر معنی والی آیت کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کا معنی علماء کرام بیان کریں گے اگر تاویل صحیح معلوم ہو سکے تو بیان کرے نہیں تو علماء کرام کے بیان پر حوالہ کرے (۱)

الجواب:

ابن کثیر یہ عبارت لکھنے میں متفرد نہیں۔ ابھی انشاء اللہ العزیز حافظ ابن قیمؒ کا حوالہ بھی آرہا ہے تفسیر ابن کثیر طبع کرنے والوں کے پیش نظر طباعت کے وقت غالباً دو نسخے تھے ایک مکیہ اور دوسرا امیریہ۔ امیریہ کے نسخہ سے کاتب کی غلطی سے یہ عبارت چھوٹ گئی ہوگی۔ اور ایسا ہوتا رہتا ہے اس لیے مکیہ کے نسخے سے اس عبارت کو نقل کر دیا جو ابن کثیر ہی کی ہے اور اس کے الحاقی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ راقم اشیم کے پیش نظر تفسیر ابن کثیرؒ کے دو نسخے ہیں ایک وہ جس کے حاشیہ پر معالم التنزیل ہے جو مطبع المنار مصر میں طبع ہوئی اور دوسرا وہ نسخہ ہے جو معالم التنزیل کے بغیر ہے جو مطبع دار احیاء

الکتب العربیہ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاءہ نے طبع کرایا ہے ان دونوں نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے اور ان نسخوں میں مکہ کے نسخہ پر ہی اعتماد کیا گیا ہے مؤلف مذکورہ کا یہ جواب نری دفع الوقتی ہے اور اس پر ان کا ضمیر بھی ضرور ان کو ملامت کرتا ہوگا (بشرطیکہ اجیر خاص بن کر ضمیر کہیں گروی نہ رکھ چکے ہوں) یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ سلام علی القبور نہ تو شرک ہے اور نہ مفضی الی شرک ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے خود بھی قبور پر سلام کہا اور امت کو اس کی تعلیم بھی دی جیسا کہ صحیح روایات سے ثابت ہو چکا ہے اور تفسیر ابن کثیر کی اس مفصل عبارت میں (جو مکتبہ امیر یہ میں چھوٹ گئی ہے) بھی احادیث اور آثار پر ہی بنیاد رکھی گئی ہے جہاں نہ قیاس کا دخل ہے اور نہ کسی بناوٹ و تصنع کا، اور نہ یہ قرآن کریم کے خلاف ہے اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت ﷺ ہرگز سلام علی القبور نہ کہتے اور نہ اس کی امت کو تعلیم دیتے۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل بجا ہے مگر مؤلف مذکور نے مجذوب ہیں۔ انہوں نے اس غیر متعلق حوالہ کو یہاں جوڑ دیا ہے قرآن کریم اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کے خلاف جو کچھ کسی نے لکھا ہوگا وہ ضرور باغیوں نے لکھا ہوگا۔ مگر نہ تو اہل قبور کو سلام کہنا، ان کو ممنوع طریقے سے پکارنا ہے اور نہ یہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم کے خلاف ہے بلکہ یہ اس کے عین مطابق اور اس کی تعمیل ہے۔ اس کے الحاقی ہونے کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ مؤلف مذکور نے جس کتاب کا حوالہ اپنے مزاج مبارک اور اپنی فہم کے خلاف دیکھا ہے۔ بے موقع اور بے محل اور بلا ضرورت حضرت مرحوم کے اس حوالہ کو اسیر اور امرت دھارا سمجھ کر استعمال کیا ہے

حافظ ابن قیم (المتوفی، ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ

وَقَدْ شَرَعَ النَّبِيُّ ﷺ لِأُمَّتِهِ إِذَا سَلَّمُوا عَلَى أَهْلِ
الْقُبُورِ أَنْ يُسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ سَلَامَ مَنْ يُخَاطِبُونَهُ
فَيَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَهَذَا
خِطَابٌ لِمَنْ يَسْمَعُ وَيَعْقِلُ وَلَوْ لَا ذَلِكَ لَكَانَ هَذَا

الْحِطَابُ بِمَنْزِلَةِ خِطَابِ الْبَعْدُومِ وَالْجَبَادِ وَالسَّلْفِ
مُجْبِعُونَ عَلَى هَذَا وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْأَخْبَارُ عَنْهُمْ بِأَنَّ

الْمَيِّتَ يَعْرِفُ زِيَارَةَ الْحَيِّ لَهُ وَيَسْتَبْشِرُ بِهِ (۱)
(تحقیق سے آنحضرت ﷺ نے اپنے اُمتیوں کے لیے یہ مشروع قرار دیا ہے کہ وہ جب اہل قبور کو سلام کریں تو ان سے ایسے انداز سے سلام کریں جیسے مخاطب سے کیا جاتا ہے اور یہ خطاب ان سے ہے جو سنتے اور سمجھتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ خطاب معدوم اور جماد سے ہوتا۔ حالانکہ سلف صالحین کا اسی پر اجماع ہے اور تواتر کے ساتھ ان سے یہ خبریں منقول ہیں کہ مردہ اس زندہ کو (آواز سے) پہچانتا ہے جو اس کی زیارت کے لیے آتا ہے اور مردہ کو اس سے خوشی بھی ہوتی ہے۔)

حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن قیم اپنے دور میں موحدین کے سربراہ تھے اور جس چیز کے بارے میں ان بزرگوں کا ادنیٰ سا وہم بھی ہو جاتا کہ یہ شرک یا ذریعہ شرک ہے اس کا صاف اور صریح الفاظ میں جاندار الفاظ میں بے باک قلم سے بلا خوف لومۃ لائم رد کر دیتے تھے اور اس میں کسی مصلحت یا خطرہ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان موحدین حضرات کا یہ اقرار ہی نہیں بلکہ واضح عقلی اور نقلی دلائل سے یہ ثابت کرنا کہ سماع موتی حق ہے اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک شرعی دلائل کے پیش نظر اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے

امام ابو عمر بن عبدالبر احادیث السلام علی قبور کو ثابتہ متواترہ کہتے ہیں اور حافظ ابن قیم بھی ان کے اس قول کی تائید کرتے ہیں (۲)
حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:

سِمَاعُ الْمَيِّتِ لِلْأَصْوَاتِ مِنَ السَّلَامِ وَالْقِرَاءَةِ
حَقٌّ (۳)

(۱) کتاب الروح ص ۴ طبع حیدرآباد دکن

(۲) ملاحظہ ہو کتاب الروح ص ۱۲۴

(۳) اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۸۱ طبع مصر

(مردے کا سلام و قرأت کی آوازوں کو سنا حق ہے)

حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ

فَإِنَّ سَائِرَ الْأَمْوَاتِ أَيْضًا يَسْمَعُونَ السَّلَامَ
وَالكَلَامَ (۱)

(بے شک تمام مردے بھی سلام و کلام سنتے ہیں) (یعنی یہ سماع صرف

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی خصوصیت نہیں ہے)

علامہ محمد بن اسماعیل الامیر الیمانیؒ (المتوفی، ۱۱۸۲ھ) السَّلَامُ عَلَیْكُمْ يَا أَهْلَ

الْقُبُورِ۔ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ

وَفِيهِ أَنَّهُمْ يَعْلَمُونَ بِالْمَارِّ بِهِمْ وَ سَلَامِهِ عَلَيْهِمْ
وَ إِلَّا لَكَانَ إِضَاعَةً الخ (۲)

(اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ مردوں کے پاس سے گزرنے

والوں اور ان کو سلام کہنے والوں کو مردے (ان کی آواز سے) پہچانتے ہیں۔ ورنہ انہیں

سلام کہنا ایک بے ہودہ حرکت ہوتی)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (المتوفی، ۱۳۶۳ھ) السَّلَامُ عَلَیْكُمْ کی تشریح میں

لکھتے ہیں کہ

إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُمْ يَعْرِفُونَ الزَّائِرَ وَ يُدْرِكُونَ كَلَامَهُ
وَ سَلَامَهُ (۳)

اس میں اشارہ ہے کہ مردے زیارت کرنے والے کو پہچانتے ہیں اور اس

کے کلام و سلام کا ادراک و شعور رکھتے ہیں

ہماری گزارش:

جب تمام اہل علم تسلیم کرتے ہیں کہ السلام علیکم کے الفاظ خطاب ہیں اور یہ

(۱) مرقات ج ۲ ص ۲۱۰

(۲) سبل السلام ج ۲ ص ۱۵۷ طبع مصر

(۳) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۱۴ (سماع الموتی، ۱۵۲ تا ۱۶۱)

مخاطب ہو کر ہی کہیں جا رہے ہوتے ہیں اور یہ دعا کے ساتھ ساتھ سلام بھی ہے اور اہل قبور انہیں سن رہے ہوتے ہیں اگر معاملہ یوں نہ ہو تو یہ الفاظ بے کار اور مذاق بن جائیں گے تو ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ میں خطاب ماننے میں کیوں جھجک محسوس کی جاتی ہے حالانکہ یہ اس ذاتِ اقدس سے خطاب و نداء ہے جس کی اطاعت و فرمانبرداری کی وجہ سے ان تمام کو یہ سماعتیں نصیب ہوتی ہیں

بڑے افسوس کی بات ہے کہ باقی ہر جگہ ایسے الفاظ کو خطاب اور سلام پر ہی محمول کیا جائے لیکن ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کو محض خبر یا محض دعا قرار دینا اور اسے خطاب و سلام بھی تسلیم نہ کیا جائے یہ کہاں کا انصاف و دیانتداری ہے؟

لہذا جو الفاظ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں تعلیم دیئے ہیں انہیں اُن کی روح کے ساتھ ماننا اور پڑھنا ہی ایمان کا تقاضا ہے تو جیسے السلام علیکم اہل قبور کو خطاب و سلام ہے اس سے کہیں بڑھ کر ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کے کلمات خطاب و سلام ہیں

ہر جگہ اور ہر حال میں سلام خطاب؛

مخالفین کہہ سکتے ہیں کہ ہم قریب سے سننے کے قائل ہیں ہم دور سے سننا نہیں مانتے تو ہم عرض کرتے ہیں اگر دور سے سننا اور مخاطب کرنا غلط تھا تو اس کی تعلیم اللہ و رسول نے کیوں دی؟

جیسے دیگر اموات کو قریب جا کر ہی سلام خطاب کی تعلیم ہے ایسے ہی رسالتآب ﷺ کے بارے میں بھی تعلیم ہوتی کہ قریب والے السلام علیکم کہیں اور دور والے ایسے الفاظ سے سلام نہ کہیں، حالانکہ آپ ﷺ پر سلام، الفاظ خطاب میں ہر نمازی پر لازم کیا خواہ وہ قریب ہو یا دور، خواہ آپ کی ظاہری حیات ہو یا بعد از وصال، کسی حالت میں بھی کوئی فرق نہیں کیا تا کہ واضح ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ ہر حال میں امتیوں کا سلام سن سکتے ہیں اور جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

اسی بات کو عظیم محدث امام محمد عابد سندھی (ت، ۱۲۵۷) نے ان الفاظ میں آشکار کیا

ہے ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ سے استدلال و تائید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فَإِنَّ أَى حَرْفِ النَّدَاءِ عَلَى أَنَّ فِيهِ مُخَاطَبَةَ الْمَيِّتِ
بَعْدَ مَوْتِهِ وَ يُسْتَفَادُ مِنْهُ أَنَّهُ لَا يُقْتَصَرُ فِي جَوَازِهِ
عَلَى إِشْتِرَاطِ قُرْبَةٍ مِنَ الْمَيِّتِ بَلِ الْقُرْبُ وَالْبُعْدُ
سَوَاءٌ فِي هَذَا الْحُكْمِ وَ ذَلِكَ لِأَنَّ الْبُصْلَى كَانَ
مَا مَوْراً بِهَذَا الْقَوْلِ فِي تَشْهُدِهِ أَيْنَ كَانَ (۱)

(لفظ ای حرف نداء ہے، اس میں فوت کے بعد میت سے خطاب ہے اور اس سے یہ بھی سامنے آ رہا ہے کہ خطاب و نداء کے جواز کے لیے میت کے قریب ہونا ضروری نہیں بلکہ اس میں قریب و بعید دونوں کا حکم یکساں ہی ہے اس لیے کہ نمازی کو ہر جگہ یہی الفاظ پڑھنے کا حکم ہے خواہ وہ کہیں ہو) انہوں نے ہی رد روح کا مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھا

إِنَّهُ خِطَابٌ عَلَى قَدْرِ فَهْمِ الْمُخَاطَبِينَ أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ
رَدِّ الرُّوحِ لِيَسْمَعَ حِكَايَتَهُ فَكَأَنَّهُ قَالَ أَسْمَعُهُ تَمَامَ
السِّيَاحِ وَأُجِيبُهُ تَمَامَ الإِجَابَةِ (۲)

(یہ مخاطبین کے فہم و شعور کے مطابق ارشاد ہے کہ روح ایسی ضروری ہے تاکہ سلام کو سنا جاسکے گویا فرمایا میں کامل طور پر سلام سنتا ہوں اور کامل طور پر اس کا جواب دیتا ہوں)

(۱) التوسل واحکامہ، ۵۶

(۲) التوسل واحکامہ، ۹۳

فصل:

ایک اہم مغالطہ کا جواب

بعض لوگ یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ یہ اسی طرح کا معاملہ ہے جیسے دنیا میں رسول اللہ ﷺ قریب سے خود سن لیتے اور دور کی بات آپ ﷺ کی خدمت میں دوسرے ذرائع سے پہنچائی جاتی۔

ڈاکٹر خالد محمود نے یہی بات ان الفاظ میں لکھی ہے

حضور جب دنیا میں تھے تو بھی عام حالت یہ تھی کہ قریب والے کی بات سنیں اور دور کی بات سے اطلاع پائیں وفات کے بعد جب قوتِ سامعہ اسی ظاہری انداز پر ہے تو ظاہر ہے کہ قبر مبارک میں آپ قریب سے سنیں گے اور دور والے کا درود و سلام آپ کو پہنچایا جائے۔ (۱)

حالانکہ یہ محض مغالطہ ہے کیونکہ قرآن و سنت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو ایسے قوی حواس دیے ہیں کہ اگر وہ دور کی بات کو از خود سننا چاہیں تو وہ سن سکتے ہیں ان کے حواس کو دوسرے لوگوں کے حواس کی طرح ہرگز نہ سمجھا جائے ان میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر طاقت و قوت عطا کر رکھی ہے کہ کوئی دوسرا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اس حوالہ سے قرآن مجید کے یہ واقعات نہایت ہی قابل مطالعہ ہیں

۱۔ میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو پارہا، رواں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا

﴿ اِذْهَبُوا بِقَبِيصِي هَذَا فَالْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ

بَصِيرًا ﴾ (۱)

(یہ میری قمیص لے جاؤ اسے میرے والد گرامی کے چہرے پر ڈالو تو ان کی بینائی لوٹ آئے گی)

جب قافلہ قمیص لے کر مصر سے چلا، تو ملکِ شام میں تشریف فرما حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے خاندان کو جمع کر کے فرمایا

﴿ اِنِّي لَا جِدْرِيحُ يُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴾ (۲)

(کہا بے شک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ بہک گیا ہے)

۲۔ نبی علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز و گفتگوسن لی:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ نکلے، راستہ میں چیونٹیوں کا علاقہ تھا، ان کی سربراہ نے انہیں حکم دیا تم فی الفور اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ کہیں تم کچلی نہ جاؤ، جب اس نے چیونٹیوں سے یہ بات کی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی گفتگوسنی

﴿ فَتَبَسَّمْ ضَا حِجًا مِّنْ قَوْلِهَا ﴾ (۳)

(تو وہ چیونٹیوں کی بات سن کر مسکرا دیے)

۳۔ بلقیس کے تخت کا لانا:

اسی سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک اُمتی کی طاقت و قوت بھی بیان کی ہے کہ ملکہ بلقیس کی آمد کے موقعہ پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اُمتیوں اور درباریوں سے فرمایا، بلقیس کی آمد سے پہلے اس کے تخت کا یہاں لایا جانا ضروری ہے۔

﴿ اَيْكُمْ يَأْتِنِي بِعَرْشِهَا ﴾ (۴)

(۱) یوسف: ۹۳

(۲) یوسف: ۹۴

(۳) النمل: ۱۹

(۴) النمل: ۳۸

(تم میں سے اس کا تخت کون یہاں لائے گا)

ایک جن نے عرض کیا، میں لے آتا ہوں، فرمایا کتنا وقت لگاؤ گے؟ عرض کیا

﴿ اَنَا اَتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ ﴾ (۱)

(میں لاتا ہوں آپ کے قیام سے پہلے)

فرمایا نہیں اس سے پہلے چاہیے، غور کیجیے، اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر طاقت دی ہے کیونکہ اگر ایسی طاقت ہی کسی کے پاس نہیں تو اللہ کے نبی کا یہ مطالبہ اور حکم دینا کہ جلدی چاہیے کیسے ممکن تھا تو اس پر ایک آدمی اٹھا جس کے پاس کتاب کا علم تھا عرض کرنے لگا

﴿ اَنَا اَتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَزْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ﴾ (۲)

(میں اسے لاتا ہوں آپ کے آنکھ جھپکنے سے پہلے)

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت سامنے پایا تو پکارا ٹھے

﴿ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي ﴾ (۳)

(یہ میرے رب کا فضل ہے)

یہاں اللہ تعالیٰ نے نبی کے ایک اُمتی کی عظمت و شان بیان کی تاکہ لوگوں کو یہ احساس ہو کہ جن کی اُمت میں اسقدر عظیم قوتوں کے مالک لوگ موجود ہیں تو ان انبیاء علیہم السلام کی عظمت و شان کس قدر بلند ہوگی؟

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج ہم ان قرآنی تعلیمات سے بے بہرہ ہو کر تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ اللہ والوں کی شانوں کا انکار کرتے ہوئے انہیں خصوصاً سید الانبیاء کو دور سے سننے والا ہی نہیں مان رہے۔

حبیب خدا ﷺ کی شان اقدس

اس حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان اقدس ہے

إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ

(۱) النمل، ۳۹

(۲) النمل، ۴۰

(۳) النمل، ۴۰

(میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ پاتے)

یہ بھی فرمایا

إِنِّي أَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ

(میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے) (۱)

کہاں تک دیکھتے و سنتے ہیں

آپ ﷺ کہاں تک دیکھتے و سنتے ہیں اس کی حد بندی ہمارے مطالعہ میں نہیں اور اگر کسی کے مطالعہ میں ہے تو وہ ہمیں ضرور آگاہ کرے ہاں اس کی وسعت کے حوالہ سے کچھ ارشادات قرآن و سنت میں موجود ہیں

آسمانی آواز کا سننا

آسمان، زمین سے نوری پانچ سو سال کے فاصلہ پر ہے اس میں جو آواز پیدا ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ اسے سن لیتے ہیں، جب آپ ﷺ نے فرمایا میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے تو ساتھ ہی فرمایا

إِنِّي أَسْمَعُ أَطِيطَ السَّمَاءِ (۲)

(میں آسمان کی چڑچڑاہٹ سن رہا ہوں)

یعنی آپ ﷺ نے اپنے سننے کی وسعت کی نشاندہی بھی خود فرمادی

علماء کا استدلال

جب حضرت راجز رضی اللہ عنہ کی مدد کا معاملہ سامنے آیا کہ انہوں نے مکہ المکرمہ میں آپ ﷺ سے مدد مانگی اور فریادری کا عرض کیا تو آپ ﷺ نے شہر مدنیہ میں ان کی آواز و فریاد سن کر ان کی حاجت روائی کی

تو اس پر اہل علم نے یہی لکھا کہ یہ بات کسی اچھنبے کی نہیں کیونکہ آپ تو آسمان کی آواز سن لیتے ہیں مثلاً امام زرقانی (ت، ۱۱۲۲) کے الفاظ ہیں

(۱) سنن ترمذی

(۲) سنن ابن ماجہ، ۹۰۳

لَا بُعْدَ فِي ذَلِكَ فَقَدْ رَوَى أَبُو نُعَيْمٍ مَرْفُوعًا إِنِّي لَا سَمْعُ
أَطِيطُ السَّهَاءِ (۱)

(اس میں کوئی بُعد و اعتراض نہیں کیونکہ امام ابو نعیم نے رسول اللہ ﷺ کا
یہ فرمان عالی نقل کیا کہ میں آسمانوں کی آوازیں لیتا ہوں)

امام جلال الدین سیوطی (ت، ۹۱۱) نے اس بات کو واضح کرتے ہوئے کہ
رسول اللہ ﷺ کائنات کے کسی گوشہ میں سلام عرض کرنے والے کا سلام خود سنتے ہیں
اور اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں اس پر دلیل دیتے ہوئے جو کچھ لکھا وہ انہی کے
الفاظ میں پڑھ لیجئے، لکھتے ہیں

شیخ فاکہانی کے جواب سے ایک یہ جواب سامنے آتا ہے کہ

تَكُونُ الرُّوحُ كِنَايَةً عَنِ السَّمْعِ وَيَكُونُ الْمُرَادُ أَنَّ
اللَّهَ يَرُدُّ عَلَيْهِ سَمْعَهُ الْخَارِقَ لِلْعَادَةِ بِحَيْثُ يَسْمَعُ
الْمُسْلِمَ وَإِنْ بَعْدَ قَطْرَةٍ، وَ يَرُدُّ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ
إِحْتِيَاجٍ إِلَى وَاسِطَةٍ مُبْلَغٍ، وَ لَيْسَ الْمُرَادُ سَمْعَهُ
الْمُعْتَادَ - وَقَدْ كَانَ لَهُ ﷺ فِي الدُّنْيَا حَالَةٌ يَسْمَعُ
فِيهَا سَمْعًا خَارِقًا لِلْعَادَةِ بِحَيْثُ كَانَ يَسْمَعُ أَطِيطُ
السَّهَاءِ كَمَا بَيَّنْتُ ذَلِكَ فِي كِتَابِ الْمُعْجَزَاتِ وَ هَذَا
قَدْ يَنْفَكُ فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ وَيَعُودُ، لَا مَانِعَ مِنْهُ،
وَ حَالَتُهُ ﷺ فِي الْبُرُزِخِ كحَالَتِهِ فِي الدُّنْيَا سَوَاءً (۲)

(روح کا لوٹنا یہ ہے کہ آپ ﷺ درود و سلام سنتے ہیں اور مراد یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر بطور خرق عادت سماعت لوٹاتا ہے کہ آپ سلام
کہنے والے کا سلام سنتے ہیں اگرچہ وہ کتنا ہی دور ہو اور پہنچانے والے کے
واسطہ کے بغیر اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں اور یہاں بطور عادت سننا
مراد نہیں جس طرح آپ دنیا میں خلاف عادت سن لیتے مثلاً آپ ﷺ
آسمانی چڑچراہٹ سنا کرتے جس کا تفصیلی ذکر ہم نے کتاب المعجزات

میں کیا ہے اور یہ حالت بعض اوقات جدا ہو سکتی ہے اور پھر لوٹ سکتی ہے اور اس سے کوئی مانع نہیں اور آپ ﷺ کی برزخ میں شان و حالت دنیا کی حالت کی طرح ہے)

بصارت نبوی ﷺ کا مقام

اسی طرح آپ ﷺ کی بصارت کا مقام احادیث میں یوں آیا ہے کہ میں ساری کائنات کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ملاحظہ کرتا ہوں
روایت کے الفاظ ہیں

إِنَّ اللَّهَ قَدَرَفَعَ لِي الدُّنْيَا فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا هُوَ
كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى كَفِّي هَذَا (۱)

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا میرے سامنے کر دی ہے میں اسے اور قیامت

تک ہونے والے معاملات کو اپنے اس ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح دیکھ رہا ہوں)

اسی طرح آپ ﷺ کے دیگر حواس کی قوتوں کا ذکر احادیث میں موجود ہے

قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی قوتیں

بلکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ آشکار کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی

قوتیں، اللہ تعالیٰ کی قوت کا مظہر ہیں، اس لیے فرمایا

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ

اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ (۲)

(وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان

کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے)

دوسرے مقام پر فرمایا

﴿وَمَارَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى﴾ (۳)

(اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی)

جب قرآن و سنت اس سے مالا مال ہیں کہ رسالت مآب ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے

دور سے سننے اور دیکھنے کی قوت فرما رکھی ہے تو ہمیں دل و جان سے اسے تسلیم کر لینا چاہیے

فصل:

کیا صحابہ نے الفاظ تشہد بدل دیئے تھے

(ایک اہم مغالطہ کا جواب)

جواز یا رسول اللہ ﷺ کے مخالفین یہ بھی مغالطہ دیتے ہیں کہ تمہارا الفاظ تشہد، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ، سے استدلال درست نہیں کیونکہ صحابہ کرام نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد ان الفاظ میں تبدیلی کر دی تھی اب وہ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کے بجائے السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ، پڑھا کرتے تھے، ان کا پچھلے معمول بتا رہا ہے کہ اب یا رسول اللہ کہنا جائز نہیں تبدیلی پر یہ حوالہ جات ملاحظہ کر لیجئے

امام بخاری نے کتاب الاستیذان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث تشہد نقل کی جس کے آخر میں ہے ہم 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ، پڑھا کرتے وَهُوَ بَيْنَ ظَهْرَانِنَا فَلْنَا قَبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ يَعْنِي عَلَى النَّبِيِّ

(جبکہ آپ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے جب وصال ہو گیا تو ہم السلام (بقول راوی) علی النبی کہا کرتے)۔

امام ابو عوانہ، السراج، جوزقی، ابو نعیم اصبہانی، بیہقی اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں

فَلْنَا قَبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ
(جب وصال ہو گیا تو ہم السلام علی النبی پڑھا کرتے)

انہی روایات کے پیش نظر حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا

هَذَا مَا يَقْتَضِي الْبُغَايِرَةَ بَيْنَ زَمَانِهِ ﷺ فَيُقَالُ

بَلْفِظِ الْخِطَابِ وَلَا بَعْدَهُ فَيُقَالُ بَلْفِظِ الْغَيْبَةِ (۱)

(ان کا تقاضا مغایرت ہے کہ آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں السلام

علیک اور بعد از وصال غیبت کے الفاظ پڑھا کرتے تھے)

شیخ سرفراز خاں صفدر نے یہی استدلال ان الفاظ میں ذکر کیا

لیکن اس کا کیا کریں کہ یہی اکابر حضرات صحابہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے

بعد بجائے 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کے بجائے 'السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ

وَرَحْمَةُ اللَّهِ' پڑھتے بھی تھے اور اس کی تعلیم بھی دیتے تھے

۱۔ (صحیح بخاری، ج، ۲، ص، ۹۲۶) وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود سے

روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی تو ہم التحیات میں

السلام علی النبی پڑھا کرتے تھے (۲)

شیخ اشرف علی تھانوی نے بھی یہی بات تحریر کی ہے ان کی عبارات کتاب میں

موجود ہیں۔

ہماری گزارشات

اس اعتراض و اشکال کے سلسلہ میں ہماری چند گزارشات ہیں

۱۔ بطور انشاء پڑھنے کا ثبوت

اگر اس تبدیلی کو تسلیم کر لیا جائے تو کم از کم آپ لوگوں کو یہ تو مان لینا چاہیے کہ نماز

میں کلمات "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" بطور حکایت نہیں بلکہ بطور انشاء ہیں

کیونکہ اگر یہ کلمات بطور حکایت تھے تو صحابہ کو ان میں تبدیلی کی ضرورت پیش نہ آتی، ان

کا وصال نبوی ﷺ کے بعد انھیں تبدیل کرنا اور ان کی جگہ خطاب کے بجائے غیبت کے

الفاظ "السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ" لانا بتا رہا ہے کہ وہ "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ"

کے کلمات رسول اللہ ﷺ کو بطور خطاب عرض کیا کرتے ہاں وصال کے بعد الفاظ

چھوڑے کہ اب مخاطبہ دشوار ہے

(۱) فتح الباری، ۲، ۲۵

(۲) آنکھوں کی ٹھنڈک، ۱۷۳

یہی بات مولانا محمد انوار اللہ فاروقی (ت، ۱۳۳۵) نے لکھی ہے
اس تقریر سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس سلام کو بطور انشاء
کہا کرتے تھے اسی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے لفظِ خطاب وندا
کو بدل دیا اور السلام علی النبی کہنا شروع کر دیا کیونکہ اگر یہ سلام بطور حکایت ہوتا تو
بدلنے کی کچھ ضرورت نہ تھی پس یہ ثابت ہوا کہ یہ سلام انشاء ہے نہ کہ حکایت (۱)

۲۔ دورِ والے صحابہ کا معاملہ

پیچھے روایاتِ تشہد میں واضح طور پر آچکا ہے کہ تمام صحابہ خواہ وہ قریب ہوتے یا
دور، آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ ہی پڑھا کرتے
یعنی دور رہنے والے صحابہ بھی وہی الفاظ پڑھا کرتے جو قریبی پڑھتے اور وہ 'السلام
علیک اَیُّهَا النَّبِیُّ' ہیں تو صحابہ آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں ہی الفاظ بدل لیتے
حالانکہ انھوں نے نہیں بدلے۔

اب اگر مان لیا جائے کہ صحابہ نے وصال کے بعد یہ الفاظ بدل دیئے تو اس پر
اعتراض وارد ہوگا کہ وہ آپ کی ظاہری حیات میں دور ہوتے ہوئے تو ان الفاظ
السَّلَامُ عَلَیْكَ سے سلام عرض کرتے حالانکہ ان کے یہی الفاظ تھے جیسے ان
روایات میں صراحت ہے۔

یا وہ وصال کے بعد بھی انہی الفاظ سے سلام جاری رکھیں کیونکہ اب بھی وہ
حالت ظاہری حیات کی طرح دور ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ اب بھی زندہ بلکہ پہلے سے
بھی بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔

۱۔ حافظ ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) ایسے لوگوں کا رد کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

يَلْزَمُهُمْ أَحَدُ أَمْرَيْنِ إِمَّا أَنَّهُمْ فِي بَعْدِ هِمٍّ عَنْهُ فِي
حَيَاتِهِ ﷺ بِنَحْوِ سَفَرٍ كَانُوا لَا يُخَاطَبُونَهُ فَيُنَافِي
عُمُومَ قَوْلِهِ كَانُوا فِي حَيَاتِهِ يَقُولُونَ السَّلَامُ عَلَیْكَ
وَ إِمَّا أَنَّهُمْ يُخَاطَبُونَهُ فَهُوَ فِي حَيَاتِهِ كَمَا حَال

بُعْدِهِمْ عَنْهُ ﷺ فِي حَيَاتِهِ إِذْ هُوَ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ يُصَلِّي (۱)
 (ان پر ان دو امور میں سے ایک لازم آئے گا کہ جب صحابہ آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں درود پڑھتے مثلاً سفر میں تو وہ آپ کو خطاب کے الفاظ سے سلام نہ کرتے تو یہ اس قول کے عموم کے منافی ہیں کہ وہ ظاہری حیات میں السلام علیک ہی کہتے تھے اور خطاب کیا کرتے تو حالت وصال میں آپ ﷺ اس طرح ہیں جیسے وہ ان سے حالت حیات میں دور تھے کیونکہ آپ مزار انور میں زندہ اور نماز ادا فرماتے ہیں)

یعنی اگر بعد اور دوری کا مسئلہ ہے تو چاہیے تھا ظاہری حیات میں مکہ المکرمہ، جدہ اور دیگر شہروں اور حالت سفر میں مسلمان السَّلَامُ عَلَيْكَ سے سلام نہ عرض کیا کرتے بلکہ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کہتے حالانکہ تمام مسلمان واصحاب انہی کلمات سے سلام کہتے جن سے آج مسلمان کہہ رہے ہیں اگر سب یہی ہوتا تو دور والے صحابہ آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں الفاظ بدل لیتے حالانکہ انھوں نے نہیں بدلے۔

۳۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم ایسی جسارت کر سکتے ہیں؟

اس بارے میں تمام اُمت کا اتفاق ہے کہ نماز میں کلمات تشہد، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے تعلیم فرمودہ ہیں جب انھوں نے السلام علیک کی تعلیم دی ہے تو پھر کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اجتہاد سے اس میں کوئی تبدیلی لاسکتے ہیں؟ صحابہ کے بارے میں ایسی بات سوچنا بھی درست نہیں بلکہ ایسا کہنے والا ان پر ظلم و زیادتی کرے گا وہ تو رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سے اختلاف کرنے والوں سے تاحیات گفتگو منقطع کر دیتے چہ جائیکہ وہ آپ ﷺ کی دی ہوئی تعلیم میں تبدیلی کر لیں امام ابن بلقین نے کیا خوب بات فرمائی۔

وَ كَيْفَ تَسْقُطُ الصَّعَابَةُ صِيغَةً عَلَيَّهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
 بِمَجَرَّدِ الرَّأْيِ وَالْإِجْتِهَادِ مَعَ أَنَّ اللَّهَ أَنْ يُظَنَّ بِهِمْ ذَلِكَ (۲)

(۱) الدر المنصور، ۸۴

(۲) اللفظ المکرم، ۲۵۳

(صحابہ کرام ان الفاظ کو اپنے اجتہاد اور رائے سے کیسے ترک کر سکتے ہیں جن کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی ہو معاذ اللہ ایسا ان کے بارے میں گماں بھی نہیں کیا جاسکتا)

یعنی صحابہ کرام، رسول اللہ ﷺ کے الفاظ و کلمات میں تبدیلی کا تصور بھی نہیں کر سکتے
الفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم کی توجیہ

امام ابن بلقینی نے الفاظ صحابہ فَلَئِمَّا قَبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کی خوبصورت توجیہ بھی کی کہ اس سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے الفاظ و خطاب ختم کر دیئے تھے بلکہ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم نے بعد از وصال بھی انہی الفاظ سلام کو جاری رکھا جن کی تعلیم ظاہری حیات میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دی تھی ان کے الفاظ ہیں۔

هَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ لَيْسَ بِظَاهِرٍ وَذَلِكَ أَنَّهُ لَا يَتَعَيَّنُ
مِنَ اللَّفْظِ إِسْقَاطُ الْخِطَابِ بَلْ مَعْنَاهُ الَّذِي يَظْهَرُ
أَنَّ الْخِطَابَ مُسْتَبْرَبًا بَعْدَ قَبْضِهِ ﷺ لِأَنَّهُ حَيٌّ ﷺ
فَالْمَعْنَى ذَكَرْنَا صِبْغَةَ السَّلَامِ الَّتِي عَلَّمَنَاهَا فِي
حَيَاتِهِ لِئَلَّا يَظُنَّ ظَانٍ أَنَّ ذَلِكَ قَدْ انْقَطَعَ
بِقَبْضِهِ ﷺ (۱)

(جو روایات آئی ہیں ان میں تصریح نہیں اس لئے کہ ان کے الفاظ سے خطاب کا ترک ہی متعین نہیں ہوتا بلکہ ان سے یہ معنی ظاہر ہو رہا ہے کہ وصال کے بعد بھی الفاظ سلام بصورتِ خطاب ہی جاری رہے کیونکہ آپ ﷺ زندہ ہیں تو ان کا معنی یہ ہے کہ ہم انہی الفاظ سے سلام کہتے جو آپ ﷺ نے ظاہری حیات میں سکھائے تھے تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ وصال کے بعد سلام ختم ہو گیا ہے)

اگرچہ اس توجیہ پر امام قطب الدین خیسری (ت، ۸۹۴) نے اعتراض اٹھایا

ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ کے موافق نہیں کیونکہ وہ حیات ظاہری اور وصال میں فرق کر رہے ہیں لہذا اسے ایک ہی قرار نہیں دیا جاسکتا
لیکن امام خیضری کی گفتگو دیگر کتب کے الفاظ کی بنا پر ہو سکتی ہے اگر الفاظ بخاری (جو اصح ہے) کو سامنے رکھا جائے تو امام ابن بلقینی کی گفتگو ہی قابل توجہ ہے اس کی تفصیل دوسرے مقام پر آگئی ہے

۴۔ بعض یا تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

کیا یہ تبدیلی بعض صحابہ نے کی یا تمام نے کی؟ اگر تمام نے کر دی تھی تو ہم یہ بات تسلیم کر لیتے ہیں اور اگر تمام نے نہیں کی بلکہ بعض نے کی اور اسے دیگر نے قبول نہیں کیا بلکہ اپنی اپنی خلافت کے دوران خلفاء راشدین نے وہی کلمات تشہد سکھائے جو آج ہم پڑھتے ہیں مثلاً حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منبر پر تشریف فرما کر جس تشہد کی مسلمانوں کو تعلیم دی اس میں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کے کلمات ہیں۔ اس اجتماع میں ہزار ہا صحابہ موجود تھے کسی نے بھی اس میں اختلاف نہ کیا،

۱۔ امام قطب الدین خیضری (ت، ۸۹۴) امام ابن بلقینی کے حوالہ سے تشہد عمر رضی اللہ عنہ کی ترجیح پہ دلیل دیتے ہیں۔

إِنَّ عُمَرَ كَانَ يُعَلِّمُهُ النَّاسَ عَلَى الْبِنْبَرِ بَيْنَ ظَهْرَانِ
الصَّحَابَةِ الَّذِينَ مِنْهُمْ ابْنُ مَسْعُودٍ وَلَمْ يُسْمَعْ مِنْ
أَحَدٍ مِنْهُمْ نَكِيرٌ فَصَارَ إِجْمَاعٌ عَلَى التَّرْجِيحِ (۱)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن صحابہ کی موجودگی میں منبر پر جلوہ افروز ہو کر لوگوں کو تشہد کی تعلیم دی ان میں حضرت ابن مسعود بھی تھے تو کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا تو ترجیح پر اجماع ہو گیا)

۲۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری (ت، ۱۳۴۶) نے شرح سنن ابوداؤد میں لکھا

السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کے کلمات بعض صحابہ کی رائے اور اجتہاد تھا لہذا ان کی نسبت رسول اللہ ﷺ کے سکھائے الفاظ ہی اولیٰ و افضل ہیں اس پر یہ دلیل بھی دی کہ

وَقَدْ كَانَتِ الصَّحَابَةُ فِي زَمَانِهِ ﷺ يَغِيبُونَ فِي
 أَسْفَارِهِمْ فِي الْغَزَوَاتِ وَغَيْرِهَا وَلَا يَتَشَهُدُونَ إِلَّا
 بِمَا تَعَلَّمُوا الْفِطْرَةَ التَّشَهُدِ بِالْحِطَابِ مِنْ رَسُولِ ﷺ
 وَعَلَى هَذَا الَّذِي قَالُوا بَعْدَ وَفَاتِهِ ﷺ كَانَ يَلْزَمُ
 أَنْ يَقُولُوا فِيهَا فِي التَّشَهُدِ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ فَلَمَّا
 لَمْ يَقُولُوا ذَلِكَ فِي الْغَيْبَةِ عَنْهُ ﷺ كَيْفَ يَجُوزُ أَنْ
 يُبَدَّلُوا بَعْدَهُ لَفْظُهُ ﷺ بِالْحِطَابِ بِالْغَيْبَةِ (۱)

(صحابہ آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں دور و غائب ہوتے مثلاً غزوات
 وغیرہ کے لئے سفر میں ہوتے تو وہ وہی کلماتِ تشہد بصورتِ خطابِ السلام
 علیک پڑھتے جو رسول اللہ ﷺ نے انہیں سکھائے اگر بعد از وصال
 تبدیلی مان لی جائے تو لازم تھا کہ وہ اس حالت میں السلام علی النبی
 پڑھتے جب آپ سے حالتِ غیبت و دوری میں انہوں نے ایسا نہیں کیا تو
 اب کیسے ممکن ہے کہ صحابہ بعد از وصال الفاظِ خطاب کو الفاظِ غیبت سے
 بدل دیں؟)

۳۔ یہی بات بعینہ شیخ زکریا سہارنپوری (ت: ۱۲۰۲) نے ان الفاظ میں لکھی

اگرچہ روایات میں الفاظِ تشہد بصورتِ خطاب ہی ہیں البتہ بعض صحابہ مثلاً حضرت
 عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر سے یہ منقول ہے کہ وہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد
 الفاظِ غائب 'السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ' کہا کرتے۔

لَكِنَّ جَمْهُورَ الصَّحَابَةِ وَسَائِرَ الْفُقَهَاءِ مُتَّظِفِرُونَ
 عَلَى التَّشَهُدِ بِصِيغَةِ الْحِطَابِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا فِي حَيَاتِهِ
 وَوَفَاتِهِ ﷺ لِمَا أَنَّهُ ثَبَتَ عَنْهُ ﷺ بِهَذَا اللَّفْظِ
 وَعَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ هَكَذَا بِدُونِ التَّفْرِيقِ بَيْنَ
 الْحَاضِرِ مِنْهُمْ وَالْغَائِبِ مَعَ أَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوا
 يَغِيبُونَ عَنْهُ ﷺ فِي السَّرَايَا وَالْأَسْفَارِ وَلَا

يُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْحُضُورِ وَالْغَيْبَةِ (۱)

(لیکن جمہور صحابہ اور تمام فقہاء اُمت کلماتِ تشہد السلام علیک پر متفق ہیں اور وہ آپ ﷺ کی ظاہری حیات اور وصال میں فرق نہیں مانتے کیونکہ آپ ﷺ سے یہی الفاظ ثابت اور ان کی ہی آپ نے تعلیم دی اور اس میں غائب اور حاضر کی کوئی تفریق نہیں کی حالانکہ صحابہ کرام آپ ﷺ سے دور غزوات اور سفروں میں ہوا کرتے لیکن وہ سامنے موجود اور دوری میں کوئی فرق نہیں کیا کرتے)

یعنی وہ 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' ہی پڑھا کرتے تھے حضرت ملا علی قاری (ت، ۱۰۱۴) انہی کلمات پر مشتمل تشہد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ خلفاء اربعہ نے اپنے اپنے دور میں اس تشہد کی تعلیم دی لہذا ہمیں بھی اس کو اختیار کرنا چاہیے نہ کہ کسی دوسرے کو، رہا خطاب کا معاملہ تو یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ نماز کے اندر آپ ﷺ سے مخاطب ہونا جائز ہے البتہ کسی دوسرے کے لئے ایسا جائز نہیں بلکہ ایسا کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی، ان کے الفاظ ہیں:

إِذْ أَجْمَعَ الْأَرْبَعَةُ عَلَى أَنَّ الْبُصَيِّ يَقُولُ السَّلَامُ
عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَأَنَّ هَذَا مِنْ خُصُوصِيَّاتِهِ عَلَيْهِ
السَّلَامُ إِذْ لَوْ خَاطَبَ مُصَلِّ أَحَدًا غَيْرَهُ وَيَقُولُ
السَّلَامُ عَلَيْكَ بَطَلَتْ صَلَوَتُهُ (۲)

(خلفائے راشدین کا اتفاق ہے کہ نمازی 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' پڑھے اور یہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ اگر نمازی آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور سے مخاطب ہو کر السلام علیک کہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی)

(۱) اوجز المسائل، ۱، ۲۶۲

(۲) شرح شفاء، ۲، ۱۱۹

بعض نے بھی تبدیلی نہیں کی

یہاں یہ بات نہایت ہی اہم اور قابل توجہ ہے کہ اگر بعض نے ان الفاظ میں تبدیلی کر دی تھی تو انھوں نے ایسے مواقع پر اپنے اختلاف کا اظہار کیوں نہ کیا، پہلے آپ پڑھ چکے کہ ان اجتماعات میں حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما موجود تھے اور انھوں نے کہیں بھی اختلاف کا اظہار نہیں کیا جس سے یہ واضح اور آشکار ہو جاتا ہے کہ بعض نے بھی ہرگز کوئی تبدیلی نہیں کی، وہ بھی ہمیشہ انہی کلمات 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کے ساتھ سلام عرض کرتے

امام ابن بلقینی نے اس تبدیلی کا انکار کرتے ہوئے خوب لکھا

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب تشہد کی تعلیم دی تو اس وقت حضرت ابن مسعود

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما موجود تھے

وَلَمْ يُسْمِعْ مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ نَكِيرًا فَصَارَ إِجْمَاعٌ عَلَى
التَّرْجِيحِ فَتَقَرَّرَ بِذَلِكَ أَنَّ هَذَا لَا يَصِحُّ عَنِ
الصَّحَابَةِ كُلِّهِمْ كَيْفَ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي
خِلَافَتِهِ يُعَلِّمُ النَّاسَ ذَلِكَ عَلَى الْمَنْبَرِ بَعْدَ وَفَاةِ
الصَّدِيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَلَوْ قَدَّرَ مُخَالَفٌ لَمْ يَقْدَحْ
ذَلِكَ فِي الْإِجْمَاعِ (۱)

(اور ان میں سے کسی ایک نے بھی اعتراض نہ اٹھایا تو اب السلام علیک پر اجماع ہو گیا تو ثابت ہو گیا کہ یہ تبدیلی کسی سے بھی ثابت نہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق کے وصال کے بعد منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو تعلیم تشہد دی آپ کے اس کے عمل کے بعد کسی کا اختلاف بالفرض مان بھی لیا جائے تو اجماع میں فرق نہیں)

الغرض ایسی کوئی تبدیلی صحابہ سے ثابت نہیں وہ تمام نماز میں 'السَّلَامُ

عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' پڑھا کرتے

امام محمد عابد سندھی (ت، ۱۲۵۷) نے اس بات کو اس طرح لکھا

لَا شَكَّ أَنَّ الشَّارِعَ ﷺ عَلَّمَ لَفْظَ التَّشْهَدِ وَقَدْ
اشْتَبَلَ عَلَى الْخِطَابِ وَلَمْ يَقُلْ لَهُمْ إِنَّهُمْ يُخَالِفُونَ
بِذَلِكَ اللَّفْظِ بَعْدَ وَفَاتِهِ مَعَ أَنَّ الْمَوْجِبَ فِي
الِاتِّيَانِ بِلَفْظِ الْغَيْبَةِ كَانَ مَوْجُودًا فِي زَمَانِهِ ﷺ
لِغَيْبَتِهِمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْأَسْفَارِ وَالْمَغَازِي
وَالسَّرَايَا وَغَيْرِ ذَلِكَ وَلَمْ يَنْقُلْ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ أَنَّهُ
كَانَ تَشْهَدَ بِلَفْظِ الْغَيْبَةِ فِي تِلْكَ الْحَالَاتِ (۱)

(بلاشبہ شارع علیہ السلام نے الفاظ تشہد سکھائے اور وہ خطاب پر ہی
مشمول ہیں اور صحابہ سے یہ نہیں فرمایا کہ میرے وصال کے بعد ان الفاظ
کو بدل لینا حالانکہ الفاظِ غائب لانے کا سبب آپ ﷺ کی ظاہری
حیات میں موجود تھا کیونکہ صحابہ سرایا، مغازی اور اسفار کی وجہ سے
آپ ﷺ سے دور ہوتے لیکن کسی ایک سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں
نے ایسے مواقع پر الفاظِ غائب پڑھے ہوں۔)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تابعین کو تعلیمِ تشہد

جن روایات میں تبدیلی کا ذکر ہے وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
سے ہیں حالانکہ انہوں نے بھی اپنے تلامذہ تابعین کو جو تشہد سکھایا وہ وہی ہے جس کی تعلیم
خود انہیں رسول ﷺ نے دی، ائمہ امت نے حدیث مسلسل بیان کی جس میں ہے کہ حضرت
علقمہ کہتے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھے تشہد کی تعلیم دی اور فرمایا

أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَعَلَّيْنِي التَّشْهَدَ كَمَا يُعَلِّبُنِي
السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ وَكَانَ يَأْخُذُ عَلَيْنَا بِالْوَاوِ وَ
الْأَلِفِ وَاللَّامِ (۲)

(۱) المواهب اللطيفة شرح مسند ابی حنیفة، ۲۹۲

(۲) فتح القدیر، ۱، ۳۲۳

(رسول اللہ ﷺ نے مجھے پکڑ کر تشہد کی تعلیم دی جیسے سورۃ القران کی مجھے تعلیم دی اور حضرت ہم پر تشہد کے واو، الف اور لام تک کی حفاظت کا اہتمام کرتے)

محقق شیخ عبدالرزاق غالب مہدی نے اس کے تحت لکھا

وَهَذَا يُسْتَبَى مِنَ الْعُلَمَاءِ الْحَدِيثِ الْمُسَلَّسِ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ (۱)

(علماء ایسی روایات کو حدیثِ مسلسل کہتے ہیں اور اس کی سند ہر حال میں حسن کا درجہ رکھتی ہے)

یعنی حضرت عبداللہ اپنے تلامذہ کو وہی تشہد سکھاتے جو رسول اللہ ﷺ سے سیکھا تھا اور اس میں کوئی حرفی تبدیلی بھی برداشت نہ کرتے

دو تائیدات

اس پر ہمیں دو اور تائیدات بھی ملتی ہیں

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی گفتگو

سنن سعید بن منصور میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ تشہد سکھایا اور کلمات پڑھے جن میں 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کے کلمات تھے حضرت ابن عباس نے کہا جب رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات تھی ہم 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کہا کرتے تھے؟ اس کے جواب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هَكَذَا عَلَّمَنَا وَهَكَذَا نَعْلَمُ

(رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس کی تعلیم یونہی دیا ہے اور ہم اسے اسی

طرح سکھایا کرتے ہیں)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس پر لکھتے ہیں

فَظَاهَرَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَهُ بَحْثًا وَأَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ

لَمْ يَزِجْ إِلَيْهِ (۱)

(ظاہر بات یہی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بطور اعتراض یہ بات کہی مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس طرف توجہ ہی نہ دی) اگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں تبدیلی ہوتی تو حضرت ابن عباس کی بات کا رد نہ کرتے بلکہ اس کی تائید کرتے لیکن دیکھا انھوں نے ان کی تردید کی جو واضح کر رہا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں بھی کوئی تبدیلی نہیں

۲۔ احناف کا موقف

علمائے احناف نے متعدد دلائل کی بنا پر تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ہی لیا ہے وہ دیگر تشہد ابن عباس اور تشہد علی رضی اللہ عنہم کو نہیں لیتے، آپ کسی بھی کتاب کا مطالعہ کر لیں احناف نے تشہد ابن مسعود کے جو الفاظ نقل کیے ہیں ان میں 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کے الفاظ ہی ہیں وہاں السلام علی النبی کہیں نظر نہیں آئے گا۔ اگر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے الفاظ تشہد میں تبدیلی کی ہوتی تو علماء احناف ان سے 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کے الفاظ کم از کم نقل نہ کرتے کیونکہ یہ تو سراپا جھوٹ بنتا ہے کہ وہ 'السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ' کا درس دیں مگر تمام آئمہ ان سے السلام علیک کے کلمات ہی نقل کریں۔

جب تعلیم 'السَّلَامُ عَلَيْكَ' کی ہی دیتے ہیں اور ان سے تمام امت نے بھی یہی نقل کیا ہے تو اس سے واضح ہو گیا کہ دوسری رائے شاذ ہے اسے ہرگز قبول نہ کیا جائے۔ شیخ محمد عوامہ مدنی نے حاشیہ مصنف ابن ابی شیبہ میں بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے اس

کا خلاصہ یوں ذکر کرتے ہیں:

إِنَّ هَذَا الْقَوْلَ مِنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَإِنْ صَحَّ إِسْنَادًا
لَكِنْ لَا يُعْمَلُ بِهِ لِشُدُودِهِ وَمُخَالَفَتِهِ مَا رَوَاهُ عَامَّةُ
أَصْحَابِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَلِإِنَّا لَفَتِهِ مَا رَوَاهُ غَيْرُ ابْنِ
مَسْعُودٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ مَعَ

هَذَا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا فَمَا هُوَ الرَّأْيُ
لَهُ دُونَ سَائِرِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَمِنْ رِوَايَةٍ
وَاحِدٍ مِّنْ أَصْحَابِهِ دُونَ سَائِرِ الصَّحَابَةِ الْخَاصَّةِ
وَالْعَامَّةِ (۱)

(حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ قول اگرچہ سنداً صحیح ہے مگر اس پر عمل نہیں کیونکہ یہ شاذ ہے اور اس کے مخالف ہے جو ابن مسعود کے اکثر تلامذہ سے مروی ہے اور یہ اس کے بھی مخالف ہے جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر تمام صحابہ سے مروی ہے صرف یہ ان کی رائے ہے نہ کہ دیگر صحابہ کی اور یہ ان کے ایک شاگرد سے مروی ہے نہ کہ ان کے دیگر خاص اور تمام شاگردوں سے)

یہی بات امام محمد عابد سندھی (ت، ۱۲۵۷) نے یوں تحریر کی ہے کہ تمام روایات تشہد اس پر شاہد و عادل ہیں کہ الفاظ تشہد ہتارے کی طرف سے مقرر ہیں اور صحابہ کرام نے بھی انہی کو اپنایا۔

وَلَمْ يَجْعَلُوهُ مَخْصُوصًا بِزَمَانٍ دُونَ زَمَانٍ فَغَايَةَ مَا
يُفْهَمُ مِنْ فِعْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِيمَا
أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهُ وَفِي فِعْلِ الصَّحَابَةِ الَّذِينَ
حَكَى عَنْهُمْ عَطَاءٌ أَنْ يَكُونَ اجْتِهَادًا مِنْهُمْ لَا أَنَّهُ
بِتَوْقِيفٍ مِّنَ الشَّارِعِ ﷺ (۲)

(اور صحابہ نے ان الفاظ کو کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہ کیا زیادہ سے زیادہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فعل ہے جسے بخاری، وغیرہ نے نقل کیا اور کچھ صحابہ سے حضرت عطاء نے نقل کیا تو یہ ان کا اجتہاد ہے نہ کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے)

(۱) حاشیہ القول البدیع، ۱۶۴

(۲) المواہب اللطیفہ، ۱، ۲۹۴

شاذ ہونے کی وجہ

پچھے آچکا ہے کہ صحابہ نے الفاظِ تشہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی اگر روایات میں کچھ ایسا آیا ہے تو یہ مسلمہ حقائق کے مخالف اور شاذ ہے کیونکہ

۱۔ یہ دیگر تمام صحابہ بلکہ خود حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت الفاظِ تشہد کے خلاف ہے کیونکہ اوپر آچکا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت تشہد میں السلام علیک کے ہی کلمات ہیں

۲۔ شارع علیہ السلام کی مخالفت

اور دوسری وجہ یہ کہ یہ شارع علیہ السلام کی تعلیم کے مخالف ہے اور کسی کے اجتہاد اور رائے کی رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا حیثیت ہو سکتی ہے اگر یہ ثابت بھی ہے تو ایسا اجتہاد ہے جو رسول اللہ ﷺ کی صریح تعلیم کے منافی اور مخالف ہے لہذا اسے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

امام محمد عابد سندھی کہتے ہیں اسے قبول نہ کرنے پر دیگر دلائل کے علاوہ ایک اہم

دلیل یہ ہے۔

مَعَ أَنَّهُ لَا جَمَالَ لِاجْتِهَادٍ فِي مُقَابَلَةِ مَا عَيَّنَهُ
الشَّارِعُ ﷺ (۱)

(اس کے مقابل کسی کا اجتہاد کیسے چل سکتا ہے جس کا تعین خود رسول ﷺ

نے کر دیا ہے)

اس لئے پیچھے ہم نے عرض کر دیا تھا کہ صحابہ کے بارے میں ہم ایسا تصور نہیں کر سکتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں تبدیلی کریں ان کے بارے میں اگر کوئی ایسا سوچتا ہے تو یہ اس کے اپنے ذہن کی غلطی ہے نہ کہ صحابہ کی

تو اگر روایات میں کوئی ایسی بات ملتی ہے تو اس کو شاذ ہی مانا جائے گا اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور تمام اہل علم نے تحقیق کر کے واضح کر دیا ہے کہ ایسی کسی تبدیلی کا

کوئی ثبوت نہیں اور یہ شاذ رائے ہے اس وجہ سے تمام اُمت نے اسے قبول نہیں کیا لہذا اب کسی کا یہ لکھنا کہ صحابہ نے اس میں تبدیلی کر دی تھی دھوکہ دہی کے مترادف ہے بعض لوگوں نے اسے سنجیدگی سے نہ لیا اور ایسے جملے لکھے کہ جن سے محسوس ہوا کہ واقعتاً بعض صحابہ نے ان کلمات کو تبدیل کر دیا تھا حالانکہ معاملہ یوں نہیں صحیح صورت حال کیا ہے؟

بعض صحابہ کرام سے جو روایات ملتی ہیں ان کے بارے میں اہل علم نے یہ لکھا کہ ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ انہوں نے ’السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ‘ کے کلمات بدل کے خطاب کی جگہ الفاظِ غائب لے آئے تھے بلکہ ان روایات میں ان کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ ہم نے وصالِ نبی کے بعد اس طرح سلام عرض کرنا جاری رکھا جس طرح آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں عرض کیا کرتے تھے تاکہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ وصال کے بعد سلامِ خطاب ختم ہی ہو گیا ہے

۱۔ خطاب ہی جاری رہا

امام تقی الدین سبکی نے لکھا ہے کہ اگر یہ ثابت ہو تو پھر وصال کے بعد آپ ﷺ پر بموقعہ ”سلام“ خطاب لازم نہیں ہوگا

امام ابن بلقینی اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ روایات میں جو آیا ہے کہ آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں صحابہ ’السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ‘ اور وصال کے بعد السلام علی النبی پڑھتے تھے اس سے یہ کہاں لازم آ رہا ہے کہ انہوں نے خطاب بدل دیا تھا بلکہ اس سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ وہ وصال کے بعد آپ ﷺ کو زندہ مانتے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ پر سلام جاری رکھا تو اس سے خطاب کی تبدیلی آشکار نہیں، ان کے الفاظ ہیں۔

هَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ لَيْسَ بِظَاهِرٍ وَذَلِكَ أَنَّهُ لَا يَتَعَيَّنُ
مِنْ هَذَا اللَّفْظِ إِسْقَاطُ الْخِطَابِ بَلْ مَعْنَاهُ الَّذِي يَظْهَرُ
أَنَّ الْخِطَابَ مُسْتَبْرَئًا بَعْدَ قَبْضِهِ ﷺ لِأَنَّهُ حَيٌّ ﷺ

فَالْمَعْنَى ذَكَرْنَا صِيغَةَ السَّلَامِ الَّتِي عَلَّمَنَاهَا فِي
حَيَاتِهِ لِئَلَّا يَظَنَّ ظَانٍ أَنَّ ذَلِكَ قَدْ انْقَطَعَ
بِقَبْضِهِ ﷺ (۱)

(تبدیلی پران کا استدلال ان روایات سے ظاہر نہیں اس لیے کہ ان الفاظ
سے ترکِ خطاب متعین نہیں بلکہ اس کا معنی ظاہر یہی ہے کہ رسول
اللہ ﷺ کے وصال کے بعد بھی الفاظِ خطاب جاری رہے کیونکہ
آپ ﷺ زندہ ہیں تو روایات کا معنی یہ ہے کہ ہم نے وہی سلام جاری
رکھا جو ظاہری حیات میں ہم نے سیکھا تھا تا کہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ آپ
کے وصال کے بعد سلام کا انقطاع ہو گیا ہے)

۲۔ حضرت ملا علی قاری (ت، ۱۰۱۴) بخاری کے الفاظ 'قُلْنَا السَّلَامُ يَعْنِي
عَلَى النَّبِيِّ' پر لکھتے ہیں کہ یہاں بالکل واضح ہے کہ 'علی النبی' کے الفاظ
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ نہیں بلکہ یہ فہم راوی ہے
فَقَوْلُهُ قُلْنَا السَّلَامُ يَحْتَبِلُ أَنَّهُ أَرَادَ بِهِ اسْتَبْرَرْنَا بِهِ
عَلَى مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ ﷺ (۲)

(ان کے الفاظ 'ہم سلام کہتے' میں یہ احتمال ہے کہ اس سے ان کی مراد یہ
ہے کہ ہم نے وہی سلام جاری رکھا جو آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں تھا)

۳۔ مولانا انوار اللہ فاروقی (ت، ۱۳۳۵) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا
یہی قول نقل کر کے لکھتے ہیں

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بعد وفات
شریف کے بھی صحابہ کرام التحیات میں حضور ﷺ پر وہی سلام عرض کیا کرتے تھے جو
سابق سے معین تھا یعنی 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' تا کہ خدشہ حاضرین کا ندا وغیرہ
کے باب میں بنظر فعل صحابہ دفع ہو جائے اور یہ بات مطابق واقع کے ہے کہ صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم کا فعل ایسا ہی تھا کَمَا مَرَّانِفَا

(۱) اللفظ المکرم، ۳۵۲

(۲) المرقاة، ۲-۲۳۱

اس توجیہ پر ”الف لام السلام“ میں عہد کا ہوگا پس مطلب یہ ہوا کہ جب انتقال فرمایا حضرت محمد ﷺ نے کہا ہم نے التحیات میں وہی سلام جو اوپر مذکور ہے اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ فَلَمَّا قُبِضَ کے جواب میں السلام پراکتفا کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس سلام کی خبر مخاطب کو دینا منظور ہے اور اگر خطاب بدلنے کا اخبار (خبر دینا) منظور ہوتا تو پھر صرف سلام پراکتفا نہ کرتے بلکہ غیبت کی تصریح کر دیتے اور اگر لفظ السلام کو مقولہ قلنا کا بنائے تو لازم آتا ہے کہ یہ صرف السلام کہتے ہوں بغیر ذکر نبی کے جو ظاہر البطلان ہے۔

پھر ہم نے مزید توضیح و تعیین کے لیے سلام کی تفسیر کی باعتبار مُسَلَّمٌ عَلَيْهِ (جن پر سلام ہے) کے حَيْثُ قَالَ قُلْنَا السَّلَامُ یعنی عَلَى النَّبِيِّ اس لئے کہ التحیات میں مسلم علیہ (جن پر سلام) تین ہیں پس اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعد وفات شریف کے ترک نہیں کیا ہم نے سلام کو بلکہ کہا ہم نے وہ سلام یعنی جو نبی ﷺ پر بلفظ ’السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ‘ کہا کرتے تھے (۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تائید

بلکہ اس کی تائید خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد گرامی سے ملتی ہے جب حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کلمات تشہد، ’السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ‘ کی تعلیم دی تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات میں ’السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ‘ پڑھا کرتے مقصد یہ تھا کہ اب ہمیں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس طریقہ والفاظ کی خود رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تعلیم دی اور ہم بھی آگے یہی سکھاتے ہیں

حافظ ابن حجر عسقلانی نے سنن سعید بن منصور کے حوالہ سے لکھا کہ جب حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا

إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَيْهِمُ التَّشَهُدُ فَذَكَرَهُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّمَا كُنَّا نَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا كَانَ حَيًّا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ هَكَذَا عَلَّمَنَا وَهَكَذَا نَعْلَمُ

(نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہی تشہد سکھایا پھر پڑھ کر بتایا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے ہم 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' آپ کی ظاہری حیات میں پڑھتے تھے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے یہی آپ ﷺ سے سیکھا ہے اور اسے ہی سکھاتے ہیں)

اس پر ابن حجر لکھتے ہیں

فَظَاهِرُهُ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَهُ بَحْثًا وَأَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ لَمْ يَرْجِعْ إِلَيْهِ (۱)

(ظاہر یہی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات بطور اعتراض و سوال کہی مگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف توجہ بھی نہ دی)

اس گفتگو سے بھی آشکار ہو رہا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد از وصال نبوی الفاظ خطاب سے ہی سلام عرض کیا کرتے تھے اور 'السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ' سے مراد یہی سلام ہے بلکہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ظاہری حیات اور وصال کی بات کی تو اسے بجائے قبول کرنے کے رد کر دیا اور کہا ان کلمات "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" کی تعلیم خود رسول اللہ ﷺ نے دی ہے ہم اسے کیسے چھوڑ سکتے ہیں

الغرض حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ جواب کس قدر واضح کر رہا ہے کہ وہ وصال کے بعد بھی الفاظ خطاب ہی پڑھا کرتے تو اس سے 'السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ' کے کلمات کی وضاحت ہو جاتی ہے

ایک اعتراض کا ازالہ

یہاں مخالفین یہ اعتراض اٹھا سکتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے اس مقام پر لکھا ہے کہ روایت ابو معمر (روایت بخاری) روایت ابو عبید اللہ (روایت سنن سعید بن منصور)

سے اصح ہے بلکہ دوسری روایت ضعیف ہے لہذا روایت بخاری، فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا
السَّلَامُ، کو ترجیح ہے

جواب:

ہم روایت بخاری کو اصح اور اس کی ترجیح تسلیم کرتے ہیں اس سے ہمیں ہرگز
انکار نہیں اور دوسری روایت ضعیف ہے ہم اس ضعیف کی وجہ سے اصح روایت کو ترک نہیں
کر رہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں تعارض و تخالف ہی نہیں بلکہ
روایت بخاری میں دو معانی کا احتمال ہے

۱۔ ہم نے وہی سلام و الفاظ جاری رکھے جو ظاہری حیات میں تھے

۲۔ ہم بعد از وصال الفاظ غائب سے سلام عرض کیا کرتے تھے

جب دیگر قرآن سے پہلا احتمال متعین ہے کہ اس سے خطاب کے الفاظ سے

سلام جاری رکھنا مراد ہے

تو کیا ضعیف حدیث، اصح روایت بخاری کے دو معانی میں سے کسی ایک کو
متعین کرنے کا کام نہیں دے سکتی؟

اگر روایت صحیح و قوی ہے تو اسناد میں ہے نہ کہ وہ احتمال (الفاظ غائب سے سلام)
میں صحیح و قوی ہے جب اس میں دو معانی کا احتمال موجود ہے اور روایت ضعیف سے ایک
احتمال متعین ہو رہا ہے کہ ہم الفاظ خطاب سے ہی سلام عرض کیا کرتے تھے

یہی گفتگو مولانا محمد انوار اللہ فاروقی (ت، ۱۳۳۵) نے ان الفاظ میں کی ہے

اگرچہ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ روایت ابو معمر کی (جس میں قول عبد اللہ
بن عباس رضی اللہ عنہ فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ ہے) اصح ہے اور روایت مناظرہ
حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ضعیف ہے۔

مقصود اس سے یہ ہے کہ معارضہ کی وجہ سے روایت ابی معمر کو جو بخاری میں ہے
ترجیح حاصل ہوگئی مگر اس وجہ سے کہ اس کی معارض (مخالف) نہیں بلکہ معاقد (معاون)
ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تو ضعف اس میں کچھ مضر و نقصان دہ نہیں بلکہ احد احتمالین (دو میں

سے ایک احتمال) کی ترجیح جو دوسرے قرائن سے ہو چکی ہے اس کی تائید کے لیے کافی ہو سکتی ہے کیونکہ یہ قطعاً موضوع (بناوٹی) نہیں جو بالکل بے کار کہی جائے غایۃ مافی الباب (زیادہ سے زیادہ) یہ ہے کہ روایت ایک احتمال کے معارض (مخالف) ہے پھر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معارضہ ضعیف کا صحیح کے ساتھ ہو کیونکہ اگر صحیح قوی ہے تو اسناد ہے نہ وہ احتمال (۱)

دو احتمالات کا تذکرہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اصح روایت بخاری کے الفاظ یہ ہیں

فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ جب وصال ہو گیا تو ہم السلام کہتے

آئمہ اُمت نے واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ اس میں ان دو معانی کا احتمال ہے

۱۔ ہم نے انہی الفاظِ خطاب میں سلام عرض کرنا جاری رکھا

۲۔ ہم نے الفاظِ خطاب ترک کر دیئے

حافظ ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) رقمطراز ہیں

فَقَوْلُهُ سَلَامٌ يَحْتَبِلُ أَنَّهُ أَرَادَ اسْتَمْرَرْنَا عَلَى مَا كُنَّا
عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ وَ يَحْتَبِلُ أَنَّهُ أَرَادَ أَعْرَضْنَا عَنِ
الْخِطَابِ (۲)

(حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ ”السلام“ میں اس معنی کا احتمال

ہے کہ ہم نے اس پر عمل ہمیشگی سے کیا جو آپ کی حیات مبارکہ میں کرتے

تھے اور اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ ہم نے خطاب سے اعراض کر لیا)

۲۔ یہی الفاظ حضرت ملا علی قاری (ت، ۱۰۱۴) نے نقل کیے ہیں)

فَقَوْلُهُ قُلْنَا سَلَامٌ يَحْتَبِلُ أَنَّهُ أَرَادَ بِهِ اسْتَمْرَرْنَا بِهِ
عَلَى مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ وَ يَحْتَبِلُ أَنَّهُ أَرَادَ
أَعْرَضْنَا عَنِ الْخِطَابِ (۳)

(۱) انوار احمدی، ۶۱۲

(۲) الفتوحات الربانیہ، ۲، ۳۱۲

(۳) المرقاة، ۲، ۱۳۶

(ان کا قول ”ہم سلام کہتے“ میں احتمال ہے کہ اس سلام کو ہم نے جاری رکھا جو ظاہری حیات میں کہا کرتے تھے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہم نے الفاظِ خطاب سے اعراض کر لیا تھا)

۳۔ شارح بخاری امام ابن بلقینی (ت،۔۔۔) نے یہی بات یوں بیان کی۔ کہ ان الفاظ کا صرف ایک ہی معنی متعین نہیں کہ انہوں نے الفاظِ خطاب سے اعراض کر لیا بلکہ ان میں دونوں احتمال ہیں۔ امام سبکی نے کہا تھا کہ اگر ان روایات کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو پھر معنی یہ ہو گا کہ وصال کے بعد الفاظِ خطاب لازم و واجب نہیں رہے، ان کا رد کرتے ہوئے کہا

هَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ لَيْسَ بِظَاهِرٍ وَ ذَلِكَ أَنَّهُ لَا يَتَّعَيْنُ
مِنْ هَذَا اللَّفْظِ إِسْقَاطُ الْخِطَابِ (۱)

(ان کا استدلال ظاہر نہیں اس لیے کہ روایت کے الفاظ میں ترکِ خطاب متعین نہیں)

تو یہ دلیل ہی نہیں بن سکتا

اس سے یہ ثابت ہوا کہ مخالفین کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول فَلَمَّا قَبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ، سے استدلال ہی درست نہیں کیونکہ اس میں جب دو احتمال موجود ہیں تو اب اس کو دلیل بنانا ہی درست نہ ہو گا یہی بات اہل علم نے تحریر کی ہے

۱۔ حضرت ملا علی قاری (ت، ۱۰۱۴) نے حافظ ابن حجر مکی کے حوالے سے لکھا

وَ إِذَا اِحْتَمَلَ اللَّفْظُ لَمْ يَبْقَ فِيهِ دَلَالَةٌ (۲)

(جب الفاظ میں دوسرے معنی کا احتمال ہے تو اب دلالت باقی نہ رہی)

اعترض

بعض کتبِ احادیث مثلاً مسند ابو عوانہ میں ’السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ‘ کے الفاظ

(۱) اللفظ الكرم، ۳۵۳

(۲) المرقاة، ۲، ۶۳۱

ہیں جو واضح کر رہے ہیں کہ الفاظ خطاب بدل دیے تھے اور اس میں ایک ہی احتمال ہے نہ کہ دو۔ ہاں بخاری کی روایت میں فقط السلام ہے مگر اس کے ساتھ یعنی عَلَى النَّبِيِّ کا اضافہ موجود ہے تو آپ کیسے کہتے ہیں اس میں دو احتمال ہیں؟

جواب:

محدثین فرماتے ہیں کہ بخاری کے الفاظ سب سے اصح ہیں اور اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ صرف ”السَّلَامُ“ ہیں، عَلَى النَّبِيِّ، فہم راوی ہے یعنی یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ نہیں۔

حافظ ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) اس معاملہ کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

وَقَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ كُنَّا نَقُولُ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ فَلَمَّا قُبِضَ ﷺ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَذَلِكَ لِأَنَّ هَذَا لَفْظُ أَبِي عَوَانَةَ وَرِوَايَةُ الْبُخَارِيِّ الْأَصَحُّ مِنْهَا بَيَّنَّتْ أَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ بَلْ مِنْ فَهْمِ الرَّاَوِي عَنْهُ (۱)

(حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ کہ ہم آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں ’السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ‘ پڑھتے تھے جب وصال ہوا تو ہم کہتے السلام علی رسول اللہ ﷺ اور یہ ابو عوانہ کے الفاظ ہیں لیکن روایت بخاری اس سے اصح ہے جو بتا رہی ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ ہی نہیں بلکہ یہ کسی راوی کا فہم ہے)

بنا بات حضرت ملا علی قاری (ت، ۱۰۱۴) نے انہی کے حوالہ سے یوں لکھی ہے

وَأَمَّا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ كُنَّا نَقُولُ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَهُوَ رِوَايَةُ أَبِي عَوَانَةَ وَرِوَايَةُ الْبُخَارِيِّ الْأَصَحُّ مِنْهَا بَيَّنَّتْ أَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ

مَسْعُودٍ بَلٍ مِنْ فَهْمِ الرَّاَوِي مِنْهُ (۱)

(رہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول کہ ہم آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں یہ کہا کرتے ہیں یہ ابو عوانہ کی روایت میں ہے لیکن روایت بخاری جو اس سے اصح ہے وہ بتا رہی ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہی نہیں بلکہ کسی راوی کا فہم و تشریح ہے)

مولانا محمد انوار اللہ فاروقی (ت، ۱۳۳۵) 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کے ثبوت پر دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں

اس سے ظاہر ہے کہ ہمیشہ کے لیے یہ التحیات ہے اب رہی یہ بات کہ ابو عوانہ اور ابو نعیم اور بیہقی اور ابو بکر بن ابی شیبہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے قول ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بغیر لفظ 'یعنی' کے روایت کیا ہے اس طور پر

فَلَمَّا قَبِضَ قُلْنَا السَّلَامَ عَلَى النَّبِيِّ

جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو ہم السلام علی النبی پڑھا کرتے

تو جائز ہے کہ کوئی راوی لفظ 'یعنی' کو بھول گیا ہو یا زائدہ سمجھ کر ترک کر دیا ہو

کیونکہ روایت بالمعنی محدثین کے نزدیک درست ہے

آگے چل کر لکھتے ہیں

اور یہ ظاہر ہے اس لئے کہ جب یہی روایت بخاری شریف میں موجود ہے تو

ضروری ہے کہ فضیلت بخاری کی ملحوظ رہے اور سوائے اس کے قاعدہ مسلمہ ہے کہ زیادتی

ثقة کی مقبول ہے

كَمَا قَالَ النَّوَوِي فِي مُقَدِّمَةِ مُسْلِمٍ زِيَادَاتُ الثِّقَةِ

مَقْبُولَةٌ مُطْلَقًا عِنْدَ الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ

وَالْفِقْهِ وَالْأُصُولِ

(جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم میں فرمایا کہ ثقہ کی طرف

سے حدیث میں اضافات مطلقاً جمہور محدثین، فقہاء اور اصولیین کے

زودیک مقبول ہیں)

اس اعتبار سے بھی لفظ 'یعنی' معتبر ہوا اور اگر تسلیم کیا جائے کہ لفظ 'یعنی' غلط ہے جب بھی کچھ نقصان نہیں کیونکہ وجوہات مذکورہ بالا سے جب الف ولام السلام کا عہد ہی ٹھہرا، علی النبی مع متعلق صفت اس کی ہو جائے گا اور مطلب اس عبارت کا یہ ہوگا کہ بعد انتقال کے، کہا ہم نے وہی سلام جو نبی ﷺ پر ہے

اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ تاویل ہے مفہوم ظاہر عبارت یہ ہے کہ جملہ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ "مقولہ" قلنا کا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ تاویل کچھ نئی بات نہیں جس سے استبعاد ہو ظاہر ہے کہ جب نصوص آپس میں معارض ہوتی ہیں تو حتی الامکان کسی ایک میں تاویل کی جاتی ہے اور یہاں بھی یہی ہوا اس لئے کہ اگر یہ مؤول ظاہر پر چھوڑا جائے تو کئی قباحتیں لازم آتی ہیں

ایک بلا دلیل نسخ عموم اوقات کا جو باحادیث صحیحہ ثابت ہے
دوسری ترجیح اجتہاد کی مقابلہ میں نص کے جو جائز نہیں

كَمَا قَالَ الشَّيْخُ عَابِدٌ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ فِي الْمَوَاهِبِ
اللَّطِيفَةِ وَلَا حِجَالَ لِلْاجْتِهَادِ فِي مُقَابَلَةِ مَا عَيْنَهُ
الشَّارِعُ ﷺ أَيْ فِي التَّشْهُدِ

(حضرت شیخ عابد رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب لطیفہ میں فرمایا کہ حضرت
شارع علیہ السلام نے جو الفاظ تشہد میں مقرر کیے ان کے بالمقابل اجتہاد
کی گنجائش نہیں)

تیسرا تناقض اس لیے کہ خود ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خلاف اس کے

مروی ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا (۱)

اسے کیا کہا جائے؟

سرفراز خان صفدر دیوبندی، صحابہ کی تبدیلی ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں
لیکن اس کو کیا کریں کہ یہی اکابر حضرات صحابہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے

بعد بجائے 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کے 'السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللهِ

پڑھتے بھی تھے اور اس کی تعلیم بھی دیتے تھے

۱۔ صحیح بخاری جلد صفحہ ۹۲۶) وغیرہ میں حضرت ابن مسعود سے روایت ہے وہ فرماتے تھے آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی تو ہم التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلٰی النَّبِيِّ پڑھا کرتے تھے (۱)

شیخ خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی کے الفاظ ہیں

بخاری میں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما حیات فخر عالم ﷺ اَلسَّلَامُ عَلَيْنِكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ التحیات میں پڑھتے تھے اور بعد وفات آپ کے اَلسَّلَامُ عَلٰی النَّبِيِّ پڑھنے لگے تھے۔ (۲)

ان لوگوں کا اپنے مدعی پر بخاری کا حوالہ یوں دینا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہم اَلسَّلَامُ عَلٰی النَّبِيِّ پڑھا کرتے تھے سوائے مغالطہ کے کچھ نہیں آپ نے پڑھ لیا ہے کہ ان کے الفاظ بخاری میں السلام ہیں نہ کہ اَلسَّلَامُ عَلٰی النَّبِيِّ ہاں السلام کے بعد جو الفاظ ہیں وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے نہیں بلکہ وہ کسی اور راوی کے ہیں

الفاظ بخاری ملاحظہ کر لیجئے

فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا اَلسَّلَامُ يَعْنِي عَلٰی النَّبِيِّ (۳)

جب وصال ہو گیا تو ہم السلام کہتے یعنی علی النبی

اس میں کہاں ہے کہ ہم السلام علی النبی پڑھا کرتے تھے اس میں تو ان کے الفاظ فقط السلام تک ہیں جس کا معنی محدثین و شارحین نے یہی کیا کہ وہ السلام کہہ کر بتا رہے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ پر وہی سلام جاری رکھا جو ظاہری حیات میں پڑھا کرتے تھے امام ابن بلقینی نے انہی الفاظ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا کہ اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہونا کہ صحابہ نے الفاظ بدل دیے تھے بلکہ وہ تو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم نے بعد از وصال بھی انہی الفاظ سے سلام جاری رکھا جن کی تعلیم ظاہری حیات میں

(۱) آنکھوں کی ٹھنڈک، ۱۷۳

(۲) براہین قاطعہ، ۲۸

(۳) البخاری، کتاب الاستیذان

رسول اللہ ﷺ نے دی تھی۔

وَذَلِكَ أَنَّهُ لَا يَتَعَيَّنُ مِنْ هَذَا إِسْقَاطِ الْخِطَابِ بَلْ
مَعْنَاهُ الَّذِي ظَهَرَ أَنَّ الْخِطَابَ مُسْتَبِرٌّ بَعْدَ
قَبْضِهِ ﷺ لِأَنَّهُ ﷺ حَتَّى فَالْبَعْنَى ذَكَرْنَا صِيغَةَ
السَّلَامِ الَّتِي عَلَّمْنَا هَا فِي حَيَاتِهِ لِئَلَّا يَظَنَّ ظَانٌّ أَنَّ
ذَلِكَ قَدْ انْقَطَعَ بِقَبْضِهِ ﷺ (۱)

(ان الفاظ سے الفاظِ خطاب کا چھوڑنا متعین نہیں ہوتا بلکہ اس کا واضح و ظاہر معنی یہ ہے کہ بعد از وصال بھی ہم نے سلام جاری رکھا کیونکہ آپ ﷺ زندہ ہیں تو معنی یہ ہے کہ ہم نے انہی الفاظ سے سلام جاری رکھا جن کی ہمیں تعلیم دی گئی تھی تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ وصال کے بعد سلسلہ سلام ختم ہو گیا ہے)

موافقت پیدا کرنا لازم

اصول یہ ہے کہ روایات میں بظاہر تعارض ہو تو جہاں تک ہو سکے ان میں موافقت پیدا کرنا ضروری ہے ہاں اگر موافقت ممکن ہی نہ ہو تو پھر ترجیح کا معاملہ آتا ہے۔ تمام بحث کو دیا ننداری کیساتھ سامنے رکھ کر دیکھیں تو ان روایات میں تطبیق و موافقت ہو سکتی ہے اور وہ یوں کہ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ سے ان کی مراد وہی سلام ہے جس کی انہیں رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی تھی خصوصاً الفاظ بخاری کا تو تقاضا بھی یہی بنتا ہے کہ اس سے مراد سابق معین سلام ہی ہے جو بالفاظ 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' ہے۔

اس کی تائید

اس کی تائید اس روایت سے ہو رہی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب الفاظ تشہد 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کی تعلیم دی تو حضرت ابن عباس رضی

اللہ عنہما نے بطور سوال پوچھا

إِنَّمَا كُنَّا نَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ إِذَا كَانَ حَيًّا

(ہم آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں کہا کرتے، السلام علیک)

یعنی کیا اب ہمیں اسے ترک کر دینا چاہیے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا

هَكَذَا عَلَّمَنَا وَهَكَذَا نَعْلَمُ (۱)

(اس طرح (السلام علیک) ہمیں سکھایا گیا ہے اور اس طرح ہم

سکھاتے ہیں۔)

یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے سکھائے کلمات کبھی چھوڑ نہیں سکتے لہذا ہمیں انہی

کلمات کو جاری رکھنا ہے

تو جب موافقت ہو سکتی ہے تو پھر اسی راہ کو اپناتے ہوئے کہا جائے کہ صحابہ نے

کوئی تبدیلی نہیں کی۔

دیگر روایات کا جواب

مخالفین نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ جن جن روایات سے

استدلال کیا ہے ان کا جواب بھی محدثین کرام نے دیا ہے مثلاً شیخ سرفراز صفدر نے (السنن

الکبریٰ جلد ۲، ۱۲۳) کے حوالہ سے لکھا حضرت قاسم بن محمد، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل

کرتے ہیں کہ انہوں نے التحیات میں السلام علی النبی پڑھا (۲)۔

جواب:

۱- یہ الفاظ اجماع صحابہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ ہیں لہذا ان پر عمل نہیں کیا

جائے گا

۲- اس روایت کو امام مالک نے مؤطا میں قاسم بن محمد سے نقل کیا کہ سیدہ عائشہ رضی

اللہ عنہا نے کلمات تشہد یوں پڑھے

‘السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ’ (۳)

(۱) فتح الباری، ۲، ۲۵ (۲) آنکھوں کی ٹھنڈک، ۱۷۳

(۳) مؤطا، ۱، ۱۹

(اے نبی آپ پر سلام ہو)
 امام مالک کا جو مقام ہے وہ کسی سے مخفی نہیں لہذا ان کے مقابل و مخالف راویوں
 کی روایت قبول نہیں کی جائے گی
 ۳۔ خود امام ابو بکر الحسین البیہقی (ت، ۳۵۸) نے بھی حضرت قاسم بن محمد سے صحیح
 سند کے ساتھ جو نقل کیا وہ بھی 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' ہی ہے (۱)

سینوں کا مرض

اسی معاملہ پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ محمد عوامہ مدنی حفظہ اللہ تعالیٰ ایک اہم بات
 کی طرف متوجہ کرتے ہیں

ثُمَّ إِنِّي أَقُولُ - مَا بَالُ الشُّدَاذِ يَأْتُونَ بِالرِّوَايَةِ عَنِ
 السَّيِّدَةِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا الَّتِي فِيهَا (السَّلَامُ
 عَلَى النَّبِيِّ) مِنْ غَرَائِبِ الْكُتُبِ (مُسْنَدُ) السِّرَاجِ،
 وَ (فَوَائِدِ) أَبِي طَاهِرِ الْمُخْلِصِ - وَلَا يَأْتُونَ بِرِوَايَتِهَا
 الَّتِي فِيهَا (السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ) مِنْ الْكُتُبِ
 الْمَشْهُورَةِ الْمَعْرُوفَةِ الْمَأْلُوفَةِ (الْمَوْطَأِ) أَلَيْسَ هَذَا
 الْمَرَضُ فِي قُلُوبِهِمْ؟ عَافَانَا اللَّهُ مِنْهُ (۲)

(میں ان سے کہتا ہوں یہ شاذ قول کرنے والے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
 کی السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ والی روایت غیر معروف کتب مثلاً مسند سراج
 اور فوائد ابو طاهر المخلص سے لاتے ہیں لیکن ان کی 'السَّلَامُ عَلَيْكَ
 أَيُّهَا النَّبِيُّ' والی روایت ذکر نہیں کرتے جو معروف مشہور کتب مثلاً
 موطا میں ذکر ہے یہ کہیں ان کے دلوں میں مرض کی وجہ سے تو نہیں۔ اللہ
 تعالیٰ اس سے پناہ عطا فرمائے)

(۱) معرفة السنن والآثار، ۲-۳۵

(۲) حاشیہ المصنف، ۳-۳۹

اثر عطاء کا جواب

حضرت عطاء تابعی سے ایک اثر ملتا ہے کہ صحابہ حضور ﷺ کی ظاہری حیات میں السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ پڑھا کرتے لیکن بعد از وصال نبوی، السَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، پڑھتے (۱)

اس کے جواب میں شیخ محمد عوامہ لکھتے ہیں

ایک تو حضرت عطاء کی مراسیل مسلمہ طور پر ضعیف ہیں

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ ایسی بات ہے جو حضرت عطاء ہی نہیں کوئی بھی نہیں

کہہ سکتا، ان کے الفاظ ہیں

فَالشَّقُّ الْأَوَّلُ مِنْهُ مِنْ مَّرَاسِيلِ عَطَاءٍ، كَمَا هُوَ
وَاضِحٌ، مَّرَاسِيلُهُ ضَعِيفَةٌ كَمَا هُوَ مَعْلُومٌ وَشِقُّهُ
الثَّانِي : فِيهِ إِخْبَارٌ عَنْ أَمْرٍ لَا يَسْتَطِيعُهُ عَطَاءٌ
وَلَا غَيْرٌ لَا عَنِ الصَّحَابَةِ جَمِيعِهِمْ وَلَا عَنِ
مَشَاهِيرِهِمْ. (۲)

(اول صورت یہ ہے کہ یہ واضح طور پر مراسیل عطاء میں سے ہے اور ان کی مراسیل کا ضعیف ہونا مسلم ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں ایسی بات کا بیان ہے کہ جو نہ حضرت عطاء کہہ سکتے ہیں نہ ان کے علاوہ کوئی کہہ سکتا اور یہ تمام صحابہ سے ثابت نہیں اور نہ ان کے مشاہیر سے ثابت ہے)

علامہ محمد انوار اللہ فاروقی (ت، ۱۳۳۵) اس کے جواب میں رقمطراز ہیں

اب رہا قول عطاء کا جس کو فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ صحابہ بعد وفات شریف کے 'السَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ' کہا کرتے تھے

سو اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل اور تعلیم احادیث مذکورہ

بالا سے ثابت ہے کہ کسی نے خطاب ونداء کو ترک نہیں کیا مگر بات یہ ہے کہ عطاء رحمہ اللہ

(۱) مصنف عبدالرزاق، ۳، ۷۵

(۲) حاشیہ المصنف، ۳-۳۳

نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ظاہر قول کا مطلب یہاں بیان کر دیا جو روایت ابی عوانہ سے مروی ہے ورنہ کسی اور صحابی سے اس قسم کی روایت مروی نہیں (۱) (انوار احمدی، ۲۰۲)

یہ روایت شاذ ہے

یہ روایت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس روایت کو محدثین و فقہاء کرام نے شاذ و منکر قرار دیتے ہوئے قبول نہیں کیا اگرچہ دوران گفتگو کچھ حوالہ جات آچکے ہیں لیکن کچھ تصریحات ذکر کیے دیتے ہیں

۱۔ امام ابو جعفر طحاوی احمد طحاوی حنفی (ت، ۳۲۱) نے اس روایت پر یوں اشکال وارد کیا

هَذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ لِأَنَّهُ يُوجِبُ أَنْ يَتَشَهَّدَ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِمَا عَامَهُ النَّاسُ يَتَشَهُدُونَ بِمُخْلَافِهِ
(یہ روایت منکر ہے کیونکہ یہ وصال نبوی ﷺ کے بعد ایسا تشہد لازم کر رہی ہے جو کہ تمام لوگوں کے تشہد کے مخالف ہے)

اس کے جواب میں رقمطراز ہیں

فَكَانَ جَوَابَنَا لَهُ فِي ذَلِكَ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ
وَعَوْنِهِ إِنَّا قَدْ أَنْكَرْنَا مِنْ ذَلِكَ مِثْلَ الَّذِي أَنْكَرَهُ (۱)
(اللہ تعالیٰ کی توفیق و مدد سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی تمہاری طرح اس روایت کو منکر ہی مانتے ہیں)

۲۔ شیخ حسن علی سقاف اس کے بارے میں رقمطراز ہیں

فَهِيَ رِوَايَةٌ شَاذَةٌ لِأَنَّهَا مُخَالِفَةٌ لِبَاقِي الرِّوَايَاتِ عَنْ
سَيِّدِنَا ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَإِلَّا فَهِيَ
مُخَالِفَةٌ لِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ (۲)

(یہ روایت شاذ ہے کیونکہ یہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی باقی

(۱) شرح مشکل الآثار، ۲-۱۰۳

(۲) صحیح صفحہ صلاۃ النبی، ۲۰۰

روایات کے مخالف ہے اور یہ اجماع صحابہ کے بھی مخالف ہے)

۳۔ شیخ محمد عوامہ مدنی کے الفاظ ہیں

إِنَّ هَذَا الْقَوْلَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَإِنْ صَحَّ إِسْنَادًا
لَكِنْ لَا يُعْمَلُ بِهِ لِشُدُودِ ذِكْرِهَا وَخِلَافَةِ مَا رَوَاهُ عَامَةٌ
أَصْحَابِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَلِيُخَالَفَتْهُ مَا رَوَاهُ غَيْرُ ابْنِ
مَسْعُودٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ جَمِيعًا (۱)

(یہ قول اگرچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہے
لیکن اس پر عمل نہیں کیونکہ یہ شاذ ہے اور مخالف ہے ان روایات کے
جنہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تمام تلامذہ نے روایت کیا اور یہ
مخالف ہے ان کے جنہیں ابن مسعود کے علاوہ تمام صحابہ نے روایت کیا)

السلام علیک پر تمام روایات کا متفق ہونا

کم مطالعہ لوگ تو کلمات میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں حالانکہ ائمہ امت نے
یہ تصریح کی ہے کہ کلماتِ تشہدہ 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کے بارے میں تمام
روایات متفق ہیں، کسی ایک روایت میں بھی ان کے علاوہ کلمات نہیں، جس روایت میں
تشہد کا ذکر آیا ہے اس میں سلام کے لیے یہی کلمات ہیں 'السَّلَامُ عَلَيْكَ
أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ'، ہاں صلاۃ کے "الفاظ" روایات میں مختلف و
متعدد ہیں یعنی ان میں کمی بیشی موجود ہے مگر الفاظِ سلام ایک ہی ہیں۔

حافظ احمد ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) اس مسئلہ پر لکھتے ہیں

کہ کسی جگہ حضور ﷺ نے اپنا نام لیا مثلاً 'اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ'، کسی
جگہ اپنی شان کا ذکر کیا مثلاً بعض روایات میں 'اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى نَبِيِّكَ وَ
رَسُولِكَ' اس کی وجہ کیا ہے، فرماتے ہیں۔

الْحَاصِلُ أَنَّ شُهُودَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ
يَتَّفَاوَتْ فَتَارَةً يُؤْتِرُ مَقَامَ التَّوَاضُّعِ وَهُوَ الْأَكْثَرُ فِي

رَوَايَاتٍ وَتَارَةً يُؤَثِّرُ بَيَانَ مَا هُوَ الْوَاقِعُ مُبَالَغَةً فِي
نُصْحِ الْأُمَّةِ وَإِرْشَادِهِمْ إِلَى أَوْلَىٰ وَالْأَكْمَلَ وَقَدْ
يَجِبُ هَذَا كَمَا فِي السَّلَامِ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ، فِي
التَّشْهَدِ فَإِنَّهُ لَا يَجْزِي غَيْرَ هَذَا اللَّفْظِ إِقْتِصَارًا عَلَى
الْوَارِدِ لِتَطَابُقِ جَمِيعِ رَوَايَاتِ التَّشْهَدِ عَلَيْهِ بِمُخْلَافِ
رَوَايَاتِ تَعْلِيمِ كَيْفِيَّةِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهَا اخْتَلَفَتْ كَمَا مَرَّ (۱)

(حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا شہود مختلف ہے کبھی اس میں تقاضا مقام
تواضع کا ہے اور روایات میں اکثر اسی کا ظہور ہے اور کبھی تقاضا واقع کا
بیان ہوتا ہے تاکہ امت کی لیے اولیٰ واکمل کی رہنمائی و تعلیم میں مبالغہ کا
حصول ہو اور کبھی یہ لازم ہوتا ہے جیسے تشہد میں السلام علیک ایھا النبی
پڑھنا کیونکہ منقول پر ہی اکتفا کرتے ہوئے ان الفاظ کے علاوہ ادائیگی
وکفایت نہ ہوگی اس لیے کہ تمام روایات تشہد ان الفاظ پر متفق ہیں
بخلاف ان الفاظ کے جن میں آپ ﷺ درود کی تعلیم دیتے رہے ان کے
الفاظ روایات میں مختلف ہیں جیسے تفصیل کتاب میں گزری)

عظیم محدث شیخ عبداللہ صدیق غماری اس مسئلہ کی خوب تحقیق کے بعد لکھتے ہیں

إِنَّ الْفَاطِ التَّشْهَدِ الْمَرْفُوعَةَ ثَبَتَتْ جَمِيعُهَا بِلَفْظِ

السَّلَامِ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ (۲)

(رسول اللہ ﷺ سے جو الفاظ تشہد ثابت ہیں ان تمام میں 'السَّلَامُ

عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' ہی ہے)

ائمہ امت ان الفاظ پر روایات کو متفق قرار دیتے ہوئے ان الفاظ کا پڑھنا لازم

قرار دے رہے ہیں اور ہم ان کو ماننے کے لئے تیار نہیں

امام طحاوی حنفی (ت، ۳۲۱) کی فیصلہ کن گفتگو

امام ابو جعفر احمد طحاوی حنفی (ت، ۳۲۱) کا امت مسلمہ کے ہاں جو مقام ہے وہ

(۱) الدر المنضو، ۱۱۱

(۲) کتاب الروایا، ۱۳۳

کسی سے اوجھل نہیں اس مسئلہ پہ انھوں نے شرح معانی الاثار اور مشکل الاثار میں تفصیلی گفتگو کی ہے اور لکھا کہ یہ الفاظ غائب تمام امت کے الفاظِ تشہد کے مخالف ہیں

شرح معانی الاثار میں بَابُ التَّشْهُدِ فِي الصَّلَاةِ كَيْفَ هُوَ؟ کے تحت صفحہ ۳۳۶ تا ۳۳۹ پر یہی ثابت کیا کہ متعدد صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کے الفاظ ہی ثابت ہیں (شرح معانی الاثار، ۱، ۳۳۹)

شرح مشکل الاثار میں عنوان ہی یہی قائم کیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت کے حوالہ سے اشکال ہے کہ وہ وصالِ نبوی کے بعد 'السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ' پڑھا کرتے تھے

اس پر اشکال

اس روایت پر اشکال یہ وارد ہوتا ہے

هَذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ لِأَنَّهُ يُوجِبُ أَنْ يَتَّشَهَّدَ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِمَا عَامَهُ النَّاسُ يَتَّشَهُدُونَ بِمُخْلَافِهِ لِأَنَّهُمْ يَتَّشَهُدُونَ فَيَقُولُونَ فِي تَشْهُدِهِمُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ كَمَا كَانُوا يَتَّشَهُدُونَ فِي حَيَاتِهِ

(یہ حدیث منکر ہے کیونکہ اس سے لازم آرہا ہے کہ وصالِ نبوی ﷺ کے بعد ایسا تشہد پڑھا جائے جو تمام مسلمانوں کے تشہد کے مخالف ہے کیونکہ تمام اپنے تشہد میں وصالِ نبوی کے بعد بھی السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہی پڑھتے ہیں جیسے وہ آپ کی ظاہری حیات میں پڑھا کرتے تھے)

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھا

فَكَانَ جَوَابُنَا لَهُ فِي ذَلِكَ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَعَوْنِهِ: إِنَّا قَدْ انْكَرْنَا مِنْ ذَلِكَ مِثْلَ الَّذِي أَنْكَرَهُ (اس کا جواب اللہ تعالیٰ کی توفیق و مدد سے یہ ہے کہ ہم بھی سائل کی طرح اسے منکر مانتے ہیں)

کس نے اختلاف کیا؟

اس بات کو واضح کرتے ہوئے کہ ان الفاظ کا اختلاف کہاں سے سامنے آیا، لکھتے ہیں۔

فَقَالَ فَمِنْ أَيْنَ جَاءَ هَذَا الْخِلَافُ لِلنَّاسِ عَلَيْهِ آمِنٌ
قَبْلَ أَبِي مَعْمَرٍ؛ فَهُوَ رَجُلٌ جَلِيلٌ الْبِقَدَارِ، مَقْبُولُ
الرِّوَايَةِ أَوْ مِمَّنْ دُونَهُ مِنْ رُوَاةِ هَذَا الْحَدِيثِ؟ فَكَانَ
جَوَابَنَا لَهُ فِي ذَلِكَ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَعَوْنِهِ: إِنَّا
قَدْ كَشَفْنَا عَنْ ذَلِكَ، فَوَجَدْنَا هَمَّنْ دُونَهُ مِنْ رُوَاةِ
هَذَا الْحَدِيثِ

(رہا یہ سوال کہ مسلمانوں سے اختلاف کس نے کیا؟ کیا ابو معمر نے کیا جو
جلیل القدر اور مقبول راوی ہیں یا ان سے نیچے اس حدیث کے کسی راوی
نے کیا؟ تو اللہ تعالیٰ کی توفیق و مدد سے ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم پر یہ بات
آشکارا ہو چکی ہے کہ یہ اختلاف ان سے نیچے راوی حدیث سے ہوا نہ کہ
ابو معمر سے)

اس کے بعد تین روایات ذکر کیں جن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے

تشہد مذکور ہے مگر یہ اضافہ ان میں موجود نہیں تو پھر لکھتے ہیں اس پر یہ دلیل ہے
كَمَا حَدَّثَنَا أَبُو أُمَيَّةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ
مُوسَى الْعَبْسِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْأَسْوَدِ عَنْ
هُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَلَمْ يَذْكُرْ أَبَا مَعْمَرٍ
فِي حَدِيثِهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا
التَّشْهَدَ فِي الصَّلَاةِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ
ثُمَّ ذَكَرَ التَّشْهَدَ الَّذِي فِي الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ، قَالَ: فَلَمَّا
قُبِضَ قَالُوا: السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ - فَدَلَّ مَا ذَكَرْنَا
أَنَّ هَذِهِ الزِّيَادَةُ الْبُخَالْفَةُ لِلنَّاسِ عَلَيْهِ كَانَتْ هَمَّنْ
دُونَ أَبِي مَعْمَرٍ: قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ وَهَمَّا يَدْفَعُ فِي

هَذَا الْحَدِيثِ أَنْ يَكُونَ مُسْتَعْمَلًا وَيُوجِبَ التَّمَسُّكَ
بِمَا النَّاسُ عَلَيْهِ فِي صَلَاتِهِمْ مِنْ تَشْهَدِهِمُ الَّذِي
يَتَشَهُدُونَ بِهِ فِيمَا أَنَّ أَبَاعِيسَى مُوسَى بْنِ عَيْسَى
الْكُوفِيُّ قَدْ حَدَّثَنَا قَالَ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ
الْجُعْفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الْحُرِّ عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ
مُخَيْمِرَةَ: فَانْتَفَى أَنْ تَكُونَ الزِّيَادَةُ الَّتِي فِي الْحَدِيثِ
الْأَوَّلِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ وَثَبَتَ إِنَّمَا عَنْ مُجَاهِدٍ - وَمِمَّا
يَدُلُّ عَلَى فِسَادِ ذَلِكَ وَجُوبِ الْأَخِيرِ بغيرِهِ مِمَّا
النَّاسُ عَلَيْهِ فِي صَلَوَاتِهِمْ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ وَ أَبَا مُوسَى
الْأَشْعَرِيَّ وَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ وَ غَيْرَهُمْ مِنْ أَصْحَابِ
رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَدْ رَوُوا التَّشْهَدَ عَنْ رَسُولِ
اللَّهِ ﷺ بِغَيْرِ خِلَافِهِ لِمَا يَكُونُونَ عَلَيْهِ مِنْهُ فِي
حَيَاتِهِ وَ بَعْدَ وَفَاتِهِ وَقَدْ ذَكَرْنَا ذَلِكَ فِي بَابِهِ مِنْ
كِتَابِنَا فِي (شَرْحِ مَعَانِي الْأَثَارِ) وَمِمَّا وَكَذَلِكَ
أَيْضًا أَنَّ أَبَا بَكْرَ الصِّدِّيقَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَدْ كَانَ
بَعْدَ وَفَاةِ النَّبِيِّ ﷺ عَلَّمَ النَّاسَ التَّشْهَدَ كَذَلِكَ -

(کہ حضرت مجاہد (جو ابو معمر کے شاگرد ہیں) نے حضرت ابن مسعود رضی
اللہ عنہ سے یہ اضافہ نقل کیا ہے حالانکہ خود حضرت ابو معمر یہ اضافہ نقل نہیں
کرتے تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے مخالف یہ اضافہ
حضرت ابو معمر کے کسی شاگرد سے ہوا ہے نہ کہ ابو معمر سے، میں ابو جعفر
طحاوی کہتا ہوں اس اضافہ والی روایت پر عمل سے جو احادیث روکتی ہیں
اور اس تشہد کا پڑھنا لازم کرتیں ہیں جو تمام مسلمان اپنے تشہد میں پڑھتے
ہیں ان میں سے چند یہ ہیں ابو عیسیٰ موسیٰ بن عیسیٰ کوفی کہتے ہیں ہمیں حسین
بن علی جعفی، ان سے حسن بن حران سے قاسم بن مخیرہ نے بیان کیا کہ

حضرت علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر تشہد سکھایا اور وہ یہی تشہد ہے جو ہم تک احادیث میں پہنچا ہے اور اس میں اضافہ نہیں جو مسلمانوں کے تشہد کے مخالف ہے تو جو حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اضافہ نقل ہوا اس کی نفی ہو گئی اور ثابت ہو گیا کہ یہ اضافہ مجاہد سے منقول ہے اس اضافہ کے فساد و بطلان اور لوگوں کی نماز میں تشہد کے لزوم پر یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت ابن عمر، ابو موسیٰ اشعری، جابر بن عبداللہ اور دیگر صحابہ نے بلا اختلاف رسول اللہ ﷺ سے وہی تشہد روایت کیا ہے جسے مسلمان آپ کی ظاہری حیات میں اور بعد از وصال پڑھتے ہیں جس کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں اور اس کے متعلقہ باب میں کر دیا ہے ہماری اس بات کو اس سے بھی تقویت و تاکید ملتی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد جس تشہد کی تعلیم دی اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں منبر پر بیٹھ کر تشہد کی تعلیم دی اور اس میں السلام علیک ایہا النبی کے الفاظ ہی موجود ہیں)

اپنی سند کے ساتھ روایات کا تذکرہ کیا پھر سوال کیا

فَقَالَ قَائِلٌ : وَكَيْفَ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ النَّبِيُّ ﷺ يُخَاطَبُ بَعْدَ حَيَاتِهِ ؟ فَكَانَ جَوَابَنَا لَهُ فِي ذَلِكَ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَعَوْنِهِ : أَنَّ أَبَا عُبَيْدٍ ذَكَرَ عَنْ ابْنِ عُيَيْنَةَ أَنَّ هِمَّا أَجَلَ اللَّهُ بِهِ رَسُولَهُ ﷺ أَنْ يُسَلَّمَ عَلَيْهِ بَعْدَ وَفَاتِهِ كَمَا كَانَ يُسَلَّمُ عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ فَكَانَ هَذَا حَسَنًا وَقَدْ اسْتَخْرَجَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي مَعْنَى حَسَنًا

(کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات کی طرح بعد از وصال خطاب کیسے جائز ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کا

ہم یہ جواب دیں گے کہ امام ابو عبیدہ نے حضرت سفیان بن عیینہ سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو یہ درجہ و عزت دی ہے کہ آپ ﷺ پر وصال کے بعد بھی اسی طرح سلام عرض کیا جائے گا جیسے آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں سلام عرض کیا جاتا تھا یہ بات خوب ہے بعض اہل علم نے اس کا استنباط بھی رسول اللہ سے یوں کیا اور یہ نہایت ہی خوب صورت ہے کہ رسالتماہ قبرستان تشریف لے جاتے تو اہل قبور کو یوں سلام فرماتے

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ

اس عمل پاک پر سند کے ساتھ دو روایات ذکر کر کے فرماتے ہیں

فِي هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ سَلَّمَ عَلَى أَهْلِ الْقَبْرِ وَهُمْ مَوْتَى كَمَا كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ وَهُمْ أَحْيَاءَ وَإِذَا جَازَ ذَلِكَ فِي أَهْلِ الْقَبْرِ كَانَ فِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَجُوزٌ وَهَذَا مَعْنَى حَسَنِ وَاللَّهُ نَسَأَلُهُ التَّوْفِيقَ (۱)

(کہ یہ حدیث نشان دہی کر رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اہل قبرستان (مردوں) کو اس طرح سلام فرماتے جس طرح انہیں دنیاوی زندگی میں فرمایا کرتے جب یہ صورت اہل قبرستان کے لیے جائز ہے تو رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا اور یہ دلیل نہایت ہی خوبصورت ہے اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق کا سوال ہے)

تبدیلی چند دنوں کے لیے

ہمارے علم میں یہ بات بھی رہنی چاہیے کہ اگر کوئی تبدیلی بعض روایات میں ملتی ہے تو یہ تبدیلی دائمی نہ تھی بلکہ چند دنوں کے لیے تھی کیونکہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ تابعین کا بیان موجود ہے کہ انھوں نے ہمیں اسی تشہد کی تعلیم دی جس میں 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کے کلمات ہیں اگر تبدیلی دائمی ہوتی تو پھر

آپ رضی اللہ عنہ اس کے بعد کسی کو بھی 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کی تعلیم نہ دیتے بلکہ السلام علی النبی پڑھنے کی تلقین کرتے۔

پھر یہ بھی سامنے آچکا ہے کہ 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' پر صحابہ کا اجماع ہے خلفاء راشدین ہزار ہا صحابہ کے سامنے انہی کلمات کی تعلیم دیتے تو ماننا پڑے گا کہ اگر بالفرض کسی نے ان کلمات میں تبدیلی کی تو وہ چند دنوں کے لیے تھی نہ کہ دائمی

اب تک یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ صحابہ نے تبدیلی نہیں کی اگر کی تو بعض نے کی اور وہ بھی چند دن کی نہ کہ ہمیشہ کے لیے کی

تبدیلی میں مصلحت کیا تھی؟

اب یہ بات قابل توجہ ہے کہ چند دن تبدیلی میں مصلحت کیا تھی؟

تو وہ آئمہ امت نے واضح طور پر بیان کر دی ہے کہ سرور عالم ﷺ کے وصال کا صدمہ ان پر اس قدر ہوا کہ ان پر جہان و کائنات تاریک ہو گئی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے جس دن سرور عالم شہر مدینہ تشریف لائے اس سے بڑھ کر روشن دن میں نے کبھی نہیں دیکھا، مدینہ طیبہ کی ہر شے روشن ہو گئی اور جس دن آپ ﷺ کا وصال ہوا اس دن سے بڑھ کر تاریک دن نہیں دیکھا، شہر مدینہ تمام کا تمام تاریک ہو گیا اور اندھیرا اس قدر تھا۔

وَكَانَ أَحَدُنَا يَبْسُطُ يَدَهُ فَلَا يُبْصِرُ (۱)

(حتیٰ کہ اگر ہم ہاتھ پھیلاتے تو وہ نظر نہ آتا)

چند کیفیات

بعض صحابہ بہرے ہو گئے، بعض گونگے، بعض بے حرکت ہو گئے بعض نے تاحیات مسکرانا چھوڑ دیا، جب آپ کی سواری غم برداشت نہ کر سکی اور اپنے آپ کو کنویں میں ڈال کر ختم کر لیا تو صحابہ کی کیفیات کا عالم کیا ہوگا؟

گم سم ہو گئے

بعض صحابہ کے بارے میں ہے کہ وہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد ساری زندگی گم سم ہو کر رہ گئے مثلاً حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے

فَأُضِنِي حَتَّى مَاتَ كَمَدًّا (۱)

(وصال نبوی کے بعد اس طرح گم سم ہوئے کہ اس حالت فراق میں فوت ہو گئے)

حضرت بلال نے اذان دینا چھوڑ دی

کسے معلوم نہیں کہ وصال نبی کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان پڑھنا ترک کر دی حالانکہ وہ اذان کی برکات و ثواب کا علم رکھتے تھے، جب بھی ان سے اذان کا کہا جاتا تو کہتے اب میرے لیے اذان کہنا میری برداشت سے باہر ہے، ایک دفعہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ارشاد پر اذان شروع کی تو اسے مکمل نہ کر سکے، ان کیساتھ تمام اہل مدینہ اس قدر روئے کہ ہر طرف کہرام مچ گیا (۲)

میری آنکھیں واپس لے لے

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے، کہ بیٹے نے

آ کر بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا ہے بن کر ہاتھ اٹھادیے اور یہ دعا کی

اللَّهُمَّ اذْهَبْ بَصْرِيْ لَا اَرَى بَعْدَ حَبِيْبِيْ مُحَمَّدٍ ﷺ

اَحَدًا فَكَفَّ بَصْرِيْ (۳)

(اے اللہ میری آنکھیں لے لے تاکہ میں اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ

کے بعد کسی کو نہ دیکھ سکوں تو ان کی آنکھیں اسی وقت ختم کر دی گئیں اور وہ

نا بینا ہو گئے)

(۱) سبل الہدی، ۲، ۲۷۴

(۲) الصلوات والبشر، ۱۸۷

(۳) المواہب اللدنیہ، ۲، ۹۴

چند دنوں کے لیے وجہ تبدیلی یہ ہے:

تو اس تبدیلی کا سبب یہ ہے کہ وہ ہجر و فراق اور شدت و غم کی وجہ سے الفاظ و خطاب سے سلام عرض نہ کرتے کہیں ان کے سینے پھٹ نہ جائیں، یہ وجہ نہ تھی کہ اب خطاب جائز نہیں رہا یا آپ ﷺ زندہ نہیں اور سنتے دیکھتے نہیں کیونکہ اگر وجہ یہ ہوتی تو پھر اس تبدیلی پر قائم رہتے حالانکہ ایسا ثابت ہی نہیں

مولانا محمد انوار اللہ فاروقی (ت، ۱۳۳۵) مذکورہ حکمتِ تبدیلی اپنے الفاظ میں

ذکر کرتے ہیں

اب یہاں یہ بات معلوم کرنا چاہیے کہ بعد وفات شریف کے اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خطاب و ندا کو بدلنا ثابت ہو تو سبب اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب سرور کائنات ﷺ تشریف فرمائے عالم ابدی ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسند خلافت الہی کو وجودِ عنصری سے آنحضرت ﷺ کے خالی پایا عالم آنکھوں میں تاریک ہو گیا۔ غم و الم کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ بعضوں سے دیوانوں کی حرکات صادر ہونے لگیں بات بات پر یادِ اشفاق و مراحم مرہبانہ ایک مصیبت برپا کیے دیتے تھے باوجودیکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے ثوابوں سے خوب واقف تھے اور اسی کام پر مامور تھے مگر اس صدمہ نے ان کو اس فضیلتِ عظمیٰ سے باز رکھا کیونکہ جب نام مبارک زبان پر آجاتا تو نقشہِ حضور کا آنکھوں کے سامنے پھر جاتا پھر اس حالتِ جان کا بیان کیا ہو سکے کہ جس کی وجہ سے ایسی فضیلتِ عظمیٰ کی طرف مباردت نہیں کر سکتے تھے

آگے چل کر لکھا

واقع میں اس مصیبت کی کوئی انتہا نہیں سواری مبارک کے جانور پر اس صدمہ کا وہ اثر ہوا کہ متحمل نہ ہو سکا آخر خودکشی کی چنانچہ محدثین نے اس کی تصریح کی ہے جب جانور کا یہ حال ہو تو ان جانبازانِ خستہ جگر کا کیا حال ہوا ہوگا جن کو محبت آنحضرت ﷺ کی تمام عالم اور جان سے زیادہ تر تھی؟ مگر ہر آسودہ حال کو اس حالت کی کیا خبر؟ اس کو تو وہی لوگ جانیں جو ذوقِ محبت سے واقف اور فراق کے صدمے اٹھا چکے ہوں

الحاصل:

کمال غم و الم کے سبب سے اوائل میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خطاب کو ترک کر دیا پھر جب وہ حالت بسبب امتداد زمانہ کے فرو ہو گئی بحسب تعلیم آنحضرت ﷺ کے پھر اسی طور پر بصیغہ خطاب و ندا پڑھنا شروع کیا چنانچہ صحابہ و تابعین کا عمل اسی پر رہا اور آج تک وہی جاری ہے اثبات اس دعویٰ کا کئی وجوہ سے ہو سکتا ہے۔ (۱)

یہ ان کا اجتہاد ہے

تمام آئمہ امت نے یہ تصریح کر دی ہے کہ اگر یہ روایت ثابت ہو بھی جائے تو یہ زیادہ سے زیادہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فقط اجتہاد ہے اور اسے کسی نے بھی تعلیم و فرمان نبوی ﷺ قرار نہیں دیا

البتہ شیخ ناصر الدین البانی (ت، ۱۲۲۰) نے لکھا

لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ بِتَوْقِيفٍ عَنْهُ ﷺ وَيُؤَيِّدُهُ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كَذَلِكَ كَانَتْ تَعْلَمُ التَّشَهُدَ فِي الصَّلَاةِ، السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ. رَوَاهُ السِّرَاجُ فِي مُسْنَدِهِ جلد ۹، ۱۱۲ وَالْمُخْلِصُ فِي الْفَوَائِدِ (ج، ۱۱: ۱۱۵۴)

بِسَنَدَيْنِ صَحِيحَيْنِ عَنْهَا (۲)

(یہ تبدیلی یقیناً حکم نبوی ﷺ کی بنا پر ہوئی اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یوں ہوتی ہے کہ وہ تشہد نماز میں 'السلام علی النبی' سکھایا کرتیں اسے السراج نے مسند میں مخلص نے فوائد میں دو صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا)

سراسر زیادتی و ظلم

البانی کا یہ کہنا کہ یہ تبدیلی رسول اللہ ﷺ کے حکم پر ہوئی سراسر زیادتی اور ظلم ہے

(۱) انوار احمدی، ۲۰۲-۲۰۳

(۲) صفحہ صلاة النبی، ۱۷۳

- ۱۔ کیونکہ تمام اُمت نے اسے صحابی کا اجتہاد قرار دیا ہے اور صحابی کا اجتہادی قول حکماً بھی مرفوع نہیں ہوتا ہاں ان کا غیر اجتہادی قول مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے
- ۲۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ایسا حکم نبوی سے ہوا تو پھر صحابہ کرام کا اس کے خلاف اجماع کیسے ہو گیا؟ گویا ایسی بات کہنا اس بات کا اعلان ہے کہ تمام صحابہ نے حکم نبوی کی مخالفت کی حالانکہ ایسی بات کوئی مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا اگر حکم نبوی موجود ہوتا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ کو اس سے ضرور مطلع کرتے تو ممکن ہی نہیں کہ صحابہ اسے تسلیم نہ کرتے تو 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' پر اجماع بتا رہا ہے کہ یہ زیادہ سے زیادہ صحابی کا اجتہاد ہے

تصریحات ملاحظہ کیجئے

اس مقام پر ائمہ اُمت کی چند تصریحات بھی ملاحظہ کر لیجئے تاکہ معاملہ میں کوئی خفا نہ رہے۔

- ۱۔ امام محمد عابد سندھی حنفی (ت، ۱۲۵۷) 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' پر اجماع کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں

فَغَايَةُ مَا يُفْهَمُ مِنْ فِعْلِ ابْنِ مُسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ
تَعَالَى عَنْهُ فِيمَا أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهُ وَفِي فِعْلِ
الصَّحَابَةِ الَّذِينَ حَكَى عَنْهُمْ عَطَاءٌ أَنْ يَكُونَ اجْتِهَادًا
مِنْهُمْ لِأَنَّهُ بِتَوْقِيفٍ مِنَ الشَّارِعِ ﷺ (۱)

(زیادہ سے زیادہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فعل ہے جسے امام بخاری وغیرہ نے نقل کیا اور دیگر صحابہ سے جو حضرت عطاء نے نقل کیا اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا اجتہاد ہے نہ کہ انھیں یہ حکم نبوی ﷺ تھا)

نوٹ:

اس کتاب کا مخطوط جامعہ مجددیہ کراچی کی لائبریری میں موجود ہے ادارہ کے

سربراہ مفتی محمد جان نعیمی زید مجدہ نے ہمیں اس کی کاپی مہیا کی، اللہ تعالیٰ ہمیں اور انھیں اپنی مزید خصوصی رحمتوں سے نوازے۔ امین

۲۔ علماء دیوبند میں سے ہر ایک نے تصریح کی ہے کہ یہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، شیخ رشید احمد گنگوہی کا ایک فتویٰ من وعن سوال و جواب کی صورت میں ملاحظہ کیجئے

سوال:

بعد وفات رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تشہد میں صیغہ خطاب 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کے بجائے 'السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ' صیغہ غائب سے بدل لیا تھا چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے اور صیغہ غائب فتح الباری و عینی وغیرہ شراح حدیث اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے صیغہ تعلیم خطاب کو بدل دیا اور پسند نہ کیا تو معلوم ہوا کہ خطاب غائب کو ناجائز ہے یا اولیٰ انہیں ہر حال صلوٰۃ و سلام میں یا تشہد میں خطاب کا نہ کہنا افضل ہے جیسا کہ صحابہ کا معمول تھا یا نہیں جیسا کہ معمول زمانہ ہے اگر نہیں ہے تو وجہ کیا ہے (مرسلہ محمد نبی صاحب مراد آبادی)

جواب:

اگر کسی کا عقیدہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام خود خطاب سلام کا سنتے ہیں وہ کفر ہے خواہ السلام علیک کہے یا السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کہے اور جن کا عقیدہ یہ ہے کہ سلام و صلوٰۃ آپ کو پہنچایا جاتا ہے ایک جماعت ملائکہ کی اس کام کے واسطے مقرر ہے جیسا احادیث میں آیا ہے تو دونوں طرح پڑھنا مباح ہے پس بعد اس کے سنو کہ اگر ابن مسعود نے بعد وفات شریف کے صیغہ بدل دیا تو کوئی یہ حرج نہیں

کسی مصلحت کو یہ کیا ہوگا اور جو اصل تعلیم کے موافق پڑھا جائے جب بھی حرج نہیں کہ مقصود حکایت ہے دیکھو کہ حیاتِ فخرِ رام ﷺ میں بھی لوگ دور دور اپنے بیوت میں اور مکہ اور بلادِ بعید میں خطاب کے لفظ سے پڑھتے تھے جیسا وہاں خطاب درست تھا اب کیا وجہ ہے جو حرام ہو علم غیب نہ وہاں تھا نہ یہاں بلکہ

آپ کو ملائکہ پہنچاتے تھے اور اب بھی لہذا صیغہ کو خطاب سے بدلنا کوئی ضروری نہیں اور اس میں تقلید بعض صحابہ کی ضروری نہیں ورنہ خود آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے کہ بعد میرے انتقال خطاب مت کرنا بہر حال صیغہ خطاب رکھنا اولیٰ ہے کہ اصل تعلیم اس طرح ہے اور مراد بعض صحابہ کی کسی مصلحت کی وجہ سے تھی یا اجتہاد تھا یا استحساناً تھا نہ وجوباً اس واسطے جملہ فقہاء ائمہ اربعہ کے متمدب سب اس صیغہ کو نقل فرماتے ہیں اور تبدیلی صیغہ کی ضرورت نہیں لکھتے۔ فقط واللہ اعلم (رشید احمد عفی عنہ) (۱)

۳۔ مولانا انوار اللہ فاروقی (ت، ۱۳۳۵) تفصیلی گفتگو کے بعد لکھتے ہیں اس تقریر سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اجتہاد سے لفظ خطاب و ندا کو بدل دیا اور 'السَّلَامُ عَلَي النَّبِيِّ' کہنا شروع کیا کیونکہ اگر یہ "سلام" بطور حکایت ہوتا تو بدلنے کی ضرورت نہ تھی پس ثابت ہوا کہ یہ سلام انشاء ہے نہ کہ حکایت (۲)

امام بخاری کا عمل

یہاں یہ بات بھی سامنے رہنی چاہیے کہ امام بخاری اس روایت کو کتاب الاستیذان کے باب مصافحہ میں لائے ہیں اسے انھوں نے کتاب التشہد میں ذکر نہیں کیا جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول معمول بہ نہیں ہے اور امام بخاری ترکِ خطاب کو پسند نہیں کرتے تو امام بخاری کا عمل بھی ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے

شیخ ناصر الدین البانی (ت، ۱۴۲۰) نے بخاری کی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں اس میں اضافہ بتا رہا ہے کہ صحابہ آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں السَّلَامُ عَلَیْكَ پڑھا کرتے جب وصال ہو گیا تو انھوں نے خطاب ترک کر کے الفاظ غیبت شروع کر دیے تو اب وہ السلام علی النبی پڑھتے (۳)

(۱) فتاویٰ رشیدیہ کامل، ۸۹

(۲) انوار احمدی، ۲۰۲

(۳) صفة صلاة النبی، ۱۷۴

اس پر عظیم محقق شیخ محمد عوامہ مدنی حفظہ اللہ نے جو گرفت کی وہ نہایت ہی قابل مطالعہ ہے ہم ان کی من وعن عبارت مع ترجمہ ذکر کیے دیتے ہیں پہلے وہ ان کا استدلال لاتے ہیں۔

هَذِهِ الرَّوَايَةُ تُفِيدُ أَنَّهُ يَنْبَغِي لِلْبُصَلِيِّ أَنْ يَقُولَ فِي تَشْهُدِ فِي الصَّلَاةِ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ دُونَ كَافِ الْخِطَابِ وَتَمَسَّكَ بِهَذَا صَاحِبُ صَلَاةِ النَّبِيِّ وَفِي هَذَا نَظْرٌ وَبَيَانُهُ: أَنَّ الْبُخَارِيَّ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ فِي سَبْعَةِ مَوَاضِعٍ مِنْ (صَحِيحِهِ) مِنْهَا ثَلَاثَةٌ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالصَّلَاةِ (٨٣١، ٨٥٣، ٢٠٢) وَإِثْنَانِ فِي الْإِسْتِيزَانِ (٥٦٢٦، ٦٢٣٠) وَوَاحِدٌ فِي الدَّعَوَاتِ (٦٣٢٨)، وَوَاحِدٌ فِي التَّوْحِيدِ (٤٣٨١) وَهَذِهِ الزِّيَادَةُ رَوَاهَا الْبُخَارِيُّ مِنْ طَرِيقِ أَبِي مَعْبَرٍ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَخْبَرَةَ فِي الْمَوْضِعِ الثَّانِي مِنْ كِتَابِ الْإِسْتِيزَانِ فَقَطْ، فِي بَابِ الْبُصَاغَةِ، لِقَوْلِ ابْنِ مُسْعُودٍ: كَفَى فِي كَفْيِهِ فَكُونَ الْبُخَارِيُّ لَمْ يُورِدْهَا فِي مَحَلِّهَا الْمُنَاسِبِ فِي أَبْوَابِ التَّشْهَدِ لِئَتَمَّ الْعَمَلُ بِهَذِهِ الرَّوَايَةِ: إِشَارَةٌ مِنْهُ إِلَى عَدَمِ اخْتِيَارِهَا لَهَا، وَلَوْ أَرَادَ ذَلِكَ لَأَوْرَدَهَا تَحْتَ بَابِ: التَّشْهَدِ فِي الْآخِرَةِ مَعَ أَنَّهُ لَمْ يُورِدْ تَحْتَهُ إِلَّا اللَّفْظَ الْبَعْهُودَ عِنْدَ خَاصَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَتِهِمْ (يہ روایت بتا رہی ہے کہ نمازی کو چاہیے کہ وہ نماز میں السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ پڑھے نہ کہ السَّلَامُ عَلَيْكَ مصنف صَلَاةِ النَّبِيِّ نے اس سے یہ استدلال کیا ہے لیکن یہ محل نظر و اعتراض ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح میں سات مقامات پر ذکر کیا یہ تین مقامات نماز کے متعلق ہیں ٨٣١، ٨٣٥، ١٢٠٢، دو مقامات استیذان

میں ہیں ۶۲۳۰، ۶۲۲۵، ایک دعوات میں ۶۳۲۸، اور ایک توحید میں ۷۳۸۱، ہے یہ اضافہ امام بخاری نے ابو معمر عبد اللہ بن سبیرہ سے فقط کتاب الاستیذان کے دوسرے مقام پر باب المصافحہ میں کیا ہے کیونکہ اس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں میرا ہاتھ، رسول اللہ ﷺ کے دونوں مقدس ہاتھوں میں تھا تو امام بخاری کا اسے ابوابِ تشہد میں نقل نہ کرنا تاکہ اس پر عمل ہوتا بتا رہا ہے کہ اس پر عمل ان کا مختار نہیں اگر ان کا یہ قول مختار ہوتا تو وہ اسے باب التشہد فی الآخرۃ میں ذکر کر دیتے حالانکہ انھوں نے اس کے ہوتے ہوئے وہاں وہی الفاظِ تشہد نقل کیے جو خواص و عوام مسلمان پڑھا کرتے ہیں)

اس کے بعد امام بخاری کے ایک ضابطہ کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا
حافظ ابن حجر عسقلانی (ت، ۸۵۲) نے امام بخاری کے اس ضابطہ کو ان الفاظ
میں واضح کیا ہے

قَدْ يَكُونُ الْحَدِيثُ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ وَيُعَارِضُهُ
عِنْدَهُ مَا هُوَ أَوْلَى بِالْعَمَلِ بِهِ مِنْ حَدِيثٍ آخَرَ فَلَا
يُخْرِجُ ذَلِكَ الْحَدِيثَ فِي بَابِهِ وَيُخْرِجُهُ فِي آخَرَ أَخْفَى
لِيُنْبِتَهُ عَلَى أَنَّهُ صَحِيحٌ إِلَّا أَنْ مَا دَلَّ ظَاهِرُهُ عَلَيْهِ
غَيْرُ مَعْبُولٍ بِهِ عِنْدَهُ (۱)

(کبھی حدیث امام بخاری کے شرائط پر ہوتی ہے لیکن دوسری حدیث عمل کے لئے اولیٰ ہونے کی وجہ سے اس کے مخالف ہے تو امام بخاری اسے باب کے تحت نہیں لاتے بلکہ کسی اور جگہ ذکر کر دیتے ہیں تاکہ اس پر تنبیہ ہو جائے کہ یہ روایت صحیح ہے مگر جو اس سے ظاہر ہو رہا ہے اس پر اُمت کا عمل نہیں)

شیخ محمد عوامہ مدنی کی قیمتی گفتگو

اس مسئلہ پر اس مقام پر شیخ محمد عوامہ مدنی نے قیمتی گفتگو کی ہے وہ بھی نقل کئے دیتے ہیں تاکہ معاملہ مزید آشکار ہو جائے لکھتے ہیں

ثُمَّ إِنَّ الْحَدِيثَ رُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ دُونَ هَذِهِ الزِّيَادَةِ مِنْ طَرِيقٍ تَلَامِيذِهِمْ مِنْهُمْ أَجَلٌ مِنْ أَبِي مَعْبَرٍ وَالصَّقُّ بِابْنِ مَسْعُودٍ وَهُمْ أَبُو وَائِلٍ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ وَعَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ وَالْأَسْوَدُ بْنُ يَزِيدٍ وَهُمْ وَارثُو عُلُومِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبُو الْأَحْوَصِ الْجَشَبِيُّ وَلَيْسَ عِنْدَ أَحَدٍ مِنْهُمْ هَذِهِ الزِّيَادَةُ وَالرِّوَايَاتُ عَنِ أَبِي وَائِلٍ مُتَعَدِّدَةٌ الطَّرِيقِ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَغَيْرِ هَذَا وَأَمَّا مَكَرُورَةُ عِلْمِ عِلْمِ ابْنِ مَسْعُودٍ لَهُ التَّشَهُدُ بِالْأَخْذِ بِالْيَدِ بِكَافِ الْخَطَابِ، وَكَانَ هَذَا بَعْدَ وَفَاةِ النَّبِيِّ ﷺ بَيَقِينٍ كَمَا أَنَّ الرَّوَايَةَ الْآتِيَةَ بَرَقْمِ (٣٠١٢) عَنْ عِلْمِ عِلْمِ ابْنِ مَسْعُودٍ لِلْأَعْرَابِيِّ تَأْتِيكَ بَلْفِظِ السَّلَامِ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَقَدْ رَوَى ابْنُ سَعْدٍ (٦-٨٩) بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدٍ قَالَ، رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ يُعَلِّمُ عِلْمِ ابْنِ مَسْعُودٍ كَمَا يُعَلِّمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ وَيَأْتِي بَعْدَهَا (٣٠١٣) الرَّوَايَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، وَهُوَ مَعْرُوفٌ بِوَرَاثَةِ عُلُومِ ابْنِ مَسْعُودٍ، فَأَيْنَ هَؤُلَاءِ مِنْ زِيَادَةِ أَبِي مَعْبَرٍ؟ وَأَيْنَ زِيَادَةُ أَبِي مَعْبَرٍ مِنْ رَوَايَاتِ هَؤُلَاءِ؟ وَلِتَنْظُرِ الرَّوَايَاتِ فِي الْبَابِ الَّذِي أَفْرَدَهُ الطَّبْرَانِيُّ ١٠ (٩٨٨٣، ٩٩٢٢)

لِرَوَايَاتِ هَذَا الْحَدِيثِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَهِيَ سِتُّونَ
رِوَايَةً، وَلِبَعْضِهَا عِدَّةُ طُرُقٍ وَفَوْقَ هَذَا، فَالشَّيْخَانِ
الْجَلِيلَانِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَلَمَا
النَّاسِ التَّشَهُدَ عَلَى النَّبِيِّ بِلَفْظِ السَّلَامِ عَلَيْكَ
أَيُّهَا النَّبِيُّ، كَمَا سَتَرَاهُ (٣٠٠٨، ٣٠٠٩) وَكَانَ ذَلِكَ
بَعْدَ وَفَاتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، بَلْ يَوْمَ صَنِيعِ
أَبِي بَكْرٍ ذَلِكَ كَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ فِي الْمَدِينَةِ لَمْ يَخْرُجْ
مِنْهَا إِلَى الْكُوفَةِ وَ ذَكَرَ ذَلِكَ الشَّاذُّ فِي كِتَابِهِ
الْمُشَارِ إِلَيْهِ تَعْلِيمُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِلنَّاسِ
التَّشَهُدَ عَلَى النَّبِيِّ وَفِيهِ (السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا
النَّبِيُّ) وَقَالَ فِي التَّعْلِيْقِ رَوَاهُ (مَالِكٌ وَالبَيْهَقِيُّ
بِسَنَدٍ صَحِيحٍ، وَالحَدِيثُ وَإِنْ كَانَ مَوْقُوفًا فَهُوَ فِي
حُكْمِ الْمَرْفُوعِ - - -) ثُمَّ إِنَّكَ تَرَى فِيمَا ذَكَرَهُ
الْمُصَنِّفُ مِنْ رَوَايَاتِ الْبَابِ الرَّوَايَةَ عَنْ ابْنِ
مُوسَى، وَأَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَكَذَلِكَ
جَاءَتْ الرَّوَايَةُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ الزُّبَيْرِ عِنْدَ
الطَّحَاوِيِّ فِي (شَرْحِ مَعَانِي الْأَثَارِ، ١، ٢٦١) فَمَا بَعْدَهَا
وَلَسْتُ بِصَدِيدٍ تَتَّبِعُ الرَّوَايَاتِ فِي ذَلِكَ إِنَّمَا أَذْكَرُ
هَذَا لِأَقُولَ - أَنْ لِيْشِلِ هَذَا الْكَثْرَةَ الْكَاثِرَةَ حَكْمَ
الطَّحَاوِيِّ فِي (شَرْحِ مُشْكِلِ أَثَارِ) ٩-٢٠٩ فَمَا بَعْدَهَا
عَلَى هَذِهِ الزِّيَادَةِ بِالنَّكَارَةِ وَالصِّحَّةِ الْإِسْنَادِيَّةِ
وَالنَّكَارَةُ قَدْ يَجْتَبِعَانِ كَمَا هُوَ مَعْلُومٌ (١)

(پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث اس اضافہ کے بغیر ان

کے تلامذہ سے مروی ہے جو معمر سے کہیں اعلیٰ اور ابن مسعود سے زیادہ مستفیض ہونے والے ہیں اور وہ حضرت ابو وائل بن سلمہ، علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید ہیں اور علوم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے وارث یہی لوگ ہیں اور ابوالاحوص کجاشمی تو ان میں سے کسی نے بھی یہ اضافہ روایت نہیں کیا حضرت ابو وائل سے بخاری و مسلم اور دیگر کتب میں متعدد اسناد سے روایات موجود ہیں قارئین ابن ابی شیبہ میں تمہارے سامنے حضرت علقمہ کی روایت ہے جس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر تشہد کی تعلیم دی اور اس میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کے الفاظ ہیں اور یہ تعلیم قطعی و یقینی طور پر وصال نبوی کے بعد ہی ہے اس طرح مصنف ابن ابی شیبہ کی آئندہ روایت ۳۰۱۲ حضرت علقمہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے اعرابی کو تشہد سکھایا تو اس میں الفاظ السلام عليك ايها النبي کے ہی ہیں، امام ابن سعد (۸۹، ۶) نے سند صحیح کے ساتھ اسود بن یزید سے روایت کیا کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حضرت علقمہ کو تشہد کی تعلیم دیتے ہوئے دیکھا جیسے وہ قرآن کی تعلیم دے رہے ہیں اس کے بعد روایت ۳۰۱۳ حضرت ابراہیم نخعی سے ہے اور یہ علوم ابن مسعود کے وارث ہونے میں معروف ہیں یہ لوگ اضافہ ابو معمر کیوں نقل نہیں کرتے؟ پھر ان کے مقابلہ میں ابو معمر کہاں ٹھہر سکتے ہیں؟ ہمیں ان روایات کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے جنہیں امام طبرانی نے جلد ۱۰ حدیث ۹۸۸۳ تا ۹۹۲۲ حضرت ابن مسعود سے روایت کیں ہیں اور ان کی تعداد ساٹھ ہے اور ان میں سے بعض کی متعدد اسناد ہیں اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ شیخین حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے منبر پر بیٹھ کر جو تشہد مسلمانوں کو سکھایا اس میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ ہی ہے جیسے روایت ۸۰۰۳، ۹۰۰۳ میں ملاحظہ کر لیجئے اور یہ تمام وصال نبوی کے بعد ہے بلکہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ عمل کیا تو اس وقت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ شہر مدینہ میں ہی تھے اور کوفہ تشریف نہیں لے گئے تھے اس شاذ قول والے (البانی) نے اپنی مذکور کتاب صفة صلاة النبی میں خود کر کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر جو مسلمانوں کو تشہد سکھایا اس میں الفاظ ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ ہی تھے اس کے حاشیہ میں لکھا، اسے امام مالک اور امام بیہقی نے سند صحیح سے نقل کیا۔ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن حکم مرفوع میں ہے پھر ان روایات کو ملاحظہ کیجئے جو امام ابن ابی شیبہ نے اس مسئلہ پر حضرت ابو موسیٰ، ابو سعید اور جابر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا اسی طرح امام طحاوی نے شرح معانی الاشارة، ۳۳۹ اور اس کے بعد حضرت ابن عباس، ابن عمر اور ابن الزبیر سے روایات نقل کیں ہیں ہمارا مقصد یہاں ان تمام روایات کو جمع کرنا نہیں یہ اس لئے ذکر کیا تا کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ اس قدر کثیر روایات کی وجہ سے امام طحاوی نے شرح مشکل الاشارة، ۴۰۹، میں اس اضافہ کو منکر قرار دیا اور بعض اوقات سند روایت کا صحیح ہونا اور منکر ہونا جمع ہو سکتے ہیں جو معروف ہے یہ حکم اور بات ہے اور بخاری و مسلم پر حملہ آور ہونا اور ان پر دیگر کی روایات کو صحیح قرار دینا اور

(بات ہے)

عظیم محدث شیخ عبداللہ صدیق غماری کی گفتگو

عالم اسلام کے عظیم محدث شیخ عبداللہ الصدیق غماری (ت، ۱۴۱۳) نے اس پر ’کِتَابُ الرُّوَايَا فِي الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ‘ میں بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے ہم اس کا ترجمہ یہاں کیے دیتے ہیں

تشہد کے بارے میں متعدد احادیث ہیں ان میں سے سب سے اح حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے جسے امام بخاری اور مسلم نے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں تعلیم دی التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ

الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھتیجے حضرت قاسم کو انہی الفاظ میں تشہد کی
 تعلیم دی اور فرمایا رسول ﷺ کا یہی تشہد ہے، اسے امام بیہقی نے صحیح سے نقل کیا
 صحیح مسلم میں حدیث ابن عباس اسی طرح مؤطا اور سنن بیہقی میں صحیح سند کے ساتھ حدیث
 ابو موسیٰ اور حدیث عمر رضی اللہ عنہم ہے یہ اگرچہ موقوف ہے مگر حکم مرفوع میں ہے اس پر یہ
 تشبیہ لازم ہے کہ

إِنَّ الْفَاطَةَ التَّشْهَدِ الْمَرْفُوعَةَ ثَبَّتَتْ جَمِيعُهَا بِلَفْظِ
 السَّلَامِ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ
 (رسول اللہ ﷺ سے جو الفاظ تشہد ثابت ہیں ان تمام میں ”السَّلَامُ
 عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ ہی ہے)

ہاں لفظ سلام بعض میں معرفہ اور بعض میں نکرہ ہے

شواہح نے اسی سے اخذ کیا کہ تشہد میں بصورتِ خطاب رسول اللہ ﷺ پر سلام
 عرض کرنا لازم و فرض ہے لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں اس
 حدیث کی روایت کے بعد ہے جب آپ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے جب
 وصال ہوا تو ہم کہتے السَّلَامُ يَعْنِي عَلَى النَّبِيِّ

حافظ لکھتے ہیں بخاری میں اسی طرح ہے ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں،
 سراج، جوزقی، ابو نعیم اصحابی اور بیہقی نے متعدد طرق سے امام بخاری کے شیخ ابو نعیم سے
 یہ الفاظ نقل کیے جب وصال ہو گیا تو السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ پڑھتے یہاں لفظ ”یعنی“
 حذف نہیں ہے اس طرح امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے ابو نعیم سے نقل کیا، امام سبکی نے شرح
 المنہاج میں فقط شیخ ابو عوانہ سے یہ روایت ذکر کر کے کہا اگر یہ بات صحابہ سے صحت کے
 ساتھ ثابت ہے تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر سلام میں خطاب واجب
 نہیں تو السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

میں (ابن حجر) کہتا ہوں یہ بلاشبہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے اس کے
 لئے یہ قوی تائید موجود ہے امام عبدالرزاق کہتے ہیں ابن جریج سے عطاء نے بیان کیا

جب سرور عالم ﷺ ظاہری حیات میں تھے تو صحابہ ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ پڑھا کرتے جب وصال فرمایا تو وہ ”السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ“ پڑھتے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے موافقین صحابہ کے قول کا تقاضا وہی ہے جو امام سبکی نے کہا کہ خطاب سلام میں لازم و واجب نہیں جس طرح شوائع لازم کہتے ہیں تو اگر نمازی السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ پڑھے تو اس کی نماز درست ہے۔

اس کے باوجود امام سبکی اور حافظ ابن حجر نے خطاب کے افضل ہونے کا انکار ہرگز نہیں کیا کیونکہ یہ حدیث ابن مسعود، ابن عباس، ابو عوانہ، ابن عمر، عائشہ، ابوسعید خدری، جابر ابن زید اور دیگر سے مروی احادیث میں رسالتماہ ﷺ سے سلام بصورت خطاب ہی ثابت ہے اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ ابو معمر، ابو وائل، ابو الاحوص او اسود وغیرہم نے یوں ہی نقل کیا۔

تو یہ تو اتر سے ثابت ہوا اس پر رسول اللہ ﷺ نے وصال تک عمل فرمایا تو یہ سنتِ قولی اور فعلی ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ اس طرح نماز ادا کرو جس طرح مجھے تم نماز ادا کرتے دیکھتے ہو تو یہ خطاب کے لزوم و وجوب پر دال ہے جس طرح شوائع نے کہا ہے تو ان کی دلیل نہایت ہی اعلیٰ و قوی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا الفاظِ غیب کی طرف جانا اگر بحکمِ نبی اکرم مانا جائے تو یہ فقط لزوم کے خلاف قرینہ ہوگا لیکن یہ کہ اس کی وجہ سے خطاب ترک کر دیا جائے تو اعدا اصولیہ اس کے مخالف ہیں۔

اگر کوئی معاصر (البانی) فعل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اس خطاب کو منسوخ کہتا ہے اور یہ دعویٰ اس سے بعید بھی نہیں تو ہم جو اباً یہ کہیں گے کہ یہ دعویٰ نسخ باطل ہے اگر ہم بطور مناظرہ مان لیں تو خطاب بلاشبہ مستحب ضرور ہوگا اس لئے کہ جب لزوم منسوخ ہو جاتا ہے تو استحباب باقی رہ جاتا ہے مثلاً ہر نماز کے لیے نیا وضو منسوخ ہے مگر مستحب ہے قیام لیل کا وجوب منسوخ ہے مگر مستحب، یوم عاشورہ کے روزہ کا وجوب منسوخ مگر رکھنا مستحب ہے اس کی کثیر مثالیں موجود ہیں۔

بعض معاصرین (البانی وغیرہ) نے لکھا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول ”قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ“ کا معنی یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم، رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کہا کرتے جب وصال ہوا تو انہوں نے اسے ترک کر کے ”السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ“ پڑھنا شروع کر دیا اور یہ یقیناً بحکم نبی ﷺ ہی ہوا۔

اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لائے کہ وہ لوگوں کو نماز کا جو تشہد سیکھاتیں اس میں السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ ہی تھا اسے سراج نے مسند، مخلص نے فوائد میں صحیح اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے (۱)

دعویٰ توقیف باطل ہے

یہ کہنا کہ یہ تبدیلی رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ہی ہوئی ہے باطل و مردود ہے ہاں یہ تبدیلی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے موافقین کا اجتہاد تھا، اس پر دلائل یہ ہیں۔
پہلی دلیل

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں، فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ، یہ نص کی طرح ہیں کہ یہ ان کی اپنی رائے تھی اس لیے انہوں نے وصال کا ذکر کر کے بتایا کہ اس کے لئے الفاظ غائب مناسب ہیں اگر ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حکم ہوتا تو وہ یوں کہتے فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا بِأَمْرِهِ أَوْ بِإِشَارَتِهِ أَوْ بِإِشَادِهِ مِنَ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ

(جب آپ کا وصال ہوا تو ہم نے آپ کے حکم یا اشارہ یا رہنمائی کی وجہ سے السلام علی النبی پڑھنا شروع کر دیا)

جب انہوں نے یوں نہیں کہا اور خود بیان بھی کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تشہد کی تعلیم دی کہ ان کا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھوں میں تھا جو قطعی طور پر شاہد ہے کہ یہ فقط ان کا اجتہاد ہے۔

دوسری دلیل

تشہد کا تعلق نماز سے ہے جو اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔ صحابہ تشہد کی تعلیم ایک دوسرے کو قرآنی سورت کی طرح دیتے اگر ان کے پاس بعد از وصال الفاظِ سلام میں تبدیلی کا حکم رسالتما ب ﷺ سے ہوتا تو وہ ضرور الفاظِ تشہد ہمارے لیے نقل کرتے کیونکہ یہ تبدیلی تشہد کی تکمیل کے لیے قید ہے اور صحابہ جانتے ہیں کہ مقید کو قید کے بغیر ذکر کرنا ناجائز ہے۔

تیسری دلیل

موطا اور دیگر کتب حدیث میں اسانید صحیح کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری سے مروی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر لوگوں کو جو تشہد سکھایا اس کے الفاظ یہ تھے۔

التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ الزَّكِيَّاتُ لِلَّهِ الصَّلَوَاتُ لِلَّهِ السَّلَامُ
عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ
عَلَيْنَا وَ عَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

انہوں نے مہاجرین و انصار کے سامنے یہ الفاظ تشہد سکھائے اگر خطاب سے غائب کی طرف سلام کے الفاظ کی تبدیلی کا حکم رسالتما ب ﷺ نے دیا ہوتا تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیونکر مخفی رہتا چلو اگر یہ ان کے علم میں نہ تھا تو دیگر علم والے صحابہ انہیں آگاہ کرتے۔

اسی کی مثل امام طحاوی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان منبر پر جلوہ افروز ہو کر تشہد کی یوں تعلیم دیا کرتے جیسے اساتذہ بچوں کو دیتے ہیں اور انہوں نے بھی وہی تشہد سکھایا جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن اس کی سند میں زید العمی ہے جو متروک راوی ہے۔

چوتھی دلیل

امام طبرانی نے سند صحیح سے امام شعبی سے نقل کیا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ
 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ' کے بعد یہ کلمات پڑھا
 کرتے 'السَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَبِّنَا، (ہمارے رب کا ہم پر سلام ہو) حالانکہ یہ جملہ
 رسالتمآب سے یوں ثابت نہیں لیکن یہ حضرت ابن مسعود کا بطور اجتہاد اضافہ ہے تو اس
 طرح سلام خطاب کو غائب کے ساتھ بدلنا یہ بھی ان کا اجتہاد ہی ہے۔

پانچویں دلیل

امام ابو عاصم کہتے ہیں مجھے امام ابن ابرج نے بتایا، میں سن رہا تھا حضرت
 عطاء رضی اللہ عنہ نے تشہد کے بارے میں سوال ہوا تو انھوں نے تشہد ابن عباس کا تذکرہ
 کیا پھر کہا حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی منبر پر یہی سکھاتے ہوئے سنا اور میں
 نے حضرت عبد اللہ بن عباس کو بھی حضرت ابن زبیر کی مثل ہی پڑھتے ہوئے سنا میں نے
 پوچھا حضرت ابن زبیر اور حضرت ابن عباس کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں تو
 حضرت عطاء نے کہا نہیں۔

اسے امام طحاوی نے نقل کیا یہ اثر و روایت مصنف عبد الرزاق میں غائب کے
 الفاظ سے ہے لیکن روایت طحاوی راجح ہے کیونکہ حضرت عطاء نے تشہد ابن عباس کا
 حوالہ دیا اور اس میں سلام الفاظ خطاب کے ساتھ ہی ہے۔

چھٹی دلیل

رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات میں تمام مسلمان خواہ مکہ میں مقیم تھے یا یمن
 اور اطراف جزیرہ، عرب میں وہ نماز کے تشہد میں رسول اللہ ﷺ پر سلام الفاظ خطاب
 سے عرض کیا کرتے اور یہ کہیں منقول نہیں کہ آپ ﷺ نے انھیں الفاظ کی تبدیلی کا حکم دیا
 ہو حالانکہ یہ آپ ﷺ سے دور اور غائب تھے۔

ساتویں دلیل

رسالتمآب ﷺ کا وصال الفاظ خطاب کو غائب میں بدلنے کا تقاضا نہیں کرتا

کیونکہ ہمارا اسلام آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ جاتا ہے خواہ ہم جہاں بھی ہوں امام احمد اور نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ لِلَّهِ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ يُبَلِّغُونِي عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ

(اللہ تعالیٰ نے زمین پہ کچھ ملائکہ مقرر فرمائے ہیں جو دورہ کرتے رہتے ہیں اور وہ مجھ تک میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں)

امام ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے
امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت حسن بن علی علیہما السلام سے نقل کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا

حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي
(تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود شریف پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے)

اس کی سند امام منذری کے مطابق حسن ہے

الفاظ نبوی ﷺ سے کیوں بھاگتے ہو؟

ہم اپنے معاصر (البانی) کو یہ یاد دلاتے ہیں کہ تم لوگوں کو ہر جگہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک الفاظ اختیار کرنے کا کہتے ہو

فَمَا بَالُنَا نَرَاهُ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ يَحِيدُ مِنَ اللَّفْظِ
النَّبَوِيِّ الْمُتَوَاتِرِ الْمُتَوَارِثِ بَيْنَ الْأُمَّةِ جِيلًا بَعْدَ
جِيلٍ ثُمَّ يَخْتَارُ لَفْظًا يَزَعُمُ أَنَّهُ عَنْ تَوْقِيفٍ؟ (۱)

(کیا وجہ اس مسئلہ میں وہ ان الفاظ نبوی سے بھاگ رہا ہے جو امت کے ہر دور و طبقہ میں تواتر سے چلے آ رہے ہیں اور ان الفاظ کو وہ لے رہا ہے یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ تبدیلی توفیقی (حضور ﷺ کی طرف سے) ہے۔

شیخ حسن علی ستف کی گفتگو

شیخ البانی نے ”صِفَةُ صَلَاةِ النَّبِيِّ“ میں یہ ظلم و زیادتی کی کہ حضرت ابن

مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ تبدیلی حکم نبوی ﷺ پہ کی تھی۔ اس پر شیخ حسن علی سقاف نے اپنی کتاب ”صحیح صفة الصلاة النبوی ﷺ“ میں جو گفتگو کی ہے اس مقام پر اس کا تذکرہ و مطالعہ خوب مفید رہے گا۔ علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے جو تشہد منقول ہے اس کا نماز میں پڑھ لینا کافی ہے خواہ وہ تشہد ابن عباس ہو یا تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہم

وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَقُولَ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ بَدَلِ
السَّلَامِ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ لِأَنَّ قَوْلَ الصَّحَابِيِّ عَلَى
فَرْضِ ثَبُوتِهِ عَنْهُ لَا يُنْسَخُ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ كَمَا هُوَ
مُقَرَّرٌ فِي عِلْمِ الْأُصُولِ

(لیکن ’السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ‘ کی جگہ السلام علی النبی پڑھنا جائز نہیں کیونکہ بالفرض اگر قول صحابی ثابت بھی ہو تو یہ فرمان نبوی کو منسوخ نہیں کر سکتا جیسے علم اصول میں مسلمہ ضابطہ ہے)

اس پر حاشیہ میں انہوں نے یہ تفصیل بھی لکھی ہے

وَأَمَّا مَا جَاءَ فِي رِوَايَةٍ عَنْ سَيِّدِنَا ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُ وَغَيْرِهِ - مِنْ أَنَّهُ غَيَّرَ لَفْظَةَ (السَّلَامُ عَلَيْكَ
أَيُّهَا النَّبِيُّ) بِقَوْلِهِ (السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ - - -) فَهِيَ
رِوَايَةٌ شَاذَةٌ، لِأَنَّهَا مُخَالِفَةٌ لِبَاقِي الرِّوَايَاتِ عَنْ
سَيِّدِنَا ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ لِأَنَّهَا مُخَالِفَةٌ
لِاجْتِمَاعِ الصَّحَابَةِ، حَيْثُ عَلَّمَ سَيِّدُنَا عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ
تَعَالَى عَنْهُ النَّاسَ فِي خِلَافَتِهِ عَلَى الْبَيْتِ التَّشْهَدَ
بِصِيغَةِ (السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ) بِحُضُورِ
الصَّحَابَةِ وَغَيْرِهِمْ فَلَمْ يُنْكَرْ عَلَيْهِ أَحَدٌ كَمَا تَجَدُّ
ذَلِكَ فِي الْمَوْطَأِ (١، ٩٠) وَالرِّسَالَةِ لِلْإِمَامِ الشَّافِعِيِّ
ص (١، ٦٢) وَالْبَيْهَقِيِّ (٢، ٢٣١) وَقَالَ الْحَافِظُ الزَّيْلَعِيُّ فِي
(نُصْبِ الرَّايَةِ - ١، ٢٢٢، ٢٢٣) وَهَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ وَهُوَ

كَذَلِكَ قَالَ الْحَافِظُ فِي (الْفَتْحِ، ٢، ٦١٣) وَقَدْ اخْتَارَ
مَالِكٌ وَأَصْحَابُهُ تَشْهَدَ عُمَرَ لِكَوْنِهِ عَلَّيْهِ لِلنَّاسِ وَهُوَ
عَلَى الْمَنْبَرِ وَلَمْ يُنْكِرْهُ فَيَكُونُ إِجْمَاعًا (١)

(سیدنا مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر سے جو منقول ہے کہ انہوں نے
'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کو 'السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ' سے
بدل لیا یہ شاذ روایت ہے کیونکہ یہ خود حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے
باقی مروی روایات کے مخالف ہے اور پھر اجماع صحابہ کے بھی مخالف ہے
کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں منبر پر جلوہ افروز
ہو کر صحابہ و تابعین کی موجودگی میں جس تشہد کی تعلیم دی اس میں
'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کے الفاظ ہیں اور اس پر کسی نے بھی
اعتراض نہ اٹھایا یہ مؤطاء امام مالک (١-٩٠) رسالہ امام شافعی (٢٦٨)
اور بیہقی (٢، ١٣٢) میں موجود ہے حافظ زبیلی نے نصب الراية (١، ٢٢١-
٢٢٢) پر لکھا اس کی سند صحیح ہے اور حقیقت بھی یہی ہے حافظ نے الفتح
(٢، ٣١٦) میں لکھا امام مالک اور اس کے تلامذہ نے تشہد عمر کو مختار کہا
کیونکہ یہ انہوں نے منبر پر بیٹھ کر سکھایا اور اس پر کسی نے اعتراض نہ کیا اور
اس پر اجماع ہو گیا)

السَّلَامُ عَلَيْكَ وَنَاظِر

جب ثابت ہو گیا کہ رسالتناہ ﷺ روحانی و علمی طور پر نمازیوں کے ساتھ ہوتے ہیں اسی لیے وہ آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر عرض کرتے ہیں 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' (اے نبی! آپ پر سلام ہو) تو اب یہ کہنا کہ اس سے حاضر و ناظر کا ثبوت نہیں ہوتا حالانکہ ایسی بات کہنا سوائے جہالت کے کچھ نہیں، اگر آپ ﷺ کسی طرح بھی موجود نہیں تو اس طرح کے الفاظ کہنا سوائے مذاق کے کچھ نہیں ہوگا

پھر یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ مخالفین جب ان الفاظ میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں تو وہاں ان کی دلیل یہی ہے کہ صحابہ نے تبدیلی اس لیے کی کہ لوگوں کو ان الفاظ سے حاضر و ناظر کا وہم پیدا نہ ہو۔

متعدد مقامات پر شیخ سرفراز صفدر وغیرہ نے یہی بات تحریر کی ہے آئیے کچھ مقامات سامنے لاتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تبدیلی "السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ" کے تحت کہتے ہیں

تبرید النواظر میں یہ بات کہی گئی تھی کہ لفظ یا اور حرفِ خطاب (ک) حاضر و ناظر کو نہیں چاہتا اصل میں معراج کی رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے السلام علیک کے خطاب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا اور وہی الفاظ بدستور چلے آتے ہیں اور امت ان کو صرف حکایت ہی کے طور پر بلکہ انشاء، اور اپنی طرف سے دعا کے طور پر عرض کرتی ہے اور انہی الفاظ کو برقرار رکھنا اولیٰ ہے بعض صحابہ کرام نے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ،

السَّلَامُ عَلَيْكَ کی بجائے آپ کی وفات کے بعد 'السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ' کہنا شروع کر دیا تھا جس کی وجہ بظاہر یہ ہو سکتی ہے کہ حاضر و ناظر کا وہم پیدا نہ ہو اور اس کے لیے بخاری، ابوعوانہ اور سنن الکبریٰ کی روایتیں باحوالہ عرض کی گئی ہیں (تفریح الخاطر، ۳۳۲)

۲۔ آگے چل کر لکھتے ہیں "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" ہم یہ بات علی الرأس والعین تسلیم کرتے ہیں اور تشہید ابن مسعود (السلام عليك ايها النبي) پر ہی ہم اور ہمارے بزرگ عامل ہیں تبرید النواظر میں صرف یہ بات عرض کی گئی ہے کہ جن حضرات صحابہ کرام وغیر ہم نے صیغہ خطاب ترک کیا بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ صیغہ خطاب سے حاضر و ناظر کا شبہ پیدا نہ ہو اور لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں اور ہمارا یہ استدلال اپنی جگہ قائم اور صحیح ہے اور موصوف کا جواب اس کے رد میں بالکل نا کافی اور نامتام ہے۔ (۱)

۳۔ بلکہ تبرید النواظر میں صحابہ سے تبدیلی پر حوالہ جات دینے کے بعد لکھا آپ غور فرمائیے اگر حضرات صحابہ کرام کا اور خصوصاً ان بزرگوں کا جن سے السَّلَامُ عَلَيْكَ کے الفاظ سے "التحيات" منقول ہے یہ عقیدہ ہوتا کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے اندر موجود اور حاضر ہیں تو ان کو ضمیر خطاب چھوڑنے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی تھی؟ بلکہ انہوں نے امت کی رہنمائی فرمائی کہ اگر امت "السَّلَامُ عَلَيْكَ" کو اس عقیدہ سے پڑھے کہ ہم بطور حکایت پڑھتے ہیں یا حکایت بطور دعائے ہے اور یہی صحیح ہے اور فرشتے ہمارے صلوة وسلام کو آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا دیتے ہیں تو پھر خطاب ہو جاتا ہے (۲)

اگر تبدیلی مان لیں

ہم نے تفصیل سے عرض کیا کہ اولاً تو تبدیلی ہوئی نہیں اگر ہوئی بھی تھی تو چند دنوں کے لیے بعض صحابہ نے کی اور اس تبدیلی کو تمام امت نے شاذ اور اجماع صحابہ و امت کے خلاف قرار دیتے ہوئے 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' پڑھنے کی تلقین کی جسے

(۱) تفریح الخاطر، ۳۳۳

(۲) تبرید النواظر، ۱۷۴

مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔

اگر تبدیلی مان لیں تو اس سے ہمارے موقف کو خوب تقویت ملتی ہے کہ یہ الفاظ بطور حکایت نہیں بلکہ بطور انشاء پڑھے جاتے ہیں اور اس صورت میں رسالت مآب ﷺ کا روحانی و علمی طور پر موجود ماننا ضروری ہے

اگر ان الفاظ سے اس بات کا ثبوت ہی نہیں ہوتا تو پھر بقول مولانا موصوف، صحابہ کو یہ خدشہ کیوں لاحق ہوا حالانکہ وہ بار بار کہہ رہے ہیں کہ صحابہ نے محسوس کیا کہ لوگ اس سے حاضر و ناظر مراد لیں گے لہذا انہوں نے تبدیلی کر دی پھر خود ہی کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے حاضر و ناظر پر استدلال ہی درست نہیں کیا یہ کھلا تضاد نہیں

رسول اللہ ﷺ نے یہ کیوں محسوس نہ کیا؟

اس مقام پر مخالفین پر اس کا جواب دینا نہایت ہی ضروری ہے کہ ایسا خدشہ خود رسول اللہ ﷺ نے کیوں محسوس نہ کیا۔ کیا آپ ﷺ اس معاملہ سے بے خبر تھے کیا اللہ تعالیٰ آپ کی اس پر اصلاح نہیں فرما سکتا، جب خود رسول اللہ ﷺ نے یہ کلمات سکھائے اور تا قیامت اللہ تعالیٰ نے ان کو جائز رکھا تو اب کسی دوسرے کو خدشات کیوں لاحق ہوں گے اور اگر کسی کو لاحق ہوں بھی تو ہوتے رہیں ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے پابند ہیں۔

پھر اس کا جواب کیا ہے؟

پھر اس کا جواب کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں تمام دور و دراز علاقوں میں صحابہ انہی کلمات سے سلام عرض کرتے تھے، دور والوں کو آپ نے منع کیوں نہ فرمایا حالانکہ اگر معاملہ ایسا ہوتا تو آپ پر منع کرنا لازم و فرض تھا۔

پھر نداء یا محمد ﷺ کا کیا بنے گا؟

پھر یہاں تو آپ کہہ دیں گے کہ معاملہ درود و سلام کا ہے چونکہ درود و سلام فرشتے پہنچا دیتے ہیں لہذا ایسے کلمات کے ساتھ درود و سلام جائز ہے لیکن جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے امت کو مصیبت و پریشانی کے

وقت بطور استغاثہ و شفاعت یہ کہنے کی تلقین فرمائی۔

يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي

(اے محمد ﷺ میں اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کے وسیلہ سے متوجہ ہوں)

وہاں تو درود و سلام کا تذکرہ تک نہیں،

تھانوی صاحب کا حوالہ

یہ بات شیخ اشرف علی تھانوی کی زبانی سن لیجئے، لکھتے ہیں

‘السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ’ یہ خطاب بوجہ اقتران بالسلام کے بواسطہ ملائکہ کے حضور ﷺ تک پہنچا دیا جاتا ہے اس لیے اس میں کوئی ندا کا احتمال نہیں بخلاف قصہ اعمیٰ کے کہ وہاں نہ کوئی دلیل بلاغ ہے اور واقع میں خود حضور ﷺ سامنے تشریف رکھتے تھے اور بعد میں اس وقت کے عوام خوش عقیدہ تھے اس کو حکایت پر محمول کر لیتے تھے بخلاف اس وقت کے اکثر عوام کے لیے فساد عقیدہ ان کا مشاہدہ ہے البتہ اگر کسی عامی کا عقیدہ یقیناً صحیح ہو اس کے لیے اب بھی منقول کا اتباع ہی اولیٰ ہے۔ (۱)

یہاں انہوں نے یہ باتیں کہی ہیں

۱۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ فِي السَّلَامِ ہے اور یہ فرشتوں کے ذریعے پہنچ جاتا ہے

۲۔ واقعہ یا محمد میں کوئی دلیل نہیں کہ یہ آپ تک پہنچ جاتا ہے

۳۔ وہاں خود رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے

۴۔ پہلے لوگ یا محمد کو بطور حکایت پڑھا کرتے تھے

یاد رہے ان کا یہ رسالہ (الوسیلہ) نشر الطیب کے بعد کا ہے کیونکہ انہوں نے اس

میں بعنوان تنبیہ لکھا

مسئلہ توسل کی ضروری تحقیق مع احادیث رسالہ نشر الطیب کی اڑتیسویں فصل میں

بھی قابل ملاحظہ ہے فقط (۲)

مولانا کا تضاد اور داؤ

اب نثر الطیب کی عبارت ملاحظہ کیجیے اور دیکھئے دونوں عبارات میں کس قدر تضاد ہے۔ حدیث حضرت عثمان بن حنیف 'يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ' کی صحت اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا واقعہ نقل کر کے فائدہ کے طور پر لکھتے ہیں

اس سے تو سل بعد الوفات بھی ثابت ہوا اور علاوہ ثبوت بالروایت کے درایتاً بھی ثابت ہے کیونکہ روایت اول کے ذیل میں جو تو سل کا حاصل بیان کیا گیا ہے وہ دونوں حالتوں میں مشترک ہے اور نداء کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جاوے دو وجہ سے ایک تو متبادر قصہ سے یہ ہے کہ مسجد نبوی میں جانے کو فرمایا ہے سو وہاں حضور قریب ہی تشریف رکھتے ہیں نداء غائب لازم نہیں آتی دوسرے سلف صالح خوش اعتقاد تھے نداء القصد تبلیغ ملائکہ ان کے حال سے ظاہر تھا بخلاف اس وقت کے عوام کے کہ عقیدہ میں غلو رکھتے ہیں اس لیے ان کو منع کیا جاتا ہے (۱)

یہاں انہوں نے یہ باتیں کہی ہیں۔

۱۔ ”یا محمد“ سے نداء غائب جائز نہیں

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے والے نے مسجد نبوی میں جا کر یا محمد کہا اور یہ نداء غائب نہیں

۳۔ سلف کا یا محمد کہنا جائز ہے کیونکہ وہ ملائکہ کا پہچانا مراد لیتے ہیں

غور کیجیے

پہلے خود ہی لکھا ہے

کہ 'يَا مُحَمَّدُ إِنِّي اتَّوَجَّهْتُ بِكَ' میں کوئی دلیل بلاغ موجود ہی نہیں کیونکہ یہ معاملہ درود و سلام کا نہیں

پھر لکھا

کہ پہلے لوگ اسے بطور حکایت و خبر ہی پڑھا کرتے تھے

یہاں ہے کہ وہ بمقصد تبلیغ ملائکہ پڑھا کرتے تھے۔

جب خود ہی لکھا کہ **يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ** میں دلیلِ بلاغ موجود ہی نہیں تو پھر سلف کے بارے میں ایسی بات کہنا کہاں کا انصاف ہے؟
پھر اس میں گڈ مڈ کر دی کہ اسلاف اسے بطور حکایت پڑھتے تھے یا بطور انشاء، کسی جگہ ایک بات لکھ دی اور کسی جگہ دوسری، مسلمان کہاں جائیں؟

مسجد نبوی ﷺ میں جانا

پھر یہ لکھنا کہ کوئی مسجد نبوی ﷺ میں جا کر ایسی دعا کرے تو وہاں یہ کلمات **يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ** پڑھنا جائز ہے لیکن دوسرے مقام پر جائز نہیں بلکہ شرک ہے تو اس تفریق پر کوئی شہادت ہے ہرگز نہیں پہلے ہم نے واضح کر دیا کہ تمام ائمہ امت نے ہر جگہ ان کلمات کے پڑھنے اور ان سے استفادہ کی تعلیم و تلقین کی ہے کسی سے بھی ایسی تفریق منقول نہیں، اگر مخالفین کے مطالعہ میں ایسی کوئی چیز ہے تو ضرور سامنے لائیں اور اگر نہیں ہے تو پھر امت سے دھوکہ نہ کیا جائے بلکہ اسے اپنے صحیح راستے پر ہی گامزن رہنے دیا جائے

تعلیم دینے والی کونسی ہستی ہے؟

اور یہ خیال ہمیں کیوں نہیں آتا کہ **السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ** اور **يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ** سکھانے والی کونسی ذاتِ اقدس ہے اگر اس میں کوئی شرک کا وہم و شبہ ہوتا تو وہ اسی وقت فرما دیتی کہ یہ میری ظاہری حیات میں بلکہ فقط میرے سامنے ہی ایسا کہنا جائز ہے جو آدمی مجھ سے دور ہو یا میرے وصال کے بعد پڑھے تو ایسے کلمات ہرگز نہ پڑھے۔

جب آپ ﷺ نے تا قیامت امت کو ان کلمات کی تعلیم و اجازت دی اور انہیں برکات و فیوض کا ذریعہ بنانے کا کہا تو اس کے بعد کسی کے قول کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی بلکہ ایسا کہنے والا گمراہ ہی ہو سکتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تصحیح کی

یہاں ایک عبارت کا ذکر کیے دیتے ہیں جو ان مخالفین کے خوشہ چینیوں کی ہے
 پروفیسر زاہد حسین مرزا، میرپوری، 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' پر لکھتا ہے
 ان تمام روایات میں یہ بات آئی ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد تمام
 صحابہ تشہد میں السلام علی النبی کہا کرتے تھے یہ تبدیلی اس لیے کی گئی کہ آئندہ آنے والی
 نسلیں کہیں یہ عقیدہ نہ اپنالیں کہ نبی اکرم ﷺ حاضر و ناظر ہیں لیکن آپ ﷺ کی
 زندگی میں پڑھا اور سکھا یا جانے والا تشہد عالم اسلام میں اس قدر پھیلا کہ صحابہ کرام کی
 طرف سے کی جانے والی تصحیح کے باوجود بدستور پڑھا جاتا رہا جس کا سلسلہ آج تک جاری
 ہے البتہ صحابہ کرام کی طرف سے جس خدشے کا اظہار کیا گیا تھا وہ بھی درست ہوا آج بھی
 تشہد کو آپ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے پر بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے (۱)

کیا یہ کہنا درست ہے کہ تمام صحابہ نے تبدیلی کر دی تھی؟

کیا رسول اللہ ﷺ کے مقرر الفاظ میں صحابہ تبدیلی کر سکتے ہیں؟

کیا صحابہ کی طرف تصحیح الفاظ رسول کی نسبت جائز ہے؟

جب یہ ساری کی ساری باتیں غلط اور لایعنی ہیں تو ہم کیوں نہیں کامل طور پر اللہ
 تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر اعتماد کرتے کہ انہوں نے جو کچھ ہمیں سکھا دیا ہے اسے
 اس کی روح کے ساتھ دل و جان کے ساتھ مان لیں اگر ان سے ثابت ہوتا ہے کہ
 رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سننے، دیکھنے اور جاننے کی قوت دی ہے تو ہمیں تسلیم
 کرنے میں کیا جھجک و پریشانی ہے؟

فصل:

مزید دو اہم باتیں

پیچھے آپ نے پڑھ لیا کہ شیخ اشرف علی تھانوی نے خود خلافتِ عثمانی کے دور کا واقعہ نقل کر کے توسل کے ثبوت پہ استدلال کیا کہ یہ روایت بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ سے توسل بعد از وصال بھی جائز ہے پھر یہ بھی مانا کہ اسلاف اس وظیفہ کو اس ارادہ سے پڑھا کرتے کہ ملائکہ آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پہنچا دیتے ہیں لیکن ایک مقام پر انہوں نے اس سے متضادات لکھتے ہوئے کہا کہ اس حکم میں عموم ہی نہیں بلکہ یہ اس صحابی سے ہی مخصوص ہے، آئیے وہ سوال و جواب کی صورت میں پڑھیے

سوال

قریب قریب اس کے وہ شبہ ہے جو تشہد میں وقتِ پڑھنے، فقرہ 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ اَلْحِ' اکثر اوقات دل میں پڑھا جاتا ہے، تفصیل اس کی یہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم (گروہ صحابہ) حالتِ حیات آنحضرت ﷺ میں بوقتِ تشہد "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" اَلْحِ کہا کرتے تھے اور جب سے آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا یوں کہنے لگے، السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ اَلْحِ تو اب یہ کلمہ تشہد میں کیوں بحال رکھا گیا، حالانکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اکثر فتاویٰ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کے پیروہوا کرتے تھے فقط،

الجواب:

یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا اور حضور ﷺ سے تعلیمِ تشہد کی بصیغہ خطاب بلا تخصیص منصوص ہے نص کے سامنے اجتہاد کو چھوڑ دیا جائے گا، بخلاف تعلیم اس دعا کے اعمیٰ کو کہ اس وقت میں وہ حاضر تھا اس دعا کے پڑھنے کو فرمایا تھا، تو تعلیم میں تعمیم ثابت نہیں، اور تشہد تو نماز میں پڑھنے کو سکھلایا گیا تھا اور آپ خود جانتے تھے کہ سب نمازی قریب نہیں ہوں گے اور جو قریب بھی ہیں وہ سماع نہ کریں گے فافترقا، (۱)

نہایت قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر یہ اس صحابی سے مخصوص تھا تو وہ اور ان کی اولاد لوگوں کو زندگی بھر اس دعا کی تعلیم کیوں دیتے رہے؟

حضرت عثمان اور ان کی اولاد کا لوگوں کو اس دعا کی تعلیم دینا

بعد از وصال نبوی اس دعا کی تعلیم صرف حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ہی نہیں دی بلکہ ان کی اولاد بھی لوگوں کو اس دعا کی تعلیم دیتی رہی اور یاد رہے کہ وہ صرف شہرِ مدینہ میں ہی نہیں رہے بلکہ وہ خلفاء راشدین کے دور میں عراق و بصرہ کے گورنر رہے۔ آئیے امام احمد خفاجی (ت، ۱۰۶۹) کی اس روایت پر گفتگو کا مطالعہ کرتے ہیں۔

(وَرَوَى النَّسَائِيُّ) وَالتِّرْمِذِيُّ وَالحَاكِمُ وَالبَيْهَقِيُّ
وَصَحَّحُوهُ (عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ) وَلَهُ صُحْبَةٌ وَرِوَايَةٌ
وَرَوَى عَنْهُ أَحْمَدُ وَأَصْحَابُ الشُّنَنِ وَهُوَ مِنَ الْأَشْرَافِ
وَلِي سَوَادِ الْعِرَاقِ وَالبَصْرَةَ وَعَاشَ إِلَى زَمَنِ مَعَاوِيَةَ
وَسُنُقِرُّ هَذَا الْحَدِيثُ قَرِيبًا إِلَّا أَنَّ البُرْهَانَ قَالَ
كَانَ يَنْبَغِي لِلْقَاضِي أَنْ يَذْكَرَ سَنَدَهُ لِيُعْلَمَ أَنَّهُ
صَحَابِيُّ لِئَلَّا يُتَوَهَّمَنَّ أَنَّ النَّسَائِيَّ سَمِعَ مِنْهُ وَمِثْلُهُ
سَهْلٌ (أَنَّ أَعْمَى) لَمْ يَذْكَرْ وَاسْمَهُ (قَالَ يَا رَسُولَ
اللَّهِ ﷺ أَدْعُ اللَّهَ أَنْ يَكْشِفَ عَنِّي بَصْرِي) الْمَعْنَى

أَنْ يَدْعُو لَهُ بِأَنْ يَصِحَّ بَصَرُهُ وَيَزِيلَ اللَّهُ عَنْهُ الْعَمَى
 فَعَبَّرَ عَنْهُ بِالْكَشْفِ وَهُوَ إِزَالَةُ الْغِطَاءِ فَأَمَّا أَنْ
 يَكُونَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةٌ وَجِلْدَةٌ رَقِيْقَةٌ طَلَبَ
 إِزَالَتَهَا أَوْ شَبَّهَ عَدَمَ الرُّؤْيَةِ بِجَبَابٍ حَائِلٍ بَيْنَهُ
 وَبَيْنَ الْمُبْصَرَاتِ وَالرُّؤْيَةَ بِإِزَالَتِهِ فَفِيهِ إِسْتِعَارَةٌ
 (فَقَالَ) لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَمْرًا لَهُ (إِنْ طَلَبْتَ) أَيُّ قُمْ
 فَجَلِسْكَ هَذَا (فَتَوَضَّأَ) أَمْرًا بِالْوُضُوءِ (ثُمَّ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ)
 نَافِلَةً وَتَسَبَّحَى صَلَاةَ الْحَاجَةِ وَمِنْهُ أَخَذَ أَنْ كُلَّ مَنْ
 هَبَّه أَمْرٌ يَنْبَغِي لَهُ وَيَسْتَحِبُّ أَنْ يُصَلِّيَ قَبْلَ الدُّعَاءِ
 تَقَرُّبًا إِلَى اللَّهِ (ثُمَّ قُلِ اللَّهُمَّ) أَيُّ يَا اللَّهُ وَالْكَلَامُ
 عَلَيْهَا مَشْهُورٌ ذَكَرْنَاهُ فِي غَيْرِ هَذَا الْمَحَلِّ (إِنِّي
 أَسْأَلُكَ) وَأَطْلُبُ مِنْكَ حَاجَتِي هَذِهِ (وَآتَوَجَّهُ
 إِلَيْكَ) أَصْلُ مَعْنَى التَّوَجُّهِ الْمُبْقَابِلَةَ بِالْوَجْهِ فَأَرِيدُ
 الْإِخْلَاصَ فِي الْقِصَّةِ لِلدُّعَاءِ وَالتَّوَسُّلِ (بِنَبِيِّكَ)
 وَفِي بَعْضِ النُّسخِ بِنَبِيِّي بِالْإِضَافَةِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ
 (مُحَمَّدُ نَبِيُّ الرَّحْمَةِ) بَدَلٌ مِنْ نَبِيِّكَ أَوْ عَطْفٌ بَيَانٍ
 وَقَدْ تَقَدَّمَ مَعْنَاهُ ثُمَّ التَّفَتُّ مِنْ خِطَابِهِ لِلَّهِ تَعَالَى
 إِلَى خِطَابِ نَبِيِّهِ ﷺ لِأَنَّهُ وَاسِطَةٌ فِي كُلِّ مَا يَصِلُ
 مِنَ الْإِحْسَانِ وَالْفَيْضِ الْإِلَهِيِّ (يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ
 بِكَ إِلَى رَبِّكَ) أَيُّ أَتَوَسَّلُ بِكَ فِيمَا طَلَبْتُهُ مِنَ اللَّهِ
 وَهُوَ (أَنْ يَكْشِفَ عَنِّي بَصَرِي) جِجَابُهُ الْمَانِعُ لَهُ عَنِ
 الرُّؤْيَةِ وَفِيهِ مُقَدَّرٌ أَيُّ فِدَعًا فَأَبْصَرَ وَهَذَا الْحَدِيثُ
 مُسْنَدٌ صَحِيحٌ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ وَغَيْرُهُمَا
 (اس حدیث کو امام نسائی، ترمذی و حاکم اور بیہقی نے نقل کر کے صحیح کہا کہ

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ جو صحابی اور راوی احادیث ہیں اُن سے امام احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور یہ اشراف میں سے ہیں یہ عراق اور بصرہ کے گورنر رہے حضرت معاویہ کے دور تک زندہ رہے اس حدیث کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے البتہ امام برہان حلبی نے لکھا قاضی عیاض کے لئے یہ مناسب تھا کہ وہ اس کی سند ذکر کر دیتے تاکہ ان کا صحابی ہونا واضح ہو جاتا اور یہ وہم نہ ہوتا کہ امام نسائی نے براہ راست اُن سے حدیث لی ہے اسی کی مثل حضرت سہل کا معاملہ ہے (ایک نابینا نے) ان کا نام محدثین نے ذکر نہیں کیا (عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ میری بینائی لوٹا دے) معنی یہ ہے کہ میرے لئے صحت بینائی کی دعا کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے نابینا پن دور کر دے لفظ کشف سے مراد آنکھوں سے پردہ کا ازالہ ہے ان کی آنکھوں پر باریک جھلی آگئی تھی اس کے ازالہ کا مطالبہ کیا یا ایسا پردہ حائل تھا کہ دیکھنا ناممکن تھا تو اس کے ازالہ کی طلب کی، رسول اللہ نے اسے حکم دیا اٹھو اور جاؤ وضو کرو پھر دو رکعتیں نوافل ادا کرو، اسے نماز حاجت کہا جاتا ہے، اس میں یہ تعلیم ہے کہ جسے مشکل پیش آئے وہ یہ نماز ادا کرے اور دعا سے پہلے نماز ادا کرنا مستحب ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو (پھر یہ دعا کرواے اللہ) اللھم پرگفتگو معروف ہے اور کئی مقامات پر ہم نے اس پر تفصیلاً لکھا ہے (میں آپ سے مانگتا ہوں) یعنی میں آپ سے اپنی حاجت مانگتا ہوں توجہ کا اصل معنی چہرہ سامنے کرنا ہے یہاں مراد دعا و توسل ہے (تیرے نبی کے ساتھ) بعض نسخوں میں یا متکلم کے ساتھ بنی ہے (محمد نبی رحمت) یہ نیک سے بدل یا عطف بیان ہے اور اس کا معنی گزر چکا ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کے بعد اس کے نبی کی طرف متوجہ ہوئے جو ہر احسان اور فیض الہی کا واسطہ و وسیلہ ہیں (یا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتُوْجِّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ) یعنی میں آپ کے وسیلہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہوں کہ (وہ میری بینائی کھول دے) یعنی دیکھنے سے پردہ کو دور فرما دے تو انہوں

نے جب یہ دعا کی تو ان کی بینائی لوٹ آئی یہ حدیث صحیح ہے اسے امام
ترمذی، حاکم اور دیگر محدثین نے روایت کیا)

اس کے بعد لکھتے ہیں

وَكَانَ ابْنُ حُنَيْفٍ وَبَنُوهُ يُعَلِّمُونَهُ النَّاسَ وَقَدْ حُكِيَ
فِيهِ حَكَايَاتٌ فِيهَا إِجَابَةٌ دُعَاءٍ مِّنْ دَعَائِهِ مِنْ غَيْرِ
تَأْخُرٍ وَقَدْ أَخْرَجَهُ الْبُرْهَانُ الْحَلَبِيُّ مِنْ طَرُقِ
مُتَعَدِّدَةٍ فَلَمْ يَبْقَ فِيهِ شُبُهَةٌ فَاحْفَظْهُ (اللَّهُمَّ
شَفِّعْهُ) أَيْ أَقْبِلْ شَفَاعَتَهُ (فِي) وَهُوَ يَخْتَبِلُ أَنْ
يُرِيدَ شَفَاعَتَهُ سُبْحَانَهُ فِيهِ فِي الدُّنْيَا بِرَدِّ بَصَرِهِ أَوْ
شَفَاعَتَهُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ أَوْ مَا يَشْبَهُهَا وَهَذَا أَوْلَى
وَمِنْهُ عِلْمٌ اسْتِحْبَابِ الدُّعَاءِ عَقَبَ الصَّلَاةِ (۱)

(حضرت ابن حنیف اور ان کی اولاد لوگوں کو اس دعا کی تعلیم دیا کرتے
اور اس میں بہت سے واقعات و حکایات منقول ہیں کہ لوگوں نے یہ دعا
کی تو فی الفور ان کی دعا قبول ہوئی اسے امام برہان حلبی نے متعدد اسناد
سے نقل کیا تو کوئی شبہ باقی نہیں رہا (اے اللہ ان کی شفاعت قبول فرما)
یعنی ان کی شفاعت قبول فرما (میرے حق میں) اس میں احتمال ہے کہ دنیا
میں شفاعت بصورت بصارت لوٹانے کا معاملہ ہے یا اخروی شفاعت
مراد ہے یا یہ دونوں شفاعتوں کو شامل ہے اور یہی اولیٰ ہے اس سے نماز
کے بعد دعا کا مستحب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے)

یہی بات شیخ احمد زینی دحلان (ت،) نے تحریر کی ہے

وَكَانَ عُمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ وَبَنُوهُ يُعَلِّمُونَهُ لِلنَّاسِ
فَيَدْعُونَ بِهِ عِنْدَ تَعَشِيرِ قِضَاءِ الْحَاجَاتِ فَتُقْضَى
وَقَدْ أَخْرَجَهُ الْبُرْهَانُ الْحَلَبِيُّ مِنْ طَرُقِ مُتَعَدِّدَةٍ
قَالَ الشَّهَابُ الْخَفَاجِيُّ فِي شَرْحِ الشِّفَاءِ فَلَمْ يَبْقَ

فِيهِ شُبُهَةٌ فَأَحْفَظُهُ (۱)

(حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد لوگوں کو یہ دعا سکھاتے اور وہ اپنی مشکلات میں اسے پڑھتے تو ان کی حاجات پوری ہو جاتیں، امام برہان حلبی نے اسے متعدد اسناد سے ذکر کیا امام شہاب خفاجی شرح شفاء میں کہتے ہیں اس کے بعد اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا پس اس دعا کو یاد کرو)

صحابی رضی اللہ عنہ کے حالات

اس حدیث کے راوی صحابی رسول ﷺ کے حالات زندگی کے بارے میں ہے کہ ان کا نام و نسب یوں ہے عثمان بن حنیف (تصغیر کے ساتھ) بن واہب بن حکیم بن ثعلبہ بن حارث بن مجدعة بن عمرو بن جیش بن عوف بن عمرو بن عوف من مالک بن اوس انصاری اوسی، ان کی کنیت ابو عمرو اور بعض نے کہا کہ ابو عبد اللہ ہے امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ وہ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے لیکن یہ بیان کرنے میں وہ تنہا ہیں البتہ جمہور کے نزدیک وہ پہلی لڑائی احد میں شریک ہوئے ہاں ان کے بھائی سہل بن حنیف بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے اس میں کسی کا اختلاف نہیں، امام عسکری کہتے ہیں کہ عثمان احد اور بعد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ ان کے بھتیجے حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، عمارہ بن خزیمہ بن ثابت، نوفل بن مساحق اور ہانی بن معاویہ الصرغی نے ان سے روایت کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو زمین کی پیمائش اور لوگوں پر جزیہ اور خراج لگانے کے لیے عراق کا والی بنا کر بھیجا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو بصرہ کا گورنر بنایا پھر جب حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما بصرہ آئے تو انہوں نے ان کو واپس کر دیا، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور واقعہ جمل رونما ہوا۔

امام ابن عبد البر کہتے ہیں کہ علماء نے آثار و اخبار میں ذکر کیا ہے کہ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ سرزمین عراق کی طرف کسے بھیجا جائے تو تمام نے اجماعاً کہا کہ حضرت عثمان بن حنیف کو بھیجا جائے اور کہا کہ اگر آپ اس سے بھی اہم کام پر بھیجیں تو وہ صاحب نظر، صاحب عقل، صاحب معرفت و تجربہ ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جلدی سے ان کو عراق کی زمین ماپنے کے لیے عراق کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہوں نے زمین کے ہر جریب پر جسے پانی پہنچتا ہو خواہ وہ آباد ہو یا غیر آباد ایک درہم اور ایک بوری گندم کی مقرر کی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک سال پہلے سرزمین کوفہ کا ٹیکس ایک کڑور سے زیادہ تک پہنچ چکا تھا اور جب حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کا لشکر بصرہ پہنچا تو اس سے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے فضل میں اور اضافہ ہوا الخ حضرت معاویہ کی خلافت کے زمانہ میں کوفہ میں ان کی وفات ہوئی۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (۱)

ان کے حالات سے آگاہی کے بعد کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس دعا کے پڑھنے والے پر وہ یہ پابندی لگاتے تھے کہ وہ مسجد نبوی اور رسول اللہ ﷺ کے قریب جا کر یہ دعا کرے، وہ تو بصرہ و عراق میں اس دعا کی تعلیم دیتے رہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات کے ہر گوشہ میں یہ دعا پڑھی جاسکتی ہے جیسے ہر نماز میں رسول اللہ ﷺ کو ہر جگہ مخاطب کر کے سلام عرض کرتا ہے اسی طرح وہ اپنے آقا ﷺ کو ہر جگہ فریادری کے لیے پکار بھی سکتا ہے اور اسے مسجد نبوی تک مخصوص کرنا سراسر زیادتی اور من مانی ہے۔

پانچواں باب:

رسول اللہ کا اُمت کو ایک اور تحفہ

يَا عِبَادَ اللَّهِ اَعِينُونِي

(اے اللہ کے بندو میری مدد کرو)

قرآن و سنت نے یہاں ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگو خود ساختہ بتوں سے مت مانگو، وہاں اس نے ہمیں اس تعلیم سے بھی بہرہ ور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے بھی مدد مانگ سکتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی کرم نوازیوں سے مالا مال کیا ہوتا ہے یہ اس کی صفات کا مظہر ہوتے ہیں ان کی توانیاں دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہوتیں بلکہ ان کی توانیوں اور طاقتوں میں تصرف خود باری تعالیٰ فرماتا ہے زبان ان کی ہوتی ہے مگر اس پر بولتا خدا ہے ان کے ہاتھوں کو وہ اپنا ہاتھ قرار دیتا ہے جس کی تفصیل پچھلی فصل میں آچکی ہے

تو انہیں خود ساختہ بتوں پر قیاس مت کرو یہ جب درجہ اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں کہ ان کی زبان و حرکت تقدیر الہی بن جاتی ہے

اللہ کے بندوں میری مدد کرو

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اُمت کو یہ تعلیم دی کہ دوران سفر سواری گم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے بندوں سے مدد مانگ لیا کریں

۱۔ امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ سَوَى الْحَفَظَةِ يَكْتُبُونَ
مَا يَسْقُطُ مِنَ وَرَقِ الشَّجَرِ فَإِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمْ عَرَجَةٌ
فِي رَجْلِهِ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ اَعِينُونِي عِبَادَ اللَّهِ (۱)

(زمین پر اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھتے ہیں جب تم میں سے کسی کو جنگل و بیابان میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ یوں ندا کر کے مدد مانگے کہ اے اللہ کے نیک بندو! میری مدد کرو)

امام نورالدین علی ہنتمی (ت، ۸۰۷) اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں

رَوَاهُ الْبَزَّازُ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ (۱)

(اسے امام بزار نے روایت کیا اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)

عظیم محدث شیخ عبداللہ غماری (ت، ۱۴۱۳) نے یہ الفاظ لکھے ہیں

إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ (۲)

(اس کی سند جید و عمدہ ہے)

۲۔ حافظ ابن السنی ابوبکر احمد بن محمد (ت، ۳۶۴) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ

عنه سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

إِذَا انْفَلَتْ دَابَّةٌ أَحَدِكُمْ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيَنَادِ

يَا عِبَادَ اللَّهِ احْبِسُوهُ فَإِنَّ لِلَّهِ عَزَّوَجَلَّ فِي الْأَرْضِ

حَاصِرًا يَسْتَحْبِسُهُ (۳)

(جب تم میں سے کسی کی سواری بیابان میں بھاگ جائے تو وہ یوں

پکارے اے اللہ کے بندوں اسے روک لو کیونکہ زمین پر روکنے والے اللہ

تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں)

امام نورالدین ہنتمی (ت، ۸۰۷) اس کے تحت لکھتے ہیں

اسے امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی نے نقل کیا ہے اس کے راویوں میں سے ”معروف بن

حسان“ ضعیف راوی ہیں (۴)

۳۔ امام طبرانی (ت، ۳۶۰) نے حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ

(۱) مجمع الزوائد، ۴-۱۷۱

(۲) الرد المحتکم، ۱۳

(۳) عمل الیوم واللیلۃ، ۱۶۲

(۴) مجمع الزوائد، ۱-۱۸۸

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ
لَيْسَ بِهَا أَنْيْسٌ فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ اللَّهِ اغِيثُونِي يَا عِبَادَ
اللَّهِ اغِيثُونِي فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا تَرَاهُمْ

(جب تم میں سے کوئی کسی چیز کو گم کر دے یا مدد چاہے حالانکہ وہ ایسی جگہ
ہو جہاں کوئی مددگار نہ ہو تو وہ یوں تین دفعہ پکارے، اے اللہ کے بندو!
میری مدد کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں ہم نہیں
دیکھ سکتے)

امام بیہقی نے اس پر یہ نوٹ دیا ہے کہ

رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَرِجَالُهُ وَثِقُوا عَلَى ضَعْفٍ فِي بَعْضِهِمْ
إِلَّا أَنَّ زَيْدَ بْنَ عَلِيٍّ لَمْ يُدْرِكْ عُتْبَةَ (۱)

(اسے امام طبرانی نے روایت کیا اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیتے ہوئے
بعض کو ضعیف کہا ہے مگر زید بن علی کی عتبہ سے ملاقات ثابت نہیں)

۴۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ (ت، ۲۳۵) نے حضرت ابن عباس رضی
اللہ عنہما سے نقل کیا

إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً فَضَلًا سِنَوِي الْحَفْظَةِ يَكْتُبُونَ مَا سَقَطَ
مِنْ وَرَقِ الشَّجَرِ فَإِذَا أَصَابَتْ أَحَدَكُمْ عُرْجَةٌ فِي
سَفَرٍ فَلْيُنَادِ أَعِينُونِي عِبَادَ اللَّهِ رَحِمَكُمُ اللَّهُ (۲)

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ کچھ فرشتوں کو
مقرر فرمایا جو درختوں کے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں جب تم میں
سے کسی شخص کو سفر میں پریشانی بنے تو وہ یوں پکارے اے اللہ کے بندو!
میری مدد کرو تم پر اللہ رحم فرمائے)

(۱) مجمع الزوائد، ۱۰، ۱۸۸

(۲) المصنف، حدیث: ۳۰۳۳۹

عباد اللہ سے کون مراد ہیں؟

اوپر آپ نے دیکھا کہ بعض روایات میں ملائکہ کا ذکر ہے اور بعض میں عباد اللہ کے الفاظ ہیں اس لیے اہل علم نے تصریح کی ہے کہ یہاں ملائکہ، مسلمان جنات اور رجال غیب، ابدال و اولیاء مراد ہیں

۱۔ حضرت ملا علی قاری (ت، ۱۰۱۴) یَا عِبَادَ اللَّهِ کے تحت لکھتے ہیں
 الْمُرَادُ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْجِنِّ أَوْ
 رِجَالِ الْغَيْبِ الْمُسْتَوُونَ بِالْأَبْدَالِ (۱)
 (عباد سے مراد فرشتے یا جنات مسلمان یا اس سے رجال غیب مراد ہیں جنہیں ابدال کہا جاتا ہے)

یاد رہے ایسے مواقع پر لفظ 'او' شک کے لئے نہیں ہوتا بلکہ وہ یہ بتاتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک ضرور ہے یعنی منع خلو کے لئے ہے

۲۔ شیخ محمد علی شوکانی (ت، ۱۱۲۵) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے تحت لکھا

قَالَ فِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ وَ فِي الْحَدِيثِ
 دَلِيلٌ عَلَى جَوَازِ الْإِسْتِغَاثَةِ بِمَنْ لَا يَرَاهُمْ الْإِنْسَانُ
 مِنْ عِبَادِ اللَّهِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَصَالِحِ الْجِنِّ وَ لَيْسَ
 فِي ذَلِكَ بَأْسٌ (۲)

(مجمع الزوائد میں ہے کہ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں اور اس حدیث سے ایسے لوگوں سے مدد مانگنا جائز بتایا جنہیں انسان دیکھ نہیں پاتا مثلاً اللہ کے بندے، فرشتے، نیک جن اور اس مدد مانگنے میں کوئی حرج نہیں)

۳۔ نواب قطب الدین خان دہلوی (ت،) نے فائدہ حدیث میں لکھا
 ان الفاظ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے کوئی خاص انسان، رجال غیب یعنی

(۱) الحرز اثمین شرح حصن الحصین، ۳۲۲

(۲) تحفۃ الذاکرین، ۱۵۵

ابدال یا ملائکہ یا پھر نیک جنات ہیں (۱)

روایات مبارکہ اور ائمہ امت کا معمول

ان تمام آیات مبارکہ میں امت کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مشکلات میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو پکارتے ہوئے مدد مانگو تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے تمہاری مشکلات کا ازالہ فرمائے اس لیے تمام ائمہ امت نے بیان کیا کہ ہم نے اس تعلیم پر عمل کیا تو ہماری مشکلات حل ہو گئیں۔

چند کی تصریحات ملاحظہ کر لیجیے

۱۔ امام سلیمان بن احمد طبرانی (ت، ۳۲۰) حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کر کے لکھتے ہیں

وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ (۲)

(اور یہ بات نہایت ہی مجرب ہے)

امام طبرانی کے ان الفاظ کے تحت مولانا عاشق الہی دیوبندی نے کہا کہ اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب کبھی خیرانی کے موقعہ پر کسی نے اس طرح کی آواز لگائی تو اللہ کا کوئی بندہ ضرور ظاہر ہو گیا (۳)

۲۔ عظیم محدث امام محی الدین نووی (ت، ۶۷۶) انہی روایات کے تحت فرماتے ہیں

حُكِيَ لِي لِبَعْضِ شُيُوخِنَا الْكِبَارِ فِي الْعِلْمِ أَنَّهُ
انْفَلَتَتْ لَهُ دَابَّةٌ أَظْنَهَا بَغْلَةٌ وَ كَانَ يَعْرِفُ
هَذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ رَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ فِي الْحَالِ

(مجھے نامور اور علمی شخصیت استاذ گرامی نے بتایا کہ ان کی سواری خچر گم ہو گئی اور انہیں یہ حدیث یاد تھی تو میں نے جب پکارا تو اسی وقت میری سواری اللہ تعالیٰ نے واپس فرمادی)

(۱) نظیر جلیل شرح حصن، ۱۳۹ مطبوعہ لاہور

(۲) المعجم الکبیر، ۱۷، ۱۱۸

(۳) شرح حصن حصین، ۳۳۵

اس کے بعد اپنا واقعہ لکھتے ہیں

وَ كُنْتُ أَنَا مَرَّةً مَعَ جَمَاعَةٍ فَأَنْفَلْتُ مِنْهَا بَهِيمَةً
وَعَجَزُوا عَنْهَا - - فَقُلْتُهُ فَرَقَفْتُ فِي الْحَالِ بِغَيْرِ
سَبَبٍ سَوَى هَذَا الْكَلَامِ (۱)

(خود میں ایک دفعہ جماعت کے ساتھ سفر کر رہا تھا کہ ہمارا جانور گم ہو گیا اور قافلہ والے تلاش کر کے تھک گئے تو میں نے اللہ کے بندوں سے مدد چاہی تو فی الفور جانور مل گیا اور اس کے ملنے کا سبب فقط یہی وظیفہ عمل تھا)

شیخ عبداللہ غماری (ت، ۱۰۱۴) نے لکھا امام نووی نے شرح المہذب میں اپنے مذکور شیخ کا نام امام ابو محمد بن ابی الیسر تحریر کیا ہے (۲)

۳۔ حضرت ملا علی قاری (ت، ۴۱۰۱) مشائخ کے حوالہ سے لکھتے ہیں

قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ الثِّقَاتِ هَذَا الْحَدِيثُ حَسَنٌ
يَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْمُسَافِرُونَ وَرَوَى عَنِ الْمَشَائِخِ أَنَّهُ
مُجَرَّبٌ قَرَنَ بِهِ النَّجْحُ ذَكَرَهُ مِيرَاكُ (۳)

(بعض ثقہ اہل علم فرماتے ہیں یہ روایت حسن ہے اہل سفر اس کے محتاج ہوتے ہیں بزرگوں سے منقول ہے کہ اس کا تجربہ بھی ہوا ہے کہ اس سے کامیابی ملی اسے محدث میرک نے ذکر کیا)

ان احادیث کی تشریح کرتے ہوئے نواب قطب الدین دہلوی (ت) نے لکھا میرک شاہ نے بعض علماء ثقات سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور محتاج ہیں طرف اس کے تمام مسافر اور مشائخ سے روایت کی گئی ہے کہ یہ مجرب ہے اس مقدمہ میں اور نزدیک ہے ساتھ اس کے فتح مقصود پر کذا ذکر الفخر والعلی (۴)

(۱) الاذکار، ۲۵۷

(۲) الرد المحتکم المتین، ۴۲

(۳) المحرز الثمین، ۳۲۲

(۴) ظفر جلیل شرح حصن حصین، ۲۰۲ مطبوعہ ۱۲۵۴

عبارت کیوں بدل دی؟

یاد رہے نواب صاحب کی مذکورہ عبارت ہمارے نسخوں میں نہیں ہے بلکہ اسے بعد کے لوگوں نے بدل دیا ہے جو کسی مسلمان کو زیب ہی نہیں دیتا اگر مصنف سے کسی بات سے اختلاف ہے تو حاشیہ میں اس کے خلاف نوٹ مع دلیل دیا جاسکتا ہے لیکن اس کی عبارت کو ہی بدل دینا سوائے خیانت کے کچھ نہیں ہم نے یہ عبارت صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (ت، ۱۳۶۷) کی کتاب ”اطیب البیان“ سے لی ہے اگلی کہانی ان کی زبان سے ہی پڑھ لیجیے، لکھتے ہیں

ظفر جلیل کی یہ عبارت میں نے اس قدیم اصلی نسخہ سے لی ہے جس کو قطب الدین خان صاحب مصنف نے سن ۱۲۵۴ میں عبدالغفور شاہ جہاں آبادی کے مطبع میں چھپوایا ہے، وہابیہ کی خیانت اور شرمناک چالاکی اور قابل مذمت فریب یہ ہے کہ اس کے بعد کے نسخوں میں سے انہوں نے میرک شاہ کی عبارت بالکل اڑا دی ہے جس میں حدیث کو حسن بتایا ہے اور اس پر مشائخ کا تجربہ نقل کیا تھا اور بجائے اس کے ایک جعلی عبارت جس کا اصل کتاب میں نام و نشان نہیں اپنی طرف سے بڑھادی اس میں اس حدیث کو ضعیف بھی کہا اور یہ بھی کہا کہ عباد اللہ سے ملائکہ مراد ہیں۔

خدا نے عقل مار دی

اور نادانوں کو یہ نہ سوجھا کہ ابھی چند سطر اوپر اسی ظفر جلیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ مراد بندوں، سے رجال الغیب ہیں یعنی ابدال، ملائکہ یا مسلمان جنات پھر چار سطر بعد اس کے خلاف کیسے لکھ دیں قطع و برید کی بات ہی تھی تو اس عبارت کو بھی نکال دیا ہوتا مگر خدا نے عقل مار دی اور جھوٹے کا پردہ فاش کرنے کے لیے یہ عبارت رہ گئی (۱)

اصل عبارت کی تائید اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ نواب صاحب نے ملا علی قاری کی عبارت کا ترجمہ کیا تھا اور اس میں واضح طور پر دونوں چیزیں موجود ہیں کہ میرک شاہ نے نقل کیا ہے اور علماء ثقات کے ہاں یہ حدیث حسن ہے (۲)

۴۔ نواب صدیق حسن بھوپالی (ت، ۱۳۷۰) کا عمل و تجربہ

نواب صدیق حسن بھوپالی (ت، ۱۳۷۰) نے خود اپنا تجربہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے میں ایک مرتبہ ہندوستان کے شہر مرزا پور سے جبل پور کی طرف سفر کر رہا تھا

فَوْقَ الْمَرْكَبِ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ فِي الْجَدْوْلِ وَالْجَدْوَلُ
فِي طُغْيَانٍ وَكِدْتُ أَغْرَقُ مَعَ الْمَرْكَبِ
(میری سواری ندی میں گر گئی حالانکہ اس وقت ندی میں طغیانی تھی قریب
تھا کہ میں سواری سمیت غرق ہو جاتا)

مجھے یہ حدیث یاد تھی میں نے اس کے مطابق 'يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي' کہا

فَوْقَ الْمَرْكَبِ فِي الْحَالِ عَلَى هَجَازَةٍ عَظِيمَةٍ كَانَتْ فِي
ذَلِكَ الْجَدْوَلِ بَعْدَ انْسَالٍ عَلَى مَوْجِ الْمَاءِ وَنَجَوْتُ
مِنَ الْغَرَقِ وَبِاللَّهِ الْحَمْدُ (۱)

(تو میری سواری اسی وقت چٹان پر رک گئی جو پانی کی موجوں میں بہہ کر
آئی تھی اور میں غرق ہونے سے بچ گیا اللہ ہی کے لیے حمد ہے)

حاجی امداد اللہ مہاجر کی کا عمل

حاجی امداد اللہ مہاجر کی (ت، ۱۳۱۷) کے بارے میں شیخ اشرف علی تھانوی
(ت، ۱۳۶۲) رقمطراز ہیں

ایک بار مجھے ایک مشکل پیش تھی اور حل نہ ہوتی تھی میں نے حطیم میں کھڑے
ہو کر کہا کہ تم لوگ تین سو ساٹھ یا کم زیادہ اولیاء اللہ یہاں رہتے ہو اور تم سے کسی غریب
کی مشکل حل نہیں ہوتی تو پھر تم کس مرض کی دوا ہو یہ کہہ کر پھر میں نے نماز نفل شروع کر
دی میرے نماز شروع کرتے ہی ایک آدمی کالا سا آیا اور وہ بھی پاس ہی نماز میں مصروف
ہو گیا اس کے آنے سے میری مشکل حل ہو گئی جب میں نے نماز ختم کی وہ بھی سلام پھیر
کر چلا گیا (۲)

(۱) نزل الابرار، ۳۳۵

(۲) امداد المشتاق، ۱۲۷

مرید کی مدد

تھانوی صاحب نے حاجی صاحب کا یہ ملفوظ بھی نقل کیا ہے
خدا جانے لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں اور میں کیا ہوں محبوب علی نقاش نے آکر بیان
کیا کہ ہمارا اگبوٹ تباہی میں تھا میں مراقب ہو کر آپ (حاجی صاحب) سے ملتجی ہوا آپ
نے مجھے تسکین دی اور اگبوٹ کو تباہی سے نکال دیا (۱)

اپنے اپنے بزرگوں کو پکارتے رہے

آج تو جہالت اور مطالعہ کی کمی لے ڈوبی ہے ورنہ اگر اپنے اپنے اکابر کی سوانح
کا مطالعہ ہی کر لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ سارے ہی اپنے اپنے بزرگوں کے نام لے کر
انہیں مدد کے لیے پکارتے رہے ہیں، چند کا عمل ملاحظہ کر لیجیے

۱۔ نواب وحید الزماں حیدر آبادی (ت ۱۳۳۸) نے نواب صدیق حسن بھوپالی
کے حوالہ سے لکھا

قَالَ السَّيِّدُ فِي بَعْضِ تَوَالِيْفِهِ قَبْلَهُ دَيْنٌ مَدَدِنِي
كَعْبِهِ اِيْمَانٌ مَدَدِنِي اِبْنُ قِيَمٍ مَدَدِنِي قَاضِي
شَوْكَانٌ مَدَدِنِي (۲)

(سید صدیق حسن خاں نے اپنی بعض کتب میں یوں مدد مانگی ہے دین
کے قبلہ مدد کرو، ایمان کے کعبہ مدد کرو ابن قیم مدد کرو قاضی شوکانی مدد کرو)
یہی عبارت مولوی حسین علی (ت) نے نقل کر کے لکھا

چنانچہ درہندی گویند شمالا مدد ہووے پیر جیلانی (۳)

جیسے پنجابی زبان میں لوگ کہتے ہیں شمالا مدد ہووے پیر جیلانی

۲۔ مولانا محمود الحسن دیوبندی (ت: ۱۳۳۹) اپنے بزرگ رشید احمد گنگوہی کی وفات
کے بعد ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کا اعلان ان الفاظ میں کرتے ہیں

(۱) امداد المشتاق، ۱۳۰۰

(۲) ہدیۃ المہدی، ۲۳

(۳) بلغۃ النحیر ان ۳۶۳

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
 گیا وہ قبلہ حاجات روحانی و جسمانی
 مولوی ذولفقار علی دیوبندی اپنے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر کی بارگاہ میں یوں
 فریاد و التجا کرتے ہیں

يَا مُرْشِدِي يَا مُوَلَّائِي يَا مُفْزِعِي
 يَا مَلْجَأِي فِي مَبْدِئِي وَ مَعَادِي
 يَا سَيِّدِي بِاللهِ شَيْئًا اللهُ أَنَّهُ
 أَنْتُمْ لِي الْمَجْدُ أَنِّي جَارِي

(اے میرے مرشد، میری پناہ گاہ، پریشانیوں میں میرے سہارا،
 دنیا آخرت میں میری پناہ گاہ اے میرے آقا خدا کے لیے کچھ عطا کر دو
 آپ سخی ہو اور میں منگتا و سائل ہوں) (۱)

فصل:

روایت پر اعتراضات کا جواب

اس حدیث کے بارے میں محدث کبیر شیخ محمود ممدوح نے اپنی کتاب رفع المنارہ میں جو گفتگو کی ہے جس کا ترجمہ مولانا محمد اکرام اللہ زاہد نے کیا ہم اسے نقل کیے دیتے ہیں۔

إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضِ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ
يَا عِبَادَ اللَّهِ احْبِسُوا عَلَيَّ فَإِنَّ لِلَّهِ فِي الْأَرْضِ حَاضِرًا
سَيَحْبِسُهُ عَلَيْكُمْ

(جب تم میں سے کسی کا جانور جنگل میں گم ہو جائے تو وہ یوں پکارے
يَا عِبَادَ اللَّهِ احْبِسُوا عَلَيَّ (اے اللہ کے بندو! مجھے وہ لوٹا دو) تو یقیناً
زمین میں اللہ کا بندہ موجود ہوتا ہے جو جلد ہی تمہیں لوٹا دے گا۔)

بیان سند

طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۰، ۲۶۷) میں کہا

ہم سے ابراہیم بن نائلۃ الاصبھانی ہم سے حسن بن عمر بن شقیق نے ہم سے
معروف بن حسان السمرقندی نے، سعید بن ابی عروبہ سے، قتادہ سے عبداللہ بن بریدہ
سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

”إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ - - الخ“

اس کو ابو یعلیٰ نے المسند: ۹، ۱۷۷ میں، اور ابن السنی نے (عمل الیوم واللیلۃ،

۱۶۲) میں اسی طریق سے روایت کیا اور پیشی نے (مجمع الزوائد، ۱۰، ۱۳۲) میں اس

حدیث کو ابو یعلیٰ اور طبرانی کی طرف منسوب کرنے کے بعد کہا: ”سند میں ابن بریدہ اور

ابن مسعود کے درمیان انقطاع ہے“
اس کے ساتھ حدیث کے کئی اور طرق ہیں جو حدیث کو تقویت دیتے ہیں اور
اس کو ضعف سے ایسے درجہ حسن کی طرف منتقل کرتے ہیں جو مقبول اور معمول بہ ہے۔
۱۔ طبرانی نے (المعجم الکبیر ۱، ۱۱۷) میں ابن عبدالرحمن بن شریک کے طریق
سے نقل کرتے ہوئے کہا:

حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَيْسَى عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ
عَنْ عُتْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ عَنْ نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا
أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا، وَهُوَ بِأَرْضٍ
لَيْسَ بِهَا أَنْيْسٌ فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي
أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا تَرَاهُمْ وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ
(مجھ سے میرے باپ نے عبداللہ بن عیسیٰ سے ان سے زید بن علی نے
ان سے عتبہ بن غزوان نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم
میں سے کوئی آدمی کوئی چیز گم کر بیٹھے یا مدد لینے کا ارادہ کرے جب کہ وہ
ایسی جگہ پر ہے جہاں اس کا کوئی غم خوار نہیں تو یوں کہے ”يَا عِبَادَ اللَّهِ
أَعِينُونِي أَغِيثُونِي“ اے اللہ کے بندوں مدد کرو اور میری فریاد سنو
یقیناً اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے اور یہ عمل مجرب ہے)

میں کہتا ہوں اس کی سند میں ضعف اور انقطاع ہے، حافظ پیشمی نے (۱) کہا، اس کو
طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال کی توثیق کی مگر بعض میں ضعف ہے اس کے علاوہ
زید بن علی نے عتبہ کو بھی نہیں پایا

حافظ ابن حجر نے اس کے اعلال میں فقط انقطاع پر اکتفاء کیا اور تخریج الاذکار
میں کہا، اس کو طبرانی نے منقطع سند کے ساتھ عتبہ بن غزوان سے مرفوع نقل کیا

۲۔ ابن ابی شیبہ نے (مصنف ۱۰، ۴۲۴: ۴۲۵) میں نقل کیا ہم سے یزید بن ہارون
نے بیان کیا کہ ہمیں محمد بن اسحاق نے ابان بن صالح سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

إِذَا نَفَرَتْ دَابَّةٌ أَحَدِكُمْ أَوْ بَعِيرُهُ بِفَلَاةٍ مِّنَ
الْأَرْضِ لَا يَزِي بِهَا أَحَدًا فَلْيَقُلْ أَعِينُونِي يَا عِبَادَ
اللَّهِ فَإِنَّهُ سَيُعَانُ

(جب تم میں سے کسی کا جانور یا اونٹ ایسے جنگل میں بھاگ گیا کہ وہ
وہاں کسی کو نہیں دیکھتا تو یوں کہے اے اللہ کے بندوں! میری مدد کرو تو یقیناً
جلد ہی اس کی مدد کی جائے گی)

میں کہتا ہوں، یہ مرسل ہے اگر محمد ابن اسحاق کا عنعنہ (عن ہے روایت
کرنا) نہ ہوتا تو حدیث حسن الاسناد ہوتی۔

ایک شبہ کا ازالہ

البانی نے مذکورہ حدیث کو (الضعيفة ۲، ۱۰۹) اعضاء سے معطل کیا یعنی اس کو
معطل کہا حالانکہ یہ صریح غلطی ہے کیونکہ ابان بن صالح چھوٹی عمر کے تابعین میں سے
ہیں واللہ اعلم بالصواب

۳۔ البزار نے اپنی مسند میں نقل کیا (كشف الاستار، ۴، ۳۳، ۳۴)

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ
الْحَارِثِ ثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ
عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ
رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ "إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ
سِوَى الْحَفَظَةِ يَكْتُبُونَ مَا يَسْقُطُ مِنْ وَرَقِ الشَّجَرِ
فَإِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمْ عَرَجَةٌ بِأَرْضِ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ
أَعِينُونِي عِبَادَ اللَّهِ

(بے شک زمین میں حفظہ فرشتوں کے علاوہ بھی اللہ کے فرشتے ہیں جو
درخت سے گرنے والے پتوں کو بھی لکھ لیتے ہیں تو جب تم میں سے کسی کو
جنگل میں کوئی مصیبت آن گھیرے تو یوں پکارے "أَعِينُونِي
عِبَادَ اللَّهِ" (اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو)

حافظ بیہمی نے (مجمع الزوائد: ۱۰: ۱۳۲) میں کہا اس کو بزار نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجر نے تخریج الاذکار (شرح ابن علان ۵، ۱۵۱) میں ”حَسَنَ الْإِسْنَادُ غَرِيبٌ جِدًّا“ کہا، حافظ کا اس کی تحسین پر اکتفا کرنے کا سبب یہ ہے کہ اسامۃ بن زید لیشی اس سند میں موجود ہیں جس میں اختلاف ہے اور امام بیہقی نے بھی شعب الایمان میں بن عباس سے بھی اس کو نقل کیا ہے لیکن وہ موقوف ہے جو کہ جعفر بن عون کے طریق سے ہے کہ ہم سے اسامۃ بن زید نے ابان بن صالح سے انہوں نے مجاہد سے انہوں نے ابن عباس سے اس کو بیان کیا ہے۔

البانی کی غلطی اور اس کا محاسبہ

البانی نے (الضعیفۃ ۲، ۱۱۲) میں ابن عباس کے مرفوع طریق کو اس موقوف کے سبب معلل کیا اور کہا: جعفر بن عون، حاتم بن اسماعیل سے زیادہ ثقہ ہے اور مخالفت کے سبب حدیث میرے نزدیک معلول ہے اور راجح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ قاعدہ غلط ہے جس کی وضاحت دو امور میں کی جاتی ہے۔

دو امور کا تذکرہ

۱۔ علم حدیث میں یہ اصول مقرر ہے کہ جب مرفوع اور موقوف میں تعارض ہو تو حکم مرفوع کے لیے ہوتا ہے۔ امام نووی نے مقدمہ شرح مسلم، ۱- ۳۲ میں کہا جب موقوف اور بعض مرفوع، یا وہ اسے کبھی موصول مرفوع اور کبھی مرسل یا موقوف روایت کریں تو صحیح وہی ہے جو محققین محدثین نے فقہاء اور اصحاب اصول نے کہا اور خطیب بغدادی نے بھی اس قاعدہ کو صحیح جانا۔

إِنَّ الْحُكْمَ لِمَنْ وَصَلَهُ أَوْ رَفَعَهُ سَوَاءٌ كَانَ الْمُخَالَفُ
لَهُ مِثْلَهُ أَوْ أَكْثَرَ وَ أَحْفَظُ لِأَنَّهُ زِيَادَةُ ثِقَةٍ وَ هِيَ
مَقْبُولَةٌ

(حکم اسی کے لیے ہے جس میں اس کو موصول یا مرفوع روایت کیا ہے)

چاہے اس کا مخالف اس کی مثل یا اکثر اور احفظ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ ثقہ کا اضافہ ہے جو مقبول ہے)

اور ابن عبد اللہ نے التتبیح (۱، ۳۵۰) طبع مصر میں اسی کی تصریح کی ہے۔

۲۔ حاتم بن اسماعیل حدیث کو مرفوع روایت کرنے میں منفرد نہیں، بلکہ محمد بن اسحاق اس کے موافق ہے۔ جس کی مرفوع روایت کی ہوئی حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پہلی حدیث پر بطور شاہد گزر چکی ہے۔

اس مقام پر یوں کہنا ہی مناسب ہوگا کہ ابان بن صالحؒ بھی حدیث کو مرفوع روایت کرتے ہیں اور کبھی رفع کا ذکر نہیں کرتے۔ اس طرح کی اکثر مثالیں ملتی ہیں۔
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

البانی کا مرفوع طریق کو موقوف کے سبب معلل قرار دینا ایک رائیگاں کوشش ہے اور کوئی ایسی علت قابل سماعت نہیں جس سے وہ رفع حدیث اور اس کے حکم سے بری ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ قواعد حدیث کی مخالفت ہی کیوں نہ ہو جائے
(فَاللّٰهُمَّ غُفْرَانِكَ)

حاصل کلام

مذکورہ بیان سے واضح ہو گیا کہ حدیث جید مقبول ہے اور خصوصاً تیسری حدیث جو بطور شاہد پیش کی گئی ہے ”وہ بہر صورت حسن الاسناد لذاتہ“ ہے
(والله اعلم بالصواب)

فائدہ

جب حدیث سند ضعیف سے وارد ہو تو وہ اس وقت مقبول ہو جاتی ہے جب امت اسے قبول کر لے اور وہ صحیح اور حسن سے عام ہوتی ہے اور جب اس پر بعض ائمہ کا عمل بھی ہو تو ان کے عمل سے حدیث کو تقویت ملتی ہے (جیسا کہ ہماری پیش کردہ مذکورہ حدیث) حافظ بیہقی نے (السنن الکبریٰ ۳، ۵۲) میں صلوٰۃ التبیح والی حدیث بیان کرنے کے بعد کہا: کہ ”عبد اللہ بن مبارک اس کو پڑھا کرتے تھے اور صالحین ایک دوسرے

سے اس کو سیکھا کرتے تھے۔ تو اس وجہ سے حدیث مرفوع کی تقویت ہوئی۔“
 اور بیہقی کے شیخ امام حاکم نے بھی (المستدرک ۱، ۳۲۰) میں اسی طرح کہا اور
 اس حدیث پر آئمہ امت نے عمل بھی کیا ہے اور اپنا اپنا تجربہ بھی ذکر کیا مثلاً
 ۱۔ ”المسائل“، ”شعب الایمان“ از حافظ بیہقی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن امام
 احمد نے کہا کہ میں نے اپنے والد محترم کو فرماتے ہوئے سنا

حَجَّجْتُ خَمْسَ حِجَجٍ مِنْهَا ثِنْتَيْنِ رَاكِبًا، وَ ثَلَاثَةً
 مَاشِيًا أَوْ ثِنْتَيْنِ مَاشِيًا وَ ثَلَاثَةً رَاكِبًا فَضَلَلْتُ
 الطَّرِيقَ فِي حِجَّةٍ وَ كُنْتُ مَاشِيًا وَ جَعَلْتُ أَقُولُ
 يَا عِبَادَ اللَّهِ دَلُّونَا عَلَى الطَّرِيقِ، فَلَمْ أَزَلْ أَقُولُ
 ذَلِكَ حَتَّى وَقَعْتُ عَلَى الطَّرِيقِ أَوْ كَمَا قَالَ ابْنُ

(میں نے پانچ حج کیے جن میں سے دو سواری پر اور تین پیادہ، یا دو پیادہ
 اور تین سواری پر، ایک پیادہ حج پر راستہ بھول گیا، تو میں یوں پکارنے لگا!
 اے اللہ کے بندو! ہمیں راستہ بتاؤ، تو میں یہی کہتا رہا یہاں تک کہ مجھے
 راستہ مل گیا)

۲۔ امام ابوقاسم طبرانی نے (المعجم الکبیر ۱، ۱۱۷) میں حدیث نقل کرنے کے بعد کہا
 ”وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ“ (یہ مجرب ہے)

۳۔ امام نووی نے (الاذکار، ص ۳۳۱) میں حدیث نقل کرنے کے بعد کہا کہ مجھ
 سے ایک بڑے علامہ شیخ نے بیان کیا کہ اس کا خچر گم ہو گیا اور وہ اس حدیث کو
 جانتے تھے تو انہوں نے وہی (حدیث والے الفاظ) کہے تو اللہ نے اسی وقت
 ان کو ملا دیا اور میں ایک مرتبہ جماعت کے ہمراہ تھا تو ایک چار پایہ گم ہو گیا اور
 لوگ اس کی تلاش سے عاجز آ گئے تو میں نے وہی (حدیث والے الفاظ)
 پڑھے تو چار پایہ مل گیا۔ حالانکہ ان الفاظ کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہا تھا“

فائدہ

حاصل کلام یہ ہے کہ تحقیق کرنے والے کے لیے اس حدیث کی تقویت میں دو

صورتیں ہیں۔

۱۔ اس کی تقویت شواہد سے ہو تو بلاشبہ یہ حدیث حسن ہوگی

۲۔ اُمت کے عمل سے اس کی تقویت ہو

اور دونوں صورتیں ایک دوسرے سے قوی ہیں (واللہ اعلم بالصواب) (۱)

شیخ سرفراز صفدر نے اس روایت کے جواب میں گلدستہ توحید میں جو اعتراضات اٹھائے ہیں وہ یہ ہیں

جواب اول

یہ روایت ایک سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی سند میں معروف بن حسان ہے علامہ ہیثمی لکھتے ہیں کہ ضعیف ہے ابن عدی کہتے ہیں منکر الحدیث اور ابو حاتم کہتے ہیں مجہول ہے دوسری سند حضرت عتبہ بن غزوان تک پہنچتی ہے جو کہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں اس سند میں حسب تصریح علامہ ہیثمی علی ضعف فی بعضہم بعض راوی ضعیف اور کمزور ہیں اور دوسری خرابی یہ ہے کہ یزید بن علی راوی کی حضرت عتبہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے اور نہ اس نے ان کو دیکھا ہے اور نہ ان کا زمانہ پایا ہے لہذا یہ روایت حضرات محدثین کی اصطلاح میں منقطع ہے۔ جو ضعیف ہوتی ہے۔

جواب دوم

اگر ضعیف ہونے کے ساتھ اس حدیث کے الفاظ پر طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ لفظ بھی ہیں کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے حاضر ہوتے ہیں (تا) تو اس روایت سے مافوق الاسباب مدد طلب کرنا ثابت نہ ہوا بلکہ وہاں جو فرشتے موجود ہوتے ہیں ان سے مدد طلب کی گئی ہے۔

ہم ان کا جواب علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ کی زبانی دے رہے ہیں فرماتے ہیں۔

جب یہ روایت تین صحابیوں سے اور متعدد سندوں سے مروی ہے اور ان میں

(۱) احادیث وسیلہ پر اعتراضات کا علمی محاکمہ، ۲۱۴ تا ۲۲۲

سے بعض اسنادات کے رجال ثقہ ہیں تو نفس مضمون کی توثیق کے بعد چوں و چرا کی گنجائش ختم ہوگئی اور کسی حدیث کے متن کے لحاظ سے صحت و قوت اس کی تمام تر اسنادات اور تمام تر راویوں کی توثیق پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ تعدد طرق سے اس کا ضعف دور ہو جاتا ہے جبکہ یہ سند ضعیف ہی کیوں نہ ہو چہ جائیکہ جب بعض صحیح اور قابل وثوق ہوں اور اکابرین اس حدیث کے حسن ہونے کی تصریح بھی کریں۔

بددیانتی کا مظاہرہ

علامہ سرفراز صاحب نے علامہ بیہمی کی عبارت میں قطع و برید کر کے علمی خیانت کا بدترین مظاہرہ کیا ہے، انہوں نے کہا

رِجَالُهُ وَتَقُوا عَلَى ضَعْفِ فِي بَعْضِهِمْ

(اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے البتہ بعض میں ضعف ہے)

مگر علامہ صاحب نے اپنے مطلب کے مخالف الفاظ پر قیچی چلا دی، یعنی رِجَالُهُ وَتَقُوا کو کاٹ دیا اور علی ضعف کا ترجمہ راوی ضعیف اور کمزور کر دیا۔ اگر یہ ترجمہ صحیح ہے تو توثیق رجال کا مطلب کیا ہوا۔

معلوم ہوا کہ راویوں کا وہ ضعف اس روایت میں ضعف کا موجب نہیں تھا اور نہ ان کو ناقابل اعتماد بناتا تھا اس لیے توثیق کر دی اور جب رجال کی توثیق ثابت ہوگئی تو انقطاع مضمر نہیں رہے گا اور اگر یہ روایت موقوف صحابی ہوتی تو بھی حجت ہوتی چہ جائیکہ اس کو نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے۔

علامہ علی قاری فرماتے ہیں

فَمِنَ الْمَعْلُومِ أَنَّ مَوْقُوفَ الصَّحَابَةِ حُجَّةٌ عِنْدَنَا وَ

كَذَا الْحَدِيثُ الْمُنْقَطِعُ إِذَا صَحَّ سَنَدُهُ (۱)

(یہ بات معلوم و یقینی ہے کہ صحابہ کی موقوف روایت اور حدیث بھی

ہمارے نزدیک حجت ہے اور ایسے ہی منقطع حدیث بھی جب کہ اس کی

سند صحیح ہو)

نیز راویوں کے متعلق سب ائمہ جرح و تعدیل کا اتفاق تو تقریباً ناممکن سا امر ہے شاید چند ہی خوش نصیب ایسے راوی ہوں کہ ان کو سبھی ائمہ موثوق اور قابل اعتماد قرار دیں ورنہ کوئی دجال کہتا ہے تو دوسرا اس کی توثیق کر دیتا ہے اور کسی کو ایک صاحب ضعیف اور ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہیں تو دوسرا اس کو قوی اور معتمد علیہ قرار دیتے ہیں لہذا کسی بھی راوی کو ایک دو شخصیات کے قول سے مجروح قرار دے کر اس کی روایت کو ناقابل استدلال قرار دے ڈالنا بھی کوئی اچھی سوچ کا مظاہرہ نہیں ہے اور آج کل کے محققین نے کچھ ایسے ہی نئے لطائف بنا ڈالے ہیں ایک روایت اپنے مسلک کے خلاف ہوئی تو اس میں کیڑے نکالنے کے لیے جن حضرات نے کسی راوی کی تضعیف کی اس کا قول نقل کر کے اس روایت کو ناقابل اعتبار بنا ڈالا اور جب کوئی روایت اپنے مدعا کے موافق ہوئی تو اسی راوی کے متعلق جن حضرات نے توثیق کی ہوتی ہے وہاں ان کے اقوال نقل کر کے اس روایت اور حدیث کو صحیح اور قوی السند اور حجت ثابت کر دیا جاتا ہے اور خود علامہ سرفراز نے اسی کرتب کا مظاہرہ کئی جگہ کیا ہے کبھی غیر مقلدین کی پیش کردہ روایات میں اور کبھی اپنے حسین المشرب پیر بھائیوں یعنی نیلوی اور عنایتی گروپ کے پیش کردہ روایات میں جیسے کہ ان کی کتب کے مطالعہ سے ظاہر ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی قول یا محمد ﷺ کی تضعیف کے لیے کہا کہ اس کی تیسری سند میں زہیر بن ابی اسحق ہے اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ زہیر کی ابواسحاق سے جو روایت بھی ہو ضعیف ہوگی۔ (۱)

لیکن اسی زہیر کی ابواسحاق سے روایت کو ازالۃ الریب ص ۱۷۲ پر ذہبی اور حاکم کے حوالے سے صحیح قرار دے دیا

لہذا بہتر صورت یہی ہے کہ علماء اعلام اور محدثین عظام یا مجتہدین کرام اور سلف صالحین کے کسی روایت پر اعتماد اور اس سے استدلال و استناد کے بعد یا معنوی طور پر کتاب و سنت سے تائید و تصدیق کے بعد یا تعدد طرق کے ثبوت کے بعد ایسی جرح اور قدح سے گریز کیا جائے یا کم از کم کچھ حضرات اپنے اسلاف کی تحقیق سے مطمئن ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان روایات کے مطابق عقیدہ و عمل اپنالیں تو انہیں مغرور سمجھنا

چاہیے اور نہ ان کو اپنے تکفیری فتوؤں کا نشانہ بنانا چاہیے۔

علامہ سرفراز کا جواب

ظاہر آنہ نظر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جنگل اور ویرانوں میں خدائے تعالیٰ کے کچھ بندے حاضر ہوتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق وہ فرشتے ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیش ہو تو یہ کہا کرو ”اللہ کے بندو مدد کرو۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ملائکہ سے مدد طلب کرنا درست ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی کام پر مامور کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ (فَالْهَدْيٰ بَرَاتٍ اٰمِرًا) کے تحت متعدد اکابرین کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے کہ کالمین اولیاء کرام بھی اس ملائعہ اعلیٰ میں شامل ہو کر کارکنان قضا و قدر بن جاتے ہیں لہذا ملائکہ اور ان میں استمداد و استعانت کے جواز اور عدم جواز کے لحاظ سے فرق کرنا قطعاً درست نہیں ہے جبکہ ملائکہ غیر اللہ ہی ہوتے ہیں جیسے کہ اولیاء کرام اور انبیاء کرام علیہم السلام، اور اللہ تعالیٰ بھی حاضر و ناظر اور علیٰ کل شئیٰ قدیر لیکن پھر بھی ملائکہ مدبرین سے استمداد جائز ہے تو ان مشبولان بارگاہ سے بھی استمداد جائز اور درست ہو گئی۔ وہ کون سا دین و مذہب ہے جس میں رسل و انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم السلام رضوان تو غیر اللہ ہیں مگر ملائکہ غیر اللہ نہیں؟

رہا فوق الاسباب کے تحت الاسباب کا فرق تو اس کی لغویت قبل ازیں واضح کی جا چکی ہے جب ظاہری اسباب کے تحت وہ لوگ اپنے جانور کو قابو کرنے میں ناکام رہیں تو ظاہری اسباب کے بغیر اس کو روک دیا جانا فوق الاسباب العاویہ امداد ہی ہے۔ نیز جنگل اور ویرانہ کے لیے پتہ نہیں علامہ صاحب نے کیا حد بندی کر رکھی ہے کہ اس کے ہر گوشہ اور ہر حصہ پر اس حادثہ سے دو چار ہونے والے ان رجال غیب کے قریب ہی ہوں گے اور بعد مسافت کا شائبہ بھی وہاں پر نہیں ہو سکے گا ہر جگہ سے ندا و پکار سمجھی جائے گی۔ یہ ہر امر خدا اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا ہے اور قبل ازیں متعدد بار اور متعدد حوالہ جات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ نورانی اور روحانی شخصیات کے لیے دوری اور نزدیکی اور قرب و بعد کا امتیاز مٹ جاتا ہے علامہ ابن حجر ہیتمی کی فتاویٰ حدیثیہ میں نبی مکرم ﷺ کی بیداری میں زیارت کے جواز اور درستگی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ثُمَّ رَأَيْتُ ابْنَ الْعَرَبِيِّ صَرَخَ بِمَا ذَكَرْنَا مِنْ أَنَّهُ لَا
 يَمْتَنِعُ رُؤْيَاهُ ذَاتِ النَّبِيِّ ﷺ بِرُؤْيَاهُ وَجَسَدِهِ لِأَنَّهُ وَ
 سَائِرَ الْأَنْبِيَاءِ أَحْيَاءٌ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ أَرْوَاحُهُمْ بَعْدَ
 مَا قَبِضُوا وَأُذِنَ لَهُمْ فِي الْخُرُوجِ مِنْ قُبُورِهِمْ وَ
 التَّصَرُّفِ فِي الْمَلَكُوتِ الْعَلِيِّ وَالسُّفْلِيِّ وَلَا مَانِعَ
 مِنْ أَنْ يَرَاهُ كَثِيرُونَ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ لِأَنَّهُ كَالشَّمْسِ
 وَإِذَا كَانَ الْقُطْبُ يَمْلَأُ الْكُونَ كَمَا قَالَ التَّاجُ ابْنُ
 عَطَاءٍ اللَّهُ فَمَا بِأَلِكِ بِالنَّبِيِّ ﷺ (۱)

(پھر میں نے ابن العربی کو دیکھا کہ انہوں نے بھی اس کی تصریح کی ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ نبی ﷺ کی ذات اقدس کا دیدار روح اور جسم سمیت ممتنع نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں ان کی روہیں قبض کرنے کے بعد پھر ان کی طرف لوٹا دی گئی ہیں اور انہیں قبروں سے باہر آنے اور عالم بالا اور عالم اسفل میں تصرف کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس میں کوئی امر مانع نہیں کہ بہت سے لوگ آپ ﷺ کا ایک ہی وقت میں مشاہدہ کریں کیونکہ آپ ﷺ سورج کی مانند ہیں اور جب قطب پورے جہاں کو بھر سکتا ہے جیسے تاج ابن عطاء اللہ نے فرمایا ہے تو نبی اکرم ﷺ کا کیا مرتبہ و مقام ہوگا یعنی یقیناً آپ ﷺ کا مقام انتہائی ارفع و اعلیٰ ہوگا)

الغرض تمام جہاں کی مسافتیں محبوبان خداوند تعالیٰ کے سامنے سمٹ سکتی جاتی ہیں اور کوئی دوسری مسافت ان کو دیکھنے، سننے اور دستِ تعاون دراز کرنے میں مانع نہیں ہو سکتی اور وہ ملائکہ کے احکام کے ہی حامل ہوتے ہیں اور انہیں جیسے نورانی وجود اور نورانی قوائے لطیفہ کے مالک ہوتے ہیں لہذا یہ فرق کرنا سراسر دھاندلی اور سینہ زوری ہے نیز

ظاہر ہے کہ جتنی ہم جنس کو اپنے ہم جنس سے محبت ہو سکتی ہے اتنی دوسروں کو نہیں ہو سکتی۔ تو جب اولیاء کرام کا ملاء اعلیٰ میں شامل ہونا بھی ثابت ہے اور ان میں زیادہ ہمدردی اور خیر خواہی بھی موجود ہے تو ان کی امداد و اعانت کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ (۱)

لَبَّيْكَ - نُصِرْتَ

میں تمہاری مدد کے لیے پہنچتا ہوں

رسول اللہ ﷺ کا مدد کرنا

احادیث و سیرت میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ ایک صحابی نے مکہ المکرمہ سے رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ و مدد چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے شہر مدینہ میں ان کی آواز سنی اور فریاد رسی فرمائی۔

ہوایوں کہ قبیلہ بنو بکر اور قبیلہ بنو خزاعہ کی آپس میں پرانی لڑائی تھی، جب قریش مکہ نے مسلمانوں سے مقام حدیبیہ پر دس سال کے لیے صلح کا معاہدہ کیا تو اس معاہدہ میں بنو بکر نے قریش کا ساتھ اور بنو خزاعہ نے مسلمانوں کا ساتھ دیا یعنی بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے ابھی معاہدے کو دو سال ہی گزرے تھے کہ بنو بکر نے پرانی دشمنی کی وجہ سے قبیلہ بنو خزاعہ پر حملہ کرنے کا سوچا اور قریش نے انہیں درپردہ ہر ممکن امداد کا یقین دلایا، بنو خزاعہ کو ان دونوں کی اس سازش کا وہم و خیال بھی نہ تھا اچانک رات کو بنو بکر نے پوری تیاری کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا اور اس میں قریش بھی بھیس بدل کر شریک ہوئے بہت سارے لوگ قتل ہوئے حتیٰ کہ کچھ نے حرم کعبہ میں پناہ لی مگر انہوں نے حرم میں بھی ان کو قتل کر دیا چونکہ یہ قبیلہ بنو خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا اس لیے اس قبیلہ کے چالیس آدمی رسول اللہ ﷺ کو اپنی کہانی سنانے اور امداد کے لیے شہر مدینہ روانہ ہوئے ان کے سربراہ حضرت عمرو بن سالم تھے جو نامور شاعر بھی تھے اس لیے لوگ انہیں راجز کے نام سے یاد کرتے، اگلی کہانی اُم المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہما کی زبان سے سنیے۔

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَاتَ عِنْدَهَا لَيْلَتَهَا، فَقَامَ

يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ فَسَبِعْتُهُ يَقُولُ فِي مُتَوَضِّئِهِ: لَبَّيْكَ
 لَبَّيْكَ - ثَلَاثًا - نَصِرْتَ نَصِرْتَ - ثَلَاثًا - فَلَمَّا خَرَجَ
 قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَمِعْتُكَ تَقُولُ فِي
 مُتَوَضِّئِكَ: لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ - ثَلَاثًا - نَصِرْتَ، نَصِرْتَ
 - ثَلَاثًا - كَأَنَّكَ تَكَلَّمُ إِنْسَانًا - وَ هَلْ كَانَ مَعَكَ
 أَحَدٌ؟ فَقَالَ هَذَا رَاجِزُ بَنِي كَعْبٍ يَسْتَصْرِخُنِي،
 وَيَزْعَمُ أَنَّ قُرَيْشًا عَانَتْ عَلَيْهِمْ بَنِي بَكْرِ ثُمَّ خَرَجَ
 رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَمَرَ عَائِشَةَ أَنْ تَجْهَزَهُ - وَلَا تَعْلَمُ
 أَحَدًا قَالَتْ: فَدَخَلَ عَلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ: يَا بِنْتِةَ مَا
 هَذَا الْجِهَازُ؟ فَقَالَتْ: وَاللَّهِ مَا أَدْرِي - فَقَالَ: وَاللَّهِ
 مَا هَذَا زَمَانُ غَزْوِ بَنِي الْأَصْفَرِ فَأَيْنَ يُرِيدُ رَسُولُ
 اللَّهِ قَالَتْ وَاللَّهِ لَا عِلْمَ لِي - قَالَتْ: فَأَقْمْنَا ثَلَاثًا ثُمَّ
 صَلَّى الصُّبْحَ بِالنَّاسِ فَسَبِعْتُ الرَّاجِزَ يَنْشُدُ: (۱)
 (رسول اللہ ﷺ کا رات میرے ہاں قیام تھا۔ آپ ﷺ اٹھے نماز
 کے لیے وضو کیا میں نے وضو خانہ میں فرماتے ہوئے سنا میں پہنچا، میں
 پہنچا، میں پہنچا، تمہاری مدد کے لیے، تمہاری مدد کے لیے، تمہاری مدد کے لیے
 جب رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا تین تین دفعہ
 یہ کلمات فرماتے ہوئے سنا۔ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر
 ہوں، تمہاری مدد کی گئی، تمہاری مدد کی گئی، تمہاری مدد کی گئی گویا آپ کسی
 آدمی سے گفتگو فرما رہے تھے کیا آپ کے ساتھ کوئی تھا؟ فرمایا یہ۔ اور وہ
 کاراجز ہے جس نے پکارا اور کہہ رہا ہے کہ قریش نے ان کے خلاف بنو بکر
 کی مدد کی (حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں) کہ پھر رسول اللہ ﷺ
 باہر تشریف لائے (اور وضو کے بعد) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تیاری کا

حکم دیتے ہوئے نصیحت کی کہ کسی کو بتانا نہیں۔

(حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے) کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما آئے اور تیاری کے حوالہ سے پوچھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم تیاری کی وجہ میں نہیں جانتی۔ کہنے لگے اللہ کی قسم ان دنوں رومیوں کے حملے کا کوئی خطرہ نہیں۔ کیا معلوم رسول اللہ ﷺ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اللہ کی قسم میرے علم میں نہیں۔ راویہ حدیث حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں (رسول اللہ ﷺ کے فرمان لبیک، نصرت نصرت) کے تین دن بعد آپ ﷺ نے نماز فجر لوگوں کو پڑھائی تو میں نے راجز کو یہ استغاثہ کہتے ہوئے سنا

حدیث اور امام زرقانی کی تشریح

اس مبارک روایت کو تقریباً تمام اہل سیرت نے ذکر کیا ہے، شارح بخاری امام محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) اسے معروف کتاب المواہب اللدنیہ میں بھی لائے، اس کی تشریح امام زرقانی (ت، ۱۱۲۲) نے جن الفاظ میں کی وہ من وعن حاضر ہے، اسے خوب توجہ سے پڑھیے تاکہ اگلی عبارت اچھی طرح واضح ہو جائے کہ جب وضو خانے میں آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا میں تمہاری مدد کو پہنچا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا آپ کس کے ساتھ ہم کلام تھے کوئی آدمی آپ کے ساتھ تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

هَذَا رَاجِزٌ بِجِيْمٍ وَزَايٍ قَائِلُ الرَّاجِزِ نَوْعٌ مِنَ الشَّعْرِ
مَعْرُوفٌ وَصَحَّفَ مَنْ قَالَ رَاجِلٌ (بَنِي كَعْبٍ) بَطْنٌ
مِنْ خَزَاعَةَ (يَسْتَصْرِخُنِي) يَسْتَعِيثُ بِي (وَيَزَعُمُ
أَنَّ قَرِيشًا عَانَتْ عَلَيْهِمْ بَنِي بَكْرِ) فَفِي إِخْبَارِهِ بِهِ
قَبْلَ قُدُومِهِ عَلَّمُ مِنْ أَعْلَامِ النَّبُوَّةِ بَاهِرٌ فَأَمَّا أَنَّهُ
أَعْلَمَ بِذَلِكَ بِالْوَحْيِ وَ عَلِمَ مَا يُصَوِّرُ الرَّاجِزُ أَوْ
يُكَلِّمُهُ بِهِ أَصْحَابُهُ فَأَجَابَهُ بِذَلِكَ أَوْ أَنَّهُ كَانَ يَرْتَجِزُ

فِي سَفَرِهِ وَأَسْمَعَهُ اللَّهُ كَلَامَهُ قَبْلَ قُدُومِهِ بِثَلَاثٍ
وَلَا بَعْدَ فِي ذَلِكَ فَقَدْ رَوَى أَبُو نَعِيمٍ مَرْفُوعًا إِنِّي
لَأَسْمَعُ أَطِيبَ السَّبَاءِ وَمَا تَلَامُ إِن تَنْطِ (الْحَدِيثُ)
قَالَتْ مَيْمُونَةُ (ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ)
بَعْدَ قُدُومِهِ الْوَفْدِ (وَلَا تَعْلَمَ أَحَدًا) (قَالَتْ)
مَيْمُونَةُ رَاوِيَةَ الْحَدِيثِ (فَدَخَلَ عَلَيْهَا أُمِّي عَلَى
عَائِشَةَ) (أَبُوبَكْرٍ فَقَالَ يَا بَنِيَّةُ مَا هَذَا الْجِهَازُ)
(فَقَالَتْ وَاللَّهِ مَا أَدْرِي فَقَالَ) (أَبُوبَكْرٍ) (وَاللَّهِ مَا
هَذَا زَمَانُ غَزْوِ بَنِي الْأَصْفَرِ)

(رجز شعر کی ایک قسم کا نام ہے یہ لفظ راجز ہے نہ کہ راجل ایسا پڑھنے والے نے غلطی کی ہے بنو کعب، بنو خزاعہ کی ایک شاخ ہے اس نے مجھے پکارا یعنی اس نے مجھ سے مدد طلب کی اور کہا قریش نے ان کے خلاف بنو بکر کی امداد کی ہے تو رسول اللہ ﷺ کا اس وفد کی آمد سے پہلے ان کی خبر واطلاع دینا، علامات نبوت میں سے بڑی واضح نشانی ہے راجز نے جو کچھ اپنے ذہن میں سوچا اور تصور کیا اسے وحی کے ذریعے آپ ﷺ نے جان لیا یا انہوں نے اپنے دوستوں سے گفتگو کی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول کر کے فرمایا تمہاری مدد کو پہنچا، اس نے یہ سارا کچھ دوران سفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آمد سے تین دن پہلے آپ ﷺ کو سنا دیا اور اس میں کوئی بعد و پریشانی نہیں کیونکہ امام ابو نعیم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ میں آسمانوں کی چڑچڑاہٹ سنتا ہوں اور ان کے چڑچڑاہنے پر کوئی ملامت نہیں

حضرت ميمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں وفد آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نکلے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تیاری کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ کسی کو مت بتاؤ۔ راویہ حدیث حضرت ميمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور تیاری کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگیں اللہ کی قسم میں نہیں جانتی (

چند فوائد

امام زرقانی کی گفتگو سے چند فوائد سامنے آتے ہیں

- ۱- رسول اللہ ﷺ نے پہلے وضو خانہ میں فرمایا میں تمہاری امداد کے لیے حاضر ہوں
- ۲- اس وقت وہاں کوئی موجود نہیں تھا جس کی وجہ سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا آپ ﷺ کس سے گفتگو فرما رہے تھے کیا کوئی آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔
- ۳- آپ ﷺ نے آمدِ وفد سے تین دن پہلے یہ الفاظ مبارکہ فرمائے، میں تمہاری مدد کے لیے حاضر ہوں

- ۴- فَأَقْمِنَا ثَلَاثًا، یہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ ہیں نہ مکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے۔ امام زرقانی کے الفاظ قَالَتْ مَيْمُونَةٌ كَمَا هُوَ رِوَايَةُ الطَّبْرَانِيِّ (حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا جیسے طبرانی کی روایت ہے) اسے نہایت ہی آشکارا کر رہے ہیں

- ۵- فَأَقْمِنَا ثَلَاثًا، کی تشریح میں لکھا ہے بَعْدَ قَوْلِهِ ﷺ لِي هَذَا رَاجِزُ بْنُ كَعْبٍ (حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا تھا کہ یہ راجز بن کعب ہے) اس ارشاد عالی کے تین دن بعد ایسا ہوا کہ آپ ﷺ نے نماز فجر پڑھائی تو پھر میں نے اشعار سنے

لہذا مخالفین کا یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ جب آپ ﷺ نے وضو خانے میں فرمایا میں مدد کو پہنچا اس وقت حضرت راجز وہاں موجود تھے کیونکہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا واضح کر رہی ہیں کہ اس وقت کوئی موجود نہ تھا البتہ تین دن کے بعد وفد آیا اور پھر حضرت راجز نے اشعار پڑھے۔

امام محمد بن یوسف صالحی شامی (ت، ۹۴۲) امام طبرانی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں

قَالَتْ مَيْمُونَةٌ فَأَقْمِنَا ثَلَاثًا ثُمَّ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

الصُّبْحِ بِالنَّاسِ سَمِعْتُ الرَّاجِزَ يَنْشُدُ (۱)

(حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ تین دن بعد رسول اللہ ﷺ نے

صحابہ کو فجر کی نماز پڑھائی تو میں نے راجز کو اشعار پڑھتے سنا)

اس وفد کی آمد، ملاقات کی تفصیل میں طبرانی، بزار، ابن ابی شیبہ اور بیہقی کے

حوالہ سے نقل کرتے ہیں، وفد نے آکر سارا واقعہ بیان کیا

وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ بَيْنَ أَظْهَرِ

النَّاسِ وَرَأْسُ خُزَاعَةَ عَمْرُ وَبْنُ سَالِمٍ فَلَمَّا فَرَغُوا

مِنْ قِصَّتِهِمْ قَامَ عَمْرُ وَبْنُ سَالِمٍ فَقَالَ (۱) (ایضاً، ۲۰۲)

(رسول اللہ ﷺ مسجد میں صحابہ کے اندر تشریف فرما تھے اس وفد کے

سربراہ عمر بن سالم (راجز) تھے جب واقعہ سنانے سے فارغ ہوئے تو

عمر و بن سالم نے کھڑے ہو کر اشعار کہے)

اسی واقعہ اور فریادری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام یوسف بن اسماعیل

مبہانی (ت، ۱۳۵۰) نے لکھا:

وَقَدْ وَرَدَ مِنْ مُعْجَزَاتِهِ ﷺ السَّبَاعُ عَنِ الْبَعِيدِ

كِسْبَاعِهِ صَوْتٌ مَنِ اسْتَعَاثَ بِهِ مِنْ بَنِي كِنَانَةَ

حِينَمَا حَارَبْتَهُمْ قُرَيْشٌ فِي مَكَّةَ فَسَبِعَهُ ﷺ فِي الْمَدِينَةِ

وَقَالَ لَهُ: "لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ" وَ تَجَهَّزَ لِنُصْرَتِهِمْ فَكَانَ

الْفَتْحِ الْأَعْظَمِ فَتَحَ مَكَّةَ الْمَشْرِفَةَ (۲)

(دور سے سن لینا آپ ﷺ کے معجزات و کمالات سے ہے جیسے

آپ ﷺ نے اپنے حلیف بنو کنانہ کی مدد کی جب ان پر قریش حملہ آور

ہوئے انہوں نے مکہ سے فریادری چاہی میں مدد کے لیے حاضر ہوں اور

یہی مکہ معظمہ کی فتح اعظم کا سبب بنا)

امام العصر علامہ محمد اشرف سیالوی نے اس روایت کے تحت جو گفتگو کی ہے اسے

(۱) سبل الہدی، ۵، ۲۰۲

(۲) شواہد الحق: ۲۱۱

پڑھے اور پلے باندھ لیجیے

اقول

اگر حضرت عمر بن سالم خزاعی رضی اللہ عنہ نے صرف دل میں خیال کیا تھا اور آپ کو معلوم بھی ہو گیا اور آپ ﷺ نے لبیک اور نصرت فرمانا شروع کر دیا تو اس سے مدعا اولویت کے طور پر ثابت ہو جائے گا کہ فریادی ابھی فریاد کرتا ہی نہیں صرف دل میں خیال باندھتا ہے اور ارادہ کرتا ہے مگر اس رحمت مجسم ﷺ کو فوراً پتہ بھی چل جاتا ہے اور اغاشہ و فریادری پر آمادہ اور کمر بستہ بھی ہو جاتے ہیں یا صرف اپنے ساتھیوں سے اس بارے میں صلاح و مشورہ کرتا ہے اور پروگرام بناتا ہے مگر ادھر سے اجابت پہلے ہی پائی جاتی ہے تو بالفعل فریاد اور استغاثہ پر بطریق اولیٰ فریادری اور حاجت روائی اور مشکل کشائی پائی جائے گی اور اگر تیسری صورت پائی گئی تو اس کی دلالت مدعی پر واضح ہے اور علامہ زرقانی نے حدیث مرفوع نقل کر کے دور سے سن سکنے کا استبعاد دور کر دیا کہ جو ہستی پاک آسمان جتنی دوری سے سن سکتے ہیں وہ مکہ مکرمہ کی دوری یا تین دن کی مسافت سے کیوں نہیں سن سکتے جب کہ صرف پہلے آسمان کی نخلی سطح کی مسافت زمین سے پانچ سو سال کی راہ ہے اور اوپر والا کنارہ ہزار سالہ راہ ہے اور اگر ساتویں آسمان کی چیخ سنی تھی تو سات ہزار سالہ مسافت سے سن لی تو اس قدر دور سے سن سکنے والے نورانی کانوں کے لیے زمینی مسافتوں کی کیا حیثیت ہے جبکہ زمین کا محیط صرف چوبیس ہزار میل ہے اور مدینہ منورہ سے شرق اور غرب میں منتہائے ارض تک صرف بارہ بارہ ہزار میل کی مسافت ہے بلکہ کرۃ ارض کے اُفق حقیقی کی مسافت مشرق اور مغرب میں صرف چھ ہزار میل ہے اگر اوپر والے حصہ کا اعتبار کریں اور اگر نچلے حصہ ارضی بھی ساتھ شامل کریں تو مدینہ منورہ سے نیچے دوسری سمت تک کا قطر تقریباً ساڑھے سات ہزار میل بنے گا اور زمین کے سبع سمندروں کے دو حصے بارہ بارہ ہزار میل تک کی مسافت کے ہوں گے

سوال

عمر بن سالم خزاعی صرف نبی کریم ﷺ کا حلیف تھا مسلمان اور صحابی نہیں

تھا لہذا اس کی فریاد و زاری اور استغاثہ و استمداد سے اس کا جواز اور مشروع ہونا کیونکر ثابت ہو سکتا ہے؟

الجواب

اولاً یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے کہ عمر بن سالم صحابی تھے، رضی اللہ عنہ۔ چنانچہ علامہ زرقانی فرماتے ہیں ”عَمْرُو بْنُ سَالِمٍ الْخُزَاعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَحَدَ بَنِي كَعْبِ الصَّحَابِيِّ“

نیز فرماتے ہیں: ابن کلبی، ابو عبیدہ اور طبرانی نے ذکر کیا ہے

إِنَّهُ أَحَدٌ مِّنْ عَمَلِ الْوَيْةِ خُزَاعَةَ يَوْمَ الْفَتْحِ (۱)

(یعنی وہ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے دن خزاعہ کے پرچم تیار کیے)

اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ ص ۷۵۳ ج ۲ پر ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا

قَدْ طَعَنَ الشَّهْبَلِيُّ فِي صُحْبَةِ هَذَا الرَّاجِزِ وَقَالَ قَوْلُهُ،
ثُمَّ أَسْلَمْنَا أَرَادَ أَسْلَبُوا مِنْ أَسْلَمَ لَا مِنْ الْإِسْلَامِ
لِأَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا أَسْلَبُوا بَعْدَ وَرَدَ بِقَوْلِهِ وَقَتَلُونَا
رُكْعًا وَسَجْدًا وَوَقَعَ فِي رِوَايَةِ ابْنِ اسْحَقَ هُمْ قَتَلُونَا
بِالصَّعِيدِ هَجْدًا نَشَلُوا الْقُرْآنَ رُكْعًا وَسَجْدًا وَتَأَوَّلَهُ
بَعْضُهُمْ بِأَنَّ مَرَادَهُ بِقَوْلِهِ رُكْعًا وَسَجْدًا أَنَّهُمْ حَلَفَاءُ
الَّذِينَ يَزْكَعُونَ وَيَسْجُدُونَ وَلَا يَخْفَى بَعْدَهُ (۲)

(یعنی شہبلی نے اس رجز خوان اور فریادی اور مستغیث کے صحابی ہونے پر طعن و تشنیع کی ہے اور کہا کہ اس کے قول اَسْلَمْنَا سے مراد اسلام لانا نہیں بلکہ مصالحت و مسالمت والا معنی مراد ہے کیونکہ وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے مگر یہ قول مردود ہے عمر و بن سالم کے اس قول سے کہ

(۱) الزرقانی، ۲، ۲۹۰

(۲) وکذا فی الزرقانی شرح الواهب ص ۲۵۲ ج ۲

انہوں نے ہمیں قتل کیا حالتِ رکوع اور سجود میں اور ابنِ اسحق کی روایت میں ہے کہ انہوں نے ہمیں چٹیل میدان میں قتل کیا در آنحالیکہ ہم تہجد پڑھتے تھے قرآن تلاوت کر رہے تھے اور رکوع سجود کر رہے تھے اور بعض نے اس قول کی یہ تاویل کی ہے کہ رکعاً و سجداً سے مراد یہ ہے کہ ہم ان کے حلیف ہیں جو رکوع و سجود کرتے ہیں اور اس تاویل کا بعید از صواب ہونا کسی پر مخفی نہیں ہے)

ثانیاً

جو رحیم و کریم اور لہجیال اور مجسمہ وفا غیر مسلم حلیفوں کے استغاثہ اور فریاد و زاری پر ان کی امداد و اعانت فرماویں اور ان کے پہنچنے سے پہلے اور حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے سے تین دن قبل صرف اپنے گھروں میں خیال کرنے پر یا صلاح و مشورہ کرنے پر لبیک لبیک کہہ رہے ہوں اور امداد و نصرت کا سامان کر رہے ہوں تو وہ مخلص غلاموں کو کیونکر نظر انداز فرماویں گے۔

فریاد جو اُمتی مگرے حال زار کی
ممكن نہیں کہ خیر البشر کو خبر نہ ہو

ثالثاً

فریادی کون ہے کون نہیں ہے غرض اس سے نہیں بلکہ غرض اس سے ہے کہ فریاد رس بھی کوئی ہے یا نہیں؟ اور وہ فریاد سنتے ہیں یا نہیں؟ تو اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ فریادیوں کی فریاد سنتے ہیں اور امداد و اعانت فرماتے ہیں اب ان لوگوں کی بدبختی دیکھنی چاہیے کہ اُمتی ہو کر اپنے نبی سے مدد مانگنے کو تیار نہیں جبکہ بقول معترض کے کافر مدد طلب کر بھی رہے ہیں اور بوجہ حلیف ہونے کے مدعا حاصل بھی کر رہے ہیں تو کم از کم اُمتیوں کو اپنے نبی کے مقام سے اتنا بے خبر نہیں ہونا چاہیے تھا کہ وہ کافروں سے بھی پیچھے رہ جائیں اور ان کے برابر بھی مقامِ نبوت و رسالت کی معرفت اور پہچان نہ رکھیں اور نہ اس کریم و رحیم نبی کے رحم و کرم سے نا اُمید اور مایوس

ہونا چاہیے تھا جن کی امداد و اعانت سے کافر بھی محض حلیف ہونے کی بنا پر نا اُمید اور مایوس نہیں تھے بلکہ اُمّتیوں کو یقین ہونا چاہیے تھا کہ جو رحمتِ مجسم ﷺ حلیف ہونے کا اس قدر پاس کرتے ہیں وہ توحید و رسالت کے اقرار اور قرآن و سنت پر عمل کے عہد و پیمان والوں کو اور غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے والوں کو کیونکر محروم التفات فرماویں گے کیونکہ مومنین کے لیے تو وہ خصوصی رحمت و رافت فرمانے والے ہیں۔

کما قال تعالیٰ:

بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (۱)
 (آپ اہل ایمان پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں) (۲)

(۱) سورۃ التوبہ آیت: ۱۲۸

(۲) گلشن توحید و رسالت، ۲۵۰ تا ۲۵۵

ساتواں باب:

دور سے خود سننے پر احادیث

جیسے احادیث مبارکہ میں یہ آتا ہے کہ دور سے پڑھا جانے والا درود و سلام فرشتے بارگاہ نبوی میں پہنچاتے ہیں اسی طرح احادیث میں یہ بھی موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کائنات میں کوئی بھی سلام عرض کرے تو میں اسے سن کر اس کا جواب عنایت کرتا ہوں۔

سنن ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي مَحْتَمِي
أَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (۱)

(جس نے بھی مجھ پر درود پڑھا تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹاتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب عنایت کرتا ہوں)

اس ارشاد نبوی میں عموم ہے کوئی قید نہیں کہ وہ روضہ اقدس کے پاس ہو بلکہ سلام عرض کرنے والا کہیں بھی ہو آپ ﷺ اس کا سلام سن کر جواب عنایت فرماتے ہیں۔

حدیث کا صحیح و حسن ہونا

اس حدیث مبارکہ کو ائمہ محدثین نے حسن و صحیح قرار دیا ہے، بعض نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے جبکہ بعض نے اس کو حسن کہا ہے، چند تصریحات ملاحظہ کر لیجئے

۱۔ شیخ ابن قیم (ت، ۷۵۱) نے روایت نقل کر کے لکھا

وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ
يَزِيدَ الْبَقْرِيِّ وَقَدْ صَحَّ إِسْنَادُ هَذَا الْحَدِيثِ (۲)

(۱) سنن ابوداؤد

(۲) جلاء الافہام، ۳۳

(اسے امام ابو داؤد نے محمد بن عوف از عبداللہ بن یزید مقبری سے نقل کیا اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے)

۲۔ امام زرقانی (ت، ۱۱۲۲) کے الفاظ ہیں

وَقَدَرَوِي أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ (۱)

(اسے امام ابو داؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

۳۔ امام نووی (ت، ۶۷۶) نے اسے ان الفاظ میں صحیح قرار دیا ہے

رَوَيْنَا فِيهِ أَيْضًا بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ (۲)

(اس بارے میں سند صحیح کے ساتھ روایت موجود ہے)

۴۔ حافظ ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) اس کی سند کو حسن قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ إِلَيَّ رَوْحِي حَتَّى أَرُدَّ

عَلَيْهِ السَّلَامَ وَسَنَدُهَا حَسَنٌ (۳)

(جو بھی مجھ پر درود پڑھے اللہ تعالیٰ مجھ پر روح لوٹاتا ہے حتیٰ کہ میں سلام

کا جواب دیتا ہوں اور اس کی سند حسن ہے)

۵۔ امام ملا علی قاری (ت، ۱۰۱۴) اس کے راویوں کا تعارف اور ان کی ثقاہت

بیان کر کے لکھتے ہیں

وَالْحَدِيثُ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ وَسَنَدُهَا حَسَنٌ (۴)

(یہ حدیث امام ابو داؤد، امام احمد اور بیہقی نے نقل کی ہے اور اس کی سند حسن ہے)

۶۔ امام محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) اس روایت کا ذکر کر کے فرماتے ہیں، اسے امام

احمد نے مسند میں نقل کیا ہے اور اسے

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ

بْنِ يَزِيدَ الْمَقْبَرِيِّ وَرَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ

(۱) زرقانی علی المواہب، ۱۲، ۲۰۲

(۲) الاذکار، ۱۳۴

(۳) الدر المنضود، ۱۲۱

(۴) شرح شفاء، ۲، ۱۳۲

وَعَبَّاسُ التَّرْقُفِيِّ وَمِنْ طَرِيقِهِ أَبُو الْيَمَنِ ابْنُ
عَسَاكِرَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ بَلْ صَحَّحَهُ النَّوَوِيُّ فِي
الْأَذْكَارِ وَغَيْرِهِ وَفِيهِ نَظَرٌ (۱)

(اسے امام ابو داؤد نے محمد بن عوف از عبد اللہ بن یزید المقبری سے
روایت کیا اور اسے امام طبرانی نے بیہقی اور عباس ترقفی نے نقل کیا اسی
طریق سے امام ابو الیمان بن عسا کر نے سند حسن سے بلکہ اسے امام
نووی نے اذکار وغیرہ میں صحیح کہا لیکن اس میں نظر ہے یعنی یہ حسن ہے)

اعتراض کا جواب

بعض لوگوں نے یہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ ابن تیمیہ نے کہا کہ
حضرت یزید بن عبد اللہ بن قسیط کی ملاقات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوئی
تو ان سے سماع مجمل نظر ہے، شیخ ابن قیم کہتے ہیں کہ

سَأَلْتُ شَيْخَنَا عَنْ سَمَاعِ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ مِنْ أَبِي
هَرِيرَةَ فَقَالَ مَا كَانَ أَدْرَكَهُ وَهُوَ ضَعِيفٌ فَفِي سَمَاعِهِ
عِنْدِي نَظَرٌ (۲)

(میں نے اپنے استاذ ابن تیمیہ سے یزید بن عبد اللہ کے حضرت ابو ہریرہ
رضی اللہ عنہ سے سماع کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے انہوں نے حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا اور یہ ضعیف ہیں تو ان کے سماع میں نظر ہے)

اس کے جواب میں اہل علم نے خوب لکھا اور واضح کیا کہ یہ ابن تیمیہ کی زیادتی اور اس
کے مطالعہ کی کمی ہے ورنہ ان کے حالات میں موجود ہے کہ یزید بن عبد اللہ حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں

شارح بخاری امام محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) ابن قیم کی یہی بات نقل کر کے لکھتے ہیں
ہم نے تو تہذیب التہذیب اور دیگر کتب میں صراحةً لکھا دیکھا ہے کہ ان کے

اساتذہ میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اسماء گرامی مذکور ہیں

(۱) مسالک الخفاء، ۲۰۴

(۲) جلاء الافہام، ۳۳

مثلاً تہذیب دیکھیے

إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ رَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَنْ عُمَرَ وَغَيْرِهِمْ (۱)
(عبداللہ نے حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمر اور دیگر صحابہ سے روایت کی ہے)

ملا علی قاری (ت، ۱۰۱۴) نے لکھا، یہ امام مالک اور لیث کے استاذ ہیں

وَتَقَّهَ النَّسَائِيُّ وَأَخْرَجَ لَهُ الْأَيْمَةَ السِّتَّةَ (۲)

(انہیں امام نسائی نے ثقہ قرار دیا اور ائمہ ستہ (چھ) نے ان سے روایت نقل کی ہے)

امام ابن عبدالبر مالکی (ت، ۴۶۳) ان کے بارے میں فرماتے ہیں

وَيَزِيدُ قَدْ اِحْتَجَّ بِهِ مَالِكٌ فِي الْمَوَاضِعِ مِنَ الْمَوْطَا

وَتِقَّةٌ مِنَ الثَّقَاتِ (۳)

(یزید سے امام مالک نے موطا کے متعدد مقامات پر احتجاج کیا اور یہ ثقہ ہیں)

امام ابن سعد (ت ۲۳۰) ان کے بارے میں لکھتے ہیں

كَانَ ثِقَّةً وَكَثِيرًا الْحَدِيثِ (۴)

(یہ ثقہ اور کثیر احادیث کے راوی ہیں)

امام احمد خفاجی (ت، ۱۰۶۹) نے ان کا تعارف ان الفاظ میں کروایا ہے

الْلَيْثِيُّ التَّابِعِيُّ الثَّقِيُّ تَوَفَّى سَنَةَ إِثْنَيْنِ وَعِشْرِينَ

وَمِائَةٍ وَأَخْرَجَ لَهُ السِّتَّةَ (۵)

(یہ لیشی، تابعی اور ثقہ ہیں ان کا وصال ۱۲۲ھ میں ہوا اور ان سے ائمہ

ستہ (چھ) نے حدیث روایت کی ہیں)

کوئی کہیں سے بھی سلام عرض کرے رسول اللہ ﷺ خود سنتے ہیں

اس صحیح روایت کے تحت تمام شارحین نے یہ تصریح و اعلان کیا ہے کہ کائنات

میں کہیں سے بھی کوئی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرے آپ ﷺ

(۱) تہذیب التہذیب، ۴، ۲۲۰ (۲) شرح الشفاء، ۲، ۱۴۲

(۳) تہذیب، ۴، ۲۲۰ (۴) مسالک الحفاء، ۲۰۵

(۵) نسیم الریاض، ۵، ۷۸

اسے خود سنتے ہیں اور اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں، اگر کسی نے اسے مزارِ عالی کے قرب کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوشش کی تو اس کا واضح الفاظ میں رد کیا اور لکھا کہ اسے عموم پر ہی رکھنا لازم ہے اس کے مخصوص ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور اگر کوئی ہے تو اسے سامنے لایا جائے۔

حدیث میں عموم

پہلے اس پر ائمہ امت کی تصریحات ملاحظہ کیجیے

کہ اس حدیث میں یہ عموم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام کرنے والا کہیں بھی ہو آپ ﷺ اس کا سلام خود سن کر جواب عنایت فرماتے ہیں۔

۱۔ امام زرقانی (ت، ۱۱۲۲) اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کے عموم کو ان الفاظ میں آشکار کرتے ہیں

وَقَدْ رَوَى أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ مِنْ حَدِيثِ
أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ (مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُسَلِّمُ
عَلَيَّ) فِي أَيِّ مَحَلٍّ كَانَ (۱)

(امام ابو داؤد نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان نبوی روایت کیا کہ (جو بھی مجھ پر سلام کہے) یعنی خواہ وہ کسی بھی مقام پر ہو) ان کے الفاظ ”فِي أَيِّ مَحَلٍّ كَانَ“ (سلام عرض کرنے والا کائنات میں کہیں بھی ہو) نہایت ہی واضح، اہم اور قابل توجہ دستاویز ہیں۔

۲۔ حضرت ملا علی قاری حنفی (ت، ۱۰۱۳) فرماتے ہیں یہ حدیث ہر جگہ اور ہر زمانہ کو شامل ہے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقدسہ کا تعلق عالم پست و بالا تمام سے یکساں ہے۔ ان کے الفاظ پڑھیے۔

وَظَاهِرُهُ الْإِطْلَاقُ الشَّامِلُ لِكُلِّ زَمَانٍ وَ مَكَانٍ
وَ مَنْ خَصَّ الرَّدَّ بِوَقْتِ الزِّيَارَةِ فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ
وَالْبَعْنَى أَنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ يَرُدُّ رُوحَهُ الشَّرِيفَ عَنْ
إِسْتِغْرَاقِهِ الْمُنِيفِ لِيَرُدَّ عَلَى مُسَلِّمِهِ جَبْرًا لِحَاظِرِهِ

الضَّعِيفِ فَإِنَّ الْمُعْتَمِدَ الْمُعْتَقَدَ أَنَّهُ ﷺ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ
كَسَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ فِي قُبُورِهِمْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَأَنَّ لِأَرْوَاحِهِمْ تَعَلُّقًا بِالْعَالَمِ الْعُلُويِّ وَالسُّفْلِيِّ
كَمَا كَانُوا فِي الْحَالِ الدُّنْيَوِيِّ فَهُمْ بِحَسَبِ الْقَلْبِ
عَرْشِيُّونَ وَيَأْتِبَارِ الْقَالِبِ فَرَشِيُّونَ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ
وَتَعَالَى أَعْلَمُ بِأَحْوَالِ أَرْبَابِ الْكَمَالِ هَذَا (۱)

(حدیث کے ظاہر میں اطلاق ہے جو تمام اوقات اور مقامات کو شامل ہے جنہوں نے جو اب سلام کو زیارت کے ساتھ مخصوص کیا ہے ان پر دلیل لانا ضروری ہے معنی حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روح مبارک کو مبارک استغراق سے متوجہ کرتا ہے تاکہ آپ ﷺ محب کے دل کی تسکین کے لیے اس کے سلام کا جواب عنایت فرمائیں اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ قبر انور میں دیگر انبیاء کی طرح اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کی مقدس ارواح کا عالم بالا اور عالم پست سے تعلق ہے جیسے حالت دنیاوی میں تھا وہ قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب و جسم کے اعتبار سے فرشی ہوتے ہیں ان اصحاب کمال کے حالات سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہیں)

سلام کرنے والے کے احوال سے آگاہی

۱۔ اس کے ساتھ ہی امام انطاکی سے رَدِّ رُوح کا معنی ان الفاظ میں لکھا
قَالَ الْإِنْطَاكِيُّ يُمَكِّنُ أَنْ يُقَالَ رَدُّ الرُّوحِ كِنَايَةٌ عَنْ
إِعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَى إِيَّاهُ فَإِنَّ فُلَانًا صَلَّى عَلَيْكَ أَوْ عَنْ عَلَيْهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ بِأَحْوَالِ الْمُسْلِمِ مِنْ بَيْنِ الْأَنَامِ (۲)
(امام انطاکی کہتے ہیں کہ روح لوٹانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ
ﷺ کو اس سے مطلع فرماتا ہے کہ فلاں آپ پر سلام کہہ رہا ہے یا معنی یہ
ہے کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کے درمیان، آپ ﷺ پر سلام کہنے والے

کے احوال سے آگاہ ہوتے ہیں۔)

۲۔ لفظ روح کا یہی مفہوم شارح بخاری امام محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) کے الفاظ میں پڑھیے۔

الرُّوحُ كِنَايَةٌ عَنِ السَّمَاعِ وَ يَكُونُ الْمُرَادُ إِنَّ
اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى يَرُدُّ عَلَيْهِ سَمْعَهُ الْخَارِقَ
لِلْعَادَةِ بِحَيْثُ يَسْمَعُ الْمُسْلِمَ عَلَيْهِ وَإِنْ بَعْدَ قَطْرَةٍ
وَيَرُدُّ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ اِحْتِيَاجٍ إِلَى وَاسِطَةٍ يَبْلُغُ
وَلَيْسَ الْمُرَادُ سَمْعَهُ الْمُعْتَادَ وَقَدْ كَانَ لَهُ ﷺ فِي
الدُّنْيَا حَالَةٌ يَسْمَعُ فِيهَا سَمْعًا خَارِقًا لِلْعَادَةِ بِحَيْثُ
يَسْمَعُ أَطِيطَ السَّمَاءِ كَمَا ثَبَتَ فِي الْحَدِيثِ وَهَذَا
قَدْ يَنْفَكُ فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ وَيَعُودُ لِأَمَانِعٍ مِنْهُ
وَحَالَتُهُ فِي الْبَرَزِخِ وَفِي الدُّنْيَا سَوَاءً (۱)

(روح سے مراد آپ ﷺ کا سلام سننا ہے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر خلاف عادت سننا لوٹاتا ہے کہ آپ ﷺ سلام کرنے والے کا سلام سنتے ہیں خواہ وہ کتنی دور ہو اور پہنچانے والے واسطہ کے بغیر سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں اور عادی سننا مراد نہیں رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں بھی ایسی شان حاصل تھی کہ آپ ﷺ خلاف عادت دور سے سنتے تھے حتیٰ کہ آسمان کی چڑچڑاہٹ کی آواز سن لیتے جیسے کہ احادیث سے ثابت ہے اور بعض اوقات یہ جدا ہوتا ہے اور پھر لوٹ آتا ہے اور اس میں کوئی ممانعت نہیں اور آپ ﷺ کی حالت برزخی اور حالت دنیا یکساں ہیں)

۳۔ توجہ خاص مراد ہے

موصوف بزرگ المواہب الدنیۃ میں لکھتے ہیں کچھ ”عقیدۃ بیمار، کم فہم“

لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کی حیات دائمی ہے تو پھر ردِّ روح کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

إِنَّ ذَلِكَ عِبَارَةٌ عَنْ إِقْبَالِ خَاصِّ وَالتِّفَاتِ رُوحَانِيٍّ
يَحْصُلُ مِنَ الْحَضْرَةِ النَّبَوِيَّةِ إِلَى عَالَمِ الدُّنْيَا وَقَوَالِبِ
الْأَجْسَادِ الثَّرَابِيَّةِ وَتَنْزُلُ إِلَى دَائِرَةِ الْبَشَرِيَّةِ حَتَّى
يَحْصَلَ عِنْدَ ذَلِكَ رَدُّ السَّلَامِ وَهَذَا الْإِقْبَالُ يَكُونُ
عَامًّا شَامِلًا حَتَّى لَوْ كَانَ الْمُسْلِمُونَ فِي كُلِّ لَبْحَةٍ أَكْثَرَ
مِنْ أَلْفِ أَلْفِ أَوْ سَعَهُمْ ذَلِكَ الْإِقْبَالُ النَّبَوِيُّ
وَالتِّفَاتِ الرُّوحَانِيٍّ وَلَقَدْ رَأَيْتُ مِنْ ذَلِكَ مَا لَا
أَسْتَطِيعُ أَنْ أُخْبِرَ عَنْهُ وَلَقَدْ أَحْسَنَ مَنْ سُئِلَ كَيْفَ
يُرَدُّ النَّبِيُّ عَلَى مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ مِنْ مَشَارِقِ الْأَرْضِ
وَمَغَارِبِهَا فِي أَنْ وَاحِدٍ فَأَنْشَدَ قَوْلَ أَبِي الطَّيِّبِ
كَالشَّمْسِ فِي وَسْطِ السَّيَاءِ وَ نُورَهَا يَغْشَى الْبِلَادَ
مَشَارِقًا وَمَغَارِبًا (۱)

(اس سے وہ خصوصی توجہ اور التفات روحانی مراد ہیں جو آپ ﷺ عالم دنیا اجسام و قوالب اور دائرہ بشری کی طرف فرماتے ہیں تاکہ سلام کا جواب دیا جائے اور یہ توجہ عام اور تمام کو شامل ہے حتیٰ کہ اگر بیک وقت ایک لمحہ میں کروڑ ہا لوگ درود پڑھیں تو آپ ﷺ کی یہ روحانی توجہ ان سے وسیع اور احاطہ کرنے والی ہوگی مجھے یہ منظر دیکھنا نصیب ہوا مگر اسے بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اس عالم نے کیا ہی خوبصورت جواب دیا جس سے پوچھا گیا کہ آن واحد میں مشرق و مغرب کے سلام کہنے والوں کا جواب رسول ﷺ کیسے دیتے ہیں تو اس نے ابو طیب متنبی کا یہ شعر پڑھا کہ وہ سورج کی طرح آسمان کے درمیان چمک رہا ہے اور وہ مشارق و مغارب کو روشن کر رہا ہے)

۴۔ امام تقی الدین سبکی (ت، ۷۵۶) نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے کہ یہاں مقصود آپ ﷺ کی روحانی توجہ کو سلام کہنے والے کی طرف مبذول کرنا ہے۔ تاکہ آپ ﷺ، سلام کا ادراک و علم پا کر اس کا جواب دے سکیں۔

ان کے الفاظ ہیں

أَنْ يَكُونَ رُوحَهُ الشَّرِيفَةَ مُشْتَغَلَةً بِشُهُودِ الْحَضَرَةِ
الْإِلَهِيَّةِ وَالْمَلَأِ الْأَعْلَى مِنْ هَذَا الْعَالَمِ فَإِذَا سَلَّمَ
عَلَيْهِ أَقْبَلَتْ رُوحَهُ الشَّرِيفَةَ عَلَى هَذَا الْعَالَمِ
فَيُذَرِّكُ سَلَامًا مَنْ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَيُرَدُّ عَلَيْهِ (۱)

(آپ ﷺ کی روح مبارکہ بارگاہ الہی اور ملاء اعلیٰ کی طرف اس کائنات سے مستغرق و مشغول ہوتی ہے جب کوئی آپ ﷺ کو سلام عرض کرتا ہے۔ تو آپ ﷺ کی روح طیبہ اس جہان کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو آپ سلام کہنے والے کے سلام کا ادراک و علم پا کر اس کے سلام کا جواب عنایت کرتے ہیں)

۵۔ آخر میں ابن تیمیہ کے شاگرد شیخ محمد بن عبدالہادی (ت: ۷۴۴) نے اس حدیث کے عموم کے بارے میں جو لکھا وہ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ لکھتے ہیں۔

الفاظ حدیث مبارکہ کا تقاضا عموم ہی ہے یہ قریب و بعید دونوں کو شامل ہیں الفاظ حدیث ”مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ“ کا مفہوم یوں واضح کیا کہ ممکن ہے اس کا معنی پاس سے سلام عرض کرنا ہو جیسے ایک جماعت ائمہ نے سمجھا۔

وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مَعْنَاهُ عَلَى الْعُبُودِ وَأَنَّهُ لَا فَرْقَ
فِي ذَلِكَ بَيْنَ الْقَرِيبِ وَالْبَعِيدِ وَ هَذَا هُوَ ظَاهِرُ
الْحَدِيثِ (۲)

(اور ممکن ہے اس کے معنی میں عموم ہو اور اس حوالہ سے قریب و بعید میں کوئی فرق نہ ہو گا اور ظاہر حدیث اس مفہوم کا تقاضا کرتا ہے)

(۱) شفاء القام، ۵۱

(۲) الصارم المنکلی، ۱۹۷

مولانا عبدالحی لکھنوی کی تحقیق

عظیم محقق علامہ عبدالحی لکھنوی (ت ۱۳۰۴) ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اس حدیث کے تحت بعید اور دور سے سلام عرض کرنے والے تو آتے ہیں مگر قریب والے نہیں آتے۔

أَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ ظَاهِرَ حَدِيثِ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ رُوحِي عَامًّا يَشْتَبِلُ الْمُسَلِّمَ عِنْدَ الْقَبْرِ وَغَيْرِهِ كَمَا أَقْرَبَهُ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ عَلَى مَا مَرَّ نَقْلُهُ (کیا مخالف کے علم میں نہیں ”مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ رُوحِي“ میں عموم ہے اور یہ ہر سلام عرض کرنے والے کو شامل ہے خواہ وہ قریب ہو یا بعید جیسے خود مخالف نے اقرار کیا اور اوپر گزر چکا ہے)

ہاں کچھ اہل علم نے اس حدیث سے زیارت قبر انور پر استدلال ضرور کیا

أَمَّا حَمَلُهُ عَلَى الْمُسَلِّمِ مِنْ بَعِيدٍ وَ عَدَمِ دُخُولِ الْمُسَلِّمِ الزَّائِرِ فِيهِ هَذَا لَمْ يَقُلْ بِهِ أَحَدٌ فِيمَا عَلَيْنَاهُ فَقَوْلُهُ أَمَّا لِعَدَمِ دُخُولِهِ مَرْدُودٌ عَلَيْهِ وَهَلْ يَقُولُ عَاقِلٌ بِأَنَّ الْحَدِيثَ مَعَ إِطْلَاقِهِ لَا يَدْخُلُ فِيهِ شَيْءٌ مِنْ أَفْرَادٍ مَدْلُولِهِ مِنْ غَيْرِ دَلِيلٍ عَلَى خُرُوجِهِ (۱)

(لیکن اسے صرف دور والے پر محمول کرنا اور قریب قبر انور آ کر سلام و زیارت کرنے والے کو اس کے تحت داخل نہ کرنے کا کوئی بھی نہیں کہتا لہذا مخالف کا کہنا کہ زائر قریبی اس میں داخل ہی نہیں مردود ہے کیا کوئی صاحب عقل یہ کہہ سکتا ہے کہ حدیث مطلق ہے اور اس کے کچھ افراد اس کے مفہوم میں داخل نہیں جبکہ اس کے خروج پر کوئی دلیل بھی نہیں)

اس سے یہ مغالطہ بھی دور ہو جاتا ہے کہ زیارت روضہ نبوی کا کوئی مقام نہیں کیونکہ اس حدیث کے تحت دونوں طرح کے لوگ شامل ہیں البتہ زیارت پانے والے کو مزید ثمرات و برکات نصیب ہوتے ہیں۔

فضل:

مخالفین کا بھی سننے پر دلیل بنانا

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اُمت کی اکثریت کا مختار موقف یہی ہے کہ آپ ﷺ ہر سلام کہنے والے کا سلام سنتے ہیں اور اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ دور سے درود سنتے نہیں ہاں ہر ایک کا جواب عنایت کرتے ہیں انہوں نے بھی آپ ﷺ کے قریب سے سننے پر جو دلائل دیئے ہیں ان میں یہ حدیث مذکور بھی شامل ہے۔

سوال و جواب پڑھیے:

پہلے ڈاکٹر خالد محمود کا سوال و جواب پڑھیے پھر اپنی بات کرتے ہیں آپ ﷺ کے قریب سے سننے پر حدیث لائے اور پھر لکھا

سوال:

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی قوتِ سامعہ اتنی تیز تھی کہ منوں مٹی کا فاصلہ اسے روک نہیں سکتا؟

جواب:

ہاں جب حضور ﷺ دنیا میں تشریف فرما تھے تو کیا آپ نے منوں مٹی کے فاصلہ سے ان مُردوں کی آوازیں نہ سنیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور کیا یہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود نہیں ہیں؟ (۱)

ہماری گزارش:

جیسے منوں مٹی کے نیچے سے مردوں کا عذاب دیکھنا اور سننا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اسی طرح سات آسمانوں کے اوپر جنت و دوزخ کا دیکھنا و سننا بھی احادیثِ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے جیسے اوپر گزرا بلکہ جب آپ ﷺ کے دور سے سننے کی بات آئی تو اہل علم نے یہی احادیث پیش کیں کہ آپ ﷺ آسمانوں کے اوپر تک دیکھ سکتے اور سن سکتے ہیں تو دور سے درود سننے میں کوئی بُعد و مضائقہ نہیں۔

سوال:

کیا کسی اور حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضور ﷺ کہے گئے سلام کو سنتے ہیں۔

جواب:

ہاں حضور ﷺ نے فرمایا

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى
أُرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

(جو مجھ پر سلام پڑھے اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ کرتا ہے

اور میں اس کا جواب دیتا ہوں)

رَدَّ اللَّهُ رُوحِي کی بحث پہلے آچکی ہے اس حدیث میں حضور ﷺ کا

قریب سے صلاۃ و سلام سننا خود ثابت ہے (۱)

اہل حدیث فاضل کا استدلال

رسول اللہ ﷺ کے درود شریف سننے پر اہل حدیث شیخ عبد الجبار غزنوی کا

استدلال بھی اس حدیث سے ہے

بے شک حقیقتاً رسول اللہ ﷺ اس جہان میں حاضر اور زندہ نہیں مگر حکماً ہیں

(کیونکہ یہاں سے وہاں ہمارا سلام سنتے ہیں) ابوداؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي فَأُرَدَّ

عَلَيْهِ السَّلَامَ

(جب کوئی شخص مجھ کو سلام کہتا ہے اس وقت اللہ جل شانہ میری روح مجھ

پر لوٹاتا ہے اور میں اس کو جواب میں سلام کہتا ہوں)

پس جب کہ ہمارا سلام آپ کو پہنچ جاتا ہے اور آپ ہم کو جواب دیتے ہیں تو یہ

خطاب غیر محل نہ ہوا (۱)

درود و سلام سننے پر امام احمد کا استدلال

امام احمد بن حنبل (ت، ۲۴۱ھ) نے رسول اللہ ﷺ کے درود و سلام سننے پر

اسی حدیث سے استدلال کیا، اس کی تفصیل ڈاکٹر خالد محمود کی زبانی سنئے

حضرت امام احمد بن حنبل (ت، ۲۴۱ھ) امام بخاری اور امام مسلم کے جلیل

القدر استاذ اور خود امام مجتہد ہیں، آپ سے پوچھا گیا اگر کوئی حضور ﷺ کے روضہ پر سلام

عرض کرے تو کیا آپ ﷺ سنتے ہیں؟ اس وقت آپ کے پاس یہی روایت مستحضر تھی کہ

جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر متوجہ کر دیتے ہیں

حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں

وَالْإِمَامُ أَحْمَدُ أَعْلَمُ النَّاسِ فِي زَمَانِهِ لَمَّا سُئِلَ

مِنْ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ بِمَا يَعْتَبِدُ عَلَيْهِ فِي ذَلِكَ مِنْ

الْحَدِيثِ إِلَّا حَدِيثَ مَا مِنْ رَجُلٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ

اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّىٰ أُرَدَّ السَّلَامَ (۲)

(امام احمد اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے جب آپ سے یہ

بات پوچھی گئی تو آپ کے پاس اس وقت سوائے اس حدیث کے اور کوئی

روایت نہ تھی جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام

پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح ادھر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا

(جواب دوں) (۳)

(۲) فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۴۶:۲۷

(۱) اثبات الالہام والبیعة، ۲۳۶

(۳) مقام حیات، ۲۵۹

دیوبندی علماء فیصل آباد کا فتویٰ

دیوبندی علماء فیصل آباد، درود و سلام سننے کے بارے میں ایک سوال ہوا جس کے جواب میں انہوں نے لکھا

جو کوئی حضور ﷺ کو آپ کی قبر مبارک کے پاس سلام عرض کرتا ہے آنحضرت ﷺ خود سنتے ہیں اور خود اس کا جواب دیتے ہیں (صحیح حدیث ہے ”مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّىٰ أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ“)
ابوداؤد ص ۲۷۹، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷ (۱۰۸۲۷) اکابر اہلسنت کا یہی عقیدہ ہے (۱)

ہماری گزارشات

- ۱۔ جب ہر کوئی اس روایت کو درود و سلام سننے اور اس کا جواب دینے پر محمول کر رہا ہے تو اسے صرف جواب تک ہی محدود کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔
- ۲۔ اس حدیث سے مخالفین نے رسول اللہ ﷺ کا سلام سننا خود مان لیا ہے جب اہل سنت اس سے سننے پر استدلال کرتے ہیں تو وہ کیوں انکار کرتے ہیں؟ حالانکہ امت کا موقف سامنے آچکا ہے کہ درود سے مراد آپ ﷺ کا سلام سننا مراد ہے

۳۔ اس حدیث میں قبر کے پاس درود شریف پڑھنے کے الفاظ کہاں ہیں؟

۴۔ کیا اپنی طرف سے اضافہ سراسر ظلم و زیادتی نہیں؟

فصل:

قبر انور کے ساتھ خاص کرنے والوں کا رد

اس فرمان نبوی کو فقط زائرین بارگاہ کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جاسکتا، ایسی بات کہنے والوں کی اہل علم نے خوب تردید کی ہے۔

امام احمد خفاجی (ت، ۱۰۶۹) اسی روایت کے تحت خاص کرنے کے خیال کی تردید کرتے ہیں:

وَمَا قِيلَ إِنَّ رَدَّهُ مُخْتَصُّ بِسَلَامٍ زَائِرِهِ مَرْدُودٌ
لِعُمُومِ الْحَدِيثِ فَدَعَوَى التَّخْصِصِ تَحْتَاجُ لِذَلِيلٍ (۱)
(جو کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا جواب عنایت کرنا زائرین کے ساتھ
مخصوص ہے مردود ہے کیونکہ حدیث میں عموم ہے لہذا دعویٰ تخصیص پر
ذلیل کی ضرورت ہے)

امتیاز نہ رہا

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کی تردید وہ صحیح روایت بھی کرتی ہے جس میں ہے کہ ہر مومن اپنی قبر کی زیارت کرنے والے کا سلام سن کر جواب دیتا ہے۔

فَلَوْ اخْتَصَّ رَدُّهُ بِزَائِرِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ خُصُوصِيَّةٌ بِهِ لِيَا
عَلِمْتَ أَنَّ غَيْرَهُ يُشَارِكُهُ فِي ذَلِكَ

(اگر آپ ﷺ کے سلام کا جواب دینا زائرین کے ساتھ ہی مخصوص ہو تو
پھر یہ آپ کا امتیاز نہیں ہوگا کیونکہ تم نے جان لیا کہ اس میں آپ کے

ساتھ دیگر بھی شریک ہیں)

اس کے بعد امام ابو الیمین بن عسا کر (ت، ۶۸۶) کا استدلال ذکر کیا ہے۔

وَإِذَا جَازَ رَدُّهُ ﷺ عَلَى مَنْ يُصَلِّي عَلَيْهِ مِنَ الزَّائِرِينَ
بِقَبْرِهِ جَازَ رَدُّهُ عَلَى مَنْ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ مِنْ جَمِيعِ
الْأَفَاقِ مِنْ أُمَّتِهِ عَلَى بُعْدِ مَسَافَةٍ (۱)

(جب آپ ﷺ کا مزار اقدس کے زائرین کے سلام کا جواب دینا جائز ہے
تو بعد مسافت کے باوجود تمام کائنات کے سلام کا جواب دینا بھی جائز ہوگا)

قریب سے سننے میں امتیاز کیا ہے؟

اگر مخالفین کی یہ بات مان لی جائے کہ آپ ﷺ مزار اقدس کے قریب پڑھے
جانے والے درود و سلام کو ہی خود سنتے ہیں لیکن دور سے پڑھے جانے والے درود کو خود
نہیں سن سکتے تو اب یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ یہ مقام تو ہر مومن کو حاصل ہے کہ وہ اپنی قبر
پر آنے والے زائر کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں رسول
اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

مَا مِنْ أَحَدٍ كُمْ يَمُرُّ بِقَبْرِ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي

الدُّنْيَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِلَّا عَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

(تم میں سے جب کوئی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے اور

سلام کہے تو وہ اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے)

اب اگر رسالت مآب ﷺ کا مقام بھی یہی ہو تو پھر آپ ﷺ کا دیگر سے امتیاز

کیا ہوگا؟ یہی وجہ ہے جب بعض نے کہا کہ ”رَدَّ اللَّهُ رُوحِي حَتَّى أَرَدَّ عَلَيْهِ

السَّلَامَ“ سے فقط زائرین کے سلام کا جواب مراد ہے تو اس کا علمی رد کیا

عند قبری کے الفاظ ثابت نہیں

جو اس روایت کو زائرین کے ساتھ مخصوص مانتے اور اسے عام تسلیم نہیں کرتے

ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عِنْدَ قَبْرِى
(جو کوئی میری قبر کے پاس سلام عرض کرتا ہے)

یہاں عند قبری (میری قبر انور کے پاس) کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ صرف زائرین کے ساتھ ہی خاص ہے انہی کا سلام سن کر آپ ﷺ اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں لیکن ان کا یہ حیلہ اس لیے کامیاب نہیں ہو سکتا کہ ائمہ محدثین نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ الفاظ ثابت ہی نہیں، آئیے چند تصریحات ملاحظہ کر لیجئے۔

۱۔ امام عبدالرحمن سخاوی (ت، ۹۰۳) ان الفاظ کے بارے میں رقمطراز ہیں

لَمْ أَقِفْ عَلَيْهَا فِيمَا رَأَيْتُهُ مِنْ طُرُقِ الْحَدِيثِ (القول البدیع، ۳۱۶)
(میں نے یہ الفاظ کسی حدیث میں نہیں پائے)

۲۔ امام ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) اس روایت پر گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں پہلے اس کے الفاظ نقل کیے۔

حَتَّى أُرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
(یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں)

پھر فرماتے ہیں

وَ سَنَدُهَا حَسَنٌ بَلْ صَحَّحَهُ النَّوَوِيُّ فِي الْأَذْكَارِ
وَ غَيْرِهِ لَكِنْ نَظَرَ غَيْرُهُ فِيهِ وَ زِيَادَةٌ عِنْدَ قَبْرِى بَعْدَ
عَلَى قَالَ الْحَافِظُ السَّخَاوِيُّ لَمْ أَقِفْ عَلَيْهَا فِيمَا
رَأَيْتُهُ مِنْ طُرُقِ الْحَدِيثِ (۱)

(اس کی سند حسن ہے بلکہ امام نووی نے اذکار وغیرہ میں اسے صحیح قرار دیا لیکن بعض نے ان کے صحیح قرار دینے کو محل نظر قرار دیا اور علی کے بعد عند قبری کے الفاظ کے بارے میں حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ الفاظ کسی حدیث میں نہیں پائے)

فصل:

مُحَدِّثِیْنَ كَامِقِوْفِ كِبْرِیِّ سَامِنَسِیْرِیْنَ لَابَا؟

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أُرَدَّ
عَلَيْهِ السَّلَامَ

(کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ

پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں)

اس حدیث مبارک سے تمام اُمت نے اس پر استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

کا کائنات کے کسی بھی گوشے سے عرض کیے گئے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں:

صرف تین حوالے ملاحظہ ہوں

۱۔ امام زرقانی اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کے عموم کو ان الفاظ

میں آشکار کرتے ہیں

قَدْ رَوَى أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ مِنْ حَدِيثِ أَبِي

هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ (مَا مِنْ مُسَلِّمٍ

يُسَلِّمُ عَلَيَّ) فِي أَيِّ مَحَلٍّ كَانَ (۱)

(امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے یہ ارشاد نبوی ﷺ روایت کیا ہے) (کہ جو بھی مجھ پر سلام کہے) خواہ وہ

کہیں بھی ہو)

ان کے الفاظ ”فِي آيِ مَحَلِّ كَان“ (سلام عرض کرنے والا کائنات میں کہیں ہو) نہایت ہی واضح، اہم اور قابل توجہ اور ستائش ہیں۔

۲۔ حضرت ملا علی قاری حنفی (ت، ۱۰۱۴) فرماتے ہیں یہ حدیث ہر جگہ اور ہر زمانہ کو شامل ہے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام ارواح مقدسہ کا تعلق عالم پست و بالا تمام سے یکساں ہے، ان کے الفاظ پڑھیے۔

وَظَاهِرُهُ الْإِطْلَاقُ الشَّامِلُ لِكُلِّ زَمَانٍ وَ مَكَانٍ وَ
مَنْ خَصَّ الرَّدَّ بِوَقْتِ الزِّيَارَةِ فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ (۱)

(ظاہر حدیث میں عموم و اطلاق ہے جو تمام زمان و مکان کو شامل ہے اور جو شخص جو اب سلام کو وقت زیارت کے ساتھ مخصوص کرے وہ دلیل لائے)

۱۔ امام احمد خفاجی (ت، ۱۰۶۵) اسی روایت کے تحت خاص کرنے والوں کے خیال کی تردید یوں کرتے ہیں کہ

أَمَّا قِيلَ إِنَّ زَدَّهُ ﷺ مُخْتَصٌّ بِسَلَامِ زَائِرِهِ مَرْدُودٌ
لِعُمُومِ الْحَدِيثِ فَدَعْوَى التَّخْصِصِ تَحْتَاجُ الدَّلِيلَ (۲)

(یہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا جواب سلام زائر کے سلام سے ہی مختص ہے یہ دعویٰ محتاج دلیل ہے)

کچھ لوگوں کی سراسر زیادتی

کچھ لوگوں مثلاً سہ فر از صفدر اور ڈاکٹر خالد محمود نے اپنی اپنی تصنیفات و تالیفات تسکین الصدور اور مقام حیات میں اس روایت کو قبر انور کے ساتھ مخصوص کرنے کی جو جرأت کی ہے وہ انصاف و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

انہوں نے اگر الفاظ ”عِنْدَ قَبْرِى“ کے بارے میں ابن قدامہ حنبلی اور ابن عبد اللہ ہادی کا حوالہ ذکر کیا تھا۔ تو کیا ان کا یہ فریضہ نہیں تھا کہ امت کے مسلمہ محدثین کے فیصلے بھی وہاں نقل کر دیتے کہ یہ الفاظ روایت کا حصہ نہیں ہیں لیکن ان دونوں نے اس

(۱) شرح الشفاء: ۲، ۱۳۲

(۲) نسیم الریاض ۵-۷۹

مسلمہ موقف کا ذکر تک کرنا ضروری نہیں سمجھا حالانکہ اسے سامنے لانا ان کا دینی، ملی، علمی، اخلاقی بلکہ ایمانی فریضہ تھا۔

عند قبری حدیث کا حصہ نہیں

ہم ان میں سے چند تصریحات سامنے لائے دیتے ہیں کہ عند قبری حدیث

کا حصہ نہیں ہے۔

۱۔ امام محمد عبدالرحمن سخاوی (۹۰۳) اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

(وَقَدْ ذَكَرَ الْبُؤْفِقُ ابْنُ قُدَّامَةَ فِي (الْمُغْنَى) هَذَا
الْحَدِيثَ فَزَادَ فِيهِ بَعْدَ قَوْلِهِ (يُسَلِّمُ عَلَيَّ) عِنْدَ
قَبْرِى وَ لَمْ أَقِفْ عَلَيْهَا فِيمَا رَأَيْتُهُ مِنْ طَرِيقِ
الْحَدِيثِ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى) (۱)

(شیخ موفق بن قدامہ نے معنی میں اس حدیث کا ذکر کیا اور ان الفاظ کا
اضافہ کیا (میری قبر کے پاس) لیکن مجھے یہ الفاظ کسی حدیث میں نہیں
ملے اور علم حقیقی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے)

۲۔ ان لوگوں نے یہ تاثر دینے کی پوری کوشش کی کہ شیخ ابن عبداللہادی بھی ان
الفاظ کو روایت کا حصہ مانتے ہیں حالانکہ انہوں نے ان کے بیان کردہ دونوں
مقامات پر ان الفاظ کے حصہ ہونے کی یوں تردید کی ہے۔

وَلَيْسَ فِي لَفْظِ الْحَدِيثِ الْبَعْرُوفِ فِي السُّنَنِ
وَالْمُسْنَدِ (عِنْدَ قَبْرِى) لَكِنْ عَرَفُوا أَنَّ هَذَا هُوَ
الْمُرَادُ (۲)

(سنن و مسانید کی معروف حدیث میں (عند قبری) کے الفاظ نہیں ہاں
اہل علم اس سے مراد لیتے ہیں)

۳۔ انہوں نے ابن قدامہ سے روایت کے یہ الفاظ نقل کر کے لکھا

(۱) القول البدیع، ۳۱۶

(۲) الصارم المنکلی: ۱۱۵

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: (مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّىٰ أُرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ) هَكَذَا رَوَاهُ فِي هَذَا اللَّفْظِ لَيْسَ فِيهِ عِنْدَ قَبْرِي، وَ مَا أُضِيفَ إِلَيْهِ مِنْ هَذِهِ الزِّيَادَةِ فَهُوَ عَلَى سَبِيلِ التَّفْسِيرِ مِنْهُ لَا أَنَّهُ مَذْكَورٌ فِي رِوَايَتِهِ (۱).

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح لوٹاتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب عنایت کرتا ہوں اس روایت کے الفاظ یہی ہیں ”عِنْدَ قَبْرِي“ کا اضافہ اس میں موجود نہیں ہاں یہ بطور تفسیر ہیں نہ کہ بطور حصہ روایت)

۳ شارح بخاری امام محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔

وَ ذَكَرَ الشَّيْخُ الْمُؤْتِقُ ابْنُ قَدَامَةَ فِي الْمَغْنِيِّ هَذَا الْحَدِيثَ وَ فِيهِ زِيَادَةٌ بَعْدَ قَوْلِهِ (يُسَلِّمُ عَلَيَّ) عِنْدَ قَبْرِي وَلَمْ أَرَهَا فِي شَيْءٍ مِنْ بَطْرِفِ هَذَا الْحَدِيثِ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ (۲)

(شیخ موفق بن قدامہ نے المغنی میں اس روایت کو ذکر کیا جس میں (يُسَلِّمُ عَلَيَّ) کے بعد عند قبری کا اضافہ ہے مگر بندہ نے کسی روایت میں یہ الفاظ نہیں دیکھے، حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہے)

نہایت ہی غلط تاثر

ڈاکٹر موصوف نے ”مقام حیات“ کے صفحہ ۵۵۱ پر لکھا ہے کہ

(۱) الصارم المنکی، ۱۸۹

(۲) مسالک الخفاء، ۲۰۵

سوحديث 'إِلَّا بَلَّغْنِي صَوْتُهُ' ابن حجر مکی کے ہاں 'عِنْدَ قَبْرِیْ' سے خاص ہوگی اور اس سے ان کی ان احادیث صحیح سے تطبیق ہو جائے گی جن میں دور کے سلام کا بتوسط ملائکہ پہنچنا صریح لفظوں میں پایا جاتا ہے، ابن حجر نے اسے اسی شخص کے متعلق قرار دیا ہے جو قبر مبارک کے پاس آ کر درود پڑھے۔

یہ تفصیل ہم نے اس لیے کی ہے کہ بعض دوسرے علماء نے جب طبرانی کی اس حدیث کو نقل کیا ہے تو الفاظ 'بَلَّغْنِي صَوْتُهُ' (اس کا درود مجھے پہنچتا ہے) روایت کیے ہیں معلوم ہوتا ہے بَلَّغْنِي صَوْتُهُ میں تصحیف ہوئی ہے سو اگر اسے اسی شکل میں لیا جائے تو اسے، 'عِنْدَ قَبْرِیْ' کے ساتھ خاص کرنا ہوگا اس صورت میں یہ روایت بھی امام بیہقی کے شواہد میں ذکر کی جاسکتی ہے۔ (۱)

اس عبارت میں انہوں نے حافظ ابن حجر مکی کے حوالہ سے یہ تاثر دیا ہے کہ وہ 'عِنْدَ قَبْرِیْ' کو روایت کا حصہ مانتے ہیں حالانکہ حافظ موصوف نے ابن قدامہ سے روایت کے الفاظ ذکر کر کے لکھا

فَإِنْ ثَبَتَ فَهُوَ صَرِيحٌ فِي تَخْصِيصِ هَذِهِ الْفَضِيلَةِ
بِالْمُسْلِمِ عِنْدَ الْقَبْرِ وَإِلَّا فَالْمُسْلِمُ عِنْدَ الْقَبْرِ اِمْتِازٌ
بِالْبُؤَاغَةِ بِالْخِطَابِ اِبْتِدَاءً وَجَوَابًا (۲)

(اگر یہ الفاظ روایت ثابت ہوں تو یہ فضیلت مزار پر سلام عرض کرنے والے کے ساتھ مخصوص ہونے کی تصریح ہے اور اگر یہ ثابت نہیں تو قبر انور کے پاس سلام کہنے والے کو ابتداء و جواب میں بالمشافہ خطاب کی فضیلت حاصل ہوگی)

جس میں انہوں نے ان الفاظ کو بالفرض روایت کے الفاظ کہہ کر اس امر کی

طرف اشارہ کر دیا کہ ان الفاظ کا حدیث مبارکہ کا حصہ ہونا صحت کے ساتھ ثابت نہیں

حافظ ابن حجر مکی کا موقف

بلکہ ایک مقام پر انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں ان کا حصہ روایت ہونے

(۱) مقام حیات، ۵۵۲، ۵۵۱

(۲) الجوہر المنظم: ۶۱

سے انکار کرتے ہوئے امام عسقلانی کے حوالہ سے لکھا کہ لَمْ أَقِفْ عَلَيْهَا، (میں ان سے آگاہ نہیں)

حافظ ابن حجر مکی الدر المنضود میں فرماتے ہیں کہ

وَزِيَادَةٌ (عِنْدَ قَبْرِي) بَعْدَ (عَلَيَّ) قَالَ الْحَافِظُ لَمْ

أَقِفْ عَلَيْهَا فِيمَا رَأَيْتُهُ مِنْ طُرُقِ الْحَدِيثِ (۱)

(علی کے بعد (عِنْدَ قَبْرِي) کے الفاظ کے اضافہ کے بارے میں

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ کسی حدیث کا حصہ نہیں)

یہ بھی یاد رہے کہ حافظ ابن حجر حضور ﷺ کے لیے تمام کائنات کے درود و سلام

سننے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس پر ان کی کتب میں متعدد تصریحات موجود ہیں مثلاً شرح

مشکوٰۃ میں سرور عالم ﷺ کا زندہ جاوید ہونے پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”روح

طیبہ عروج کی وجہ سے اس قدر قوی ہوئی کہ تمام حجابات ختم

فَتَرَى جَمِيعَ مَا تَصِلُ إِلَيْهَا مِنَ الْأُمَّةِ مِنْ صَلَاةٍ وَ

سَلَامٍ غَيْرِهَا كَالْمُشَاهِدِ (۲)

(تو آپ ﷺ اُمت کے صلوة و سلام اور دیگر چیزوں کو مشاہدہ کرنے

والے کی طرح دیکھتے ہیں)

اسی مقام پر ابن حجر فرماتے ہیں کہ ملائکہ کی طرف سے درود شریف پہنچایا جانا

مزید عزت و تکریم کے باعث ہے۔ (۳)

ذاتی خیالات کا نام دین ہرگز نہیں

ڈاکٹر موصوف نے حافظ ابن حجر کے حوالہ سے جو لکھا کہ میرے خیال میں

’عِنْدَ قَبْرِي‘ کو حدیث کا حصہ مانتے ہیں۔

حالانکہ اوپر آچکا ہے کہ وہ ایسی بات نہیں کرتے

(۱) الدر المنضود: ۱۵۲

(۲) الفتوحات الربانية: ۳، ۳۱۵

(۳) الفتوحات الربانية: ۳، ۳۱۵

انہوں نے 'بَلَّغْنِي صَوْتُهُ' کے الفاظ کے بارے میں لکھا کہ اس میں تصحیف ہوئی ہے یہ بھی ان کی طرح، ان کے بڑوں کا خیال والہام ہی ہے۔
 ان دس کتابوں کا مشاہدہ کر لیجئے جن میں یہ لفظ "صَوْتُهُ" ہی موجود ہے اور 'بَلَّغْنِي صَوْتُهُ' کی روایت الگ ہے اور "بَلَّغْتِنِي صَلَوَتُهُ" کی روایت جدا ہے۔
 اور یہ دونوں روایتیں ثابت کر رہی ہیں کہ آپ ﷺ درود و سلام بلا واسطہ سنتے ہیں۔
 یہاں ہم موصوف کی ذکر کردہ روایت اور اس کا ترجمہ و تشریح سامنے لاتے ہیں۔ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا جُوبِنْدُهُ خَدًا مَجَّحًا بِرُودٍ يُرْتَهَتَا هُوَ مَجَّحًا بَلَّغْنِي صَلَوَتُهُ
 (رواہ الطبرانی) پہنچتا ہے۔

یہاں پہنچایا جانا نہیں، پہنچنا کہا ہے معلوم ہوتا ہے یہ اس شخص کے متعلق ہے جو قریب سے پڑھے، دور والے کا پہنچایا جاتا ہے نہ یہ کہ خود پہنچتا ہے۔ بعض حوالوں میں یہ روایت تصحیف کا تب سے "بَلَّغْنِي صَوْتُهُ" کے لفظوں میں منقول ہے اس سے بھی اس بات کی تائید ملتی ہے کہ یہ قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے والے کے متعلق ہے۔ (۱)
 کیا ان کی اس بات سے یہ واضح نہیں ہو رہا کہ آپ ﷺ کے مطلق ارشادات عالیہ کو وہ اپنے من پسند اور من گھڑت خیالات سے مقید کرتے جا رہے ہیں جو قطعی طور پر کسی کو حق حاصل نہیں ہے حالانکہ تمام علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر اور مقید کو تقید کے ساتھ ہی مانا جائے۔

بات بڑی سیدھی سی ہے کہ آپ ﷺ صلوة و سلام ہی نہیں اُمت کے تمام اعمال کے عینی شاہد ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ خود بھی درود شریف سنتے ہیں اور ملائکہ بھی یہ خدمت سرانجام دیتے ہیں خواہ آپ ﷺ کے مزار عالی کے پاس پڑھا جائے یا کائنات کے کسی بھی گوشے میں پڑھا جائے۔ البتہ زائر کو دیگر پر فضیلت حاصل ہے الغرض انہوں نے زیر مطالعہ حدیث سے جو کچھ سامنے لانے کی کوشش کی اس سے یوں لگتا ہے کہ "عند قبری" حدیث کا حصہ ہے اور انہوں نے اسے پوری اُمت کا موقف بنا کر پیش کر دیا جبکہ حقائق اس کے منافی ہیں اسے ان کی سادگی، کم علمی یا بددیانتی

قرار دیا جائے یا مطالعہ کی کمی۔

عدم صحت کی طرف امام سبکی کا اشارہ

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اہل علم مثلاً امام تقی الدین سبکی (ت، ۷۵۶) وغیرہ نے اس روایت کو قبر کے ساتھ مخصوص مان کر اس سے زیارت بارگاہ نبوی پر استدلال یوں کیا ہے۔ یہ حدیث ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح ہے اور اس سے ایک جماعت ائمہ نے مسئلہ زیارت پر استدلال کیا ہے، امام ابو بکر بیہقی نے باب زیارة قبر النبی ﷺ کے تحت پہلی حدیث یہی نقل کی ہے، ان کا یہ اعتماد و استدلال صحیح ہے کیونکہ سلام عرض کرنے والے زائر کو سلام کا جواب رسول اللہ ﷺ سے نصیب ہوتا ہے اور یہ بہت بڑا فضیلت و رتبہ ہے لہذا اس کے حصول کی کاوش کرنی چاہیے تاکہ آپ ﷺ کے سلام کی برکات حاصل کی جائیں۔ (۱)

ہماری گزارش

بلاشبہ بعض ائمہ نے اس روایت سے زیارت بارگاہ نبوی ﷺ پر استدلال کیا مگر انہوں نے 'عِنْدَ قَبْرِ نَبِيِّ' کو بالیقین حصہ روایت نہیں بنایا بلکہ تصریح کر دی کہ اگر یہ حصہ ہے تو پھر یہ تخصیص ہوگی ورنہ نہیں، اسی لیے آگے امام سبکی نے اس پر گفتگو کرتے ہوئے جو سوال و جواب لکھا اس کا مطالعہ کیجئے۔

سوال

لَيْسَ فِي الْحَدِيثِ تَخْصِيصٌ بِالزَّائِرِ فَقَدْ يَكُونُ هَذَا حَاصِلًا لِكُلِّ مُسَلِّمٍ قَرِيبًا كَانَ أَوْ بَعِيدًا... تَحْصِيلُ هَذِهِ الْفَضِيلَةِ بِالسَّلَامِ مِنْ غَيْرِ زِيَارَةٍ وَالْحَدِيثُ عَامٌّ (اس میں زائر کی تخصیص نہیں ہے یہ فضیلت تو ہر سلام والے کو حاصل ہوگی خواہ وہ قریب ہو یا دور ہو تو اب یہ فضیلت ہر سلام والے کو حاصل ہوگی اور اس میں زیارت کی شرط نہیں تو حدیث میں عموم ہے)

جواب:

اس کا جواب دیتے ہوئے امام ابن قدامہ سے روایت نقل کی جس میں عند قبری

کے الفاظ ہیں اور پھر لکھا:

وَ هَذِهِ زِيَادَةٌ فَتَقْضَاهَا التَّخْصِیْصُ فَإِنْ ثَبَتَ
فَذَاكَ وَإِنْ لَمْ يَثْبُتْ فَلَا شَكَّ أَنَّ الْقَرِیْبَ مِنَ
الْقَبْرِ یَحْضُلُ لَهُ ذَلِكَ لِأَنَّهُ فِي مَنْزِلَةِ الْمُسْلِمِ بِالتَّحِیَّةِ
الَّتِي یَسْتَدْعِي الرَّدَّ فِي حَالِ الْحَیَاةِ فَهُوَ بِحُضُورِهِ عِنْدَ
الْقَبْرِ قَاطِعٌ بِنَیْلِ هَذِهِ الدَّرَجَةِ عَلَى مُقْتَضَى الْحَدِیْثِ
مُتَعَرِّضٌ لِخِطَابِ النَّبِيِّ ﷺ بِرَدِّ السَّلَامِ عَلَيْهِ وَفِي
الْمَوْجِهَةِ فَضِیْلَةٌ زَائِدَةٌ عَلَى الرَّدِّ عَلَى الْغَائِبِ (۱)

(یہ اضافہ تخصیص کا تقاضا کر رہا ہے تو اگر یہ اضافہ ثابت ہو تو تخصیص ہوگی اور اگر یہ اضافہ ثابت نہ ہو تو بلاشبہ قبر سے قریبی کو یہ فضیلت پھر بھی حاصل ضرور ہوگی کیونکہ یہ قریبی سلام تحیہ کہنے والے کی طرح ہے جس کا تقاضا جواب ہے جیسے دنیا میں سلام کا طریقہ ہے تو اب زیارت کرنے والا اس حدیث کے تقاضا کے مطابق یہ فضیلت و درجہ پائے گا اور اسے سلام کا خطاب اور بالمشافہ جواب ملے گا جو غائب کو جواب ملنے سے زائد و افضل ہے)

تو انہوں نے بھی اشارہ کر دیا کہ یہ الفاظ روایت کا حصہ نہیں

فصل:

دُرود شریف پڑھنے والے کی آواز کا سُنا

احادیث مبارکہ میں یہاں تک بھی موجود ہے کہ جو آدمی درود شریف پڑھتا ہے اس کی آواز رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے یعنی آپ ﷺ درود شریف پڑھنے والے کی آواز کو خود سنتے ہیں۔ یہاں ہم اس روایت کو دس محدثین اور علماء کے حوالہ سے بیان کیے دیتے ہیں۔

۱۔ شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن قیم (ت، ۷۵۱) امام طبرانی سے سند کے ساتھ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

أَكثَرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ يَوْمٌ مَشْهُودٌ
تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي
صَوْتُهُ حَيْثُ كَانَ قُلْنَا وَبَعْدَ وَفَاتِكَ؟ قَالَ وَبَعْدَ
وَفَاتِي إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيَّ الْأَرْضَ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ
الْأَنْبِيَاءِ (۱)

(جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ حاضری کا دن ہے اور

ملائکہ حاضر ہوتے ہیں جب بھی کوئی آدمی مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے وہ

کہیں بھی ہو اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ

آپ کے وصال کے بعد بھی؟ فرمایا ہاں وصال کے بعد بھی کیونکہ اللہ

تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کھانا حرام فرما دیا ہے)

۲۔ امام حافظ محمد بن عبد اللہ بن ناصر الدین دمشقی (ت، ۸۴۲) نے بھی یہی الفاظ

امام طبرانی ہی کے حوالہ سے نقل کیے ہیں

لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ حَيْثُ
كَانَ (۱)

(کوئی آدمی جب مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے وہ
جہاں بھی ہو)

۳۔ امام محمد یوسف صالحی شامی (ت، ۹۴۲) نے بھی طبرانی ہی کے حوالہ سے یہی
الفاظ ذکر کئے ہیں

وَرَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ بِلَفْظٍ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا
بَلَغَنِي صَوْتُهُ حَيْثُ كَانَ (۲)

(امام طبرانی نے روایت ان الفاظ میں ذکر کی ہے جو آدمی مجھ پر درود
پڑھے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو)

۴۔ امام حافظ محمد بن عبدالرحمن سخاوی (ت، ۹۰۲) کے الفاظ یہ ہیں

وَأَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ بِاللَّفْظِ أَكْثَرُ وَالصَّلَاةُ
عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ يَوْمٌ مَشْهُودٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ
لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ حَيْثُ
كَانَ (۱)

(امام طبرانی نے المعجم الكبير میں ان الفاظ میں روایت کی کہ مجھ پر بروز
جمعہ درود زیادہ پڑھا کرو کیونکہ اس دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں جو آدمی مجھ
پر درود پڑھے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو)

۵۔ شارح بخاری امام شمس الدین محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) نے بھی یہی الفاظ امام
طبرانی کے حوالہ سے نقل کیے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن کثرت
کے ساتھ مجھ پر درود شریف پڑھا کرو کیونکہ یہ ملائکہ کی حاضری کا دن ہوتا ہے۔

(۱) سلاة الكليب بوفاة الجيب، ۱۸۷

(۲) سبل الهدى والرشاد، ۱۴-۳۵۸

(۳) القول البدیع، ۳۲۱

لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ حَيْثُ
كَانَ (۱)

(جو بندہ بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ جہاں بھی ہو اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے)

-۶ امام یوسف بن اسماعیل نبھانی (ت، ۱۳۵۰) نے بھی طبرانی کے حوالہ سے

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بروز جمعہ مجھ

پر درود پڑھا کرو اس دن فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے

لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ حَيْثُ
كَانَ (۲)

(جو بندہ بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ جہاں بھی ہو اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے)

-۷ امام احمد ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) درود و سلام پر روایات کا تذکرہ کرتے ہوئے

کہتے ہیں، طبرانی کی ایک روایت یوں ہے۔

لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ قُلْنَا يَا
رَسُولَ اللَّهِ وَبَعْدَ وَفَاتِكَ؟ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِي إِنَّ اللَّهَ
حَرَّمَ عَلَيَّ الْأَرْضَ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ

(نہیں کوئی آدمی مجھ پر درود پڑھتا مگر اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے ہم

نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے وصال کے بعد بھی؟ فرمایا ہاں

وصال کے بعد بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اجسامِ انبیاء کا کھانا حرام

فرمادیا ہے)

بلکہ اس سے استنباط و استخراج مسئلہ یوں کیا کہ یہ روایت بتا رہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام

کے حواس، وصال کے بعد بھی ظاہری حیات کی حالت پر ہی باقی رہتے ہیں ان کے الفاظ ہیں۔

أَيُّ فَسَنَعُهُمُ الْحَيِّتِيُّ كَبَقِيَّةِ حَوَاسِهِمُ الظَّاهِرَةِ
وَالْبَاطِنَةِ بَاقِيَّةٌ بِحَالِهَا كَمَا كَانَتْ عَلَيْهِ قَبْلَ

(۱) مسالک الخفاء، ۲۶۲

(۲) حجة اللہ علی العالمین، ۷۱۳

وَفَاتِهِمْ عَلَى نَبِينَا وَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ،
لَكِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَغْنَاهُمْ عَنِ الْإِحْتِيَاجِ إِلَى الْغِذَاءِ
الْحَبِيبِيِّ كَرَامَةً لَهُمْ كَالْمَلَائِكَةِ وَأُولَى (۱)

(حضرات انبیاء علیہم السلام کا حسا سنا اور ان کے دیگر ظاہری و باطنی حواس
ظاہری حیات قبل از وصال کی طرح ہی کام کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ
انہیں ان کی عزت کی وجہ سے غذا حسی سے بے نیاز فرما دیتا ہے جیسے ملائکہ
بلکہ نبی مکرم ﷺ کا مقام ان سے کہیں بڑھ کر ہے)

۸۔ انہوں نے ہی 'الدَّرُّ الْمَنْضُودُ فِي الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى
صَاحِبِ الْبَقَامِ الْمَحْبُودِ، میں بھی اسے یوں ہی نقل کیا ہے امام طبرانی
نے ہی ایک روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ حَيْثُ كَانَ (۲)
جو بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ کہیں ہو
۹۔ شیخ موسیٰ نے بھی سند کے ساتھ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ بروز جمعہ مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھا کرو۔

لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ حَيْثُ كَانَ (۳)
(کوئی بندہ ایسا نہیں جو مجھ پر درود پڑھے مگر یہ کہ اس کی آواز مجھ تک پہنچ
جاتی ہے)

۱۰۔ مولانا محمد انوار اللہ فاروقی خلیفہ مجاز الحاج امداد اللہ مہاجر کی کہتے ہیں چنانچہ خود
آنحضرت ﷺ نے اس کی تصریح فرمادی ہے کما فی طبرانی
لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ (۴)
(جو یہ درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے)

(۱) الجوهر المنظم، ۵۰

(۲) الدر المنضود، ۱۱۷

(۳) حقیقۃ التوسل، ۵۴۰

(۴) انوار احمدی، ۹۴

فصل:

تھانوی صاحب کے اشکالات کا علمی رد

آپ پڑھ چکے کتنے جلیل القدر محدثین و آئمہ نے یہ روایت نقل کی اور کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس سے یہ استنباط اور فائدہ بتایا کہ رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں اور درود سنتے ہیں، ہمارے دور کے کچھ لوگوں نے اس پر اعتراضات کیے ہیں اگرچہ وہ اس لائق نہیں کہ کوئی اہل علم انہیں قبول کرے اور ان سے متاثر ہو کر اس کا انکار کرے مگر عوام کے لیے پریشانی کا سبب بن سکتا ہے اس لیے ان کا جواب دینا بھی ضروری ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی (بت، ۱۳۶۲) سے اس روایت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اس کا جواب لکھا ہم وہ سوال و جواب من و عن نقل کر کے ان کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا علمی تجزیہ کریں گے۔

سوال و جواب، اکتیسویں حکمتہ جواب روایت دالتہ بر سماع نبوی درود بلا واسطہ

سوال

خادم کا عقیدہ اگرچہ یہ ہے کہ درود شریف کو فرشتے آنحضرت ﷺ تک پہنچاتے ہیں اس بنا پر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ اگر پڑھا جاوے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فرشتے پہنچا دیں گے تو سماع آنحضرت ﷺ کا بلا واسطہ نہیں ہوتا مگر استاذی مولانا مولوی۔۔۔ صاحب مدظلہ چند روز ہوئے آ رہ تشریف لے گئے تھے، ایک بزرگ نے ایک کتاب ابن قیم جوزی کی جس کا نام 'جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام، ہے دیکھنے کو دی اس میں یہ حدیث موجود ہے جس کو مولانا نے نقل فرمایا ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ الْعَلَّافِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي

مَرِيْمَ حَدَّثَنَا يُحْيَىٰ بْنُ أَيُّوبَ عَنْ خَالِدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ
سَعِيدِ بْنِ جَلَالٍ عَنْ أَبِي دَرْدَاءَ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ أَكْثَرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ يَوْمٌ
مَشْهُودٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ
إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ حَيْثُ كَانَ قُلْنَا وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ
وَ بَعْدَ وَفَاتِي إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيَّ الْأَرْضَ أَنْ تَأْكُلَ
أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ

(اس حدیث میں کوئی کلام بھی نہیں کیا کہ ضعیف ہے یا موضوع، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کی آواز کو سماع فرماتے ہیں علاوہ اس کے کوئی معنی بیان فرما دیں تا کہ تردد رفع ہو یا ایسا ہی عقیدہ رکھنا چاہیے آنحضور کا کیا ارشاد ہے)

الجواب:

اس سند میں ایک راوی یحییٰ بن ایوب بلا نسب مذکور ہیں جو کئی راویوں کا نام ہے جن میں سے ایک غافقی ہیں جن کے باب میں ربما اخطاء لکھا ہے یہاں احتمال ہے کہ وہ ہوں۔ دوسرے ایک راوی خالد بن زید ہیں یہ بھی غیر منسوب ہیں اس نام کے رواۃ میں سے ایک کی عادت ارسال کی ہے اور یہاں عنعنہ سے ہے جس میں راوی کے متروک ہونے کا اور اس متروک کے غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے۔

تیسرے ایک راوی سعید بن ابی بلال ہیں جن کو ابن حزم نے ضعیف اور امام احمد نے مختلط کہا و هذا كله من التقريب پھر کئی جگہ اس میں عنعنہ بھی ہے جس کے حکم بالاتصال کے لیے ثبوت تلاقی کی حاجت ہے یہ تو مختصر کلام ہے سند میں

باقی رہا متن سوا اولاً معارض ہے دوسری احادیث صحیحہ کے ساتھ چنانچہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ حدیث ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سَيِّئًا حِينَ فِي
الْأَرْضِ يَبْلُغُونِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ

اور یہی حدیث حسن حصین میں بحوالہ مستدرک وابن حبان میں بھی مذکور ہے اور نیز مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ہے۔

ثالثاً بلفظ بَلَّغْنِي صَوْتَهُ محتمل تاویل ناشی عن دلیل ہے ”وَإِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ“ اور وہ دلیل جو منشاء تاویل کا ہے دوسری احادیث مذکورہ ہیں پس بضرورت جمع بین الاحادیث اس لفظ کی یہ توجیہ ہوگی کہ اس صورت سے مراد جملہ صلوتیہ ہے کیونکہ کلام اور کلمہ قسم ہے لفظ کی اور وہ قسم ہے صوت کی پس درود شریف بھی ایک صوت ہے عام ہے بلاغ بالواسطہ و بلا واسطہ کو اور بقرینہ دوسری احادیث کے بلاغ بالواسطہ متعین ہے پس معنی بَلَّغْنِي صَوْتَهُ کے یہ ہوں گے بَلَّغْنِي صَوْتَهُ بِوَاِسْطَةِ الْمَلَائِكَةِ رابعاً اگر حدیث کے ضعف سند اور متن کے معارض و محتمل تاویل ہونے سے قطع نظر کر لیا جاوے اور کل ازمنہ و امکانہ و احوال اور جمیع مصلین میں عام لیا جاوے تب بھی اہل حق کے کسی دعویٰ مقصودہ کو مضر نہیں اور نہ ان کے غیر کے کسی دعویٰ مقصودہ کو مفید۔ اگر اس اجمال پر قناعت نہ ہو تو اس ضرر یا نفع کو متعین کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ جواب میں تفصیل ہوگی واللہ اعلم

بعد تحریر جواب ہذا بلا توسط فکر قلب پر وارد ہوا کہ اصل حدیث میں صوتہ نہیں ہے بلکہ صلوتہ ہے کاتب کی غلطی سے کام رہ گیا ہے امید ہے کہ اگر نسخ متعددہ دیکھے جائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ کسی نسخہ میں ضرور اس طرح نکل آئے گا وَالْغَيْبُ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى فَقَطْ ۱۶ ذِي قَعْدَةِ ۱۳۲۲ھ (۱)

یہاں انہوں نے یہ سوالات اٹھائے ہیں

۱۔ یحییٰ بن ایوب بلا نسب مذکور ہیں ممکن ہے غافقی ہو جس کے بارے میں رہما اخطاء ہے

۲۔ خالد بن زید کا معاملہ بھی یہی ہے، اس نام کے راویوں میں ایک کی عادت ارسال ہے اور اس متروک کے غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے۔

۳۔ تیسرا راوی سعید بن ابی ہلال ہے ابن حزم نے اسے ضعیف اور امام احمد نے مختلط کہا ہے۔

۴۔ اس کا متن دیگر صحیح احادیث کے مخالف و معارض ہے جن میں ہے کہ ملائکہ درود پہنچاتے ہیں پھر آپ ﷺ کا فرمان ہے قبر کے پاس کا درود خود سنتا ہوں اور دور والا پہنچایا جاتا ہے۔

۵۔ دور سے نہ سننے کے بارے میں صریح احادیث ہیں۔

۶۔ یہ کتابت کی غلطی ہے یہ صوتہ نہیں بلکہ صلوتہ ہے۔

غزالی زماں کے جوابات

ان سوالات کے جوابات غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی کی زبان سے سنئے تھانوی صاحب نے اس کے جواب میں سند اور متن حدیث دونوں پر کلام کیا ہے سند پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس سند میں ایک راوی یحییٰ بن ایوب بلا نسب مذکور ہیں جو کئی راویوں کا نام ہے جن میں ایک غافقی ہیں جن کے باب میں ربما اخطاء لکھا ہے یہاں احتمال ہے کہ وہ ہوں: انتہی (۱)

اقول

تھانوی صاحب جس سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ احتمال پیدا کر رہے ہیں اس سوال کا جواب انہوں نے بوادر النوادیر کے صفحہ ۲۰۵ پر خود ارقام فرمایا ہے۔ اس میں یہ عبارت موجود ہے۔

(فَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ الْعَلَّافِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ

أَبِي مَرْيَمَ الْخ)

کتب اسماء الرجال میں یحییٰ بن ایوب العلاف اور یحییٰ بن ایوب غافقی دونوں کو ”علاف“ اور ”غافقی“ کے الفاظ میں ممتاز کر کے الگ الگ ذکر کیا گیا ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ احتمال کہاں سے پیدا ہو گیا ہے دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۵

پر یحییٰ بن ایوب العلاف کا تذکرہ ان الفاظ میں موجود ہے۔

يَحْيَىٰ بْنُ أَيُّوبَ بْنِ بَادِي الْخَوْلَانِي الْعَلَّافِ رَوَى عَنْ
أَبِي صَالِحٍ عَبْدِ الْغَفَّارِ بْنِ دَاوُدَ وَ عُمَرَ بْنَ خَالِدِ
الْهَرَائِيِّ وَيَحْيَىٰ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَكْرِ وَ سَعِيدِ بْنِ أَبِي
مَرْيَمَ - قَالَ نِسَائِي - صَالِحٌ

دیانت و انصاف کا خون

اس عبارت میں یحییٰ بن ایوب العلاف کا نسب مذکور ہے۔ اور ساتھ ہی ان کے شیوخ میں سعید بن ابی مریم کا نام بھی لکھا ہے۔ جس سے انہوں نے زیر بحث حدیث کو روایت کیا ہے اور امام نسائی کی توثیق منقول ہے اور توثیق کے سوا کسی کی کوئی جرح منقول نہیں۔ اس کے بعد اگلے ص ۱۸۶ پر یحییٰ بن ایوب الغافقی کا تذکرہ ہے۔ ان کے شیوخ میں سعید بن ابی مریم مذکور نہیں۔ ان کے متعلق بعض کا تخطیہ طویل عبارت میں بالتفصیل منقول ہے۔ تھانوی صاحب کا بلا دلیل ہی نہیں بلکہ خلاف دلیل ”علاف“ کے بارے میں ”غافقی“ کا احتمال پیدا کرنا دیانت اور انصاف کا خون نہیں تو اور کیا ہے؟

آگے چل کر تھانوی صاحب نے فرمایا۔ ”دوسرے ایک خالد بن زید ہیں یہ بھی غیر منسوب ہیں اس نام کے رواۃ میں سے ایک کی عادت ارسال کی ہے اور یہاں معنعنہ ہے۔ جس میں راوی کے متروک ہونے کا اور اس متروک کے غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے۔ انتہی (۱)

حدیث معنعن پر کلام

اقول۔ تھانوی صاحب کے یہ تمام احتمالات بلا دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔ ورنہ معنعن کا مطلقاً ساقط الاعتبار ہونا لازم آئے گا۔ خالد بن زید نام کے کسی راوی میں ارسال، کی عادت کا پایا جانا زیر نظر راوی کو متعین نہیں کرتا اور اگر بالفرض تعین ہو بھی جائے تو ارسال اتصال کے منافی نہیں تا وقت کہ معنعن (بالکسر) کا مدلس ہونا ثابت نہ ہو اور راوی و مروی عنہ کی لقاء کا امکان منتهی نہ ہو جائے۔ تدریب الراوی میں ہے۔

۱۔ فروع

أَحَدَهَا الْإِسْنَادُ الْمُبَعَّنُ وَ هُوَ قَوْلُ الرَّاِوِي
 فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ بِلَفْظٍ عَنْ مَنْ غَيْرِ بَيَانِ
 التَّحْدِيثِ وَ الْإِخْبَارِ وَ السِّبَاعِ (قِيلَ إِنَّهُ
 مُرْسَلٌ) حَتَّى يَتَبَيَّنَ اتِّصَالُهُ (وَ الصَّحِيحُ الَّذِي
 عَلَيْهِ الْعَمَلُ وَ قَالَهُ الْجَبَاهِيُّ مِنْ أَصْحَابِ
 الْحَدِيثِ وَ الْفِقْهِ وَ الْأُصُولِ أَنَّهُ مُتَّصِلٌ) بِشَرْطِ
 أَنْ لَا يَكُونَ الْمُبَعَّنُ بِكَسْرِ الْعَيْنِ مُدَلَّسٌ
 بِشَرْطِ إِمْكَانِ لِقَاءِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا (أَي لِقَاءِ
 الْمُبَعَّنِ مَنْ رَوَى عَنْهُ بِلَفْظٍ عَنْ فَيُنَيْدٍ يَحْكُمُ
 بِالْإِتِّصَالِ إِلَّا أَنْ يَتَبَيَّنَ خِلَافُ ذَلِكَ أَنْتَهَى (۱)

یہ عبارت اس مضمون میں صریح ہے کہ عنعنہ میں اگر راوی کا مروی عنہ سے
 امکان لقاہ پایا جاتا ہے۔ اور معنعن مدلس نہ ہو تو وہ حدیث متصل مانی جائے گی۔ تا وقت
 کہ اس کا خلاف ظاہر نہ ہو۔

اگر تھانوی میں ہمت تھی تو وہ کسی دوسرے طریق سے اس کا خلاف ظاہر کرتے
 محض کسی ہم نام راوی کی عادت ارسال کا دعویٰ اس حدیث کے ساقط الاعتبار ہونے کی
 دلیل نہیں ہو سکتا۔

ارسال اور تدلیس کا فرق

علاوہ ازیں یہ کہ تھانوی صاحب نے ارسال کو اتصال کے منافی قرار دیا تھا مگر
 عبارت منقولہ بالا سے ثابت ہو گیا کہ تدلیس اتصال کے منافی ہو سکتی ہے۔ محض ارسال کو
 اس کے منافی قرار دینا غلط ہے ممکن ہے کہ تھانوی صاحب ارسال ہی کو تدلیس سمجھتے ہوں تو
 واضح رہے کہ تدلیس و ارسال ایک نہیں۔ ملاحظہ فرمائیے تدریب الراوی صفحہ ۱۴۰

تَدْلِيْسُ الْإِسْنَادِ بِأَنْ يَرْوِيَ عَمَّنْ عَاَصَرَهُ زَادَ ابْنُ
صَلَاحٍ أَوْ لَقِيَهُ مَا لَمْ يَسْمَعْهُ مِنْهُ بَلْ سَمِعَهُ مِنْ
رَجُلٍ عَنْهُ (يُوهِبَا سَمَاعَهُ) حَيْثُ أُوْرِدَ بِلَفْظِهِ
يُوْهِمُ الْإِتِّصَالَ وَالْإِتِّضِيَةَ

اور ارسال کے معنی ہیں اِنَّ الْاِرْسَالَ رِوَايَتُهُ عَمَّنْ لَمْ يَسْمَعْ عَنْهُ۔ صفحہ ۱۴۰
معلوم ہوا کہ ارسال اور اسناد دونوں الگ الگ ہیں عنعنہ میں تدلیس مضر ہے۔
ارسال مضر نہیں۔

لہذا تھانوی صاحب کے وہ تمام احتمالات جو بلا دلیل محض ان کے ظن فاسد کی بنا
پر پیدا ہوئے تھے لغو اور بے بنیاد ہو کر رہ گئے۔

اس کے بعد تھانوی صاحب نے فرمایا ”تیسرے ایک راوی سعید بن ابی
ہلال جن کو ابن حزم نے ضعیف اور امام احمد نے مختلط کہا۔ وَهَذَا كُلُّهُ مِنْ
التَّقْرِيبِ۔ پھر کئی جگہ اس میں عنعنہ ہے جس کے حکم بالاتصال کے لیے ثبوت
تلاقی کی حاجت ہے۔“ انتہی

اقول۔ یہ کلام ہی غلط ہے

عنعنہ کے مسائل میں تھانوی صاحب کا یہ کلام ہی غلط ہے کیونکہ حدیث معنعن
کے حکم بالاتصال کے لیے ثبوت تلاقی ضروری نہیں صرف امکان تلاقی کافی ہے۔ جیسا کہ
تدریب الراوی سے نقل کر چکا ہوں (وَبَشْرَطِ اِمْكَانِ لِقَاءِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا) (۱)
توثیق نظر نہ آئی

رہے تیسرے راوی سعید بن ابی ہلال جن کی تضعیف تھانوی صاحب نے ابن
حزم سے نقل کی ہے تو مجھے حیرت ہے کہ تھانوی صاحب نے تضعیف تو دیکھ لی۔ مگر توثیق
انہیں نظر نہ آئی ذرا میزان الاعتدال اٹھا کر دیکھئے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔

(سَعِيدُ بْنُ أَبِي هَلَالٍ) ثِقَةٌ مَعْرُوفٌ فِي الْكُتُبِ

السِّتَّةِ يَزْوِي عَنْ نَافِعٍ وَ نَعِيمِ الْبُجَيْرِ وَ عَنْهُ سَعِيدُ
الْمَقْبُرِيِّ أَحَدُ شُيُوخِهِ قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَحْدَهُ لَيْسَ
بِالْقَوِيِّ (۱)

ناظرین کرام ذرا غور فرمائیں۔ جو راوی کتب ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ) میں معروف ثقہ ہو اور اس کے بعض شیوخ بھی اس سے روایت کرتے ہوں اسے ابن حزم کی آڑ لے کر متروک قرار دے دینا تعصب نہیں تو اور کیا ہے۔ ابن حزم کا قول تھانوی صاحب کے نزدیک ایسا ہی معتبر ہے تو انہیں جامع ترمذی سے بھی ہاتھ اٹھا لینا چاہیے۔ کیونکہ ابن حزم نے ترمذی کو مجہول کہا ہے۔

كَمَا ذَكَرَ فِي مَا تَمَسَّ إِلَيْهِ الْحَاجَةُ صَفْحَهُ ۲۵ (عَنْ
التَّغْلِيْقِ الْبُهْجِدِ نَاقِلًا عَنِ الذَّهَبِيِّ

امام منذری نے سند کو جید قرار دیا

آخر میں اتنی بات عرض کروں گا۔ کہ حدیث زیر بحث کے متعلق حافظ منذری کا یہ قول کہ رَاوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ بِسَنَدٍ جَيِّدٍ، تھانوی صاحب کے تمام احتمالات و اسیہ کا قلع قمع کر دیتا ہے اور اس بحث میں ان کی پوری دوسری کی مہمل اور بے کار بنا کر چھوڑ دیتا ہے۔ کیونکہ تھانوی صاحب کے کسی بھی احتمال میں ذرا بھی جان ہوتی یا ان کے تضعیف منقول میں کچھ بھی قوت پائی جاتی تو ایک عظیم و جلیل محدث اس بارے میں بسند جید کے الفاظ نہ بولتا۔ شاید کوئی کہے کہ وہ کوئی اور سند ہوگی تو میں عرض کروں گا کہ سند جید سے کسی اور سند کا مراد ہونا ہمارے لیے مزید تقویت کا موجب ہے۔

کیونکہ تعدد طرق زیادتی قوت کا موجب ہے۔ بالخصوص ایسی صورت میں جب

کہ سند بھی سند جید ہو۔

ناظرین کرام نے تھانوی صاحب کی تحقیق کو ہمارے کلام سے ملا کر اندازہ کر لیا ہوگا کہ ان کی تحقیق کہاں تک تحقیق کہلائے جانے کی مستحق ہے؟

آگے چل کر تھانوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔ ”یہ تو مختصر کلام ہے سند میں باقی

رہا متن“ سو اولاً معارض ہے دوسری احادیث صحیحہ کے ساتھ چنانچہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت ابن مسعود یہ حدیث ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مَلَائِكَةَ اللَّهِ سَيَّا حِينَ فِي
الْأَرْضِ يَبْلُغُونَ مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ

اور یہی حدیث حسن حصین بحوالہ مستدرک حاکم وابن حبان ہیں بھی مذکور ہے اور نیز مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت ابو ہریرہ حدیث ہے

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ
وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا أُبْلِغْتُهُ

اور نسائی کی کتاب الجمعہ میں بروایت اوس ابن اوس یہ حدیث مرفوع ہے فَإِنَّ
صَلَوْتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ يَهْتَمُّ بِهَا الْمَلَكُ الْمُسَلِّمُ مِنْكُمْ يَسْمَعُ مَا تَقُولُونَ
فِي صَلَاتِكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ فِيهَا وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا أُبْلِغْتُهُ
ہے کہ جلائی الافہام ان کتب کے برابر قوت میں نہیں ہو سکتی لہذا اقویٰ کو ترجیح ہوگی۔ (۱)

اقول

سند میں جو کلام فرمایا تھا اس کی حقیقت واضح ہو چکی اب متن میں جو کچھ ارشاد
فرمایا ہے اس کا حال بھی ناظرین کرام پر کھل جائے گا۔

دور سے سننے کی بحث

تھانوی صاحب کے اس کلام کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ جلاء الافہام کی حدیث بَلَّغْنِي
صَوْتَهُ حَيْثُ كَانَ ان تینوں حدیثوں کے معارض ہے۔ جو تھانوی صاحب نے نقل
فرمائی ہیں وجہ یہ ہے۔

کہ جلاء الافہام کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ایک درود
پڑھنے والے کے درود کی آواز سن لیتے ہیں۔

ان تینوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ درود جو دور سے پڑھا جائے اسے
حضور کے سامنے فرشتے پیش کرتے ہیں۔ فرشتوں کا عرض و ابلاغ عدم سماع میں صریح
ہے اور سماع عدم سماع کے معارض ہے لہذا جلاء الافہام کی حدیث ان تینوں صحیح حدیثوں

کے معارض قرار پائی یہ تینوں حدیثیں جن کتابوں میں پائی جاتی ہیں چونکہ جلاء الافہام ان کے برابر قوت میں نہیں لہذا ان تینوں حدیثوں کو ترجیح ہوگی جو اقویٰ ہے۔ اور جلاء الافہام کی حدیث ساقط الاعتبار ہوگی۔

ظلم صریح ہے

میں عرض کروں گا کہ نسائی دارمی کی حدیث بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ
 إِنَّ مَلَائِكَةَ اللَّهِ سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يَبْلُغُونَ عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ
 اور اس طرح نسائی کی دوسری حدیث بروایت اوس بن اوس 'فَإِنَّ صَلَوَاتَكُمْ
 مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ' میں صرف اتنا مذکور ہے کہ

ملائکہ سیاحین فی الارض حضور ﷺ کی خدمت میں امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔ اور
 امت کا درود بارگاہ رسالت میں پیش ہوتا ہے ملائکہ کے اس عرض و تبلیغ کو تھانوی صاحب کا عدم سماع
 میں صریح قرار دینا یقیناً ظلم صریح ہے کیونکہ سابقاً نہایت تفصیل کے ساتھ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ
 عرض و تبلیغ کا علم اور لاعلمی "سماع" یا عدم سماع سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ فیض الباری کی عبارت
 ناظرین کے سامنے آچکی ہے جس میں صاف موجود ہے کہ عرض صلوة، علم کے منافی نہیں۔

ایک فرشتہ ساری مخلوق کی آوازیں سنتا ہے

پھر جذب القلوب اور جلاء الافہام سے ایک حدیث ہدیہ ناظرین ہو چکی ہے کہ
 رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي وَ كَلَّ اللَّهُ بِهِ مَلَكَائِبِلْغِنِي
 (جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے میری قبر
 انور پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوتا ہے جو اس کا درود مجھے پہنچا دیتا ہے۔)

اگر تبلیغ ملائکہ عدم سماع میں صریح ہو تو اس حدیث سے لازم آئے گا کہ جو درود قبر انور پر
 پڑھا جاتا ہے۔ حضور ﷺ سے بھی نہیں سنتے۔ جو بالاتفاق باطل ہے۔ جب یہ فرشتوں کا
 پہنچانا عدم سماع کے معنی میں نہ ہو تو تعارض باقی نہ رہا۔ عدم تعارض کی صورت میں ترجیح کا
 سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (۱)

فصل:

سلامِ سننے پر اُمت کی تصریح

آئمہ اُمت نے رسالتِ مآب ﷺ کے ارشاد گرامی

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى
أَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

(جو بھی کوئی مجھ پر سلام کہتا ہے مجھ پر اللہ تعالیٰ میری روح لوٹاتا ہے حتیٰ

کہ میں سلام کا جواب دیتا ہوں)

کے تحت ”رَدَّ اللَّهُ رُوحِي“ کی شرح میں یہ تصریح کی ہے کہ آپ ﷺ کائنات کے ہر سلام عرض کرنے والا کا خود سلام سننے نہیں اور اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

سوال: کیونکہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بوقت سلام روح مبارک کا لوٹانا بتا رہا ہے کہ آپ ﷺ قبر انور میں حیات نہیں حالانکہ امت مسلمہ کا عقیدہ ہے آپ ﷺ مزار اقدس میں زندہ و حیات ہیں۔ جس پر قرآن و سنت کے دلائل شاہد ہیں۔

جواب: اس کے تقریباً پندرہ جوابات آئمہ اُمت نے دیئے ہیں ان تمام کو ایامِ جلال الدین سیوطی (ت، ۹۱۱) نے انباء الاذکیاء میں جمع کر دیا ہے۔

قوی و حسن جواب

لیکن ان میں جس جواب کو آئمہ اُمت نے مختار و حسن اور بہت ہی خوب قرار دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ قبر انور میں دائماً زندہ ہیں آپ ﷺ وہاں بارگاہِ الہی کی طرف اس قدر مستغرق اور ڈوبے ہوتے ہیں کہ کسی دوسری طرف توجہ نہیں ہوتی تو جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی توجہ اس طرف بھی مبذول کر دیتا ہے۔

تاکہ آپ ﷺ اس کے سلام کو جان سکیں اور اس کے علم و ادراک کے بعد اس کا جواب عنایت فرما سکیں۔ یہ بات تمام آئمہ امت نے اپنے اپنے الفاظ میں ذکر کی ہے۔ چند کی تصریحات ملاحظہ کر لیجئے۔

۱۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری (ت، ۱۳۴۶) نے امام ابن الملک کے حوالے سے لکھا۔

رَدُّ الرُّوحِ كِنَايَةٌ عَنِ إِعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَى إِيَّاهُ بِأَنَّ
فُلَانًا صَلَّى عَلَيْهِ (۱)

(روح کے لوٹانے سے مراد اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو یہ اطلاع دینا ہے کہ

فلاح نے آپ ﷺ پر درود شریف پڑھا ہے)

۲۔ حضرت ملا علی قاری (ت، ۱۰۱۴) شیخ انطاکی سے رِدْرُوح کا معنی ان الفاظ

میں ذکر کرتے ہیں۔

كِنَايَةٌ عَنِ إِعْلَامِ اللَّهِ إِيَّاهُ إِنَّ فُلَانًا صَلَّى عَلَيْكَ أَوْ
مِنْ عَلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِأَحْوَالِ الْمُسْلِمِ مِنْ بَيْنِ
الْأَنَامِ (۲)

(روح اقدس لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مطلع فرماتا

ہے کہ آپ ﷺ پر فلاں فلاں نے درود پڑھا یا اس سے مراد آپ ﷺ کا

تمام لوگوں میں سلام عرض کرنے والے کے احوال سے آگاہ ہونا ہے)

۳۔ امام تقی الدین سبکی (ت، ۷۵۶) نے یہی بات ان الفاظ میں ذکر کی ہے۔

يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ رَدًّا مَعْنَوِيًّا وَأَنْ يَكُونَ رُوحَهُ
الشَّرِيفَةَ مُشْتَغَلَةً بِشُهُودِ الْحَضْرَةِ الإِلَهِيَّةِ وَالْمَلَاءِ
الْأَعْلَى مِنْ هَذَا الْعَالَمِ فَإِذَا سَلَّمَ عَلَيْهِ أَقْبَلَتْ
رُوحَهُ الشَّرِيفَةَ عَلَى هَذَا الْعَالَمِ فَيُذْرِكُ سَلَامَ
مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ وَيَرُدُّ عَلَيْهِ (۳)

(۱) بذل المجہود، ۳: ۲۰۷

(۲) شرح الشفاء، ۲-۱۳۲

(۳) شفاء السقام، ۵۱

(ممکن ہے یہاں معنوی و روحانی طور پر لوٹانا مراد ہو اور وہ یوں کہ آپ ﷺ کی روح طیبہ اس جہاں سے جناب الہی اور ملاء اعلیٰ میں مشغول ہو جب کوئی سلام عرض کرے تو روح پاک اس جہاں کی طرف متوجہ ہو کر سلام کا علم و ادراک کر کے اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں)

۴- امام محمد عبدالرحمن سخاوی (ت، ۹۰۳) نے یہ جواب نقل کرنے سے پہلے لکھا۔

وَأَجَابَ السُّبُكِيُّ الْكَبِيرُ بِجَوَابٍ آخَرَ حَسَنٍ جِدًّا فَقَالَ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ رَدًّا مَعْنَوِيًّا وَ أَنْ تَكُونَ رُوحَهُ الشَّرِيفَةَ مُشْتَغَلَةً بِشُهُودِ الْحَضْرَةِ الْإِلَهِيَّةِ وَالْبَلَاءِ الْأَعْلَى عَنْ هَذَا الْعَالَمِ فَإِذَا سَلَّمَ عَلَيْهِ أَقْبَلَتْ رُوحَهُ الشَّرِيفَةَ عَلَى هَذَا الْعَالَمِ لِيُذْرِكَ سَلَامٌ مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ وَ يَرُدُّ عَلَيْهِ (۱)

(علامہ سبکی نے ایک اور جواب دیا ہے جو بہت ہی عمدہ ہے وہ یہ کہ روح کے رد معنوی مراد ہے بایں طور کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک اس جہاں سے بے نیاز ہو کر درگاہ الہی اور ملاء اعلیٰ میں مشغول ہوتی ہے سو جب بھی کوئی آپ ﷺ پر سلام پڑھتا ہے تو آپ کی روح مبارک اس جہاں کی طرح متوجہ ہوتی ہے تاکہ سلام کہنے والے کے سلام کا ادراک کر کے اس کا جواب دے سکے)

۵- امام ابن حجر عسقلانی (ت، ۸۵۶) نے یہی بات ان الفاظ میں تحریر کی ہے۔

إِنَّهُ يَسْتَغْرِقُ فِي أُمُورِ الْمَلَاءِ الْأَعْلَى فَإِذَا سَلَّمَ عَلَيْهِ رَجَعَ فَهْبُهُ لِيُجِيبَ مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ

(آپ ﷺ امور ملاء اعلیٰ میں مصروف ہوتے ہیں جب کوئی سلام کہتا ہے تو آپ ﷺ کا فہم و توجہ لوٹ آتا ہے تاکہ سلام کہنے والے کا جواب دیں)

بلکہ یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ہر وقت لا تعداد لوگ سلام عرض کرتے ہیں تو پھر آپ کا تمام وقت جواب میں سلام گزرتا ہوگا اس کا جواب دیا یہ معاملہ عقل و

حواس سے بالاتر ہے۔ (۱)

جیسے ملائکہ اپنی اپنی ذمہ داریوں کو بھی پورا کر رہے ہیں مگر ان کی تسبیح و تہلیل میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس حقیقت کو امام زرقانی (ت، ۱۱۲۲) ان الفاظ میں آشکار کرتے ہیں۔

وَلَا رَيْبَ أَنَّ حَالَهُ فِي الْبَرْزَخِ أَفْضَلُ وَأَكْمَلُ مِنْ
حَالِ الْمَلَائِكَةِ هَذَا سَيِّدُنَا عِزْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
يَقْبِضُ مِائَةَ أَلْفِ رُوحٍ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ وَلَا يَشْغُلُهُ
قَبْضٌ عَنْ قَبْضٍ وَهُوَ مَعَ ذَلِكَ مَشْغُولٌ بِعِبَادَةِ اللَّهِ
تَعَالَى مُقْبِلٌ عَلَى التَّسْبِيحِ وَالتَّقْدِيسِ فَنَبِينَا حَتَّى
يُصَلِّيَ وَ يَعْبُدُ رَبَّهُ وَ يُشَاهِدُ لَا يَزَالُ فِي حَضْرَةِ
إِقْتِرَابِهِ مُتَلَدِّذَا السَّبَّاحِ خِطَابِهِ (۲)

(بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا حال و شان برزخ میں ملائکہ کی شان و حال سے کہیں افضل ہے مثلاً سیدنا عزرائیل علیہ السلام ایک ہی وقت میں ایک لاکھ آدمیوں کی ارواح قبض کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے ان کے لیے رکاوٹ نہیں بنتا اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بصورت تسبیح و تہلیل بھی جاری رکھتے ہیں اور اس میں کوئی فرق نہیں آتا تو ہمارے نبی ﷺ زندہ ہیں نماز ادا کرتے ہیں اور اپنے رب کی عبادت اور مشاہدہ کرتے ہیں اور دائمًا اس کا قرب اور اس کے خطاب سے لذت پاتے ہیں)

۶۔ مولانا انور شاہ کشمیری (ت، ۱۳۵۲) نے اس روایت کا ترجمہ یہی کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندوں کی طرح افعال کرتے ہیں مثلاً نماز و حج ادا کرتے ہیں اور وہ افعال سے معطل نہیں ہوتے اور عرف عام میں معطل کو مردہ کہا جاتا ہے اور اصل حیات افعال سے عبارت ہے مثلاً محاورہ ہے علم حیات اور جہالت موت ہے۔

وَمِنْ هُنَا اِنْحَلَّ حَدِيثُ آخِرِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ فِي رَدِّ
رُوحِهِ ﷺ حِينَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ لَيْسَ مَعْنَاهُ أَنَّهُ يَرُدُّ

(۱) فتح الباری، ۶، ۳۷۹۔

(۲) زرقانی، ۱۲، ۲۰۶۔

رُوحَهُ أَيْ أَنَّهُ يُحْيِي فِي قَبْرِهِ بَلْ تُوَجَّهَهُ مِنْ ذَالِكَ
الْجَانِبِ إِلَى هَذَا الْجَانِبِ فَهُوَ حَيٌّ فِي كِلْتَا الْحَالَتَيْنِ
بِمَعْنَى أَنَّهُ لَمْ يَطْرَأْ عَلَيْهِ التَّعْطُّلُ قَطُّ لَكِنَّهُ كَانَ
مُسْتَهْلِكًا فِي التَّوَجُّهِ إِلَى حُجْرَةِ الرَّبُّوبِيَّةِ فَإِذَا سَلَّمَ
عَلَيْهِ رُدَّ عَلَيْهِ رُوحُهُ بِمَعْنَى شُغْلِهِ بِذَالِكَ الْجَانِبِ
الَّذِي كَانَ مُعْطَلًا عَنْهُ قَبْلَهُ (۱)

(یہاں سے ایک اور حدیث کا معاملہ بھی حل ہو جاتا ہے جسے امام ابو داؤد نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ پر سلام کے وقت روح مبارکہ لوٹائی جاتی ہے اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ روح لوٹا کر قبر میں زندہ کیا جاتا ہے بلکہ آپ ﷺ کو ایک جانب سے دوسری جانب متوجہ کیا جاتا ہے آپ ﷺ دونوں حالتوں میں بائیں طور زندہ ہیں کہ آپ ﷺ پر تعطل چاری ہوتا ہی نہیں البتہ آپ ﷺ بارگاہ الہی کی طرف توجہ میں مستغرق ہوتے ہیں تو جب کوئی سلام کہتا ہے تو روح کو لوٹایا جاتا ہے یعنی اس جانب متوجہ کیا جاتا ہے جس جانب اس سے پہلے تعطل تھا)

۷۔ مولانا شبیر احمد عثمانی (ت، ۱۳۲۹) نے اہل علم سے جو جوابات نقل کیے ان پانچواں جواب یہ ہے۔

إِنَّهُ لَيَسْتَعْرِقُ فِي أُمُورِ الْمَلَاءِ الْأَعْلَى فَإِذَا سَلَّمَ
عَلَيْهِ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهَبَهُ لِيُجِيبَ مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ
(آپ ﷺ ملاء اعلیٰ کے امور میں مشغول ہوتے ہیں جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو آپ ﷺ کا فہم و ادراک لوٹ آتا ہے تاکہ سلام والے کا جواب عنایت فرما سکیں)

پھر اس پر اشکال وارد ہوا کہ آپ ﷺ تو ہر وقت سلام کا جواب ہی دیتے رہے ہوں گے کیونکہ ہر وقت آپ ﷺ پر لاتعداد سلام عرض کیا جاتا ہے تو آپ ﷺ کو وہ عبادات کے لیے وقت نہیں ملتا ہوگا۔

کا جواب فتح الباری کے حوالہ سے دیا کہ

إِنَّ أُمُورَ الْآخِرَةِ لَا تُدْرِكُ بِالْعَقْلِ وَ أَحْوَالِ الْبِرْزَخِ
أَشْبَهُ بِأَحْوَالِ الْآخِرَةِ وَ اللَّهُ أَعْلَمُ (۱)

(آخرت کے امور کا ادراک عقل نہیں کر سکتا اور برزخ کے احوال کا

معاملہ اخروی معاملات کی طرح ہے)

یاد رہے اہل علم نے تصریح کی ہے کہ ملائکہ اپنی اپنی ذمہ داری بھی پوری کرتے
مگر ان کی تسبیح و تہلیل میں کبھی کمی واقع نہیں ہوتی۔

امام جلال الدین سیوطی (ت، ۹۱۱) نے اس جواب کو قوی بلکہ اقویٰ قرار دیتے

لکھا

وَهُوَ قَوِيٌّ جِدًّا أَنَّهُ لَيْسَ الْمُرَادُ بِرَدِّ الرُّوحِ عَوْدَهَا
بَعْدَ الْمَفَارِقَةِ لِلْبَدَنِ وَ إِنَّمَا النَّبِيُّ ﷺ فِي الْبِرْزَخِ
مَشْغُولٌ بِأَحْوَالِ الْمَلَكُوتِ مُسْتَغْرِقٌ فِي مُشَاهَدَةِ
رَبِّهِ كَمَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فِي حَالَةِ الْوَحْيِ وَ فِي أَوْقَاتِ
آخَرَ تَعْبِيرٌ عَنْ إِفَاقَتِهِ مِنْ تِلْكَ الْمُشَاهَدَةِ وَ ذَلِكَ
الِاسْتِغْرَاقُ بِرَدِّ الرُّوحِ

(یہ جواب نہایت ہی قوی ہے کیونکہ روح لوٹانے سے یہ مراد نہیں کہ وہ
بدن اقدس سے جدائی کے بعد لوٹایا جاتا ہے البتہ نبی اکرم ﷺ احوال
ملکوت اور اپنے رب کے مشاہدہ میں مشغول و مستغرق ہوتے ہیں جیسے دنیا
میں حالت وحی اور دیگر اہم اوقات میں ہوتے تو اس مشاہدہ اور استغراق
سے افاقہ کو روح لوٹانے سے تعبیر کیا ہے)

ن کے بعد اس کی ایک نظیر و مثال ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

وَ نَظِيرٌ هَذَا قَوْلُ الْعُلَمَاءِ فِي اللَّفْظَةِ الَّتِي وَقَعَتْ فِي
بَعْضِ أَحَادِيثِ الْإِسْرَاءِ وَ هِيَ قَوْلُهُ فَاسْتَيْقَظْتُ وَ
أَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لَيْسَ الْمُرَادُ الْإِسْتَيْقَظُ مِنَ

نَوْمٍ فَإِنِ الْإِسْرَاءَ لَمْ يَكُنْ مَنَامًا وَ إِنَّمَا الْمُرَادُ
بِالْإِفَاقَةِ هُمَا خَامِرَةٌ مِنْ عَجَائِبِ الْمَلَكُوتِ وَ هَذَا
الْجَوَابُ الْآنَ عِنْدِي أَقْوَى مَا يُجَابُ بِهِ عَنْ لَفْظَةِ
الرَّدِّ وَقَدْ كُنْتُ رَجَحْتُ الثَّانِي ثُمَّ قَوِيَ عِنْدِي هَذَا (۱)
(اس کی مثال علماء کا قول ہے جو حدیث معراج میں وارد الفاظ ”میں بیدار
ہوا تو مسجد حرام میں تھا“ کی تشریح میں ہے کہ یہاں مراد نیند سے بیداری
نہیں کیونکہ معراج خواب میں نہیں بیداری میں ہوئی یہاں اس استغراق و
مستی سے بیداری مراد ہے جو عجائب ملکوت کے مشاہدہ سے حاصل ہوا یہ
جواب اب میرے نزدیک زیادہ قوی ہے جو لفظ رد سے دیا گیا ہے پہلے
میں نے دوسرے جواب کو ترجیح دی پھر مجھے یہ زیادہ قوی محسوس ہوا)

یہی امام شیخ تاج الدین فاکہانی (ت، ۷۳۴) کے ایک جواب کی توجیہ و تفصیل
بیان کر کے فرماتے ہیں یہاں سے ایک اور جواب بھی سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے۔

أَنَّ تَكُونَ الرُّوحَ كِنَايَةً عَنِ السَّمْعِ وَ يَكُونُ الْمُرَادُ
إِنَّ اللَّهَ يَرُدُّ عَلَيْهِ سَمْعَهُ الْخَارِقَ لِلْعَادَةِ حَيْثُ يَسْمَعُ
الْمُسْلِمُ وَ إِن بَعْدَ قَطْرَةٍ وَ يَرُدُّ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ اِحْتِيَاجٍ
إِلَى وَاسِطَةٍ مُبْلَغٍ وَ لَيْسَ الرَّدُّ سَمْعَهُ الْمُعْتَادَ

(روح لوٹانے سے سلام کا سننا مراد ہے تو یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
بطور معجزہ آپ ﷺ کا سننا لوٹا دیتا ہے کہ آپ ﷺ کہنے والوں کا سلام
سننے ہیں خواہ وہ کائنات میں کہیں پر ہو تو آپ ﷺ بلا واسطہ اس کا جواب
دیتے ہیں یہاں لوٹانے سے مراد عادی و معمول کے مطابق لوٹانا نہیں)

اس پر دلیل دیتے ہوئے حدیث کا حوالہ دیتے ہیں:

وَقَدْ كَانَ لَهُ ﷺ فِي الدُّنْيَا حَالَةٌ يَسْمَعُ فِيهَا سَمْعًا
خَرَقًا لِلْعَادَةِ حَيْثُ كَانَ يَسْمَعُ أَطِيطَ السَّمَاءِ كَمَا

بَيَّنْتُ ذَالِكَ فِي كِتَابِ الْمُعْجَزَاتِ وَ هَذَا قَدْ يَنْفَكُ
فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ وَيَعُودُ لَا مَانِعَ مِنْهُ وَ حَالَتُهُ ﷺ

فِي الْبَرْزَخِ كَحَالَتِهِ فِي الدُّنْيَا سَوَاءً (۱)

(آپ ﷺ کو دنیا میں یہ حالت حاصل تھی کہ خلاف عادت و معمول
آپ ﷺ آسمانوں کی چڑچڑاہٹ کی آواز سنتے جس کی ہم نے کتاب
المعجزات میں تفصیل لکھی ہے تو یہ حالت آپ ﷺ سے کبھی جدا ہو کر لوٹ
سکتی ہے اور اس میں کوئی مانع نہیں کہ آپ ﷺ کی برزخی زندگی دنیاوی
حالت کی طرح ہیں)

۹۔ اس جواب کے مختار و قوی ہونے کا یہ عالم ہے کہ امام سبکی سے سخت اختلاف
رکھنے والے شیخ ابن عبد الہادی نے یہ جواب نقل کیا ہے۔

هَذَا رَدُّ مَعْنَوِيٍّ فَإِنَّ الرُّوحَ مُشْتَغَلَةً بِالْحَضْرَةِ
الْإِلَهِيَّةِ وَالْمَلَاءِ الْأَعْلَى عَنْ هَذَا الْعَالَمِ فَإِذَا سَلَّمَ
عَلَيْهِ التَّفَتَّ إِلَيْهِ لِرَدِّ سَلَامِهِ

(یہ روحانی طور پر لوٹانا ہے کہ روح مبارکہ اس جہاں سے بارگاہ الہی اور
ملاء اعلیٰ کی طرف مشغول تھی جب کسی نے سلام عرض کیا تو وہ اس کے
جواب کے لیے اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے)

اور پھر لکھا:

فَهَذَا الْجَوَابُ فِيهِ نَوْعٌ مِّنَ الْحَقِّ (۲)

(اس جواب میں حق کا پہلو موجود ہے)

۱۰۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی (ت، ۱۰۵۲) اس روایت کی تشریح یوں کرتے ہیں۔

درینجا اشکال آرند کہ مضمون اس حدیث

مخالف حدیث حیوة آن حضرت است

(۱) انباء الاذکیاء، ۱۳

(۲) الصارم المنکی، ۲۲۶

ﷺ در برزخ زیرا که رو روح بر آن
 حضرت در وقت سلام دلالت وارد بر
 مفارقت روح از بدن شریف وے در
 بعض اوقات و جواب می دهند که مراد
 بعود روح نه عود او است بدن بعد از
 مفارقت بلکه افاقت و توجه است باین
 عالم و سماع صلوة و سلام است و آن
 حضرت مشغول است در برزخ باحوال
 ملکوت و مستغرق است در مشاهده رب
 العزة چنانکه در دنیا در حالت وحی می بود
 پس تعبیر کرده شده از افاقت وے ازاں
 مشاهده و استغراق برد روح چنانکه
 در حدیث معراج واقع شده فاستیقظت
 وَاَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ پس بیدار شدم
 و حالانکه من در مسجد حرام ام و معراج در
 خواب نبود بمذاهب حق پس مراد افاقت و
 بر آمدن اوست از مشاهده آن عالم و نیز
 حیات انبیاء صلوة اللہ و سلامہ علیہ و علیہم و
 رو روح بدن ایشان بعد از افاقت موت
 است یکبار بجریان سنت الہی و بعد ازاں
 بیچ زمانے خالی نیست از صلوة و سلام اُمت
 و مفارقت روح دروے مرے بعد اخری مکرر
 داخل تعذیب است کہ واجب است تنزیہ
 ساحت عزت و کرامت وے ﷺ ازاں
 پس باید کہ دائم در حیات باشد فافہم و باللہ

التوفيق سخن در ان ماند که این فضیلت رد سلام
از آن حضرت مخصوص بزائران قبر شریف
اوست مثل داخل در مجلس کہ سلام گوید یا عام
ست مر هر کس را کہ سلام فرستد چنانکہ
در تشہد و غیر آن و ظاہر ہمین است (۱)

(اس جگہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس حدیث کا مضمون نبی اکرم ﷺ کی حیات
برزخی پر دال حدیث کے مخالف ہے اس لیے کہ سلام کے وقت روح کا لوٹنا اس بات پر
دلالت کرتا ہے کہ بعض اوقات روح بدن مبارک سے الگ ہوتی ہوگی۔ علماء اس کا جواب
یہ دیتے ہیں کہ رد روح سے مراد یہ نہیں ہے کہ روح نکالنے کے بعد واپس لوٹائی جاتی ہے
بلکہ اس سے مراد اس جہاں کی طرف توجہ و اعتناء اور صلاۃ و سلام سننا ہے اور نبی اکرم
ﷺ برزخ میں ملکوتی احوال میں مشغول اور مستغرق اور اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوتے
ہیں۔ جیسا کہ دنیا میں حالت وحی میں مشغول ہوا کرتے تھے۔ لہذا اس توجہ، اعتناء و
مشاہدہ اور استغراق کو رد روح سے تعبیر کر دیا گیا جیسا کہ حدیث معراج میں آیا ہے کہ
فَاسْتَيْقَظْتُ وَ اَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ پس میں بیدار ہوا حالانکہ مسجد حرام میں تھا
مذہب حق کے مطابق معراج حالت خواب میں نہ تھی لہذا اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کا
اس جہان کے مشاہدہ سے فراغت مراد ہوگی۔ اور نیز سنت الہی یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام کے وصال کے بعد فقط ایک بار ان کی روح لوٹائی جاتی ہے اور علاوہ ازیں کوئی
زمانہ صلوٰۃ و سلام سے خالی نہیں ہوتا اور نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کا دخول و خروج
باعث تکلیف ہے اور نبی اکرم ﷺ کا اس حالت سے منزہ اور مبرا ہونا لازمی اور ضروری
ہے اور نبی اکرم ﷺ کی جب ایک بار روح واپس کر دی گئی تو اس کے بعد ان کو دائمی
حیات مل گئی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں اور توفیق من جانب اللہ ہے اس مسئلہ پر گفتگو
رہ گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سلام کی یہ فضیلت روضہ مبارک کے زائرین کے ساتھ خاص
ہے جیسا کہ مجلس میں آنے والے صحابہ سلام کیا کرتے یا ہر کسی کے لیے عام ہے کہ جو بھی
سلام کہے جیسا کہ تشہید وغیرہ میں ہوتا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ عام ہے)

۱۱۔ امام زین الدین ابو بکر المراغی (ت، ۸۱۶) کے الفاظ ہیں۔

إِعْلَمَ أَنَّ كُتُبَ السُّنَّةِ مُتَضَيِّنَةٌ لِلْأَحَادِيثِ الدَّالَّةِ
عَلَى أَنَّ رُوحَ النَّبِيِّ ﷺ تُرَدُّ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ يَسْمَعُ وَيُرَدُّ
عَلَيْهِمُ السَّلَامَ (۱)

(کتب حدیث ایسی روایات پر مشتمل ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں
کہ حضور ﷺ پر آپ کی روح مبارک لوٹائی جاتی ہے اور آپ ﷺ خود
سلام سنتے اور سلام کہنے والوں کا جواب عنایت فرماتے ہیں)

۱۲۔ امام ابن حجر مکی کا فتویٰ

اس مقام پر اس فتویٰ کا مطالعہ بھی مفید رہے گا۔

سوال: امام شہاب الدین احمد ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) سے امام احمد، ابوداؤد
اور امام بیہقی کی اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا۔

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ إِلَيَّ، وَفِي رِوَايَةٍ:
عَلَيَّ رُوحِي حَتَّىٰ أُرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ مَا الْجَوَابُ عَنْهُ
مَعَ الْإِجْمَاعِ عَلَى حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ كَمَا تَوَاتَرَتْ بِهِ
الْأَخْبَارُ وَهَلْ عَلَى تَفْسِيرِ الرُّوحِ بِالنُّطْقِ الَّذِي
قِيلَ فِيهِ إِنَّهُ أَحْسَنُ الْأَجْوِبَةِ إِعْتِرَاضٌ؟

(جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ (جو کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ
تعالیٰ میری طرف روح لوٹا دیتا ہے) اور دوسری روایت میں ہے کہ (مجھ
پر میری روح حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں) اس حدیث کا کیا
مفہوم و جواب ہے؟ جب کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات پر اجماع اور
اس بارے میں احادیث تواتر کے ساتھ موجود ہیں اور کیا روح کی تفسیر نطق
(گفتگو کے ساتھ کرنا اس کا درست جواب بن سکتا ہے کہ نہیں؟)

اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الْجَوَابُ عَنْ ذَلِكَ مَعَ بَيَانِ مَا فِيهِ ذَكَرْتُهُ فِي كِتَابِي
 الْجَوَاهِرِ الْمُنْتَظَمِ فِي زِيَارَةِ الْقَبْرِ الْمُبَكَّرِ وَ كِتَابِي
 الدَّرُّ الْمَنْضُودَ فِي الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى صَاحِبِ
 الْبَقَامِ الْمَحْبُودِ وَ حَاصِلُ الْأَجُوبَةِ عَنْ ذَلِكَ أَنَّ
 قَوْلَهُ رَدَّ اللَّهُ عَلَى جُمْلَةٍ حَالِيَةٍ فَيُقَدَّرُ فِيهَا قَدْ عَلَى
 الْقَاعِدَةِ فِي وَ قُوعِ الْهَاضِمِ حَالًا فَيَكُونُ الرَّدُّ
 سَابِقًا عَلَى السَّلَامِ الْوَاقِعِ مِنْ كُلِّ أَحَدٍ وَ حَتَّى
 لَيْسَتْ تَعْلِيلِيَّةٌ بَلْ عَاطِفَةٌ وَالتَّقْدِيرُ: مَا مِنْ أَحَدٍ
 يُسَلِّمُ عَلَى إِلَّا قَدْ رَدَّ اللَّهُ عَلَى رُوحِي قَبْلَ ذَلِكَ وَ أَرَدُّ
 عَلَيْهِ وَ قَدْ صَرَخَ بِقَدِّ فِي رِوَايَةِ الْبَيْهَقِيِّ فَمَرَادُ
 الْحَدِيثِ الْإِخْبَارُ بِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَرُدُّ إِلَيْهِ رُوحَهُ بَعْدَ
 الْمَوْتِ فَيَصِيرُ حَيًّا عَلَى الدَّوَامِ حَتَّى لَوْ سَلَّمَ عَلَيْهِ
 أَحَدٌ رَدَّ عَلَيْهِ لَوْجُودِ الْحَيَاةِ فِيهِ دَائِمًا وَإِنَّمَا جَاءَ
 الْإِشْكَالُ مِنْ ظَنِّ أَنَّ حَتَّى تَعْلِيلِيَّةٌ وَ جُمْلَةٌ رَدَّ بِمَعْنَى
 الْحَالِ أَوْ الْإِسْتِقْبَالِ الَّذِي يَلْزَمُ عَلَيْهِ تَكَرُّرُ الرَّدِّ
 عِنْدَ تَكَرُّرِ السَّلَامِ عَلَيْهِ وَ يَلْزَمُ مِنْ تَكَرُّرِ الرَّدِّ
 تَكَرُّرُ الْبُفَارَقَةِ الْمَوْجِبِ لِنَوْعِ الْمِ وَالْمُخَالَفِ
 لِلْفِظِ الْقُرْآنِ أَنَّهُ لَيْسَ إِلَّا مَوْتَتَانِ أَوْ لَفْظِ الرَّدِّ
 لَيْسَ لِلْبُفَارَقَةِ بَلْ كِنَايَةٌ عَنْ مُطْلَقِ الصِّيْرُورَةِ
 لَيْسَ لِلْبُفَارَقَةِ فِي مِلَّتِكُمْ أَيْ صِرْنَا لِإِسْتِحَالَةِ
 الْكُفْرِ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ أَوْ لَيْسَ الْمَرَادُ بِرَدِّ الرُّوحِ
 عَوْدَهَا بَعْدَ مُفَارَقَةِ الْبَدَنِ وَ إِنَّمَا هُوَ مَشْغُولٌ فِي
 الْبَرْزَخِ بِأَحْوَالِ الْمَلَكَوَاتِ مُسْتَغْرِقٌ فِي شُهُودِ رَبِّهِ
 فَعَبَّرَ عَنْ إِفَاقَتِهِ مِنْ ذَلِكَ بِالرَّدِّ وَ نَظِيرُهُ جَوَابُهُمْ

عَمَّا وَقَعَ فِي بَعْضِ أَحَادِيثِ الْإِسْرَاءِ فَاسْتَيْقَظْتُ
وَأَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَإِنَّهُ لَيْسَ الْمُرَادُ
الْإِسْتَيْقَاطُ مِنْ نَوْمٍ لِأَنَّ الْإِسْرَاءَ لَمْ يَكُنْ مَنَامًا
بَلِ الْإِفَاقَةُ هُمَا خَامِرَةٌ مِنْ عَجَائِبِ الْمَلَكُوتِ أَوْ
الرَّدُّ يَسْتَلْزِمُ الْإِسْتِمْرَارَ إِذَا لَا يَخْلُو مِنْ مُسَلِّمٍ
عَلَيْهِ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ أَوْ الْمُرَادُ بِالرُّوحِ هُنَا
النُّطْقُ فَجَازًا وَلَا يَلْزِمُ) مِنْ حَيَاةٍ عَلَى الدَّوَامِ
نُطْقُهُ وَعَلَاقَةُ الْمَجَازِ اسْتِلْزَامُ النُّطْقِ لِلرُّوحِ وَ
عَكْسُهُ بِالْفِعْلِ أَوْ الْقُوَّةِ فَعَبَّرَ بِأَحَدِ الْمَثَلَا زِمِينَ عَنِ
الْآخِرِ وَاعْتَرِضَ بِأَنَّ ظَاهِرَهُ أَنَّهُ مَعَ كَوْنِهِ حَيًّا يَمْنَعُ
عَنْهُ النُّطْقُ فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ وَ يُرَدُّ عَلَيْهِ عِنْدَ
سَلَامِ الْمُسَلِّمِ وَهُوَ مُخَالِفٌ لِلنَّقْلِ لَهَا فِي الْأَخْبَارِ
إِنَّ كُلَّ مُؤْمِنٍ فِي قَبْرِهِ يَنْطِقُ بِمَا شَاءَ لَهَا وَرَدَّ أَنَّهُ لَا
يَمْنَعُ النُّطْقُ فِي قَبْرِهِ إِلَّا مَنْ مَاتَ عَنْ غَيْرِ وَصِيَّةٍ
وَلِلْعَقْلِ لِأَنَّ الْحَضَرَ عَنِ النُّطْقِ وَإِنْ قَلَّ زَمَنُهُ نَوْعُ
حَضْرٍ وَهُوَ مُبَرَّرٌ عَنْ ذَلِكَ وَ أُجِيبَ عَنِ الْمُرَادِ بِالرَّدِّ
الْإِسْتِمْرَارُ مِنْ غَيْرِ مُفَارَقَةٍ فَالْمَجَازُ فِي لَفْظِ الرَّدِّ
الرُّوحِ فَالْأَوَّلُ اسْتِعَارَةٌ تَبْعِيَّةٌ وَ الثَّانِي فَجَازُ
مُرْسَلٌ أَوْ الْمُرَادُ بِالرُّوحِ السَّمْعُ الْخَارِقُ لِلْعَادَةِ
بِحَيْثُ يَسْمَعُ الْمُسَلِّمُ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ وَإِنْ
بَعْدَ أَوْ الْمُوَافِقُ لِلْعَادَةِ وَيَكُونُ الْمُرَادُ بِرَدِّهِ إِفَاقَتَهُ
مِنَ الْإِسْتِغْرَاقِ الْمَلَكُوتِيِّ أَوْ الْمُرَادُ بِالرُّوحِ
الْفِرَاحُ مِنَ الشُّغْلِ هُمَا هُوَ بِصَدَدِهِ فِي الْبَرَزَخِ مِنَ
النَّظْرِ فِي أَعْمَالِ أُمَّتِهِ وَالْإِسْتِغْفَارِ لِمُسِيئِهِمْ

وَالدُّعَاءِ بِكُشْفِ الْبَلَاءِ عَنْهُمْ وَالتَّرُدِّ فِي أَقْطَارِ
الْأَرْضِ بِحُلُولِ الْبِرْكَاتِ فِيهَا أَوْ حُضُورِ جَنَازَةِ
صَالِحِي أُمَّتِهِ كَمَا وَرَدَتْ بِذَلِكَ الْأَحَادِيثُ
وَالْأَخْبَارُ فَلَمَّا كَانَ السَّلَامُ عَلَيْهِ مِنْ أَجْلِ
الْأَعْمَالِ خَصَّ الْمُسْلِمَ عَلَيْهِ بِأَنْ يَفْرُغَ لَهُ مِنْ
إِشْغَالِهِ الْمُهَيَّئَةِ لِحُظَّةٍ يَرُدُّ عَلَيْهِ فِيهَا تَشْرِيفًا لَهُ وَ
مُجَازَاةً أَوْ الْمُرَادُ بِالرُّوحِ الْإِرْتِيَاخُ عَلَيْكَ وَفَرَحَةٌ
لِحُبِّهِ لِذَلِكَ مِنْ أُمَّتِهِ أَوْ مِنْهُ رَحْمَةٌ لَهُ فَيَحْبِلُهُ ذَلِكَ
عَلَى أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهِ رَدًّا مُخْصُوصًا (۱)

(میں اپنی کتب (الجواهر المنظم في زيارة القبر المکرم اور
الذکر المنضود في الصلاة والسلام على صاحب المقام
التخمود) میں تفصیلاً اس بارے میں لکھ چکا ہوں تاہم حاصل جواب یہ
ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد (رَدَّ اللهُ عَلَيَّ) جملہ حالیہ ہے اس سے
پہلے حرف قد مقدر ہوگا جیسا کہ قاعدہ نحو ہے کہ جب ماضی حال واقع ہو تو
اس سے پہلے قد مقدر ہوتا ہے لہذا ہر ایک کی طرف سے پیش کیا جانے والا
سلام موخر ہوگا اور رُوحِ مَقْدَمِ ہوگا اور حرفِ حَتَّى تَعْلِيلِهِ (علت کے لیے)
نہیں ہے۔ بلکہ عاطفہ ہے عبارت یوں ہوگی۔ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ
إِلَّا قَدَرَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي قَبْلَ ذَلِكَ وَارَدَّ عَلَيْهِ اور امام بیہقی
کی روایت میں تو حرف قد صراحۃً موجود ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا
کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی روح مبارکہ ان کے وصال کے بعد
واپس کر دی ہے اور اب وہ دائمی طور پر حیات ہیں، حتیٰ کہ اب جو کوئی بھی
آپ ﷺ کو سلام پیش کرتا ہے تو آپ ﷺ اس کے سلام کا جواب دیتے
ہیں کیونکہ آپ میں دائمی حیات موجود ہے، اشکال کی وجہ یہ بنی ہے
کہ حرف (حتی) کو تعلیلیہ گمان کیا گیا ہے اور جملہ رو روحی کو حال یا

استقبال کے معنی میں لیا گیا جس کے نتیجے میں تکرار سلام کے وقت تکرار رد روح لازم آتا ہے اور تکرار رد کی وجہ سے اس مفارقت کا تکرار لازم آتا ہے جو کہ درد و تکلیف کا باعث ہے۔ اور یہ الفاظ قرآنی کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہاں دو ہی موتوں کا تذکرہ ہے۔ یا لفظ رد بمعنی مفارقت نہ ہوگا بلکہ مطلقاً ہونے سے کنایہ ہوگا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے **إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِنَا أَنْىٰ صِرْنَا** اس لیے کہ انبیاء سے کفر محال ہے یا رد روح سے مراد روح کا بدن سے جدا ہونے کے بعد لوٹ آنا مراد نہ ہوگا کیونکہ نبی اکرم ﷺ عالم برزخ میں ملکوت میں مشغول اور اپنے رب کی بارگاہ میں حاضری میں مستغرق ہیں تو ان احوال سے واپسی کو رد کے ساتھ تعبیر کیا گیا۔ مذکورہ جواب ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض احادیث اسراء پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دیا گیا جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ (میں جاگا تو اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا) تو اس جاگنے سے مراد نیند سے جاگنا مراد نہیں ہے اس لیے کہ معراج حالت بیداری میں ہوئی تھی نہ کہ حالت خواب میں بلکہ اس جاگنے سے ملکوتی عجائبات کی وجہ سے مخموری و استغراقی کیفیت سے افاقہ ہنے یا رد سے مراد استمرار ہے کیونکہ کائنات میں کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جس میں آپ کو سلام بھیجنے والا موجود نہ ہو یا یہاں روح سے مراد نطق ہوگا مجازاً اور نبی اکرم ﷺ کی دائمی زندگی کی وجہ سے بولنا لازم نہیں آتا اور مجاز کا علاقہ یہ ہے کہ نطق روح کو لازم ہے یعنی جس میں روح ہوگی وہ بولے گا اور اس کا عکس ہوگا بالفعل یا بالقوة یعنی جو بولے گا اس میں روح ہوگی تو دو متلازمین میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا۔ رہا یہ اعتراض کہ نبی اکرم ﷺ کے حیات ہونے کے باوجود ان کو بعض اوقات گفتگو سے روک دیا جاتا ہے اور سلام کرنے والے کے سلام کے وقت آپ کی قوت گویائی لوٹا دی جاتی ہے حالانکہ یہ نقل کے مخالف ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ ہر مومن اپنی قبر میں جو چاہتا ہے بولتا ہے اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ ”قبر میں گفتگو ممنوع نہیں ہے مگر اس کے لیے جو بغیر وصیت یا بے عقل مر گیا، اس لیے کہ گفتگو سے بندش

اگرچہ قلیل ہو تو نبی اکرم ﷺ اس سے پاک ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ رد سے مراد بلا مفارقت دوام و استمرار ہے تو لفظ رد اور روح میں مجاز ہوگا پہلے میں استعارہ تبعیہ اور دوسرے میں مجاز مرسل ہوگا یا رد سے مراد خارق و خلاف عادت سننا ہوگا اس طرح کہ سلام کرنے والے کا سلام بلا واسطہ سن لیتے ہیں اگرچہ دور ہو یا رد سے مراد موافق عادت سننا مراد ہوگا اور اس سے مراد ملکوتی استغراق سے افاقہ ہوگا۔ یا روح سے مراد عالم برزخ میں ان کاموں سے فراغت مراد ہوگی جیسا کہ اپنی اُمت کے اعمال کا مشاہدہ کرنا اور گناہ گاروں کے لیے استغفار کرنا اور ان سے معصیت کی دوری کی دعا کرنا اور زمین کے مختلف مقامات پر برکت عطا کرنے کے لیے تشریف لے جانا یا اپنی اُمت کے صالحین کے جنازوں میں شریک ہونا جیسا کہ احادیث و اخبار اس پر شاہد ہیں چونکہ نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجنا اعلیٰ کاموں سے ایک لمحہ کے لیے فراغت حاصل کر کے اس سلام کا جواب دیتے ہیں مقصد اس کی عزت افزائی اور ادائیگی جزاء ہوتا ہے یا روح سے مراد راحت اور رحمت ہوگی اگر ”فَرُوحٌ وَ رَیْحَانٌ“ میں موجود لفظ ”فروح“ کی راء پر ضمہ پڑھا جائے یعنی جب نبی اکرم ﷺ کی اُمت کا کوئی فرد آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو آپ کو راحت اور خوشی حاصل ہوتی ہے اس پر کہ ان کی اُمت کا کوئی فرد ان سے محبت کرتا ہے یا نبی اکرم ﷺ اس پر رحمت فرماتے ہیں تو اس رد روح کو مخصوص رد پر محمول کیا جائے گا)

اُمت کی اکثریت کا موقف

پیچھے گزرا کہ یہ جواب روح کا متوجہ ہو کر سننا، حسن بلکہ اقویٰ اور احسن ہے۔ یہ بات بھی سامنے رہے کہ یہاں رد روح سے آپ ﷺ کا سننا مراد لینا اُمت کی اکثریت کا موقف ہے۔ یہاں ہم کسی اور کا حوالہ دینے کی بجائے مخالفین کے معتبر نام کا حوالہ دے دیتے ہیں تاکہ ہماری بات خوب پختہ ہو جائے شیخ منظور نعمانی دیوبندی نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا۔

اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ ﷺ

کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے۔ پھر جب کوئی اُمتی سلام کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعے یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح (ایک جہت سے) اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں پس اس روحانی توجہ اور التفات کو روح سے تعبیر فرمایا گیا۔ (۱)

یہاں جہت کے حوالہ سے ڈاکٹر خالد محمود کے الفاظ بھی سامنے رکھیں۔

سلام پیش کرنے والوں کی طرف روح مقدس کی ہزاروں جہات متوجہ مجیب اور متبدن (کبھی کسی طرف اور کبھی کسی طرف) مگر اس سے روح اقدس کا ذات تجلیات الہی میں استغراق متاثر نہیں ہوتا اس میں فرق نہیں ہوتا آپ ہمہ وقت جمال و جلال کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں۔ (۲)

یہ جواب بھی درست ہے

زیر بحث حدیث پر اعتراض کا یہ جواب قبول کرنا درست ہے، شیخ سرفراز صفدر نے لکھا محدثین کرام نے اس صحیح حدیث پر وارد ہونے والے اشکال کے کئی جوابات دیے ہیں۔ ان میں سے جو جواب بھی کسی کو پسند آئے قبول کر لے۔ (۳)

آپ نے پڑھ لیا اہل سنت نے اس جواب کو مختار و بہتر قرار دیا ہے کہ آپ ﷺ کی روح انور متوجہ ہو کر سلام سن کر جواب عنایت کرتی ہے۔

کیا یہ وسوسے اور توہمات ہیں

امام تقی الدین سبکی، ملا علی قاری، امام انطاکی، امام سیوطی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اور اُمت کی اکثریت کا یہ موقف سامنے آ گیا کہ رسول اللہ چاہیں تو تمام اُمت کا صلاۃ و سلام خود سن سکتے ہیں اور اس میں واسطہ ضروری نہیں۔ اب

(۱) معارف الحدیث، ۵: ۲۷۶

(۲) مقام حیات، ۲۳۳

(۳) تسکین الصدور، ۳۱۷

ہمیں اپنے ان جملوں پر ضرور غور کرنا چاہیے کہ ہم کیا لکھ رہے ہیں۔
ڈاکٹر خالد محمود لکھتے ہیں۔

مبتدعین کا یہ کہنا کہ براہ راست سننے اور بتوسط ملائکہ بھیجنے کا فرق قرب و بعد کے لیے نہیں بلکہ محبت و عدم محبت کے لیے ہے۔ جو محبت سے درود پڑھے وہ خود سنتے ہیں اور دوسرا فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا جاتا ہے یہ سب وسوسے اور توہمات ہیں تحقیق میں ان کا مقام نہیں درود شریف تو پڑھا ہی محبت سے جاتا ہے۔ (۱)

ان کے شیخ اور ماخذ شیخ سرفراز خان صفدر کے الفاظ ہیں۔

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ دور والے جو لوگ درود و سلام پڑھتے ہیں وہ آپ تک بتوسط ملائکہ پہنچایا جاتا ہے آپ خود اس کی سماعت نہیں فرماتے جیسا کہ بعض جاہلوں کا خیال ہے۔ (۲)

کیا یہ تمام اہل علم و ساوس اور توہمات کا شکار ہیں؟ کیا یہ تمام قرآن و سنت سے جاہل ہیں؟ لازم ہے کہ ہم ان معاملات پر نظر ثانی کریں تاکہ اُمت گمراہی سے بچ سکے۔

اہل بیت اطہار کی تائید

اس حدیث کے عموم کی تائید اہل بیت اطہار کے عمل سے بھی ہوتی ہے۔ جب وہ دیکھتے کہ یہ شخص سلام کے لیے روضہ اقدس پر بار بار آتا ہے اور پھر بہت ہی قریب ہو کر سلام کا خواہشمند ہوتا ہے تو وہ اسے فرماتے تم سلام کے لیے اتنی قربت اور نزدیکی کے متمنی کیوں ہو؟ تمہیں علم ہونا چاہیے رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کرنے والا کہیں ہو اس کا سلام آپ سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں تو روضہ اقدس کے قریب عرض کرنے والا اور شہر اندلس سے سلام عرض کرنے والا برابر ہیں۔

۱۔ شارح بخاری امام محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) امام حسن رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے

رَأَى رَجُلًا يَنْتَابُ الْقَبْرَ فَقَالَ لَهُ يَا هَذَا مَا أَنْتَ وَ

(۱) مقام حیات، ۲۵۸

(۲) تسکین الصدور، ۳۲۵

رَجُلٌ بِالْأَنْدَالِسِ إِلَّا سَوَاءً

(آدمی کو دیکھا جو مزار عالی کا قرب تلاش کر رہا تھا فرمایا تم اور اندلس میں رہنے والا برابر ہو)

اس کا ترجمہ امام موصوف نے یہ کیا۔

إِنَّ الْجَمِيعَ يَبْلُغُهُ (۱)

(کہ تمام کا سلام پہنچ جاتا ہے)

۲۔ مولانا محمد انوار اللہ فاروقی (ث، ۱۳۳۵) خلیفہ مجاز حاجی امداد اللہ مہاجرکی نے اس واقعہ کو امام سخاوی کے حوالہ سے نقل کیا اور لکھا۔

روایت ہے کہ ایک شخص قبر شریف کے پاس آ کر سلام عرض کیا کرتا تھا حسن بن حسن رضی اللہ عنہم نے اس کو فرمایا کہ تو اور وہ شخص جو اندلس میں ہو برابر ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کو علم دونوں کا برابر ہے۔

اور پھر بطور فائدہ لکھا

اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ مقامات دور دراز سے آنحضرت ﷺ پر سلام عرض کیا کرتے ہیں وہ بھی حضوری سے محروم نہیں ہیں۔ اب رہی وہ حدیث شریف جو فرماتے ہیں کہ اگر کوئی میری قبر کے پاس مجھ پر سلام کرے تو میں سنتا ہوں اور دور سے ملائکہ پہنچاتے ہیں تو بعد ان دلائل کے جواب اس کا آسان ہے اس لیے کہ اس میں نفی سماع کی تصریح نہیں ہے ایک طریقہ علم کا فرما دیا۔ جس میں سائے معین کو استبعاد بھی نہ ہو اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ (۲)

روایات دونوں طرح کی ہیں:

آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں درود و سلام پہنچنے کے بارے میں روایات دونوں طرح کی ہیں بعض میں ملائکہ کے پہنچانے کا ذکر ہے تو بعض میں اس کا ذکر نہیں صرف اتنا تذکرہ ہے کہ تمہارا درود سلام مجھے پہنچ جاتا ہے یا الفاظ یہ ہیں کہ مجھے پیش کیا

(۱) مسالک الحنفاء، ۱۹۸

(۲) انوار احمدی، ۷۸ مطبوعہ الکتاب

جاتا ہے مثلاً ان الفاظ حدیث کا مطالعہ کیجئے۔

امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں الفاظ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صَلُّوا عَلَيَّ وَ سَلِّبُوا فَإِنَّ صَلَاتِكُمْ وَ سَلَامَكُمْ
يَبْلُغُنِي أَيَّمَا كُنْتُمْ

(مجھ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے خواہ تم کہیں ہو)

امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہم سے بھی تقریباً یہی الفاظ ہیں۔

سَلِّبُوا عَلَيَّ فَإِنَّ تَسْلِيْبَكُمْ يَبْلُغُنِي أَيَّمَا كُنْتُمْ (۱)

مجھے سلام کہا کرو کیونکہ مجھے تمہارا سلام پہنچ جاتا ہے خواہ تم کہیں ہو۔

اور یہ حدیث حسن ہے۔

قاضی اسماعیل اسحاق (ت، ۲۸۲) نے الفاظِ روایت یہ نقل کیے ہیں۔

وَ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتِكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُمَا كُنْتُمْ (۲)

(مجھ پر تم درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچا جاتا ہے خواہ تم کہیں ہو)

یاد رہے انہیں احادیث کے تحت امام بیضاوی (ت، ۶۸۶) کی یہ عبارت ہر امام نے نقل

کی ہے کہ صلوٰۃ و سلام پہنچ جانے کی وجہ یہ ہے۔

لِأَنَّ النُّفُوسَ الْقُدْسِيَّةَ إِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ

الْبَدْنِيَّةِ عَرَجَتْ وَ اتَّصَلَتْ بِالْمَلَاءِ الْأَعْلَى وَ لَمْ يَبْقَ

لَهَا حِجَابٌ فَتَرَى الْكُلَّ كَالْمُشَاهِدِ لَهَا أَوْ بِإِخْبَارِ

الْمَلِكِ لَهَا وَ فِيهِ سِرٌّ يَطَّلِعُ عَلَيْهِ مَنْ تَيَسَّرَ لَهُ (۳)

(کیونکہ نفوسِ قدسی جب تعلقاتِ بدن سے جدا ہو کر بلند اور ملاءِ اعلیٰ سے

متصل ہو جاتے ہیں تو ان کے لیے کوئی پردہ نہیں رہ جاتا وہ تمام مشاہدہ

کرنے والے کی طرح دیکھتے ہیں یا انہیں ملائکہ اطلاع کر دیتے ہیں اس

میں ایسا راز ہے جسے مطلع ہونے والا ہی جان سکتا ہے)

(۱) مسالک الحنفاء، ۱۹۶،

(۲) فضل الصلوٰۃ، ۱۲۹،

(۳) مسالک الحنفاء، ۲۰۱،

شیخ ابن عبد الہادی کی تطبیق:

شیخ محمد بن عبد الہادی (ت، ۷۴۴) نے بھی نہایت واضح الفاظ میں تصریح کی ہے کہ الفاظ حدیث کا تقاضا عموم ہی ہے یہ قریب و بعید ہر ایک کو شامل ہے رسول اللہ ﷺ کے مبارک الفاظ ”مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ“ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ممکن ہے اس کا معنی قبر کے پاس سلام عرض کرنا ہو جیسے آئمہ کی ایک جماعت نے اس سے سمجھا۔

وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مَعْنَاهُ عَلَى الْعُومِ وَأَنَّهُ لَا فَرْقَ فِي ذَلِكَ بَيْنَ الْقَرِيبِ وَالْبَعِيدِ وَ هَذَا هُوَ ظَاهِرُ الْحَدِيثِ وَ هُوَ الْمُوَافِقُ لِلْأَحَادِيثِ الْمَشْهُورَةِ الَّتِي فِيهَا فَإِنَّ تَسْلِيمَكُمْ يَبْلُغُنِي أَيْنَمَا كُنْتُمْ وَإِنْ صَلَاتِكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثَمَا كُنْتُمْ (۱)

(اور ممکن ہے اس کے معنی میں عموم ہو اور اس حوالہ سے قریب و بعید میں کوئی فرق نہ ہوگا اور ظاہر حدیث عموم ہی کا تقاضا کر رہا ہے اور یہ ان احادیث مشہورہ کے بھی موافق ہے جن میں ہے کہ تم کہیں بھی صلاۃ پڑھو مجھے وہ پہنچ جاتا ہے۔ تم جہاں بھی سلام کہو مجھے وہ سلام پہنچ جاتا ہے)

رسول اللہ ﷺ کا اعمال اُمت پر عینی شاہد ہونا، آپ پر اعمال اُمت کا پیش کیا جانا، ہر سلام والے کا جواب عنایت کرنا بتا رہا ہے کہ درود پڑھا جانے والا درود و سلام بھی براہ راست پیش ہوتا ہے البتہ ملائکہ بھی پہنچاتے ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ بَلَغْتَنِي صَلَاتُهُ وَ صَلَّيْتُ عَلَيْهِ (۲)

(جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود مجھ تک پہنچتا ہے اور میں اس کا

جواب دیتا ہوں)

(۱) الصارم المنکی، ۱۹۷

(۲) الدر المنضود، ۱۱۲۲

جمعہ کے روز درود شریف کے بارے میں روایات

اسی طرح بروز جمعہ درود شریف والی روایات کا مطالعہ کیجئے ان میں بھی ملائکہ کے درود پہنچانے کا تذکرہ نہیں بلکہ اکثر الفاظ یہ ہیں کہ وہ درود شریف پیش کر دیا جاتا ہے کچھ روایات کے الفاظ خود ملاحظہ کر لیجئے۔ مثلاً ایک روایت جسے امام ابن خزمیہ، ابن حبان، حاکم، نووی، منذری نے صحیح قرار دیا۔ اس کے الفاظ ہیں جمعہ کے روز مجھ پر کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھا کرو۔

فَإِنَّ صَلَاتِكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ
كَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرَمْتَ؟ قَالَ
إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ
أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ (۱)

(کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا حالانکہ آپ کا وصال ہو گیا فرمایا زمین پر انبیاء کے جسم کا کھانا حرام فرمایا دیا ہے)

دونوں روایات میں یکسانیت

جیسے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم درود شریف پڑھتے ہو تو میں تمہاری آواز سن لیتا ہوں صحابہ نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ وصال کے بعد بھی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں

ان دونوں روایات کی یکسانیت اس سے آگاہ کر رہی ہے کہ ہمارا درود و سلام براہ راست بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچ جاتا ہے صحابہ نے وضاحت چاہی تو آپ ﷺ نے آشکار کر دیا کہ اسے دنیاوی حالت کی طرح ہی سنوں گا اس میں کوئی فرق ہی نہیں صحابہ کے سامنے اپنے زندہ ہونے کا اعلان بھی بتا رہا ہے کہ آپ ﷺ درود شریف خود سنتے ہیں حضرت اوس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے الفاظ ہیں جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو۔

”فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ“

(کیونکہ تمہارا درود شریف مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے)

ان روایات میں ملائکہ کا ذکر نہیں اسی لیے شارحین نے ان کے تحت لکھا کہ جمعہ کے روز آپ ﷺ درود شریف کا سماع خود فرماتے ہیں۔

۱۔ حضرت ملا علی قاری حنفی (ت، ۱۰۱۴) اسی روایت کے تحت رقمطراز ہیں۔

(ای من غیر واسطۃ او من غیر انتظار رابطۃ) (۱)

(یعنی بغیر واسطہ یا بلا انتظار رابطہ درود پہنچ جاتا ہے)۔

۲۔ الحرز الثمینیٰ میں احادیث کے درمیان موافقت دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

إِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ لَا خِيفَاءَ فِي أَنَّ الْحَدِيثَ

إِنَّ لِلَّهِ تَعَالَى مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ يَبْلُغُونِي عَنْ أُمَّتِي

السَّلَامَ عَلَيَّ مَا سَيَّأْتِي يَدُلُّ إِنَّ الصَّلَاةَ مُطْلَقًا

مَعْرُوضَةٌ عَلَيْهِ فَالْجَمْعُ بَيْنَهُمَا بِأَنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

لِيَزِيدَ الْفَضِيلَةَ لِتَعْرِضَ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ كَمَا

فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ عِنْدَ الرَّوَضَةِ الشَّرِيفَةِ وَ سَائِرِ

الْبُقَاعِ الْمُنِيفَةِ فَقَدْ أَخْرَجَ أَبُو الشَّيْخِ فِي كِتَابِ

ثَوَابِ الْأَعْمَالِ بِسَنَدٍ جَيِّدٍ مَرْفُوعًا مِّنْ صَلَّى عَلَيَّ

عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا أَبْلَغْتُهُ (۲)

(تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے اس میں کوئی خفا نہیں کہ حدیث ہے

اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین کا دورہ کرتے ہیں اور وہ میری امت کا سلام

پہنچاتے ہیں جو عنقریب آرہی ہے یہ حدیث نشاندہی کر رہی ہے درود

شریف ہر حال میں آپ ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے تو اب ان دونوں میں

موافقت یوں ہوگی کہ بروز جمعہ مزید فضیلت کی وجہ سے درود شریف بلا

واسطہ پہنچایا جاتا ہے جیسے روضہ اقدس اور دیگر مقامات کے درود میں فرق

(۱) شرح الشفاء، ۲-۱۴۴

(۲) الحرز الثمینیٰ شرح الحصن، ۴۷۷

ہے ابو شیخ نے کتاب ثواب الاعمال میں عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا فرمایا جو میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے)

۳۔ حسن حصین کے ایک اور شارح مولانا فخر الدین مرحوم نے اس کا ترجمہ اور تطبیق دیتے ہوئے لکھا ہے۔

”فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ پس بدستیکہ درود شما عرض کردہ میشود و ہر جای ہر گاہ کہ بفرسیتد این توجیہ لسبب اطلاق تعلیل در تطبیق این حدیث با حدیث ان للہ ملائکہ سیاحین یبلغونی عن امتی السلام ظاہر است و شارح جلیل در تطبیق گفتہ کہ در روز جمعہ بسبب فضیلت اور عرض کردہ میشود بر آنحضرت ﷺ بلا واسطہ چنانکہ فرق است میاں گفتن درود نزد روضہ مقدس و نزد سایر اماکن کہ انجا عرض بلا واسطہ و اینجا بواسطہ ملائکہ“ (۱)

(تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے ہر جگہ اور ہر مقام سے۔ اس توجیہ کا سبب اس حدیث کی اس دوسری حدیث سے تطبیق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں شارح جلیل (ملا علی قاری) نے ان میں موافقت دیتے ہوئے لکھا فضیلت جمعہ کی وجہ سے اس روز کا درود حضور ﷺ کی خدمت قدس میں بلا واسطہ پہنچتا ہے جیسے روضہ اقدس اور دیگر مقامات کے درود میں فرق ہے)

۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ت، ۱۰۵۲) شب جمعہ میں درود سلام کی فضیلت کے حوالہ سے رقمطراز ہیں۔

و بعضے از علمای گفت کہ از خصوصیت شب جمعہ است کہ آنحضرت ﷺ بنفس شریف خود جواب صلاۃ و سلام میگوید (۲)

(بعض علماء فرماتے ہیں کہ شب جمعہ کی یہ خصوصیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس رات درود و سلام خود سن کر جواب عنایت فرماتے ہیں)

(۱) الحرز الوصین، ۴۴۳

(۲) جذب القلوب، ۱۸۸

۵۔ صاحب سیرت حلبیہ امام علی نور الدین حلبی (ت، ۱۰۴۴) ایک اشکال نقل کر کے جواب دیتے ہیں۔ وہ اشکال وجواب ان کی زبانی سنئے۔

سوال

احادیث صحیحہ میں ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں درود و سلام ملائکہ پہنچاتے ہیں۔

وَإِنَّهُ لَنِلَّةُ الْجُمُعَةِ وَ يَوْمَهَا يَسْبَعُ ذَلِكَ بِنَفْسٍ وَ يَرُدُّ بِكُلِّ حَالٍ

(اور آپ ﷺ جمعہ کے دن و رات درود و سلام خود سنتے ہیں ہاں جواب ہر ایک کا خود دیتے ہیں)

اگر آپ ﷺ ہر جگہ سے سنتے ہیں تو پھر یہ کیا معاملہ ہے؟

جواب:

جن روایات میں ملائکہ کے پہنچانے کا تذکرہ ہے یہ بطور احترام و توقیر ہے۔

وَ إِلَّا فَالَّذِي يَقُولُ بِأَنَّ الْبُعْدَ فِي الْمَسَافَةِ حِجَابٌ بَيْنَ صَلَاتِنَا وَ بَيْنَ سَمَاعِ النَّبِيِّ ﷺ بِهَا يَلْزَمُ أَنَّ الْقَبْرَ الشَّرِيفَ وَ الشَّبَاكَ الْمُعَظَّمَةَ وَ نَحْوَ ذَلِكَ مِنَ الْأَشْيَاءِ الْحَسِيَّةِ مَانِعٌ مِنَ السَّمَاعِ لَهُ ﷺ وَ هَذَا لَا يَقُولُهُ أَحَدٌ

(ورنہ جو کہتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے درمیان دوری و مسافت خود سننے میں رکاوٹ ہے تو اس پر یہ اعتراض لازم آئے گا کہ پھر قبر انور، عظیم جالیاں اور دیگر اشیاء حسی بھی درود سننے سے رکاوٹ ہوں گی حالانکہ ایسی بات تم بھی نہیں کہتے)

اور جمعہ کے بنفس نفیس سننے کے بارے میں لکھا

فَيَكُونُ الْمَعْنَى إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى لِإِظْهَارِ مَزِيَّةِ

لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ وَ يَوْمَهَا أَنَّهُ يُحَدِّثُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فِي تِلْكَ
اللَّيْلَةِ زِيَادَةً إِدْرَاكِ لِيَهْتَمَّ شَانَهَا

(یہ جمعہ کی رات کی فضیلت ہے تو اب ان روایات کا اللہ کی توفیق سے معنی

یہ ہوگا کہ اس کی عظمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اس رات و دن سرور

عالم ﷺ کے ادراک و علم میں اور اضافہ فرمادیتا ہے)

جیسے بارگاہِ الہی میں ملائکہ بندوں کے اعمال پیش کرتے ہیں حالانکہ وہ اس پر مخفی

نہیں بلکہ فقط ملائکہ کی شہادت و گواہی کے لیے ایسا ہے۔

وَالْأَكْفَى بِالنَّبِيِّ ﷺ شَاهِدًا أَوْ كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا

أَوْ رَقِيبًا (۱)

(ورنہ آپ ﷺ کا شاہد ہونا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا شہید و نگہبان ہونا

ہی کافی ہے)

۶۔ امام محمد مہدی الفاسی (ت، ۱۱۰۹) شرح دلائل الخیرات میں ایک فرمان نبوی

ﷺ کی تشریح میں رقمطراز ہیں۔

(أَسْمَعُ) يَعْزِي بِبَلَاٍ وَاسْطَةِ (صَلَاةِ أَهْلِ مَحَبَّتِي)

الَّذِينَ يُصَلُّونَ عَلَيَّ مَحَبَّةً لِي وَ شَوْقًا وَ تَعْظِيمًا ظَاهِرًا

سَوَاءٌ صَلَّى عَلَيَّ الْبُحْبُ لَهُ عِنْدَ قَبْرِهِ أَوْ نَائِيًا عَنْهُ وَ

أَعْرِفُهُمْ (۲)

(میں بلا واسطہ اہل محبت کا درود سنتا ہوں یعنی جو خوب شوق و محبت سے مجھ

پر درود پڑھتے ہیں خواہ وہ محبت والے میری قبر کے پاس ہوں یا دور ہوں

اور میں انہیں پہنچاتا ہوں)

۷۔ پہلے بڑی تفصیل سے آچکا ہے کہ اہل علم کے ہاں ”رَدَّ اللَّهُ رُوحِي“ کا مختار

معنی رسول اللہ ﷺ کا بلا واسطہ درود و سلام سننا ہے خواہ درود و سلام پڑھنے والا

دنیا کے کسی گوشہ میں ہو۔

(۱) جواہر البحار، ۲، ۱۵۵، ۱۵۶

(۲) مطالع المسرات، ۸۱

بَلَّغْنِي صَوْتَهُ سَ تَائِد

کتاب میں پوری ایک فصل موجود ہے جس میں متعدد کتب کے حوالہ سے یہ روایت مذکور ہے کہ امام طبرانی نے ایک روایت ان الفاظ میں ذکر کی:

مَا مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا بَلَّغْنِي صَوْتَهُ حَيْثُ كَانَ
 قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِي
 إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيَّ الْأَرْضَ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ
 (جو بندہ بھی مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے مجھے اس کی آواز پہنچ جاتی ہے
 خواہ وہ کہیں بھی ہو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے وصال کے
 بعد بھی فرمایا ہاں وفات کے بعد بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اجسام
 انبیاء کا کھانا حرام کر دیا ہے)

کیا اس مبارک روایت کے الفاظ واضح اعلان اور دیگر الفاظ حدیث کی تشریح
 نہیں کر رہے کہ اُمت کا درود و سلام آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بلا واسطہ پہنچ جاتا
 ہے یہاں تک کہ آپ ﷺ درود و سلام عرض کرنے والے کی آواز تک سن لیتے ہیں اسی
 بات کو امام بیضاوی کے حوالہ سے تمام آئمہ اُمت نے بیان کر دیا۔ غور کر لیجئے ان میں
 کہیں بھی ملائکہ کے پہنچانے کا ذکر نہیں۔

فصل:

روضہ اقدس پر پام آوازیں سننے فرشتے کا قدر

احادیث مبارکہ میں جیسے یہ ہے کہ روضہ اقدس پہ حاضر ہونے والوں کا درود شریف رسول اللہ ﷺ خود سنتے ہیں، اسی طرح متعدد احادیث میں یہ بھی موجود ہے کہ وہاں ایک ایسا طاقتور فرشتہ مقرر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی آواز سننے کی طاقت دے رکھی ہے، کائنات میں جب بھی کوئی آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ اس آدمی کا نام اور اس کے والد کا نام لے کر عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں کا بیٹا فلاں آپ کی خدمت میں درود و سلام عرض کر رہا ہے، اس فرشتے کی قوت کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ اس فرشتے کے سامنے ساری کائنات ایک لقمہ کی مانند ہے آئمہ امت نے روضہ اقدس پر فرشتے کے تقرر کو رسول اللہ ﷺ کا خاصہ قرار دیتے ہوئے لکھا کہ یہ عظمت و شان کسی اور کو حاصل نہیں، آئیے ان احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں تقرر فرشتہ اور اس کی قوت کا تذکرہ ہے

۱۔ امام بزار نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

إِنَّ اللَّهَ وَكُلَّ بِقُبْرِي مَلَكًا أَعْطَاهُ إِسْمَاعَ الْخَلَائِقِ
فَلَا يُصَلِّي عَلَيَّ أَحَدٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَبْلَغَنِي
بِاسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ هَذَا فَلَانُ بْنُ فَلَانٍ قَدْ صَلَّى
عَلَيْكَ (۱)

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک ایسا فرشتہ مقرر کر رکھا ہے اور اسے تمام مخلوق کی باتیں سننے کی طاقت دی ہے جب کوئی تاقیامت مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ مجھے اس کا نام اور اس کے والد کا نام لے کر عرض کرتا ہے کہ فلاں نے آپ پر درود شریف پڑھا ہے)

۲۔ امام طبرانی نقل کرتے ہیں کہ ابن حمیری کا بیان ہے مجھے حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے بلا کر فرمایا، کیا میں تمہیں اپنے حبیب ﷺ کا فرمان سناؤں؟ میں نے عرض کیا ضرور سنائیں، تو بتایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے عمار

إِنَّ لِلَّهِ مَلَكًا أَعْطَاهُ إِسْمَاعَ الْخَلَائِقِ كُلِّهَا وَهُوَ قَائِمٌ عَلَى قَبْرِي إِذَا مِتُّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِي يُصَلِّي عَلَيَّ صَلَاةً إِلَّا سَمَّاهُ بِاسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ ﷺ صَلَّى عَلَيْكَ فَلَانَ كَذَا يُصَلِّي الرَّبُّ عَلَيَّ ذَلِكَ الرَّجُلُ بِكُلِّ وَاحِدٍ بَعَشَرَ (۱)

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو تمام مخلوق کی آواز سننے کی طاقت دی اور جب میرا وصال ہو جائے گا قیامت تک وہ میری قبر انور پر مقرر ہے جو بھی مجھ پر درود شریف پڑھے گا وہ مجھے اس کا نام اور اس کے والد کا نام لے کر عرض کرے گا کہ یا محمد وہ آپ ﷺ پر درود پڑھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک کے عوض دس سلام نازل فرماتا ہے)

یہ روایت حسن ہے

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے یہ مروی روایت ہر مسلک کے اہل علم کے ہاں معتبر اور حسن کا درجہ رکھتی ہے اس لیے ہم یہاں نجدی، دیوبندی اور اہل حدیث تمام کا ایک ایک حوالہ درج کیے دیتے ہیں تاکہ کسی کو کوئی شبہ نہ رہے۔

۱۔ نواب صدیق الحسن بھوپالی (ت، ۱۳۷۰) نے درود و سلام کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھا، یہ حدیث حسن ہے

مِنْهَا قِيَامُ مَلِكٍ عَلَى قَبْرِهِ ﷺ أَعْطَاهُ إِسْمَاعَ
الْخَلَائِقِ يَبْلُغُهُ إِيَّاهُ كَمَا فِي حَدِيثٍ وَثَّقَ ابْنُ حَبَّانَ
رُؤَاتَهُ وَوَرَدَتْ أَحَادِيثٌ بِمَعْنَاهُ ثَابِتَةٌ وَبِاللَّهِ الْحَمْدُ
وَ مِنْهَا أَنَّهَا سَبَبٌ رَدِّ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى الْبُصَلِيِّ
وَ الْمُسْلِمِ كَمَا وَرَدَ بِسَنَدٍ حَسَنِ بَلْ صَحَّحَهُ النَّوَوِيُّ
فِي الْأَذْكَارِ وَغَيْرِهِ (۱)

(آپ ﷺ کی قبر انور پر فرشتہ مقرر ہے جسے تمام مخلوق کی باتیں سننے کی
طاقت حاصل ہے وہ آپ ﷺ کو درود پہنچاتا ہے جیسے اس حدیث میں
ہے جس کے راویوں کو امام ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اور اس معنی میں
احادیث صحیحہ بھی وارد ہیں اور حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے رسول اللہ
ﷺ کی خدمت میں درود و سلام اور آپ کے جواب کا یہی سبب ہے
حدیث بسند حسن ہے بلکہ امام نووی نے اسے ازکار اور دیگر میں صحیح لکھا ہے)

۲۔ مفتی کفایت اللہ دیوبندی دہلوی (ت، ۱۳۷۲) نے بھی اس روایت کو معتبر قرار

دیا ہے

صلوٰۃ و سلام کے ساتھ یا رسول اللہ ﷺ یا حبیب اللہ کے الفاظ سے پکارنا اس خیال
سے کہ صلوٰۃ و سلام آنحضرت ﷺ کو فرشتوں کے ذریعہ پہنچا دیا جاتا ہے کیونکہ
بعض روایات معتبرہ سے ثابت ہے کہ باری تعالیٰ و تقدس نے آنحضرت ﷺ کی
قبر مبارک پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیا ہے اور اس کو ایسی قوت سامعہ عطا فرمائی ہے کہ وہ
تمام مخلوق کے صلوٰۃ و سلام سن کر حضرت میں عرض کر دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ جواب
دیتے ہیں (۲)

۳۔ نَضْرَةُ النَّعِيمِ (سعودی کمیٹی کی تیار کردہ کتاب) میں ایک عنوان قائم کیا

سَبَبٌ لِعَرْضِ إِسْمِ الْبُصَلِيِّ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

(درود شریف پڑھنے والے کے نام کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہونا)

(۱) نزل الابرار، ۱۸۶

(۲) کفایت المفتی، ۱۶۸، ۱

اس کے تحت دو احادیث مبارکہ ذکر کریں

۱۔ فَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "أَكْثَرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ، فَإِنَّ اللَّهَ وَكَلَّ بِنِي مَلَكًا عِنْدَ قَبْرِي فَإِذَا صَلَّى عَلَيَّ رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِي قَالَ لِي ذَلِكَ الْمَلِكُ يَا مُحَمَّدُ ﷺ أَنْ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ صَلَّى عَلَيْكَ السَّاعَةَ:

(حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے جب کوئی میرا امتی درود پڑھتا ہے تو وہ مجھے عرض کرتا ہے یا محمد ﷺ فلاں کا بیٹا فلاں اس وقت آپ ﷺ پر درود پڑھ رہا ہے)

اس کے تحت حاشیہ بھی دیا ہے

رَوَاهُ الدَّيْلَمِيُّ فِي مُسْنَدِ الْقِرْدَوِسِ (۱، ۹۳)، وَحَسَنُهُ الْأَلْبَانِيُّ، أَنْظَرَ سِلْسِلَةَ الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ بِرَقْمِ (۱۵۳۰) صَحِيحُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِرَقْمِ (۱۴۱۸)

(اسے دیلمی نے مسند قردوس (۱-۹۳) میں نقل کیا، البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے دیکھیے سلسلہ احادیث صحیحہ (۱۵۳۰) اور صحیح جامع صغیر (۱۴۱۸)

وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِنَّ لِلَّهِ تَعَالَى مَلَكًا أَعْطَاهُ سَمْعَ الْعِبَادِ فَلَيْسَ مِنْ أَحَدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا أَبْلَغْنِيهَا وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي أَنْ لَا يُصَلِّي عَلَيَّ عَبْدٌ صَلَاةً إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرَ أَمْثَالِهَا

(حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو تمام بندوں کی بات سننے کی قوت دی ہے جب

کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ مجھے پہنچاتا ہے اور میں نے اپنے رب سے عرض کی ہے کہ جو بھی مجھ پر درود پڑھے آپ اس پر دس رحمتیں نازل فرمادیں)

اس پر یہ حاشیہ بھی لکھا ہے

رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَالبَزَّارُ وَحَسَنَةُ الأَلْبَانِي، أَنْظَرُ
سِلْسَلَةُ الأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ بِرَقْمِ (١٥٣٠)
وَأيضاً صَحِيحُ الجَامِعِ الصَّغِيرِ بِرَقْمِ (٢١٤٢)

(اسے امام طبرانی اور بزار نے روایت کیا البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے
دیکھے سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج ۴، ۱۵۳۰ اور صحیح الجامع الصغیر (۲۱۴۲)

(نُزْرَةُ النِّعِيمِ فِي مَكَارِمِ أَخْلَاقِ الرَّسُولِ الْكَرِيمِ (١-٥٢٨)

فرشتے کا روضہ اقدس پر تقرر خاصہ نبوی

ایسے دلائل اور احادیث مبارکہ کے پیش نظر ائمہ امت نے یہ تصریح کی ہے کہ
روضہ اقدس پہ امت کا درود پہنچانے کے لیے فرشتے کا تقرر سرورِ عالم ﷺ کا خاصہ ہے،
آئیے چند تصریحات ملاحظہ کیجیے

۱۔ حافظ ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) فوائد درود شریف کے تحت لکھتے ہیں
إِنَّ مَلَكًا قَائِمًا عَلَى قَبْرِهٖ يَبْلُغُهُ أَيَّاهُ وَإِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً
آخَرِينَ يَبْلُغُونَهُ أَيَّاهَا أَيضًا وَإِنَّهُ ﷺ يَرُدُّ سَلَامَ مَنْ
يُسَلِّمُ عَلَيْهِ أَخْرَجَ جَمْعٌ أَنَّهُ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلَّهِ مَلَكًا
أَعْطَاهُ إِسْمَاعَ الْخَلَائِقِ فَهُوَ قَائِمٌ عَلَى قَبْرِى (١)

(ایک فرشتہ آپ ﷺ کی قبرِ انور پر مقرر ہے جو آپ تک درود پہنچاتا ہے
اور اللہ تعالیٰ کے دیگر فرشتے بھی ہیں جو درود شریف پہنچاتے ہیں اور آپ
ﷺ سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں ایک محدثین کی جماعت نے
حدیث نقل کی کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو مخلوق کی آواز سننے کی

طاقت رکھتا ہے وہ میری قبر انور پر مقرر ہے)

۲۔ شارح بخاری امام محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) آپ ﷺ کے خصائص کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وَمِنْهَا أَنَّهُ وَكَّلَ بِقَبْرِهِ ﷺ يَبْلُغُهُ صَلَاةَ الْبُصَلِّينِ عَلَيْهِ (۱)

(آپ ﷺ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ کی قبر انور پر فرشتہ مقرر ہے جو درود شریف پڑھنے والوں کا درود پہنچاتا ہے)

۳۔ امام جلال الدین سیوطی (ت، ۹۱۱) رسول اللہ ﷺ کے اس خاصہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

بَابُ حَيَاتِهِ ﷺ فِي قَبْرِهِ وَ صَلَاتِهِ فِيهِ وَ تَوْكِيلِ مَلَكٍ بِقَبْرِهِ يَبْلُغُهُ السَّلَامَ عَلَيْهِ وَرَدِّهِ عَلَى مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ (۲)

(قبر انور میں آپ ﷺ کا زندہ ہونا وہاں نماز ادا کرنا اور فرشتہ کا تقرر جو آپ کی خدمت میں درود پہنچاتا ہے اور آپ ﷺ اس سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں)

۴۔ امام زرقانی (ت، ۱۱۲۲) ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام قسطلانی نے ملک سے مراد جنس ملائکہ لیا ہے۔

وَهُوَ نَوْعَانِ وَاحِدٌ وَكُلُّ بِالْقَبْرِ وَ آخِرُونَ سَيَّاحُونَ (۳)
(فرشتوں کی دو اقسام ہیں ایک فرشتہ آپ ﷺ کی قبر انور پر مقرر ہے اور دیگر زمین پر جاتے ہیں)

۵۔ امام محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) نے امام اصفہانی کے حوالہ سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت نقل کی ہے۔

(۱) المواہب اللدنیہ، ۷، ۳۷۰

(۲) الخصائص الکبریٰ، ۲، ۲۸۹

(۳) زرقانی علی المواہب، ۷، ۳۷۰

إِنَّ لِلَّهِ مَلَكًا أَعْطَاهُ الْإِجَابَةَ سَمِعَ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ فَمَا
مَنْ أَحَدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ صَلَاةً إِلَّا أَبْلَغْنِيهَا (۱)

(اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو تمام بندوں کی باتیں سننے کی طاقت دی ہے اور

جو مجھ پر درود شریف پڑھے گا وہ مجھ تک پہنچاتا ہے)

امام زرقانی (ت، ۱۱۲۲) اس کے تحت رقمطراز ہیں

أَبُو الشَّيْخِ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ فِي كِتَابِ الْعِظَمَةِ وَ
أَبُو الْقَاسِمِ رَوَاهُ فِي كِتَابِ التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيْبِ لَهُ
وَ قَصَرَ الْمُصَنِّفُ فِي الْعَزْوِ فَقَدْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي
تَارِيخِهِ وَ الطَّبْرَانِيُّ وَ الْعُقَيْلِيُّ وَ ابْنُ النَّجَّارِ كُلُّهُمْ عَنْ
عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

(امام ابوالشیخ نے اس حدیث کو کتاب العظمت، امام ابوالقاسم نے
الترغیب والترہیب میں نقل کیا ماتن نے اس حوالہ پر اکتفاء کیا ہے، اسے
امام بخاری نے تاریخ طبرانی، عقیلی اور ابن نجار تمام حضرات نے حضرت
عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے نقل ہے)

اس کے بعد الفاظ حدیث، إِنَّ لِلَّهِ مَلَكًا أَعْطَاهُ الْإِجَابَةَ سَمِعَ الْعِبَادَ، کی تشریح
یوں کرتے ہیں

أَيُّ قُوَّةٍ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى سَمَاعِ مَا يَنْطِقُ بِهِ كُلُّ
مَخْلُوقٍ مِنْ إِنْسٍ وَ جِنٍّ وَ غَيْرِهَا (۲)

(یعنی اس فرشتہ کو ایسی قوت و قدرت دی ہے کہ وہ تمام جنات، انسانوں

اور دیگر مخلوق کی آواز اور باتیں سنتا ہے)

امام عبدالرؤف مناوی (ت، ۱۰۰۳) کے الفاظ شرح بھی بعینہ یہی ہیں (۳)

امام زرقانی (ت، ۱۱۲۲) نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ

(۱) المواہب، ۷، ۳۷۱

(۲) زرقانی علی المواہب، ۷، ۳۷۱

(۳) فیض القدر، ۲، ۲۸۳

رسول اللہ ﷺ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ وَكَلَّ بِنِي مَلَكًا عِنْدَ قَبْرِي فَإِذَا صَلَّى عَلَيَّ رَجُلٌ
مِّنْ أُمَّتِي قَالَ لِي ذَلِكَ الْمَلِكُ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ فُلَانًا بِنِ
فُلَانٍ يُصَلِّي عَلَيْكَ السَّاعَةَ (۱)

(اللہ تعالیٰ نے میری قبر انور پر فرشتہ مقرر کیا ہے جب میرا کوئی امتی درود
شریف پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ مجھے عرض کرتا ہے اے محمد ﷺ فلاں بن
فلاح آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کر رہا ہے)

شراح بخاری امام محمد قسطلانی (ت: ۹۲۳) نے اسے امام دیلمی کے حوالہ سے نقل کیا (۲)

صاحب تبلیغی نصاب کی تفصیلی گفتگو

مخالفین کے ہاں تبلیغی نصاب کا جو مقام ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اس کتاب
میں مولانا زکریا سہارنپوری دیوبندی نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت پر
جو گفتگو کی ہے اسے پڑھیے اور غور کیجئے کہ لکھتے کیا ہیں اور کہتے کیا ہیں؟

عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ وَكَلَّ بِقَبْرِي مَلَكًا أَعْطَاهُ اسْمَاعَ
الْخَلَائِقِ فَلَا يُصَلِّي عَلَيَّ أَحَدٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا
بَلَّغَنِي بِاسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ هَذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ قَدْ
صَلَّى عَلَيْكَ زَوَاهُ الْبِزَارُ كَذَبًا فِي التَّرْغِيبِ وَذَكَرَ
تَخْرِيجَهُ السَّخَاوِيُّ فِي الْقَوْلِ الْبَدِيعِ

(حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ
جل شانہ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کی
باتین سننے کی قدرت عطا فرمائی ہے پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک
درود بھیجتا رہے گا فرشتہ مجھ کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا ہے

(۱) زرقانی علی المواہب، ۷، ۳۷۰، ۷

(۲) مسالک الحنفاء، ۲۰۱

کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے وہ آپ پر درود بھیجتا ہے)

ف۔ علامہ سخاوی نے قول بدیع میں بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اس نے آپ پر درود بھیجا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ جل شانہ اس کے ہر درود کے بدلہ میں اس پر دس مرتبہ درود رحمت بھیجتے ہیں، ایک اور حدیث سے یہ مضمون نقل کیا ہے کہ اللہ جل شانہ نے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کو ساری مخلوق کی بات سننے کی قوت عطا فرمائی ہے وہ قیامت تک میری قبر پر متعین رہے گا جب کوئی شخص مجھ پر درود بھیجے گا تو وہ فرشتہ اس شخص کا اور اس کے باپ کا نام لے کر مجھ سے کہتا ہے کہ فلاں نے جو فلاں کا بیٹا ہے آپ پر درود بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مجھ سے یہ ذمہ لیا ہے کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا۔ اللہ جل شانہ اس پر دس دفعہ درود بھیجیں گے ایک حدیث سے بھی یہی فرشتہ والا مضمون نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ مضمون ہے کہ میں نے اپنے رب سے یہ درخواست کی تھی کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے اللہ جل شانہ اس پر دس دفعہ درود بھیجے حق تعالیٰ شانہ نے میری درخواست قبول فرمائی۔ حضرت امامہ کے واسطے سے بھی حضور ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ بھیجتا ہے اللہ جل شانہ اس پر دس دفعہ درود رحمت بھیجتے ہیں اور ایک فرشتہ اس پر مقرر ہوتا ہے جو اس درود کو مجھ تک پہنچاتا ہے۔ ایک جگہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص میرے اوپر جمعہ کے دن یا جمعہ کی شب میں درود بھیجے اللہ جل شانہ اس کی سو حاجتیں پوری کرتے ہیں اور اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں جو اس کو میری قبر میں مجھ تک اسی طرح پہنچاتا ہے جیسے تم لوگوں کے پاس ہدایا بھیجے جاتے ہیں۔

اس حدیث پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک فرشتہ ہے جو قبر اطہر پر متعین ہے جو ساری دنیا کے صلوة و سلام حضور ﷺ تک پہنچاتا ہے اور اس سے پہلی حدیث میں آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں جو حضور ﷺ تک امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں اس لیے کہ جو فرشتہ قبر

اطہر پر متعین ہے اس کا کام صرف یہی ہے کہ حضور ﷺ تک اُمت کا سلام پہنچاتا رہے اور یہ فرشتے جو سیاحین ہیں یہ ذکر کے حلقوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں اور جہاں کہیں درود ملتا ہے اس کو حضور اقدس ﷺ تک پہنچاتے ہیں اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ کسی بڑے کی خدمت میں اگر کوئی پیام بھیجا جاتا ہے اور مجمع میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو ہر شخص اس میں فخر اور تقرب سمجھتا ہے کہ وہ پیام پہنچائے اپنے اکابر اور بزرگوں کے یہاں یہ منظر بارہا دیکھنے کی نوبت آئی۔ پھر سید الکونین فخر رسل ﷺ کی پاک بارگاہ کا تو پوچھنا ہی کیا۔ اس لیے جتنے بھی فرشتے پہنچائیں بر محل ہی ہے۔ (۱)

فوائد از گفتگو

اس گفتگو سے یہ چند مسائل و فوائد از خود سامنے آجاتے ہیں

- ۱۔ روضہ اقدس پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔
- ۲۔ اس فرشتے کو تمام مخلوق کی بات سننے کی قوت عطا ہوئی ہے۔
- ۳۔ کوئی کسی مقام پر بھی درود شریف پڑھے وہ فرشتہ اس شخص کا نام اور اس کے باپ کا نام بھی لے کر عرض کرتا ہے۔
- ۴۔ اس فرشتے کا کام صرف درود و سلام پہنچانا ہے
- ۵۔ دیگر زمین پر پھرنے والے فرشتے درود شریف کے علاوہ بھی اچھے اعمال کی تلاش میں رہتے ہیں۔
- ۶۔ جتنے بھی فرشتے پہنچائیں بر محل اور مناسب ہے

مزید شان و اہتمام

اہل علم نے آپ ﷺ کے دو ارشادات عالیہ کہ

- ۱۔ جو میری قبر کے پاس درود سلام پڑھے میں اسے خود سنتا ہوں
- ۲۔ اور مذکورہ روایت میں ہے کہ فرشتے پہنچاتے ہیں

توان دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض و مخالف ہے تو ان میں تطبیق یوں دی ہے۔

امام زرقانی (ت، ۱۱۲۲) امام ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) کے حوالہ سے موافقت

یوں بیان کرتے ہیں

إِنَّهُ ﷺ يَسْمَعُ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عِنْدَ قَبْرِهِ بِلَا
وَاسِطَةٍ وَ يَبْلُغُهُ الْمَلِكُ أَيْضًا إِشْعَارًا لِمَزِيدٍ
خُصُوصِيَّةٍ وَالْإِغْتِنَاءُ بِشَانِهِ وَالْإِسْتِمْدَادُ لَهُ
بِذَلِكَ (۱)

(مزار عالی کے پاس درود سلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں اور فرشتے بھی

پہنچاتے ہیں تاکہ آپ ﷺ کی شان اقدس کا مزید اظہار و اہتمام ہو اور

اس کے ذریعے مدد طلب کی جائے)

جب خادم بارگاہ نبوی کو اللہ تعالیٰ نے یہ شان علمی دی ہے کہ وہ تمام کائنات کی

آوازن سکتا ہے تو پھر مخدوم کائنات ﷺ کی شان علمی کا کیا عالم ہوگا؟

درد شریف پہنچنے کی دو صورتیں

آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں درد شریف پہنچنے کی دونوں صورتیں ممکن و جائز ہیں کہ آپ ﷺ خود درد شریف سنتے ہیں اور ملائکہ بھی یہ خدمت سرانجام دیتے ہیں۔
۱۔ حافظ ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) شرح مشکوٰۃ میں رسول اللہ ﷺ کی دائمی زندگی اور درد و سلام سننے کے بارے میں رقمطراز ہیں

يُؤْخَذُ مِنْ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ أَنَّهُ ﷺ حَيٌّ عَلَى الدَّوَامِ لِأَنَّهُ يَسْتَحِيلُ عَادَةً أَنْ يَخْلُوَ الْوُجُودُ كُلَّهُ مِنْ وَاحِدٍ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ فِي لَيْلٍ وَنَهَارٍ وَقَدْ أَجْمَعُوا عَلَى أَنَّهُ ﷺ حَيٌّ يُرْزَقُ فِي قَبْرِهِ وَإِنَّ جَسَدَهُ الشَّرِيفَ لَا تَأْكُلُهُ الْأَرْضُ وَإِنَّ رُوحَهُ الْقُدْسِيَّةَ لَبَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ الدُّنْيَوِيَّةِ صَارَ لَهَا قُوَّةُ الْعُرُوجِ وَالْإِتِّصَالِ بِالْبَلَاءِ الْأَعْلَى فَارْتَفَعَتْ جَمِيعُ حُبِّهَا الْحَسِيَّةِ فَتَرَى جَمِيعَ مَا يَصِلُ إِلَيْهَا مِنَ الْأُمَّةِ مِنْ صَلَاةٍ وَسَلَامٍ وَغَيْرِهِمَا كَالْبُشَاهِدِ (۱)

(ان احادیث سے یہ مسئلہ سامنے آجاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دائمی زندہ ہیں کیونکہ یہ محال ہے کہ دن رات میں کوئی لمحہ ہو جب کوئی آپ ﷺ کو سلام نہ عرض کر رہا ہو تو امت کا اس پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ زندہ اور

قبرِ انور میں رزق دیا جاتا ہے اور آپ ﷺ کے جسمِ اقدس کو مٹی نہیں کھا سکتی اور آپ کا روح پاک تعلقاتِ بدنی سے جدا ہو گیا اور ملاءِ اعلیٰ سے اتصال اور عروج کی وجہ سے اس قدر قوی ہے کہ تمام حجابات ختم تو اب آپ ﷺ تمام امت کے صلاة و سلام کو مشاہدہ کرنے والے کی طرح دیکھتے اور جانتے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ عالی

فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ
(تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے تم کہیں بھی ہو)

کے تحت شارح بخاری امام محمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) امام بیضاوی سے نقل

کرتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے

لِأَنَّ نَفُوسَ الْقُدْسِيَّةِ إِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ
الْبَدَنِيَّةِ عَرَجَتْ أَوْ اتَّصَلَتْ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَى فَلَمْ يَبْقَ
لَهَا حِجَابٌ فَتَرَى الْكُلَّ كَالْمُشَاهِدِ بِنَفْسِهَا أَوْ بِأَخْبَارِ
الْمَلَكِ لَهَا وَفِيهِ سِرٌّ يَطَّلِعُ عَلَيْهِ مَنْ تَيَسَّرَ لَهُ (۱)

(قدسی نفوس جب بدنی تعلقات سے جدا ہو کر بلند اور ملاءِ اعلیٰ سے مل جاتے ہیں تو اب ان کے لئے پردہ باقی نہیں رہ جاتا وہ تمام کو مشاہدہ کرنے والے کی طرح خود دیکھتے ہیں یا ملائکہ آگاہ کر دیتے ہیں اور اس میں ایک ایسا راز ہے جس سے مطلع ہی آگاہ ہو سکتا ہے)

یہی تشریح امام شرف الدین حسن الطیبی (ت، ۷۴۳) نے قاضی بیضاوی سے نقل کی ہے (۲)

مولانا محمد انوار اللہ فاروقی (ت، ۱۳۳۵) خلیفہ مجاز حاجی امداد اللہ مہاجر تکی کی گفتگو نہایت ہی قابل توجہ ہے

ان روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک فرشتہ تمام روئے زمین کے درود سنتا ہے اور

(۱) مسالک الحنفاء، ۲۴۳

(۲) الکاشف، ۴، ۲۳

خدمتِ آنحضرت ﷺ میں عرض کرتا ہے اور اس کو ویسی ہی سماعت دی گئی ہے جیسے اُن دو فرشتوں کو دی گئی جو اس مقام پر مقرر ہیں کہ درود پڑھنے والوں کے حق میں دعائے خیر کیا کریں جن کا حال ابھی معلوم ہوا

بلا واسطہ درود شریف کا سماعت فرمانا

جب اتنی حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض فرشتوں کے پاس قرب و بعد یکساں ہے اور اُن واحد میں ہر شخص کی آواز برابر سنتے ہیں تو اب اہل ایمان کو آنحضرت ﷺ کے احاطہ علمی میں شک کا کیا موقع ہوگا؟

اس لیے کہ بنی شک و انکار کا یہی تھا کہ اس میں شرک فی الصفت لازم آتا ہے پھر جب آنحضرت ﷺ کے خدام میں یہ صفت موجود ہے تو چاہیے کہ خود آنحضرت ﷺ میں بطریق اولیٰ اور بوجہ اتم ہو چنانچہ خود آنحضرت ﷺ نے اس کی تصریح فرمادی

كَمَا فِي الطَّبْرَانِيِّ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِي إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيَّ الْأَرْضَ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ ذَكَرَهُ ابْنُ حَجْرٍ الْمَكِّيُّ فِي الْجَوْهَرِ الْمُنْتَظَمِ (۱)
(فرمایا جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کی آواز میں سنتا ہوں تو صحابہ نے عرض کیا، کیا آپ کی وفات کے بعد بھی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم؟ فرمایا ہاں خدا تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد کو کھائے)

فرشتوں کا پہچانا مزید تعظیم ہے

تمام اہل علم نے صراحتاً لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے درود و سلام کو خود سننے اور ملائکہ کے پہچاننے میں کوئی منافات و تضاد نہیں، ان دونوں کا اجتماع ممکن ہے یعنی آپ ﷺ کے خود سننے کے باوجود فرشتے بھی اسے پیش کرتے ہیں تاکہ آپ ﷺ کی مزید تعظیم و اکرام کا اظہار ہو، آئیے چند تصریحات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

جب خود سنتے ہیں تو ملائکہ کے پہنچانے کا کیا معنی؟ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں
 وَتَبْلِيغُ الْمَلِكِ لِدَيْكَ إِثْمًا هُوَ لِمَزِيدِ التَّشْرِيفِ
 وَالتَّكْرِيمِ وَالْإِجْلَالِ وَالتَّعْظِيمِ إِلَّا تَرَى إِلَى مُلُوكِ
 الدُّنْيَا تُعْرَضُ عَلَيْهِمُ الْهَدَايَا فِي الْبَلَاءِ وَإِنْ عَلِبُوا
 بِهَا فِي السِّرِّ إِظْهَارًا لِعُظَمَتِهِمْ وَقَدْ يَكُونُ فِيهِ إِظْهَارٌ
 لِعُظْمَةِ الْبُهْدِيِّ فَكَذَا مَا نَحْنُ فِيهِ (۱)

(فرشتوں کا درود پہنچانا مزید عزت و شرف اور تعظیم و اکرام ہے جیسے دنیاوی
 بادشاہوں کو تحائف پیش کیے جاتے ہیں حالانکہ وہ انھیں جانتے ہوتے
 ہیں تاکہ ان کی عظمت کا اظہار ہو اور کبھی اس میں تحفہ دینے والے کی
 عظمت کا اظہار بھی مقصود ہوتا ہے جیسے زیر نظر مسئلہ کا معاملہ ہے)

۲۔ شرح قصیدۃ الہمز یہ میں مختلف روایات میں تطبیق و موافقت دیتے ہوئے
 رقمطراز ہیں

إِنَّهُ ﷺ يُبْلَغُ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ إِذَا صَدَرَ مِنْ بَعْدِ
 وَيَسْمَعُهَا إِذَا كَانَ عِنْدَ قَبْرِهَ الشَّرِيفِ وَمَعَ سَمَاعِهِ
 لَهَا يُبْلَغُهَا أَيْضًا زِيَادَةً فِي الْكِرَامِ الزَّائِرِ وَالْإِعْتِنَاءِ
 بِشَانِهِ وَالِاسْتِمْدَادِ لَهُ بِذَلِكَ سَوَاءً لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ أَوْ
 غَيْرَهَا (۲)

(صلوٰۃ و سلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچائے جاتے ہیں جبکہ
 ان کا صدور دور سے ہو اور آپ انہیں خود سنتے ہیں جب قبر النور کے
 قریب ہوں، دونوں کے خود سننے کے باوجود زائر کے اہتمام شان و اس
 کی استمداد کی وجہ سے پہنچائے بھی جاتے ہیں خواہ جمعہ کی رات ہو یا کوئی
 اور وقت ہو)

(۱) الفتوحات الربانیہ - ۳، ۳۱۵

(۲) المنح المکیہ، ۲۹۶

ان میں کوئی تضاد نہیں

مولانا محمد انوار اللہ فاروقی (ت، ۱۳۳۵) اسی حقیقت کو ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ جب آنحضرت ﷺ خود سنتے ہیں تو پھر درود و سلام پہنچانے پر جو اتنے عظیم الشان و کثیر التعداد فرشتے مقرر ہیں جن کا حال کچھ معلوم ہوا اور کچھ معلوم ہوگا اس سے کیا فائدہ؟

سو اس کا جواب یہ ہے کہ آخر حق تعالیٰ کے حضور میں بھی اعمال بذریعہ ملائک پیش ہوا کرتے ہیں اور باوجود اس کے صفت علمیہ کا انکار ممکن نہیں۔ حاصل یہ کہ شے واحد کے حصول علم کے طریقے اگر متعدد و مختلف ہوں تو کچھ قباحت لازم نہیں آتی بلکہ اس سے کمال قدرت و عظمت الہی معلوم ہوتی ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ کے علم کے بھی دو طریقے ٹھہرائے گئے ہیں۔

پہلا طریقہ

صفت علمیہ جو کمال نشاء انسانی ہے عطا کی گئی تاکہ اس کے حاصل کرنے میں افضل مخلوقات کی احتیاج ان ملائک کی طرف نہ ہو جو فی الحقیقت خدام آپ ﷺ کے ہیں۔

دوسرا طریقہ

یہ کہ عظیم الشان ملائک اس خدمت پر مامور کیے گئے جس سے شان مصطفائی اور تزک فرماں روائی اپنے حبیب ﷺ کی تمام انبیاء ملائک پر آشکار ہو جائے اور وہ خصوصیت و عظمت جو ازل سے سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت مرعی ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام مبارک کو اپنے انجام مرام کا وسیلہ اور ذریعہ ٹھہرایا کہ بعد نشاء عنصری حضرت ﷺ کے بھی اس پر مشہود و منکشف ہو جائے (۱) اس موقع پر مولانا انور شاہ کشمیری (ت، ۱۳۵۲) کا حوالہ سامنے لانا ضروری سمجھتے

(۱) انوار احمدی، ۹۳، ۹۵۔ مطبوعہ مظہر علم لاہور

ہیں کیونکہ یہ علماء دیوبند کے مسلمہ فاضل اور محدث ہیں، انہوں نے بھی صاف الفاظ میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے درود شریف سننے اور فرشتوں کے پیش کرنے میں کوئی تضاد نہیں۔ دونوں صورتیں ہو سکتیں ہیں اور پھر مثال دی جیسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں لوگوں کے اعمال فرشتے پہنچاتے ہیں حالانکہ بلاشبہ رب العزت خود بھی کامل طور پر آگاہ ہیں، ان کی عبارت خود پڑھیے الفاظِ حدیث ”رَأَيْتُ بِضْعَةَ وَثَلَاثِينَ أَنْ يَكْتُبَهَا“ کے تحت لکھتے ہیں۔

وَاعْلَمْ أَنَّ حَدِيثَ عَرَضِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ
لَا يَقُومُ دَلِيلًا عَلَى نَفْيِ عِلْمِ الْغَيْبِ وَإِنْ كَانَ
الْمَسْئَلَةُ فِيهِ أَنَّ نِسْبَةَ عَلَيْهِ ﷺ وَعِلْمِ اللَّهِ تَعَالَى
كَنِسْبَةِ الْمُتَنَاهَى بِغَيْرِ الْمُتَنَاهَى لِأَنَّ الْبَقْصُودَ
بِعَرَضِ الْبَلَاءِ كَهُوَ تِلْكَ الْكَلِمَاتُ بِعَيْنِهَا فِي
حَضْرَتِهِ الْعَالِيَةِ عَلَيْهَا مِنْ قَبْلُ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ
كَعَرَضِهَا عِنْدَ رَبِّ الْعِزَّةِ وَرَفِيعِ الْأَعْمَالِ إِلَيْهِ فَإِنَّ
تِلْكَ الْكَلِمَاتِ بِمَا يَحْيَا بِهِ وَجَهَ الرَّحْمَنِ فَلَا يَنْفِي
الْعَرَضُ الْعِلْمَ فَالْعَرَضُ قَدْ يَكُونُ لِلْعِلْمِ وَأُخْرَى
لِبَعَانٍ أَخْرَفَا عَرِيفِ الْفَرْقِ (۱)

(واضح رہے کہ نبی اکرم ﷺ پر ملائکہ کے درود پیش کرنے والی حدیث، علم غیب کی نفی پہ دلیل نہیں بن سکتی، اگرچہ علم غیب کے بارے میں معاملہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے علم کی نسبت، اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرح ہے کیونکہ فرشتوں کے پیش کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ درود شریف کے بعینہ کلمات بارگاہ عالیہ نبویہ میں پہنچا دیں خواہ رسول اللہ ﷺ نے ان کلمات کو پہلے جانا ہو یا نہ جانا ہو، دربار رسالت میں کلمات درود پیش کرنے کا معاملہ اس طرح سے ہے جیسے

رب العزت کی بارگاہ میں یہ کلمات طیبات پیش کیے جاتے ہیں اور اس کی بارگاہ الوہیت میں اعمال بندگان لے جائے جاتے ہیں کیونکہ ان کلمات طیبات سے ذات رحمن کی خدمت اقدس میں تحیہ و تحفہ پیش کیا جاتا ہے لہذا یہ پیش کرنا علم اور جاننے کے منافی نہیں لہذا کسی چیز کا پیش کرنا کبھی جاننے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اس سے دیگر مقاصد و معانی مراد ہوتے ہیں، اس فرق کو اچھی طرح جان لینا چاہیے

تبلیغ بھی اور سماع بھی

یہاں ایک اور اہم حوالہ بھی ملاحظہ کر لیجیے، ڈاکٹر خالد محمود لکھتے ہیں شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی کا یہ حوالہ یاد رکھنے کے قابل ہے آنحضرت ﷺ کا اس زائر کے سلام کا جواب دینا یقینی اور متفق علیہ ہے اور غیر زائر کو جواب دینا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے، بعض روایات کی بنا پر علماء نے جمع کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ سلام غائب کی صرف بذریعہ ملائکہ تبلیغ ہوتی ہے اور سلام حاضر کی تبلیغ بھی ہوتی ہے اور سماع بھی (۱) ء

عرض اور سماع میں منافات نہیں

یہاں پر واضح ہو رہا ہے کہ عرض ملائکہ اور سماع میں کوئی تعارض و تخالف نہیں یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہو سکتی ہیں جیسے بارگاہ الہی میں بندوں کے اعمال پیش بھی کیے جاتے ہیں اور وہ انہیں خود بھی جانتا ہے، رہا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش و عرض کی توجیہ تو لازم ہے کیونکہ اس کا خود علم رکھنا قطعی ہے مگر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ توجیہ لازم نہیں کیونکہ آپ ﷺ کے علم کو یہ قطعی درجہ حاصل نہیں

ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ بارگاہ الہی میں عرض اعمال کی توجیہ لازم ہے اور حضور ﷺ کے حوالہ سے نہیں مانتے اور نہ ہی ہم اس کا دعویٰ کر رہے ہیں ہم تو اتنا کہہ رہے ہیں کہ عرض ملائکہ اور از خود سماع میں تعارض نہیں اور اسے تم بھی تسلیم کرتے ہوئے

(۱) مقام حیات، ۴۶۲، بحوالہ مکتوبات شیخ الاسلام، ۱، ۲۴۲

لازم قرار دے رہے ہو

تو ہم بھی اس سے یہی ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ عرض و سماع میں تضاد نہیں جیسے
اوپر شیخ انور شاہ کشمیری اور شیخ حسین احمد مدنی نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ
تبلیغ ملائکہ اور سماع نبوی ﷺ میں ہرگز تضاد نہیں

امام احمد رضا قادری (ت، ۱۳۴۰) نے سوال و جواب ان الفاظ میں ذکر کیا کہ

ہمارے مخالف نے لکھا ہے:

تَأْوِيلُ ذَلِكَ فِي حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى وَاجِبٌ لِإِسْتِحَالَةِ
عَدَمِ الْعِلْمِ بِشَيْءٍ فِي حَقِّهِ إِجْمَاعًا وَ أَمَّا تَأْوِيلُ مَا
يَتَعَلَّقُ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَا يُصَارُ إِلَيْهِ لِعَدَمِ
الِإِسْتِحَالَةِ الْمَذْكُورَةِ فِي حَقِّهِ بَلْ يَجِبُ الْقَاوُةُ عَلَى
ظَاهِرِهِ لِعَدَمِ الضَّرُورَةِ دَاعِيَةً إِلَى تَأْوِيلِ كَمَا هِيَ
القَاعِدَةُ الْمُبَقَّرَةُ فِي نُصُوصِ الشَّرْعِ

(اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ تاویل کرنا لازم ہے کیونکہ اس کے حق میں کسی
شے کا علم نہ ہونا بالاتفاق محال ہے لیکن جن کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے
ساتھ ہے اس میں تاویل نہیں کی جائے گی کیونکہ آپ ﷺ کے حق میں
محال مذکور لازم نہیں کیونکہ تاویل کا سبب ہی نہیں جیسے نصوص شرعیہ میں یہ
ضابطہ مسلم ہے)

اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ مخالف ہماری بات و جواب سمجھ ہی نہیں پایا!
ہمارا کہنا ہرگز یہ نہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کی تاویل لازم ہے اس طرح
ہم رسول اللہ ﷺ کے حق میں بھی لازم جانتے ہیں اگر ہم ایسا کہیں تو مخالف کو فرق بیان
کرنے کا حق ہے۔

إِنَّمَا الْمُرَادُ أَنَّ الْعَرَضَ لَيْسَ مَقْصُودًا عَلَى سَبْقَةِ
عَدَمِ الْعِلْمِ بَلْ يَكُونُ مَعَ الْعِلْمِ أَيْضًا كَمَا فِي رَبَّنَا
تَبَارَكَ وَ تَعَالَى فَلَوْ كَانَ يَسْتَلْزِمُ سَبْقَةَ عَدَمِ

الْعِلْمِ لِإِسْتِحْصَالِ فِي حَقِّهِ تَعَالَى لَكِنَّهُ غَيْرُ مُسْتَحِيلٍ
بَلْ وَاقِعٌ فَثَبَّتْ أَنَّهُ لَا يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ الْعِلْمِ
الْمَعْرُوضِ عَلَيْهِ فَبَطَلَ إِسْتِدْلَالُ الْمُسْتَدِلِّ
بِأَحَادِيثِ الْعَرَضِ لِإِحْتِمَالِ أَنْ يَكُونَ وَقَدْ عَلِمَ
ﷺ هَذَا مَعْنَى الْجَوَابِ (۱)

(ہمارا مقصد و مراد صرف اتنا ہے کہ عرض و پیش کرنے کی صورت فقط یہی نہیں ہوتی کہ پہلے علم نہ ہو بلکہ ہمارے رب تعالیٰ کے حق میں علم کے ساتھ ساتھ اعمال فرشتے پیش کرتے ہیں اگر عرض کے لیے عدم علم ضروری ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے لیکن یہاں محال نہیں بلکہ اس چیز کا وقوع ہے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ پیش کیا جانا اس پر دلیل نہیں ہوتا کہ اس کا پہلے علم نہ ہو تو حدیث عرض سے مستدل کا استدلال باطل ٹھہرا کیونکہ ممکن ہے آپ ﷺ ملائکہ کی پیشگی سے پہلے اس کا علم رکھتے ہوں)

کہنا یہ ہے کہ ملائکہ کے پیش کرنے اور پہلے اس کا علم ہونے میں کوئی تضاد نہیں جیسے بادشاہ ہوں کو بہت سے واقعات سنائے جاتے ہیں حالانکہ وہ اس کا پہلے علم رکھتے ہوتے ہیں

پیشگی کا متعدد دفعہ ہونا

پھر احادیث کا مجموعی مطالعہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں بندوں کے اعمال ہر روز صبح و شام، ہر جمعہ، ہر جمعرات اور شب برات میں پیش کیے جاتے ہیں اس طرح رسالتماب ﷺ کی خدمت اقدس میں ملائکہ سیاحین، قبر پر مقرر فرشتہ درود پڑھنے والے کے ساتھ مقرر فرشتہ، ہر جمعہ کے روز پھر قیامت کے روز اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔

اس پر احادیث مبارکہ نقل کرنے کے بعد امام احمد رضا قادری (ت، ۱۳۴۰)

رقمطراز ہیں:

فَإِذَا ثَبَتَ تَكَرَّارُ الْعَرِضِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
 مِرَارًا أَوْ لَا وَجَبَ الْقَوْلُ بِأَنَّهُ ﷺ تُعَرِّضُ عَلَيْهِ كُلَّ
 صَلَاةٍ مَعَ تَقْدِيمِ عَلَيْهِ ﷺ بِهَا خَمْسُ مَرَّاتٍ أَوْ أَكْثَرُ
 كَانَ الْإِحْتِجَاجُ بِالْعَرِضِ عَلَى عَدَمِ عَلَيْهِ ﷺ
 فَجْتَنَّا مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَالَهُ مِنْ قَرَارٍ وَإِذَا جَازَ
 أَنْ تَكُونَ خَمْسُ مَرَّاتٍ بَعْدَ الْعِلْمِ فَمَا الَّذِي مَنَعَ
 أَنْ يَكُونَ سَادِسُهَا السَّابِقُ عَلَيْهَا أَيْضًا بَعْدَهُ وَآيُ
 عَقْلٍ أَوْ نَقْلِ حَدٍّ فِي ذَلِكَ حَدًّا أَنْ لَا يُعَرِّضُ بَعْدَ
 الْعِلْمِ إِلَّا خَمْسَ مِرَارٍ مَثَلًا لَا أَكْثَرَ بَلْ إِذَا جَازَ فِي
 خَمْسٍ جَازَ عَشْرًا وَجَازَ مِائَةً (۱)

(جب یہ احادیث بتا رہی ہے کہ سرور عالم ﷺ پر متعدد دفعہ درود و سلام پیش کیا جاتا ہے تو یہ ماننا لازم ہوگا کہ حبیب خدا ﷺ پر صلوة سلام پیش ہونے سے پہلے آپ سے پانچ بار سے زیادہ دفعہ جانتے ہیں تو ملائکہ کی پیشگی جائز ہے تو اس میں کون مانع ہے کہ ان سے پہلے بھی آپ ﷺ کو علم ہو یہاں کون سی عقلی و نقلی دلیل ہے جو یہ حد بندی کرتی ہے کہ بعد از علم پانچ دفعہ پیشگی ہو سکتی ہے البتہ اس سے زائد کے بعد نہیں ہو سکتی بلکہ جب پانچ دفعہ علم کے بعد جائز ہے تو پھر دس اور سو دفعہ بھی جائز ہو سکتا ہے)

فصل:

بارگاہ اقدس میں دُرود شریف کا پیش ہو سماع کے منافی نہیں

اسی روایت کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے علامہ سید احمد سعید کاظمی لکھتے ہیں:

امراول سے فراغت پا کر امردوم کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ حضور ﷺ پر درود شریف پیش ہونے کا مضمون ناظرین کرام اس سے پہلے ہمارے بیان میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جو اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے۔ کہ حضور ﷺ قبر انور میں فوندہ ہیں ورنہ درود شریف پیش ہونے کے معنی متحقق نہیں ہو سکتے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو درود کا علم کس طرح ہوتا ہے۔ حضور خود سنتے ہیں یا حضور ﷺ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبر انور پر درود پڑھا جائے تو حضور سنتے ہیں اور دور سے پڑھنے والوں کا درود حضور نہیں سنتے۔ بلکہ فرشتے حضور ﷺ کو پہنچا دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے قول کی دلیل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِى سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا
أَبْلَغْتُهُ

(یعنی جس شخص نے میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود پڑھا میں اسے سنتا

ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے)

حضور ﷺ کا سننا اسی وقت ہوتا ہے۔ جب قبر شریف کے پاس درود پڑھا

جائے۔ اور جو درود دور سے پڑھا جائے۔ اسے حضور ﷺ نہیں سنتے وہ فرشتوں کے

ذریعے حضور کو پہنچا دیا جاتا ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک ہر شخص کا درود و سلام حضور ﷺ سنتے ہیں۔ درود و سلام پڑھنے والا خواہ قبر انور کے پاس حاضر ہو یا کہیں دور ہو قریب اور دور کا فرق رسول اللہ ﷺ کے لیے نہیں بلکہ درود و سلام پڑھنے والے کے لئے ہے۔ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ نزدیک اور دور کی قید عالمِ خلق کے لئے ہے۔ عالمِ امر کے لئے نہیں اس لیے روح زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔ جب عام ارواح اس قید میں مقید نہیں تو روح اقدس جو روح الارواح ہے قرب و بعد کی قید میں کیوں کر مقید ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ کہاں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ دور سے درود پڑھنے والے کا درود صرف فرشتوں کے ذریعہ مجھے پہنچتا ہے میں اسے مطلقاً نہیں سنتا حضور ﷺ کے درود و سلام سننے اور آپ کی خدمت میں پہنچائے جانے سے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اگر ان سب کو سامنے رکھ کر فکر سلیم سے کام لیا جائے تو یہ مسئلہ بہت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس باب میں ایک حدیث ناظرین پڑھ چکے ہیں۔ کہ جس نے میری قبر انور پر آ کر درود پڑھا تو میں اسے سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے دوسری حدیث میں وارد ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي وَ كَلَّ اللَّهُ بِهِ مَلَكًا يُبَلِّغُنِي وَ كَفَى أَمْرَ دُنْيَاهُ وَ آخِرِهِ وَ كُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَهِيدًا أَوْ شَفِيعًا
(حضرت ابو ہریرہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہوتا ہے جو اس کا درود مجھے پہنچا دیتا ہے۔ اور وہ اپنے امر دنیا اور آخرت کی کفالت کیا جاتا ہے اور میں اُسکے لئے قیامت کے دن شہید یا شفیع ہوں گا)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قبر شریف پر جو درود پڑھا جاتا ہے۔ اسے بھی حضور ﷺ کے سامنے فرشتہ پیش کرتا ہے اب اگر فرشتہ کا حضور ﷺ کی بارگاہ میں درود پیش کرنا حضور ﷺ کے سننے کے منافی ہو تو اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ میری

قبر پر جو درود پڑھا جائے۔ میں اسے بھی نہیں سنتا۔ ایسی صورت میں یہ حدیث پہلی حدیث کے معارض (مخالف) ہوگی جس میں صاف موجود ہے۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِى سَمِعْتُهُ

(جو میری قبر پر درود پڑھتا ہے میں اسے سنتا ہوں)

علاوہ ازیں جس طرح اس حدیث سے قبر انور کے پاس درود پڑھنے والے کے درود کا حضور ﷺ کے پاس پہنچایا جانا ثابت ہوا۔ اسی طرح بعض دیگر احادیث سے درود شریف سنتا حضور ﷺ کے لئے ثابت ہے۔ جیسا کہ احادیث کے ذیل میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ إِلَيَّ رُوحِي حَتَّى أُرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (۱)

(نہیں کوئی جو سلام پڑھے مجھ پر لیکن اللہ تعالیٰ میری طرف میری روح

لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں)

حدیث میں عموم

اس حدیث میں مانا فیہ ہے احد نکرہ ہے سب جانتے ہیں کہ نکرہ چیز نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ پھر من استغراقیہ عموم و استغراق پر نص ہے یعنی مجھ پر سلام بھیجنے والا کوئی شخص ایسا نہیں جس کے سلام کی طرف میری توجہ مبذول نہ ہوتی ہو خواہ وہ قبر انور کے پاس ہو یا دور ہو ہر ایک کے سلام کی طرف میں متوجہ ہوتا ہوں اور ہر ایک کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

یہ حدیث اس امر کی روشن دلیل ہے۔ کہ درود پڑھنے والے ہر فرد کا درود حضور ﷺ خود سنتے ہیں اور سن کر جواب بھی دیتے ہیں خواہ وہ شخص قبر انور کے پاس ہو یا دور ہو۔

دیکھئے امام جلال الدین سیوطیؒ اسی حدیث ”إِلَّا رَدَّ اللَّهُ إِلَيَّ رُوحِي“ پر

کلام کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں

وَيَتَوَلَّدُ مِنْ هَذَا الْجَوَابِ جَوَابٌ آخَرٌ وَهُوَ أَنْ
يَكُونَ الرُّوحُ كِنَايَةً عَنِ السَّبْعِ وَكَوْنُ الْمُرَادِ أَنَّ
اللَّهَ تَعَالَى يَرُدُّ عَلَيْهِ سَمْعَهُ الْخَارِقَ لِلْعَادَةِ بِحَيْثُ
يَسْبَعُ الْمُسْلِمَ وَإِنْ بَعْدَ قَطْرَةٍ (۱)

(اور اس جواب سے ایک اور جواب پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ رد روح سے
یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ پر آپ کی سمع خارق للعادة کو لوٹا دیتا
ہے۔ اس طرح کہ حضور ﷺ سلام بھیجنے والے کے سلام کو سنتے ہیں خواہ
وہ کتنا ہی دور کیوں نہ ہو)

حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ دور سے پڑھنے والے کا درود بھی سنتے
ہیں۔ اسی باب میں اور بھی احادیث وارد ہیں۔ لیکن ہم نے قدر ضرورت پر اکتفا کیا۔ اور
ہماری پیش کردہ حدیثوں سے ثابت ہو گیا۔ کہ جس طرح قبر انور کے پاس درود پڑھنے
والے کا درود حضور ﷺ سنتے ہیں۔ اسی طرح دور والے کا درود بھی حضور ﷺ اپنے سمع
سے سنتے ہیں اور جس طرح دور کا درود حضور کو پہنچایا جاتا ہے۔ اسی طرح قبر انور پر جو درود
پڑھا جائے اسے بھی ایک فرشتہ حضور ﷺ پر پہنچاتا ہے

ثابت ہوا کہ پہنچانا سننے کے منافی نہیں اور سننا پہنچانے کے معارض نہیں۔ یعنی
قریب اور دور کا درود حضور ﷺ سنتے بھی ہیں اور یہی دور اور نزدیک کا درود حضور کو پہنچایا
بھی جاتا ہے۔ اس تقریر پر یہ شبہ وارد ہوگا کہ پہلی حدیث

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا
أَبْلَغْتُهُ

میں اَبْلَغْتُهُ اور سَمِعْتُهُ باہم متقابل معلوم ہوتے ہیں اور تقابل کی صورت میں سمع کا
ابلاغ کیسا تھ جمع ہونا محال ہے لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب فرشتے درود پہنچاتے ہیں تو
اس وقت حضور ﷺ نہیں سنتے

جس کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے۔ کہ جب ہم نے احادیث کی روشنی میں ثابت کر دیا کہ جو درود قبر انور کے پاس پڑھا جائے۔ اسے بھی فرشتے پہنچاتے ہیں نیز یہ کہ نزدیک و دور سے ہر ایک درود پڑھنے والا جب درود پڑھتا ہے تو وہ اس حال میں پڑھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی طرف حضور کی روح مقدس اور سمع مبارک لوٹائی ہوئی ہوتی ہے اور حضور ﷺ ہر ایک کا درود سن کر خود جواب دیتے ہیں تو اس کے بعد اس شبہ کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

رہا تقابل تو اس کے لئے مطلق سمع ضروری نہیں بلکہ سمع مخصوص بھی تقابل کے لئے کافی ہے۔ اور وہ التفات خصوصی ہے۔ اور بر تقدیر صحت حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قبر انور پر آکر درود پڑھنے والا چونکہ حاضری کی خصوصیت کا حامل ہے اس لئے اس کا درود اس قابل ہے کہ اسے التفات خاص کے ساتھ سنا جائے۔

بلکہ قبر انور پر حاضری کی خصوصیت پر کیا منحصر ہے۔ دور کے لوگ بھی اگر اس قسم کی کوئی خصوصیت رکھتے ہوں۔ مثلاً کمال محبت و اشتیاق سے درود پڑھیں تو ان کے درود و سلام کے لئے بھی سمع خصوصی اور مخصوص التفات و توجہ کے ساتھ سمع اقدس پایا جانا کچھ بعید نہیں بلکہ دلائل الخیرات کی ایک حدیث اس دعویٰ کی مثبت ہے۔ صاحب دلائل الخیرات نے حضور ﷺ کا ارشاد بایں الفاظ وارد کیا **أَسْمَعُ صَلَوةَ أَهْلِ مَحَبَّتِي وَ أَعْرِفُهُمْ**۔ مختصر یہ کہ ابلاغ اور سمع خصوصی کا تقابل مراد لینے کے بعد حدیث کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ جو شخص خصوصیت کے ساتھ میری قبر انور پر حاضر ہو کر (یا مثلاً کمال محبت و اشتیاق کی خصوصیت کا حامل ہو کر) مجھ پر درود پڑھتا ہے۔ میں اس کے درود کو خاص توجہ کے ساتھ سنتا ہوں۔ اور جو شخص دور سے (ان خصوصیات کے بغیر مجھ پر درود پڑھتا ہے) (سمع معتاد کے باوجود) میں اس کی طرف خاص توجہ نہیں فرماتا صرف ملائکہ میری بارگاہ میں پہنچا دیتے ہیں۔

ابلاغ ملائکہ

فرشتوں کے درود پہنچانے کو جن لوگوں نے مطلق سمع اقدس کے منافی قرار دیا

ہے۔ دراصل وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کہ ابلاغ اور تبلیغ ملائکہ کا سبب حضور ﷺ کی لاعلمی ہے۔ حالانکہ یہ محض غلط ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ قبر انور پر جو درود پڑھا جائے۔ اسے حضور ﷺ سنتے بھی ہیں اور اسے ملائکہ بھی حضور ﷺ کے دربار میں پہنچاتے ہیں اگر فرشتوں کا پہنچانا لاعلمی کی وجہ سے ہوتا تو مزار مبارک پر جس درود کو حضور ﷺ خود سن رہے ہیں اس کے ابلاغ کی کیا ضرورت تھی۔

فرشتوں کے درود پہنچانے کی حکمت

درود کے الفاظ درحقیقت ایک تحفہ اور ہدیہ ہیں تحفہ اور ہدیہ کے معنی کی تکمیل (مہدی لہ) کے محض سننے اور جاننے سے نہیں ہوتی بلکہ انہیں الفاظ کی پیش کش سے ہوتی ہے جو درود شریف کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ فرشتوں کے درود پہنچانے کو مہدی لہ کے جاننے یا نہ جاننے سے کوئی تعلق نہیں یہ پہنچانا تو صرف اس لیے ہے کہ ہدیہ اور تحفہ کے معنی متحقق ہو جائیں اور بس۔ ہم اپنے اس بیان کی تائید کے لئے فیض الباری کی ایک عبارت ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

وَاعْلَمُ أَنَّ حَدِيثَ عَرَضِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ
لَا يَقُومُ دَلِيلًا عَلَى نَفْيِ عِلْمِ الْغَيْبِ وَإِنْ كَانَتْ
الْمَسْئَلَةُ فِيهِ أَنَّ نِسْبَةَ عَلَيْهِ ﷺ وَ عَلَيْهِ تَعَالَى
كِنِسْبَةِ الْمُتَنَاهِي بِغَيْرِ الْمُتَنَاهِي لِأَنَّ الْبَقْصُودَ
بِعَرَضِ الْمَلَائِكَةِ كَعَرَضِهَا عِنْدَ رَبِّ الْعِزَّتِ وَرَفِعَ
الْأَعْمَالَ إِلَيْهِ فَإِنَّ تِلْكَ الْكَلِمَاتِ هِيَ مَا يَحْيَا بِهِ وَجْهَ
الرَّحْمَنِ فَلَا يَنَافِي الْعَرَضُ الْعِلْمَ فَالْعَرَضُ قَدْ
يَكُونُ لِلْعِلْمِ وَأُخْرَى لِبَعَانٍ آخَرَ اعْرِفِ الْفَرْقَ
(إِنْتَهَى) (۱)

(جاننا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ پر درود پیش کرنے کی حدیث علم غیب کی نفی پر دلیل نہیں بن سکتی۔ اگرچہ علم غیب کے بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرح ہے کیونکہ فرشتوں کی پیشکش کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ درود شریف کے کلمات بعینہا بارگاہ عالیہ نبویہ میں پہنچ جائیں۔ حضور ﷺ نے ان کلمات کو پہلے جانا ہو یا نہ جانا ہو بارگاہ رسالت میں کلمات درود کی پیش کش بالکل ایسی ہے جیسے رب العزت کی بارگاہ میں یہ کلمات پیش کئے جاتے ہیں اور اس کی بارگاہ الوہیت میں اعمال اٹھائے جاتے ہیں کیونکہ یہ کلمات ان چیزوں میں سے ہیں جن کے ساتھ ذات رحمن جل مجدہ کو تحفہ پیش کیا جاتا ہے اس لئے یہ پیش کش علم کے منافی نہیں۔ لہذا کسی چیز کا پیش کرنا کبھی علم کے لئے بھی ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات دوسرے معانی کے لئے بھی اس فرق کو خوب پہچان لیا جائے۔ انتہی)

سماع کا تعلق صرف آواز سے ہے اور فرشتوں کی پیشکش صلوٰۃ و سلام کے کلمات بعینہا سے متعلق ہے۔ رہا یہ امر کہ وہ کلمات بعینہا فرشتے کیوں کر پیش کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کے بعینہا اصل کلمات کا پیش کئے جانے کے قابل ہو جانا امر محال نہیں لہذا تحت قدرت داخل ہوگا ”وَاللّٰهُ عَلٰی مَا يَشَاءُ قَدِيْرٌ“
فیض الباری کی منقولہ بالا عبارت سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ بارگاہ رسالت میں فرشتوں کا درود شریف پیش کرنا حضور ﷺ کی لاعلمی پر مبنی نہیں ہے کیونکہ یہ کلمات ان چیزوں میں سے ہیں بلکہ یہ کلمات درود بعینہا کو بطور تحفہ و ہدیہ پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ سننے اور جاننے کو اس پیش کش سے کوئی تعلق نہیں۔

اس لئے قبر انور پر جو درود پڑھا جائے حضور ﷺ اسے سنتے بھی ہیں اور فرشتے بھی اسے پیش کرتا ہے علی ہذا دور سے جو لوگ درود شریف پڑھتے ہیں اسے فرشتے بھی پیش کرتے ہیں۔ اور سمع خارق للعادة سے حضور ﷺ سماع بھی فرماتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ سَمِعْتُهُ اور اُبْلِغْتُهُ کے مابین پر زور دیکر جس سماع کی نفی کی

جاتی ہے۔ وہ مطلق سماع نہیں بلکہ سماع مقید (بقید التفاتِ خصوصی) ہے۔ جس کے نظائر قرآن و حدیث میں بکثرت پائے جاتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ﴾

(ان کفار جن و انس کی آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں ان سے سنتے نہیں) (۱)

یہاں مطلقاً سمع و بصر کی نفی مراد نہیں بلکہ سمع مخصوص اور بصر مخصوص کی نفی مراد

ہے نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

﴿ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ (۲)

(اور نہ دیکھے گا اللہ تعالیٰ ان کی طرف قیامت کے دن)

یہاں بھی مطلقاً دیکھنے کی نفی فرمائی گئی ہے جو نظرِ رحمت کے ساتھ دیکھنا ہے

حدیث شریف میں وارد ہے کہ 'قُلْ تُسْمِعُ' (آپ فرمائیے کہ سنے جائیں

گے) (بخاری شریف) یہاں بھی مطلقاً سمع مراد نہیں بلکہ سماع خاص مراد ہے

ایسے ہی سَمِعْتُهُ سے سماع خصوصی یعنی توجہ اور التفات خاص کے ساتھ سننا

مراد ہے اور اگر بر بنائے تقابل اُبْلَغْتُهُ کو نفی سماع پر محمول کیا جائے تو نفی اسی کی ہوگی جس

کا سَمِعْتُهُ سے ثبوت ہوا تھا۔ اور ثابت کر چکے ہیں کہ ثبوت سماع خصوصی کا ہے لہذا نفی

بھی اسی سماع خاص کی ہوگی۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر ابلاغ ملائکہ کے باعث سماع خاص کی نفی مراد لی جائے تو جو درود قبر انور پر

پڑھا جاتا ہے۔ اس کو بھی ملائکہ پہنچاتے ہیں۔ ایسی صورت میں قبر انور پر پڑھے

جانیوالے درود کا بھی سماع خصوصی کے ساتھ سننا منافی قرار پائے گا۔

جواب

ہم نے جس ابلاغ کو سماع خصوصی کا مقابل مانا ہے وہ صحیح جاتی ہے۔

کی شرط سے مشروط ہے مطلق ابلاغ ہمارے نزدیک سماع خصوصی کے منافی نہیں پھر نائياً سے محض ظاہری دوری والے مراد نہیں بلکہ وہ تمام افراد مراد ہیں جو قرب ظاہری و معنوی کی خصوصیت سے محروم ہوں جیسا کہ مَنْ صَلَّى عِنْدَ قَبْرِىٰ کے عموم میں وہ تمام اشخاص شامل ہیں جو عندیت ظاہری یا باطنی کی خصوصیت کے حامل ہوں۔

یہ گفتگو اس تقدیر پر ہے کہ اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے۔ اور اگر صحیح نہ ہو جیسا کہ ان شاء اللہ آگے چل کر معلوم ہوگا تو نفی سماع کی بنیاد ہی باقی نہیں رہتی (۱)

غزالی زماں کی تائید

حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی (ت، ۱۴۰۶) کی بات کہ سَمِعْتُهُ سے مراد خصوصی سماعت ہے کی تائید اسی روایت مبارکہ کے یہ الفاظ بھی کر رہے ہیں جو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

وَ اَكْرَخَالِدٍ مَّحْمُودٍ شَيْخِ عَبْدِ الْحَقِّ مَحْدَثِ دَهْلَوِيٍّ كَيْ حَوَالِيٍّ سَمِعْتُهُ هُنَا

نیز ابن عمر آمدہ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِىٰ زِدْتُ عَلَيْهِ
وَمَنْ صَلَّى فِي مَكَانٍ آخِرٍ بَلَّغُونِيهِ (۲)

(حضرت ابن عمر سے مروی ہے حضور نے فرمایا جو شخص مجھ پر میری قبر پر آکر درود پڑھتا ہے میں اس کا جواب اس سے بڑھ کر دیتا ہوں اور جو کوئی دوسری جگہ پڑھتا ہے وہ فرشتے پہنچاتے ہیں)

یہاں زِدْتُ عَلَيْهِ (میں اس کا بڑھ کر جواب دیتا ہوں) کے الفاظ نہایت ہی واضح کر رہے ہیں کہ قریبی کے سلام کا جواب خصوصیت کا حامل ہے جو دوسرے کے سلام کو حاصل نہیں۔

(۱) حیات النبی، ۶۳

(۲) مقام حیات، ۵۳۶، بحوالہ جذب القلوب

فصل:

ایک روایت کا معنی و مفہوم

کتاب و سنت میں بڑی تفصیل کے ساتھ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام اُمتوں اور انبیاء علیہم السلام پر عینی گواہ بنایا، آپ ﷺ تمام کائنات و مخلوق پر شاہد کا درجہ رکھتے ہیں۔ احادیث صحیحہ میں موجود ہے کہ آپ ﷺ اُمت کے اعمال سے تفصیلاً آگاہ رہتے ہیں۔

پھر اس حدیثِ حسن پر گفتگو گزری کہ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کائنات میں کہیں بھی کوئی مجھ پر سلام کہتا ہے تو میں سن کر اس کا جواب دیتا ہوں۔

یہاں تک حدیث آئی ہے کہ

میں دور دشریف پڑھنے والوں کی آواز تک کو سن لیتا ہوں الغرض ان تمام دلائل و شواہد میں کہیں کوئی تقسیم موجود نہیں کہ میں صرف قریب سے سنتا ہوں اور دور سے نہیں سن سکتا فقط ملائکہ ہی پہنچاتے ہیں

تقسیم والی روایت

مگر ایک ایسی روایت کتب میں ہے کہ جس میں بظاہر تقسیم نظر آتی ہے کہ مزارِ اقدس کے پاس پڑھا جانے والا درود شریف آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا جانے والا درود شریف ملائکہ پہنچاتے ہیں، ہم یہاں اس پر گفتگو کرنا چاہ رہے ہیں تا کہ صحیح حقیقتِ حال سامنے آجائے۔

اس روایت کے مبارک الفاظ یہ ہیں۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِى فَسَبِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ
نَائِيًا أُغْلِبْتُهُ

(جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور
سے پڑھے میرے علم میں لایا جاتا ہے)

یہ روایت موضوع ہے

پہلی بات یہ ہے کہ متعدد ائمہ محدثین اور اہل علم نے اس روایت کو موضوع و من
گھڑت قرار دیا ہے مخالفین کے گھر کے لوگ، شیخ ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن عبد الہادی اور
البانی نے اسے ضعیف و موضوع کہا ہے مثلاً

۱۔ شیخ ابن قیم (ت، ۷۵۱) یہی روایت نقل کر کے کہتے ہیں

هَذَا الْحَدِيثُ غَرِيبٌ جِدًّا (۱)

(یہ حدیث نہایت ہی غریب ہے)

۲۔ اس کے راویوں میں سدی صغیر ہیں، جنہیں محدثین نے کذاب قرار دیتے ہوئے
واضح کیا کہ یہ روایت موضوع ہے، اس حقیقت کو متعدد اہل علم نے آشکار کیا ہے
شیخ ابن عبد الہادی نے اسے موضوع قرار دیتے ہوئے کہا

هَذَا الْحَدِيثُ مَوْضُوعٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَيْسَ لَهُ

أَصْلٌ وَ لَمْ يُحَدِّثْ أَبُو هُرَيْرَةَ وَ لَا أَبُو صَالِحٍ وَ لَا

الْأَعْمَشُ وَ مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ السُّدِّيُّ مُتَّهَمٌ بِالْكَذِبِ

وَالْوَضْعُ (۲)

(یہ روایت رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے گھڑی گئی ہے اس کی کوئی اصل

ہی نہیں اسے نہ حضرت ابو ہریرہ نے نہ ابو صالح نے اور نہ ہی اعمش نے روایت

کیا، اس کا راوی محمد بن مروان سدی کذاب اور احادیث گھڑنے والا ہے)

(۱) جلاء الافہام، ۱۹

(۲) الصارم المنکلی، ۲۸۳

غزالی زماں کی علمی گفتگو

ہم یہاں غزالی زمان حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی (ت، ۱۳۰۶) کی گفتگو نقل کیے دیتے ہیں لکھتے ہیں۔

رہی حدیث بیہقی بروایت ابوہریرہ جسے تھانوی صاحب نے مشکوٰۃ شریف سے نقل فرمایا ہے۔ تو درحقیقت اس مسئلہ میں تھانوی صاحب کے استدلال کی جان بھی حدیث ہے

تھانوی صاحب کی پیش کردہ حدیث پر کلام

جس طرح تھانوی صاحب نے ہماری پیش کردہ حدیث کی سند پر اور متن پر کلام کیا ہے۔ ہمیں بھی حق ہے۔ کہ تھانوی صاحب کے دعویٰ کی بنیادی حدیث کے متن و اسناد پر ہم بھی کلام کریں۔ متن حدیث پر ہمارا کلام گذشتہ صفحات پر ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ اب اس کی اسناد پر کلام کرتے ہیں۔

تھانوی صاحب نے بیہقی کی اس حدیث کو بروایت ابوہریرہ مشکوٰۃ سے نقل کیا ہے جس میں سند مذکور نہیں ہم اس حدیث کو خود امام بیہقی کی تصنیف رسالہ ”حیۃ الانبیاء“ سے مع سند نقل کرتے ہیں۔ اور امام بیہقی نے نیز ان کے رسالہ حیۃ الانبیاء کے شارح نے اس کی سند پر جو کلام کیا ہے۔ اسے بھی لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں

أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ بَشْرَانَ أَنْبَأَ أَبُو جَعْفَرِ
الرَّزَازِ ثَنَا عَيْسَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الطَّيَالِسِيِّ ثَنَا الْعَلَاءُ
بْنُ عَمْرِو وَ الْحَنْفِيُّ ثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنِ الْأَعْمَشِ
عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ
”مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا
أَبْلَغْتُهُ“ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ هَذَا هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ

السُّدِّي فِيمَا أَرَى وَفِيهِ نَظَرٌ (۱)

حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر امام بیہقی کی جرح
دیکھئے امام بیہقی نے اس حدیث کے راوی ابو عبد الرحمن کی تشریح کرتے ہوئے
بتایا کہ میرے نزدیک ابو عبد الرحمن ہی محمد بن مروان سدی ہے۔ اور اس میں نظر ہے
وَفِيهِ نَظْرٌ، الفاظ جرح میں سے ہے (۱)

حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر شارح حیات الانبیاء کی جرح
اس حدیث کے تحت محمد بن الخانجی البوسنی شارح حیات الانبیاء فرماتے ہیں

حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ هَذَا نَسَبَهُ السِّيُوطِيُّ فِي
الْخَصَائِصِ الْكُبْرَى إِلَى أَصْبَهَانِي فِي التَّرْغِيبِ
وَالْتَرْهِيْبِ وَنَسَبَهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ إِلَى الْبَيْهَقِيِّ وَ
مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ السُّدِّيَ الصَّغِيرِ ضَعِيفٌ أَتَاهُمْ
بِالْكَذِبِ وَقَدْ ذَكَرَ الْحَافِظُ الذَّهَبِيُّ هَذَا حَدِيثٌ فِي
مِيزَانِ الْإِعْتِدَالِ فِي تَرْجَمَةِ السُّدِّيِّ الْمَذْكُورِ (۱)
(ابوہریرہ کی حدیث کو سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں اصبہانی کی طرف منسوب
کیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ”الترغیب والترہیب“ میں اس کی روایت کی
ہے اور جامع صغیر میں بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے اور (ابو عبد الرحمن محمد بن مروان
السدی الصغیر ضعیف ہے متہم بالکذب ہے اور حافظ ذہبی نے اس حدیث ابو
ہریرہ کو میزان الاعتدال میں اسی سدی مذکور کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے)

ناظرین ذرا غور فرمائیے تھانوی صاحب کے دعوے کی سب سے بڑی دلیل
حدیث ابوہریرہ تھی۔ جس کی سند کا یہ حال ہے کہ اس کے راوی ابو عبد الرحمن محمد بن
مروان السدی الصغیر پر خود امام بیہقی نے وفیہ نظر کہہ کر جرح کی پھر ان کے رسالہ حیات
الانبیاء کے شارح نے اسے ضعیف اور متہم بالکذب کہا اور امام ذہبی کے حوالہ سے یہ بتایا
کہ انہوں نے میزان الاعتدال میں اسی کے تذکرہ میں تھانوی صاحب کی پیش کردہ

(۱) دیکھئے میزان الاعتدال جلد اول، ۳ طبع مصر

(۲) حیات الانبیاء للبیہقی مع شرح، ۱۴

حدیث کو ذکر کیا ہے۔

حدیث ابو ہریرہ پر امام ذہبی کی جرح

اب میزان الاعتدال اصل کتاب کو ملاحظہ فرمائیے امام ذہبی فرماتے ہیں
 (مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ) السُّدِّيُّ الْكُوفِيُّ وَهُوَ السُّدِّيُّ
 الصَّغِيرُ يَزْوِي عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ وَالْأَعْمَشِ
 تَرَكَوهُ وَإِثْمَهُ بَعْضُهُم بِالْكَذِبِ وَهُوَ صَاحِبُ
 الْكَلْبِيِّ قَالَ الْبُخَارِيُّ سَكَّتُوا عَنْهُ وَهُوَ مَوْلَى
 الْخَطَائِنِ لَا يُكْتَبُ حَدِيثُهُ الْبَثَّةَ وَقَالَ ابْنُ مَعِينٍ
 لَيْسَ بِثِقَةٍ وَقَالَ أَحْمَدُ أَدْرَكْتُهُ قَدْ كَبُرَ فَتْرَ كُتْبِهِ،
 الْعَلَاءُ بْنُ عَمْرِو الْحَنْفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ عَنِ
 الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا مَنْ
 صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا
 أَبْلَغْتُهُ“ اِنْتَهَى (۱)

(محمد بن مروان سدی کوفی ہیں اور وہ سدی صغیر ہے وہ ہشام بن عروہ اور
 اعمش سے روایت کرتا ہے محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے بعض نے
 اسے متہم بالکذب کہا اور وہ صاحب کلبی ہے بخاری نے کہا سکتوا عنہ
 اور وہ مولائے خطائین سے ہے اس کی حدیث یقیناً نہیں لکھی جاتی اور
 ابن معین نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں ہے امام احمد نے کہا میں نے اسے پایا وہ
 بوڑھا ہو گیا تھا میں نے اسے ترک کر دیا علاء بن عمرو الحنفی نے کہا ہم سے
 محمد بن مروان نے حدیث بیان کی اس نے اعمش سے روایت کی اعمش
 نے ابو صالح سے ابو صالح نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کی جس نے
 میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود پڑھا میں اسے سنتا ہوں اور جس نے
 مجھ پر دور سے درود پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے“ اِنْتَهَى)

میزان الاعتدال سے علامہ ذہبی کا جو بیان ہم نے نقل کیا اس سے یہ شبہ بھی دور

ہو گیا کہ امام بیہقی نے فیما ازی فرمایا ہے جو تردد کا مظہر ہے۔

میں عرض کروں گا کہ اگر فی الواقع یہ محل تردد ہوتا تو امام ذہبی اسے ظاہر فرما دیتے۔ لیکن انہوں نے اس کے ترجمے میں بعینہا اسی روایت کو نقل کر کے اس شبہ کی جڑ کاٹ دی اور حقیقت حال کو بے نقاب کر دیا۔

ہمارے ناظرین نے تھانوی صاحب کی جرح بھی دیکھی اب ان کی پیش کردہ روایت پر ہماری جرح بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ہماری پیش کردہ حدیث (بَلَّغْنِي صَوْتَهُ) کی سند میں کسی راوی کو تھانوی صاحب متہم بالکذب ثابت نہیں کر سکے مگر ان کی پیش کردہ حدیث کی سند میں محمد بن مروان کو ہم نے متہم بالکذب ثابت کر دیا اگرچہ جرح کے باب میں صحت روایت کا معیار اپنے مسلک کی روشنی میں ہم نے یہاں بیان نہیں کیا لیکن تھانوی صاحب کے پیش کردہ معیار پر تو یقیناً محل گفتگو باقی نہیں رہا اور یہ بات صاف ہو گئی کہ تھانوی صاحب نے سَمِعْتَهُ كَأَبْلَغْتَهُ سے تقابل کر کے ابو ہریرہ کی جس حدیث کو صحیح قرار دیا تھا وہ حدیث صحیح نہیں اور اس کی صحت پر انہوں نے اپنے احتمالات اور تاویلات کی جتنی عمارت قائم کی تھی وہ سب منہدم ہو کر رہ گئی (۱)

سند جید سے ثابت ہونا

البتہ کچھ محدثین نے لکھا کہ یہ روایت اگرچہ سُدی والی سند کے اعتبار سے موضوع ہے مگر اسے ایک اور سند سے امام ابوالشیخ نے نقل کیا ہے جس کے اعتبار سے یہ جید ہے نہ کہ موضوع

۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (ت، ۸۵۲) لکھتے ہیں

أَخْرَجَ أَبُو الشَّيْخِ فِي كِتَابِ الثَّوَابِ بِسَنَدٍ جَيِّدٍ

بِلَفْظِ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتَهُ (۲)

(امام ابوالشیخ نے سند جید کے ساتھ کتاب ثواب الاعمال میں یہ روایت

(۱) حیات النبی، ۶۷

(۲) فتح الباری، ۶، ۳۷۹

ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ جو میرے مزار کے پاس درود پڑھے میں
اسے سنتا ہوں)

۲- حضرت ملا علی قاری (ت، ۱۰۱۴) نے بھی یہ روایت نقل کر کے لکھا
رَوَاهُ أَبُو الشَّيْخِ وَابْنُ حَبَّانَ فِي كِتَابِ ثَوَابِ
الْأَعْمَالِ بِسَنَدٍ جَيِّدٍ (۱)
(اسے امام ابوالشیخ اور ابن حبان نے کتاب ثواب الاعمال میں سند عمدہ
کے ساتھ نقل کیا)

اور ہمارا بھی یہی موقف ہے کہ مذکورہ روایت اس سند کے اعتبار سے جید اور عمدہ ہے۔

روایات میں تطبیق و موافقت

پہلے یہ باتیں آشکار ہو چکی ہیں

۱- آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ اور اقوال اُمت آشکار کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

جیسے قریب سے سنتے ہیں اسی طرح دور سے بھی سننے کی طاقت رکھتے ہیں

۲- پھر یہ ثابت ہے کہ قریب مزار درود کو جیسے رسول اللہ ﷺ خود سنتے ہیں اسے

ملائکہ بھی پہنچاتے ہیں

۳- ملائکہ کا پہنچانا، سماعت کے منافی نہیں

۴- سماع فرمانا، ابلاغ ملائکہ کے منافی نہیں

لہذا دیگر نصوص و روایات اور اس روایت کے درمیان تطبیق و موافقت پیدا کرنا ضروری ہے۔

روایت کے الفاظ مبارکہ

تطبیق دینے سے پہلے اس کے الفاظ مبارکہ اگر سامنے لے آئیں تو معاملہ خوب آشکار

ہو جائے گا اس روایت کے امام ابوالشیخ کے حوالہ سے جو الفاظ منقول ہیں وہ اہل ہمم کی زبانی سنئے

۱- شیخ ابن قیم (ت، ۷۵۱) امام ابوالشیخ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ مِنْ

بَعِيدٍ أَعْلَيْتُهُ (۱)

(جو مجھ پر مزار کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ میرے علم میں لایا جاتا ہے)

۲۔ امام محمد عبدالرحمن سخاوی (ت، ۹۰۳) نے بھی یہی الفاظ نقل کیے ہیں

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ مِنْ بَعِيدٍ أَعْلَيْتُهُ (۲)

(جو میرے مزار کے پاس درود پڑھے وہ میں سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ میرے علم میں لایا جاتا ہے)

آپس میں تضاد ہی نہیں

جب صحیح سند والے الفاظ سامنے آگئے تو اس سے واضح ہو رہا ہے کہ دیگر

احادیث مبارکہ اور اس میں کوئی تضاد و تعارض ہی نہیں کیونکہ اس میں الفاظ ہیں

أَعْلَيْتُهُ (درود میرے علم میں لایا جاتا ہے)

اس میں ملائکہ کا ہونا کہاں ضروری ہے اللہ تعالیٰ براہ راست تمام کائنات کے

درود و سلام بلا واسطہ ملائکہ آپ ﷺ کے علم میں لے آتے ہیں، جیسے اوپر فرمان نبوی گزرا

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ رُوحِي حَتَّىٰ أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

(جو بھی مجھ پر سلام پڑھے اللہ تعالیٰ میری روح پاک کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے

حتیٰ کہ میں اس سلام کا جواب دیتا ہوں)

ائمہ امت نے روروح کی وضاحت کر دی ہے کہ آپ ﷺ درود سنتے ہیں اور

اس پر مطلع بھی ہوتے ہیں اور اس روایت

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ مِنْ بَعِيدٍ أَعْلَيْتُهُ

(جو دور سے درود پڑھے وہ میرے علم میں لایا جاتا ہے)

(۱) جلاء الافہام، ۱۹

(۲) القول البدیع، ۳۱۳

نے بھی اسی حقیقت کو آشکار کر دیا ہے
تو رسول اللہ کے ارشادات میں کوئی تضاد نہیں گویا یہ روایت دیگر احادیث
کی تائید کر رہی ہے

ملائکہ کا واسطہ ضروری نہیں

باقی اُعْلِمْتُهُ (میرے علم میں لایا جاتا ہے)

میں ملائکہ کا واسطہ بنا ضروری نہیں اس پر اس موقف کے مخالف کی تصریح بھی ملاحظہ کر لیجئے
ڈاکٹر خالد محمود مذکورہ روایت کی غرابت اور اس کی وضاحت کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں
اس حدیث کی اکثر روایات میں ”أُبْلِغْتُهُ“ یا ”بُلِغْتُهُ“ کے الفاظ ہیں
متن مشکوٰۃ اور اس کے حاشیہ میں بیہقی کی روایت میں نسخہ کے اختلاف کا نشان موجود ہے
لیکن ابوالشیخ کی روایت میں اُعْلِمْتُهُ (مجھے اس کا علم دیا جاتا ہے) کے الفاظ ہیں
أُبْلِغْتُهُ میں ملائکہ واسطہ بنتے ہیں اور اُعْلِمْتُهُ میں ضروری نہیں

ہم عرض کرتے ہیں جب مروی روایات میں اُبْلِغْتُهُ کے الفاظ موجود ہیں تو
یہاں اُعْلِمْتُهُ کے الفاظ کو بھی اسی معنی میں لیا جائے گا اور یہ غرابت کوئی مضرت نہیں حدیث
صحیح اور غریب میں کوئی تباہی نہیں (۱)

گویا مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اُعْلِمْتُهُ (مجھے درود و سلام کا علم دیا جاتا
ہے) میں واسطہ ملائکہ کا ہونا ضروری نہیں یہ بلا واسطہ بھی ہو سکتا ہے۔

أُبْلِغْتُهُ 'اُعْلِمْتُهُ' کے معنی میں ہے

ہماری گزارش یہ ہے کہ جب دیگر احادیث صحیحہ کا تقاضا ہے کہ دور سے پڑھا گیا
درود شریف آپ ﷺ بلا واسطہ ملائکہ سن سکتے ہیں بلکہ فرمان نبوی ﷺ ہے جب کوئی
درود شریف پڑھتا ہے تو مجھے اس کی آواز پہنچ جاتی ہے۔

اس سے یہ بھی آشکار ہو رہا ہے کہ اگر اُبْلِغْتُهُ کو اُعْلِمْتُهُ کے معنی میں کر لیا
جائے تو معاملہ نہایت ہی آسان ہو جاتا ہے کیونکہ جب ہم اُعْلِمْتُهُ کو اُبْلِغْتُهُ کے معنی
میں کرتے ہیں تو پھر روایات میں تضاد سامنے آ جاتا ہے اور اگر اسے اُعْلِمْتُهُ کے معنی

میں لے جائیں تو تضاد باقی نہیں رہ جاتا تو روایت کا معنی اور مفہوم ایسا کرنا چاہیے جس سے تضاد رفع ہو جائے نہ یہ کہ تضاد لاحق و قائم رہے۔

باقی روایت کے الفاظ میں تقابل کے حوالہ سے دوسرے مقام پر تفصیلی گفتگو آچکی ہے

فصل:

سمع کی دو اقسام

بعض اہل علم نے روایت کا مفہوم یوں واضح کیا کہ سمع (سننا) دو طرح سے ہوتا ہے

۱۔ حاسہ (معمول و عادت) کیسا تھ سننا

۲۔ خلاف معمول و عادت، اللہ تعالیٰ کی خصوصی عطا سے سننا

پہلی قسم کو سمع عرفی و عادی جبکہ دوسری قسم کو سمع علوی والہی کہا جاتا ہے

اس ارشادِ عالی میں آپ ﷺ نے سمع عرفی و عادی کا ذکر کیا ہے نہ کہ سمع علوی کا اس لیے

اہل علم نے اس کا مفہوم یہی بیان کیا ہے کہ یہاں قرب سے مراد عرفی قرب ہے مثلاً

۱۔ امام ابن حجر مکی (ت، ۹۷۴) فتاویٰ میں لفظ عند کی تشریح میں لکھتے ہیں

الَّذِي يَظْهَرُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْعِنْدِيَّةِ أَنْ يَكُونَ فِي مَحَلِّ

قَرِيبٍ مِّنَ الْقَبْرِ (۱)

(لفظ عند یہی بتا رہا ہے کہ انسان عرفاً قبر کے قریب ہو)

۲۔ امام محمد عبدالرحمن سخاوی (ت، ۹۰۲) فوائد باب رابع میں لکھتے ہیں

بعض خطباء کرام اور دیگر اہل علم جو بیان کرتے ہیں

إِنَّهُ ﷺ يَسْمَعُ بِأُذُنِهِ فِي هَذَا الْيَوْمِ مَنْ يُصَلِّي عَلَيهِ

فَهُوَ مَعَ حَمَلِهِ عَلَى الْقَرِيبِ لَا مَفْهُومَ لَهُ (۱)

(آپ ﷺ جمعہ کے دن اپنے کانوں سے درود سنتے ہیں اسے قریب پڑھنے

(۱) فتاویٰ الکبریٰ

(۲) القول البدیع، ۳۳۰

والے پر ہی محمول کیا جاسکتا ہے ورنہ اس کا مفہوم نہیں ہو سکتا)

۳۔ انہوں نے ہی امام نووی (ت، ۷۷۶) سے اس شخص کے بارے میں فتویٰ نقل

کیا جس نے حلفاً کہا کہ رسول اللہ ﷺ درود خود سنتے ہیں ورنہ میری بیوی کو طلاق تو جواب میں فرمایا

لَا يُحْكَمُ عَلَيْهِ بِالْحَنْثِ لِلشَّكِّ فِي ذَلِكَ وَالْوَرَعُ أَنْ
يَلْتَزِمَ الْحَنْثَ (۱)

(چونکہ اس معاملہ میں شک ہے لہذا اس پر حانث ہونے کا حکم جاری نہیں ہو سکتا البتہ بہتر یہ ہے کہ وہ حانث ہونے کا التزام کرے)

ان کے تحت امام احمد رضا قادری (ت، ۱۳۴۰) رقمطراز ہیں

وَ ذَلِكَ لِأَنَّهُ مَبْنَى الْأَيْمَانِ عِنْدَهُ عَلَى الْحَقِيقَةِ
اللُّغَوِيَّةِ وَعِنْدَنَا عَلَى الْعُرْفِ، وَقَدْ اتَّفَقَا هُنَا أَنَّ
السَّمْعَ هُوَ الْإِدْرَاكُ بِحَاسَّةِ الْأُذُنِ وَكَوْنُ ذَلِكَ
فِيهِ ﷺ عَلَى خَرَقِ الْعَادَةِ دَائِمًا مَشْكُوكٌ وَبِالشَّكِّ
لَا يَثْبُتُ الْحَنْثُ وَلَكِنْ حَيْثُ تَطْرُقُ إِلَيْهِ الشُّبُهَةُ
فَالْوَرَعُ التَّنَزُّهُ (۲)

(کہ ان کے ہاں اقسام کا مدار حقیقت لغویہ پر اور احناف کے ہاں عرف پر ہے اس پر دونوں کا اتفاق ہے کہ یہاں سمع بمعنی حاسہ کے ساتھ ادراک ہے اور اس میں معمول خلافِ عادت ہونا مشکوک ہے لہذا حانث ثابت نہیں ہوتا ہاں شبہ ہو جانے کی وجہ سے بہتر یہی ہے کہ اسے حانث مان لیا جائے)

الغرض ان تمام عبارات میں سمع عرفی مراد ہے

پست سے پست آواز کا سننا

یہاں مخالف رائے رکھنے والوں کا بھی ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے شیخ سرفراز خاں

(۱) القول البدیع، ۳۳۰

(۲) انباء الہی، ۳۰۱

صدر تذکرۃ الخلیل (۳۷) کے حوالہ سے لکھتے ہیں
 حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے
 کہ آنحضرت ﷺ حیات ہیں لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے مسجد نبوی کی حد میں
 کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضور ﷺ سنتے ہیں۔ (تسکین الصدور، ۳۴۶)

اگر مسجد صنعاء تک بڑھ گئی

پہلے مسجد نبوی ﷺ چھوٹی تھی اب خوب بڑھ گئی ہے مخالفین کے ہاں اب کشادہ
 ہونے کے باوجود وہاں پڑھا جانے والا درود و سلام آپ ﷺ خود سنتے ہیں اگر مسجد
 بڑھتے بڑھتے شہر صنعاء یمن تک چلی گئی تو پھر کیا فتویٰ ہوگا؟ اگر اس پر قائم رہے کہ مسجد
 نبوی ﷺ میں پڑھا جانے والا درود و سلام آپ ﷺ خود سنتے ہیں تو بحمد اللہ یہی ہمارا
 موقف ہے کہ درود و سلام کتنی ہی دور سے پڑھا جائے آپ ﷺ خود سنتے ہیں البتہ عزت
 کی خاطر ملائکہ بھی پیش کرتے ہیں۔

سمع کی دوسری قسم

سمع کی دوسری قسم پٹھہ کان اور ہوا کے واسطے سے نہیں ہوتی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی
 طرف سے ہوتی ہے جیسے حدیثِ ولی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی قوت بن
 جاتا ہے۔

حدیثِ قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب کوئی میرا ہو جاتا ہے تو

بِنِ يَسْمَعُ وَبِنِ يُبْصِرُ وَبِنِ يَمْشِي وَبِنِ يَبْطِشُ (۱)

(میری طاقت سے وہ سنتا ہے میری طاقت سے وہ دیکھتا ہے اور میری

طاقت سے وہ گرفت کرتا ہے اور چلتا ہے)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ (۲)

(۱) فتح الباری، ۱۱، ۲۸۹

(۲) سنن ترمذی، ابواب التفسیر

(مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے)

۱۔ اس کے تحت امام ابن الحاج (ت، ۷۳۷) کے الفاظ پڑھیے
 الْبُؤْمِنُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ وَنُورِ اللَّهِ لَا يَحْجِبُهُ شَيْءٌ فِي
 حَقِّ الْأَحْيَاءِ مِنَ الْبُؤْمِنِينَ فَكَيْفَ مَنْ كَانَ مِنْهُمْ
 فِي الدَّارِ الْأَخْرَى (۱)

(مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور کے سامنے کوئی پردہ
 حائل نہیں ہو سکتا یہ ان اہل ایمان کا معاملہ ہے جو دنیا میں ہیں تو دارِ آخرت
 والوں کا مقام کیا ہوگا؟)

۲۔ قاضی عیاض مالکینی (ت، ۵۴۴) نے لکھا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اجسام
 کے اعتبار سے کامل انسان اور اپنے ارواح اور بواطن کے اعتبار سے ملائکہ کے
 ساتھ ہوتے ہیں

۳۔ اس کی تشریح میں امام احمد خفاجی (ت، ۹۲۰۱) رقمطراز ہیں
 الْحَاصِلُ أَنَّ بَوَاطِنَهُمْ وَقَوَائِمُ الرُّوحَانِيَّةِ مَلَائِكَةٌ
 وَلِهَذَا تَرَى مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا وَيَسْمَعُ
 أَطِيطَ السَّيَاءِ وَيَشْمُ رَائِحَةَ جَبْرِيْلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ
 وَالسَّلَامُ إِذَا أَرَادَ النُّزُولَ إِلَيْهِمْ (۲)

(حضرات انبیاء علیہم السلام کے باطن اور ان کے قوائِمِ روحانی ملائکہ کی
 طرح ہیں اس وجہ سے وہ زمین کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیتے ہیں
 آسمانوں کی آوازیں لیتے ہیں اور جب جبریل ان کے پاس آنے کا ارادہ
 کرتا ہے تو یہ ان کی مہک پالیتے ہیں)

۴۔ امام عبدالرؤف مناوی (ت، ۱۰۳۱) اس ارشاد نبوی ﷺ
 حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي
 (تم جہاں سے بھی مجھ پر درود پڑھو تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے)

(۱) المدخل، ۲، ۲۵۹

(۲) نسیم الریاض، ۱، ۱۳۱

کے تحت لکھتے ہیں

لِأَنَّ النَّفُوسَ الْقُدْسِيَّةَ إِذَا تَجَرَّدَتْ مِنَ الْعَلَائِقِ
الْبَدَنِيَّةِ اتَّصَلَتْ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَى وَلَمْ تَبْقَ لَهَا حِجَابٌ
فَيَرَى وَيَسْمَعُ الْكُلَّ كَالْمُشَاهِدِ (۱)

(نفوسِ قدسی جب تعلقاتِ بدنیہ سے آزاد ہو کر ملأِ اعلیٰ سے متصل ہوتے
ہیں تو پھر کوئی پردہ نہیں رہ جاتا وہ تمام کو دیکھتے اور سنتے ہیں جیسے کوئی
مشاہدہ کرنے والا ہے)

۵۔ امام فخر الدین رازی (ت، ۶۰۶) سورة الکہف کی تفسیر میں کرامات اولیاء کی
صحت پر دلائل دیتے ہوئے چھٹی دلیل یوں ذکر کرتے ہیں

وَ لِذَا الْمَعْنَى نَرَى أَنَّ كُلَّ مَنْ كَانَ أَكْثَرَ
عِلْمًا بِأَحْوَالِ عَالِمِ الْغَيْبِ كَانَ أَقْوَى قَلْبًا وَأَقْلَ
ضَعْفًا وَ لِذَا قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ كَرَّمَ اللَّهُ
وَجْهَهُ: وَاللَّهِ مَا قَلَعْتُ بَابَ خَيْبَرَ بِقُوَّةِ جَسَدَانِيَّةٍ
وَلَكِنْ بِقُوَّةِ رَبَّانِيَّةٍ - وَ ذَلِكَ لِأَنَّ عَلِيًّا كَرَّمَ اللَّهُ
وَجْهَهُ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ انْقَطَعَ نَظْرُهُ عَنْ عَالِمِ
الْأَجْسَادِ وَأَشْرَقَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَنْوَارِ عَالِمِ الْكِبْرِيَاءِ
فَتَقْوَى رُوحُهُ وَ تَشَبَّهَ بِجَوَاهِرِ الْأَرْوَاحِ الْمَلَائِكِيَّةِ
وَ تَلَالَاتٌ فِيهِ أَضْوَاءُ عَالِمِ الْقُدْسِ وَالْعِظْمَةِ فَلَا
جَزْمَ حَصَلَ لَهُ مِنَ الْقُدْرَةِ مَا قَدَرَ بِهَا عَلَى مَا لَمْ
يَقْدِرْ عَلَيْهِ غَيْرُهُ هُوَ كَذَلِكَ الْعَبْدُ إِذَا وَاطَبَ عَلَى
الطَّاعَاتِ بَلَغَ إِلَى الْمَقَامِ الَّذِي يَقُولُ اللَّهُ كُنْتُ لَهُ
سَمْعًا وَبَصَرًا فَإِذَا صَارَ نُورَ جَلَالِ اللَّهِ سَمْعًا لَهُ سَمِعَ
الْقَرِيبَ وَالْبَعِيدَ وَ إِذَا صَارَ ذَلِكَ النُّورَ بَصَرًا لَهُ

رَأَى الْقَرِيبَ وَالْبَعِيدَ وَإِذَا صَارَ ذَلِكَ النُّورُ يَدَّالَهُ
قَدَرَ عَلَى التَّصْرِفِ فِي الصَّعْبِ وَالسَّهْلِ وَالْبَعِيدِ
وَالْقَرِيبِ - (۱)

(افعال و دل پہ قادر روح ہوتی ہے نہ کہ اجسام، بلاشبہ روح کے لیے اللہ تعالیٰ کی معرفت بدن کے لیے روح کی طرح ہے اس وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ جو عالم غیب کے احوال کا زیادہ علم رکھتا ہوگا اس قدر اس کا دل قوی ہوگا اس لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے خیبر کا دروازہ اپنی جسمانی قوت سے نہیں ربانی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روحانی قوت سے اکھاڑ پھینکا تھا کیونکہ اس وقت ان کی نظر عالم اجسام سے منقطع اور عالم ملائکہ اور عالم کبریاء سے متصل ہو کر جواہر ارواحِ ملکئہ کے مشابہ ہو چکی تھی اور عالمِ قدسی و عظمت کے انوار چمک اٹھے تھے تو اب انہیں ایسی قوت حاصل ہو گئی تھی جو کسی دوسرے میں نہیں تو اس طرح بندہ جب طاعتِ الہی پر پختگی اختیار کر لیتا ہے تو اس مقام تک جا پہنچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو میں اس کے سننے دیکھنے کی قوت بن جاتا ہوں جب نورِ جلالِ الہی اس بندے کی قوتِ سماع بن جاتا ہے تو وہ قریب و دور سے سنتا ہے اور جب اُس کی قوتِ بصر بن جاتا ہے تو قریب و دور سے دیکھتا ہے اور جب وہ نور اس کا ہاتھ بنتا ہے تو اُس نور کی برکت سے مشکل آسان، قریب و دور معاملات میں تصرف کرتا ہے) .

فصل:

المدیر رسول اللہ ﷺ پر مستقل کتب

رسول اللہ سے مدد مانگنے پر علماء کی مستقل کتابیں

آج کچھ لوگ اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یا رسول اللہ کہنے اور آپ ﷺ سے مدد مانگنے کو کفر و شرک قرار دے کر اپنی دنیا اور آخرت برباد کر رہے ہیں حالانکہ امت کے مسلمہ بزرگوں اور ائمہ کرام نے اس مسئلہ پر مستقل کتابیں لکھیں اور ان میں قرآن سنت کے دلائل سے ثابت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کہنا اور رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ کرنا، مدد مانگنا امت کے ائمہ، محدثین اور مفسرین و صوفیہ کا یہ وظیفہ رہا، انہیں اس سے جو جو برکات و شفقتیں نصیب ہوئیں ان کا تفصیل سے ذکر کیا، اگرچہ سینکڑوں کتب میں اس کے جواز و ثبوت پر دلائل موجود ہیں مگر ہم یہاں ان چند کتب کا تذکرہ چاہ رہے ہیں جو مستقل اول تا آخر اسی موضوع پر ہیں۔

۱- زَوَالِ الظُّلَمِ فِي ذِكْرِ مَنْ اسْتَعَاثَ بِرَسُولِ اللَّهِ

مِنَ الشَّدَّةِ وَالْعَبِي (۱)

(ان لوگوں کا تذکرہ جنہوں نے تکلیف و شدت میں رسول اللہ ﷺ سے

فریاد کی تو ان کی تکلیف دور ہو گئی)

یہ کتاب امت کے محدث امام حافظ الحدیث شیخ زکی الدین عبدالعظیم بن القوی

المنذری (ولادت، ۵۸۱، وفات - ۶۵۶ھ) کی ہے

۲- مِصْبَاحُ الظُّلَامِ فِي الْمُسْتَعِيثِينَ بِمُخَيَّرِ الْأَنَامِ

عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الْيَقْظَةِ وَالْمَنَامِ

(تمام مخلوق سے افضل ذات ﷺ سے بیداری اور خواب میں مدد مانگنے

والوں کی تفصیل میں تاریکیوں کو دور کرنے والا چراغ)

یہ امام محدث مجتہد ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن موسیٰ بن النعمان المراكشي کی کتاب ہے بحمد اللہ یہ کتاب چھپ گئی ہے اور ہمارے سامنے ہے

کتاب و مصنف کا تعارف

یہ عالم حافظ منذری کے تلامذہ میں سے ہیں ان کی ولادت (۶۰۶ ھ) اور وفات (۶۸۳ ہجری) ہے یعنی ساتویں صدی ہجری کے عظیم محدث ہیں

وجہ تصنیف

انہوں نے اس کتاب کی جو وجہ تصنیف تحریر کی ہے خود ان کی زبانی الفاظ میں پڑھے

فَإِنَّهُ سَبَقَ جَمَاعَةً مِّنَ الْعُلَمَاءِ الْأَعْلَامِ إِلَى جَمْعِ
 أَخْبَارٍ مِّنِ اسْتِغَاثٍ بِاللَّهِ فِي الْأَزْمَاتِ، وَجَأَ إِلَيْهِ
 عِنْدَ الطَّلَبَاتِ، فَبَلَّغَهُ اللَّهُ تَعَالَى طَلَبَتَهُ وَأُمْنِيَّتَهُ
 وَفَرَّجَ عَنْهُ كُرْبَتَهُ وَشِدَّتَهُ فَجَمَعَ فِي ذَلِكَ، الْإِمَامُ
 أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي الدُّنْيَا كِتَابًا سَمَّاهُ الْفَرْجَ بَعْدَ الشِّدَّةِ
 وَكِتَابًا سَمَّاهُ (مُجَابِي الدَّعْوَةِ)، وَالْإِمَامُ التَّنُوخِيُّ
 كُنِيَّتَهُ أَبُو الْقَاسِمِ فِي ذَلِكَ كِتَابٌ كَبِيرٌ سَمَّاهُ
 (الْفَرْجَ بَعْدَ الشِّدَّةِ) أَيْضًا وَنَسَجَ عَلَى مَنَوَالِهِمَا جَمَاعَةً،
 مِنْهُمْ الْإِمَامُ أَبُو الْوَلِيدِ يُونُسُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ
 مُغِيثٍ، مُحَدِّثُ قُرْطَبَةَ وَالْقَاضِي بِهِمَا أَلْفٌ فِي ذَلِكَ
 كِتَابًا سَمَّاهُ كِتَابُ : (الْمُسْتَضْرِحِينَ بِاللَّهِ عِنْدَ
 نَزُولِ الْبَلَاءِ)، وَبَلَدِيهِ الْإِمَامُ أَبُو الْقَاسِمِ خَلْفُ
 بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ بَشْكَوَالِ، وَأَلْفٌ بِذَلِكَ كِتَابًا
 سَمَّاهُ (الْمُسْتَعِيثِينَ بِاللَّهِ) وَهَذَا بَابٌ وَاسِعٌ:
 فَقَصَدْتُ أَنْ أذْكَرَ مَا وَقَعَ لِي مِنْ إِسْتِغَاثٍ

بِالنَّبِيِّ ﷺ وَلَا ذَبَهُ فِي شِدَّتِهِ، وَتَوَسَّلَ إِلَى اللَّهِ
عَزَّوَجَلَّ؛ إِذْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْ خَلِيقَتِهِ، وَلَمْ أَرْ فِيهَا
عَلِمْتُ مَن جَمَعَ شَيْئًا مِّنْ ذَلِكَ فَاسْتَخَرْتُ اللَّهَ
تَعَالَى، وَذَكَرْتُ مَا وَقَعَ لِي مِّنْ ذَلِكَ (۱)

(متعدد و بڑے اہل علم نے اس موضوع پر مواد جمع کیا کہ وہ لوگ جنہوں نے
مشکلات و حاجات میں اللہ تعالیٰ سے استغاثہ و مدد چاہی تو اللہ تعالیٰ نے
ان کی آرزوئیں اور تمنائیں پورا کر کے ان کی تکلیف و پریشانی کا ازالہ
فرما دیا اس سلسلہ میں امام ابو بکر بن ابی الدنیا نے الفرج بعد الشدة
اور مجاہد الدعوة لکھیں اس طرح امام تنوخی نے بڑی کتاب الفرج بعد الشدة
تحریر کی انہی کے طریقہ پر ایک جماعت نے کام کیا ان میں قرطبہ کے
محدث وقاضی امام ابوالولید یونس نے اس مسئلہ پر کتاب لکھی اس کا نام

الْمُسْتَضْرِحِينَ بِاللَّهِ عِنْدَ نَزُولِ الْبَلَاءِ (بوقت مصیبت اللہ
تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرنے والے) اسی شہر کے امام ابوالقاسم خلف بن
عبد الملک بن بشکوال نے المستغیثین باللہ (اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے
والے) لکھی اور یہ باب نہایت وسیع ہے۔۔۔۔۔ تو میں نے چاہا کہ میں
ان لوگوں کے واقعات جمع کروں جنہوں نے بوقت مصیبت و پریشانی
رسول اللہ ﷺ سے مدد مانگی، آپ کی پناہ لی اور آپ ﷺ کو بارگاہ الہی
میں وسیلہ بنایا کیونکہ رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سب
سے افضل و اعلیٰ ہیں، میرے علم کے مطابق ایسے واقعات پہلے کسی نے جمع
نہیں کیے، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا و استغاثہ کر کے یہ واقعات جمع کیے
ہیں پہلے میں نے وہ واقعات جمع کیے ہیں جو میرے مشاہدہ میں آئے اور
وہ سنے سنائے نہیں ہیں)

اس کتاب کا ترجمہ محسن ملت اسلامیہ امام العلماء حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری
(ت، ۱۳۲۸) نے ”پکارو یا رسول اللہ ﷺ“ کے نام سے کیا جو ۲۰۰۵ میں

مکتبہ قادریہ لاہور نے شائع کیا۔

ائمہ امت کی رائے و ثنا

اس کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں ائمہ امت کی آراء ملاحظہ کر لیجیے کہ ان کے ہاں ان کا یہ کام و عمل کس قدر پسندیدہ ہے اگر آپ ﷺ سے استغاثہ و مدد اور آپ کو پکارنا حرام و شرک ہوتا جیسے ہمارے دور کے کچھ ناداں و کم مطالعہ لوگ کہہ رہے ہیں تو یہ ائمہ امت کبھی بھی ان کے عمل کو نہ سراہتے بلکہ ان کا رد کرتے تاکہ ائمہ گمراہ نہ ہو۔ کوئی ایک مسلمہ عالم بتائیں جس نے ان کے خلاف لکھا، بلکہ ان کی تائید بتا رہی ہے کہ اس مسئلہ پر ائمہ کا اتفاق و اجماع ہے آئیے چند اہل علم کی آراء کا مطالعہ کرتے ہیں۔

۱۔ امام محمد بن یوسف صالحی (ت، ۹۴۲) رسول اللہ ﷺ سے بعد از وصال ﷺ تو سل پر گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

قُلْتُ، وَ قَدْ أَلَّفَ الْإِمَامُ الْعَلَامَةُ سَيِّدِي أَبُو عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نَعْمَانَ فِي ذَلِكَ كِتَابًا سَمَّاهُ مِصْبَاحَ الظُّلَامِ فِي الْمُسْتَغِيثِينَ بِخَيْرِ الْأَنَامِ فِي الْيَقْظَةِ وَالْمَنَامِ، أَتَى فِيهِ بِالْعَجِيبِ الْعَجَابِ الَّذِي لَا يَشُكُّ فِيهِ مَنْ لَهُ أَدْنَى مِنْ تَمْيِيزِ فَعَلَيْكَ بِهِ فَإِنَّهُ جَامِعٌ فِي بَابِهِ (۱)

(اس مسئلہ پر امام علامہ سیدی ابو عبد اللہ بن نعمان نے مستقل کتاب لکھی جس کا

نام 'مِصْبَاحُ الظُّلَامِ فِي الْمُسْتَغِيثِينَ بِخَيْرِ الْأَنَامِ فِي الْيَقْظَةِ وَالْمَنَامِ' ہے اس میں انہوں نے نہایت ہی اعلیٰ واقعات ذکر کیے، ادنیٰ شعور رکھنے والا بھی ان کا انکار نہیں کر سکتا اس کا مطالعہ کیجئے کیونکہ اس بارے میں جامع کتاب ہے)

۲۔ امام محمد عبد الرحمن سخاوی (ت، ۹۰۳) اس کتاب کے حوالہ سے روایت بیان کرتے ہیں۔

وَذَكَرَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ بْنِ النُّعْمَانَ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدًا
الرَّحِيمَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَحْمَدَ يَقُولُ أَصَابَنِي وَجَعٌ
فِي يَدِي مِنْ وَقَعَةٍ وَقَعْتُهَا فِي الْحَمَامِ فَوَرَمَتْ يَدِي
فَبِتُّ لَيْلَةً مُتَوَجِّعًا فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي الْمَنَامِ
فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ لِي أَوْحَشْتَنِي صَلَاتِكَ
عَلَيَّ يَا وَلَدِي فَأَصْبَحْتُ وَقَدْ زَالَ الْوَرْمُ وَالْوَجَعُ
بِبَرَكَتِهِ ﷺ (۱)

(امام ابو عبد اللہ بن نعمان کہتے ہیں انھیں عبد الرحیم بن عبد الرحمن بن احمد نے بتایا، حمام میں گرنے کی وجہ سے میرے ہاتھ میں چوٹ آگئی، ورم کی وجہ سے پوری رات پریشانی رہی، مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو فرمایا اے بیٹے مجھے تیرے درود نے پریشان کر دیا جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی برکت سے میرا ورم از خود دور ہو گیا) آگے چل کر امام عتبی کا تفصیلی واقعہ نقل کرتے ہیں اور جن کتب کا حوالہ دیا ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

وَمَحْوَةٌ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ فِي شُعْبِ الْإِيْمَانِ وَفِي تَوْثِيْقِ
عَرَى الْإِيْمَانِ لِلْبَارِزِيِّ وَغَيْرِهِ كَالْمُسْتَغِيثِينَ بِخَيْرِ
الْأَنَامِ لِابْنِ نَعْمَانَ (۲)

(اسی طرح یہ واقعہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں، امام بارزی نے توثیق عری الایمان اور امام ابن نعمان نے المستغیثین بخیر الانام میں نقل کیا) ۳۔ مولانا عبدالحی لکھنوی (ت، ۱۳۰۴) حدیث ضریر اور نماز حاجت کی تشریح میں رقمطراز ہیں

وَفِي كِتَابِ مِصْبَاحِ الظُّلَامِ فِي الْمُسْتَغِيثِ بِخَيْرِ

(۱) القول البدیع، ۳۲۸

(۲) ایضاً، ۳۲۹

الْأَنَامِ لِشَيْخِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُعْمَانَ طَرْفٍ مِنْ
ذَلِكَ (۱)

(امام ابن عبد اللہ بن نعمان کی کتاب مِصْبَاحُ الظَّلَامِ فِي
الْمُسْتَغِيثِينَ میں اس پر مواد موجود ہے)

۴۔ امام شمس الدین محمد عثمان ذہبی (ت، ۷۲۸) نے ان کا تعارف ان الفاظ میں لکھا

ابْنُ النُّعْمَانِ الْقُدْوَةُ الزَّاهِدُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ
مُوسَى بْنِ النُّعْمَانِ التَّلَسَّانِيِّ قَدِيمَ الْإِسْكَندَرِيَّةِ
شَابًّا فَسَبَّحَ بِهَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَالصَّفْرَاوِيُّ وَكَانَ
عَارِفًا بِمَذْهَبِ مَالِكٍ رَاسِخَ الْقَدِيمِ فِي الْعِبَادَةِ
وَالنُّسْكِ اشْعَرِيًّا (۲)

(شیخ ابن نعمان، مقتدا، زاہد ابو عبد اللہ محمد بن موسیٰ بن نعمان تلسمانی، جوانی
میں سکندریہ آئے وہاں شیخ محمد بن عباد اور صفر اوی سے پڑھا مذہب مالکی
کے ماہر و تقویٰ میں کامل اور اشعری تھے)

۵۔ امام جلال الدین سیوطی (ت، ۹۱۰) اس کتاب اور مصنف کا حوالہ یوں دیتے ہیں۔

وَفِي كِتَابِ مِصْبَاحِ الظَّلَامِ فِي الْمُسْتَغِيثِينَ بِمُخَيَّرِ
الْأَنَامِ لِلْإِمَامِ شَمْسِ الدِّينِ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى بْنِ
النُّعْمَانِ (۳)

(امام شمس الدین محمد بن موسیٰ بن نعمان کی کتاب مِصْبَاحُ الظَّلَامِ فِي
الْمُسْتَغِيثِينَ بِمُخَيَّرِ الْأَنَامِ میں یہ ہے)

۶۔ امام احمد قسطلانی (ت، ۹۲۳) رسول اللہ ﷺ سے بعد از وصال توسل اور
استغاثہ کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

أَمَّا التَّوَسُّلُ بِهِ ﷺ بَعْدَ فَوْتِهِ فِي الْبُرُزِخِ هُوَ أَكْثَرُ

(۱) حاشیہ الحصن، ۱۵۱

(۲) العبر، ۲-۳۱۹

(۳) تنویر المحلک فی امکان روایۃ النبی والملك، ۴۱۳

مِنْ أَنْ يُحْضَىٰ أَوْ يُدْرَكَ بِاسْتِقْصَاءٍ وَفِي كِتَابِ
مِصْبَاحِ الظُّلَامِ فِي الْمُسْتَغِيثِينَ بِخَيْرِ الْأَنَامِ

لِلشَّيْخِ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ النُّعْمَانِ طَرْفٌ مِنْ ذَلِكَ

(وصال کے بعد رسول اللہ ﷺ سے برزخ میں توسل کرنا اس قدر ہے کہ

اسے شمار و گنا نہیں جاسکتا شیخ ابو عبد اللہ بن نعمان کی کتاب مِصْبَاحِ

الظُّلَامِ فِي الْمُسْتَغِيثِينَ بِخَيْرِ الْأَنَامِ میں اس پر مواد موجود ہے)

اس کے بعد امام قسطلانی اپنا حضور ﷺ سے استغاثہ یوں نقل کرتے ہیں

وَلَقَدْ كَانَ حَصَلٌ لِي دَاءٌ أَعْيَا دَوَاءَهُ الْأَطْبَاءُ

وَأَقَمْتُ بِهِ سِنِينَ فَاسْتَعَثْتُ بِهِ لَيْلَةَ الثَّامِنِ

وَالْعِشْرِينَ مِنْ جَمَادِي الْأُولَى سَنَةِ ثَلَاثِ

وَتِسْعِينَ وَثَمَانٍ مِائَةٍ بِمَكَّةَ زَادَهَا اللَّهُ شَرْفًا وَمَنْ

عَلَى بِالْعُودِ فِي عَافِيَةِ بَلَا مِحْنَةٍ بَيْنَنَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ جَاءَ

رَجُلٌ مَعَهُ قِرْطَاسٌ يُكْتَبُ فِيهِ هَذَا دَوَاءٌ لِدَاءِ أَحْمَدَ

بْنِ الْقُسْطَلَانِيِّ مِنَ الْحَضْرَةِ الشَّرِيفَةِ بَعْدَ الْإِذْنِ

الشَّرِيفِ النَّبَوِيِّ ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ فَلَمْ أَجِدْ بِي وَاللَّهِ

شَيْئًا مِمَّا كُنْتُ أَجِدُهُ وَحَصَلَ الشِّفَاءُ بِبَرَكَاتِهِ

النَّبِيِّ ﷺ (۱)

(مجھے ایسی بیماری عارض ہوگئی کہ اطبا اس کے علاج سے عاجز آگئے تو میں

نے مکہ شریف میں جمادی الاولیٰ آٹھ سو ترانوے میں رسول اللہ ﷺ سے

استغاثہ کیا تو مجھے بلا مشقت صحت نصیب ہوگئی ہوایوں کہ میں سویا تھا ایک

آدمی آیا اس کے ہاتھ میں کاغذ تھا جس پر تحریر تھا کہ یہ بارگاہ نبوی ﷺ

کی طرف سے احمد بن قسطلانی کی بیماری کا علاج و دوا ہے میں بیدار ہوا تو

اللہ کی قسم بیماری کا نام و نشان تک نہ تھا تو رسول اللہ ﷺ کی برکت سے

مجھے شفا نصیب ہوگئی)

بحث توسل کی ابتدا میں لکھتے ہیں

ثُمَّ إِنَّ كُلَّ مَنْ الْإِسْتِغَاثَةَ وَ التَّوَسُّلِ وَ التَّشْفِعِ
وَ التَّوَجُّهِ بِالنَّبِيِّ ﷺ كَمَا ذَكَرَهُ فِي تَحْقِيقِ النُّصْرَةِ
وَ مِصْبَاحِ الظُّلَامِ وَاقِعٌ فِي كُلِّ حَالٍ قَبْلَ خَلْقِهِ
وَ بَعْدَ خَلْقِهِ فِي مُدَّةِ حَيَاتِهِ فِي الدُّنْيَا وَ بَعْدَ مَوْتِهِ فِي
مُدَّةِ البَّرْزَخِ وَ بَعْدَ البَعْثِ فِي عَرَصَاتِ القِيَامَةِ (۱)

(یہ تمام خواہ رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ ہو یا توسل، شفاعت ہو یا توجہ جیسے تحقیق النصرۃ اور مصباح الظلام میں مذکور ہے کہ یہ ہر حال میں ہوا ہے آپ ﷺ کی تخلیق سے پہلے اور خلقت کے بعد خواہ وہ دنیاوی زندگی ہے یا آپ کی برزخی زندگی اور میدان قیامت میں بھی)۔
۷۔ امام ابو محمد عبد اللہ یافعی (ت، ۷۲۸) نے اس امام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے

السَّيِّدُ الْإِمَامُ الْكَبِيرُ الشَّانُ الْقُدْوَةُ الْمَشْكُورُ
الشَّيْخُ مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى بْنِ النُّعْمَانِ التِّلمَسَانِي قَدِمَ
الْأَسْكَندَرِيَّةَ شَابًّا فَسَمِعَ بِهَا مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارٍ
وَالصَّفْرَاوِيِّ كَانَ عَارِفًا بِمَذْهَبِ مَالِكٍ رَاسِخٌ
الْقَدِيمِ فِي الْعِبَادَةِ وَ النُّسُكِ سَالِكًا فِي مَحَاسِنِ
الْمَسَالِكِ

(سید، امام، بڑی شان والے، پیشوا قدرو بمنزلت والے شیخ محمد بن موسیٰ بن نعمان تلمسانی، جوانی میں سکندریہ آئے اور محمد بن عمار اور صفراوی سے پڑھا، یہ مالکی مذہب کے کامل عالم، عبادت میں سبقت لے جانے والے اور اعلیٰ قدروں کے سالک تھے)

اس کے بعد ان کے بارے میں امام ذہبی کا۔۔۔ كَانَ أَشْعَرِيًّا مُنْحَرِفًا عَلَيِ
الْحَنَابِلَةِ نقل کر کے فرماتے ہیں

هَذِهِ عِبَارَةٌ فِيهَا مِنَ الغَضِّ لَهُ مَا فِيهَا كَمَا عُرِفَ عَادَتُهُ

مِنَ التَّنْقِيصِ مِنْ أُمَّةٍ مَنَهَجَ الْحَقِّ وَ سَادَتِهِ قُلْتُ
وَلَهُ مَنَاقِبٌ مَشْهُورَةٌ وَمَشْكُورَةٌ (۱)

(اس عبارت میں ان کی تنقیص ہے جیسے ذہبی کی عادت ہے کہ وہ اہل حق اور ائمہ کی تنقیص کرتے ہیں میں کہتا ہوں یہ امام بڑے معروف اور بڑی قدر و منزلت والے ہیں)

امام نور الدین علی بن احمد سمهودی (ت، ۹۱۱) رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ اور توسل پر دلائل فراہم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ جب کسی بھی صالح کو وسیلہ بنانا جائز ہے تو رسول اللہ ﷺ کو بطریق اولیٰ وسیلہ بنایا جاسکتا ہے

وَقَدْ رَوَى ابْنُ النُّعْمَانِ فِي مِصْبَاحِ الظُّلَامِ قِصَّةَ
إِسْتِقَاءِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى بِالْعَبَّاسِ عَمِّ رَسُولِ
اللَّهِ ﷺ فَهُوَ مَا فِي الصَّحِيحِ (۲)

(شیخ ابن نعمان نے مصباح الظلام میں یہ واقعہ نقل کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے موقع پر بارش کے لئے عم رسول حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا اور یہ صحیح میں موجود ہے)

زیارت نبوی ﷺ کے حوالہ سے امام عتبی کا واقعہ نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں

قُلْتُ بَلْ كَانَ الْحَافِظُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى بْنِ
النُّعْمَانَ فِي كِتَابِهِ مِصْبَاحِ الظُّلَامِ أَنَّ الْحَافِظَ أَبَا
سَعِيدِ السَّمْعَانِيَّ ذَكَرَ فِيهَا رَوَيْنَا عَنْهُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ
أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا أَعْرَابِيٌّ
بَعْدَ مَا دَفْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ (۳)

(میں کہتا ہوں بلکہ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن موسیٰ بن نعمان نے اپنی کتاب مصباح الظلام میں لکھا کہ حافظ ابو سعید سمعانی نے ذکر کیا کہ ہمیں حضرت

(۱) مرآة الجنان، ۴، ۱۵۱

(۲) وفاء الوفاء، ۳-۴، ۱۳۷۵

(۳) وفاء الوفاء، ۴، ۱۳۶۱

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی تدفین سے فارغ ہوئے تو ایک اعرابی نے آکر استغاثہ کیا

۹۔ اس کتاب کے بارے میں مشہور محقق شیخ محمد علی شکری نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے ہم انکی عبارت مع ترجمہ از مخدوم العلماء علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری (ت، ۱۳۲۸) ذکر کیے دیتے ہیں۔

هَذَا كِتَابٌ عَظِيمٌ جَلِيلٌ مُفِيدٌ لِكُلِّ مُحِبِّ لِجَنَابِ
 الْمُصْطَفَى ﷺ يَزِيدُ مُحِبِّيهِ إِيمَانًا بِمَزِيدِ الْمُحَبَّةِ
 وَيَغِيظُ قَوْمًا آخَرِينَ لَمْ يَرَوْا مَا أُعْطِيَ وَوَهَبَ اللَّهُ
 الْخَالِقُ الْوَاحِدُ الْبُتْفَرْدِيَا لِعِبُودِيَّةِ وَالْوَحْدَانِيَّةِ،
 لِهَذَا النَّبِيِّ الْعَظِيمِ الْكَرِيمِ ﷺ فَكُلُّ مَا يَحْصُلُ
 وَيَجْرِي عَلَى يَدَيْهِ ﷺ، فَهُوَ مِنْ مِنَّةِ اللَّهِ عَلَيْهِ،
 وَمَزِيدِ إِفْضَالِهِ عَلَيْهِ، وَفِيهِ تَنْبِيهُ لَنَا وَإِشَارَةٌ
 وَاصِحَّةٌ لِبَصَائِرِنَا لِمَا أُعْطِيَ وَوَهَبَ هَذَا النَّبِيُّ الَّذِي
 لَا يَسْتَطِيعُ أَيُّ إِنْسَانٍ وَصْفَ مَكَانَتِهِ، وَعَظِيمَ قُدْرِهِ
 عِنْدَهُ هَذَا الْكِتَابُ فِيهِ مَا تُنْكِرُهُ عُقُولُ مَنْ عَمِيَتْ
 بَصَائِرُهُمْ عَنْ أَنْ يُصَدِّقُوا أَوْ أَنْ يَتَّقَبَلُوا مَا فِيهِ
 مَعَ أَنَّهُ لَيْسَ شَيْئًا خَرَّافِيًّا وَغَيْرَ مُمَكِّنِ الْحُدُوثِ إِلَّا
 فِي عَقْلِ مَنْ نَظَرَ إِلَى الْقُدْرَةِ الْبَشَرِيَّةِ الْبَجْرَدَةِ وَلَمْ
 يُوقِفْ فِكْرَهُ وَعَقْلَهُ عَلَى سِعَةِ وَعَدَمِ مُحْدُودِيَّةِ
 الْقُدْرَةِ الْإِلَهِيَّةِ الَّتِي تَفْعَلُ الْبُكْنَ فِي تَصَوُّرِ
 الْفِعْلِ الْبَشَرِيِّ، فَحَصَلَ النَّكِيرُ وَالتَّطَاوُلُ عَلَى مَنْ
 اعْتَقَدَ أَنَّ الْقُدْرَةَ الْإِلَهِيَّةَ الَّتِي أَمْكَنَتْ فِعْلَ
 الشَّيْءِ الْبُسْتَحِيلِ عَلَى يَدِ مَنْ أَعْطَاهُ اللَّهُ
 عَزَّوَجَلَّ ذَلِكَ تَكْرِيمًا وَإِظْهَارًا لِلْفَضْلِ وَالْبِكَانَةِ

لِيَنْ أَعْطَى ذَلِكَ - فَنَحْنُ بِحَمْدِ اللَّهِ نُؤْمِنُ وَ نَعْتَقِدُ
وَنُجْزِمُ أَنَّ مَا وَرَدَ ذِكْرُهُ فِي ثَنَائِهَا هَذَا الْكِتَابِ مِنْ
قِصَصٍ وَحَوَادِثٍ جَرَتْ لِيَنْ إِسْتِغَاثَ وَ تَوَسَّلَ
وَتَوَجَّهَ بِالنَّبِيِّ ﷺ صَاحِبَةَ، لَا شَكَّ - وَ لِلَّهِ الْحَمْدُ عَلَى
ذَلِكَ فِي صِدْقِهَا وَإِمْكَانِ وَقُوعِهَا لِيَنْ أَخْلَصَ النَّبِيَّةُ،
وَحُسْنِ الْإِعْتِقَادِ فِي أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَعْطَى
بِمَشِيَّتِهِ وَقُدْرَتِهِ حُصُولَ ذَلِكَ بِوَاسِطَةِ النَّبِيِّ ﷺ
وَبَيَانًا لِقَوْلِهِ تَعَالَى: (وَ كَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا)
(النساء: ١١٣) وَلَا نَسْتَطِيعُ حَضَرَ هَذَا الْفَضْلِ الْحَاصِلِ مِنْ
اللَّهِ لِنَبِيِّهِ ﷺ وَالْكَلامَ فِي الْإِيمَانِ بِذَلِكَ أَوْ رَدُّهُ
يَطُولُ وَ يَقْصُرُ مَعَ الْهُنْكَارِ وَلَا يَزِيدُ ذَلِكَ الْكَلَامُ
وَالْبَحْثُ فَائِدَةً لِيَنْ أَعْمَى اللَّهُ بِصِيرَتِهِ وَجَعَلَ هَبَهُ
الْإِنْكَارَ وَالتَّشْرِيكَ وَ الْقَذْفَ، فَاخْتَصَرَ الْكَلَامُ
مَعَهُ بِقَوْلِنَا؛ فِي هَذَا الْكِتَابِ أَحَادِيثٌ وَأَثَارٌ
مَرْوِيَّةٌ فِي كُتُبٍ وَ دَوَاوِينِ السُّنَّةِ الْبُطْهَرَةِ
وَ حَوَادِثٍ حَصَلَتْ لِأُمَّةٍ عِظَامٍ مِمَّنْ يَرْجِعُ لِقَوْلِهِمْ
وَ كُتُبِهِمْ وَ كَذَلِكَ نَجِدُ كَثِيرًا مِنْ هَذَا الْأَخْبَارِ
وَ الْأَثَارِ وَالْقِصَصِ مَنْقُولَةً فِي كُتُبِ أُمَّةٍ آخَرِينَ،
وَ مُشَاهِدَةً فِي صَفْحَاتٍ مُؤَلَّفَاتِهِمْ وَ سَنَدُ كُرْهُمُ
عَلَى سَبِيلِ الْبِشَالِ لَا الْحَضْرَ فَمَنْ شَاءَ رَدَّ شَيْءٌ فَلْيَرُدَّ
عَلَى هَؤُلَاءِ الْأُمَّةِ وَيَطْعَنْ فِيهِمْ كَمَا هُوَ دَابُّ كَثِيرٌ
مِنْهُمْ فَيَنْطَبِقُ عَلَيْهِمْ قَوْلُهُ تَعَالَى: (وَلَا تَزِدِ
الظَّالِمِينَ) (١) (نوح: ٢٣)

(یہ عظیم و جلیل کتاب حضرت محمد ﷺ کے ہر محب اور نیاز مند کے لئے مفید ہے آپ کے مجہین کے ایمان کو مضبوط اور محبت کو مستحکم اور دوسرے لوگوں کے غیظ و غضب کو دو آتشہ کر دے گی جو ان عطاؤں کے قائل نہیں ہیں جو اللہ خالق و واحد اور عبودیت و وحدانیت میں منفرد ہستی نے اس نبی عظیم و کریم ﷺ کو عطا فرمائی ہیں، کے مقدس ہاتھوں سے جس کسی کو کوئی عطیہ ملے گا تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کا آپ پر احسان اور مزید کرم ہے اور اس میں ہماری بصیرتوں کیلئے واضح اشارہ ہے ان نوازشوں کی طرف جو اس نبی عظیم ﷺ کو عطا فرمائی ہیں حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان سرکار دو عالم ﷺ کا وہ مقام و مرتبہ بیان نہیں کر سکتا جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عطا فرمایا ہے جن لوگوں کی بصیرتیں اندھی ہو چکی ہیں انھیں اس کتاب میں ایسی باتیں نظر آئیں گی جنہیں وہ ماننے اور قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے حالانکہ یہ باتیں نہ تو از قبیلہ خرافات ہیں اور نہ ہی ناممکن ہیں۔ ہاں جو لوگ محض انسانی قدرت کو سامنے رکھتے ہیں اور اپنی عقل اور فکر کو اللہ تعالیٰ کی لامحدود اور وسیع قدرت کی طرف متوجہ ہی نہیں کرتے۔ وہ ضرور ان باتوں کو ناممکن قرار دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ایسے کام کر جاتی ہے جو انسانی عقل کے تصور میں ناممکن ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ان خوش عقیدہ لوگوں پر رد کرتے ہیں اور ان پر ظلم کرتے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے ایک (عادی) محال شے کا کرنا اس ہی کے ہاتھوں پر ممکن بنا دیا ہے جس کی عزت و کرامت اور فضیلت کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فعل اس کے ہاتھوں پر ظاہر کیا ہے ارشاد الہی ہے (اور اے حبیب ﷺ آپ پر اللہ کا عظیم فضل ہے) الحمد للہ! ہمارا ایمان اور عقیدہ ہے اور ہمیں وثوق ہے کہ اس کتاب میں نبی کریم ﷺ سے استغاثہ اور توسل کرنے والوں اور آپ کی طرف متوجہ ہونے والوں کے جو واقعات اور حوادث بیان کیے گئے ہیں وہ صحیح ہیں۔ اور الحمد للہ! ہمیں ان کی سچائی میں شک نہیں ہے اسی طرح ان کے واقع ہونے کے

امکان میں بھی اس شخص کے لیے شک نہیں ہے جس کی نیت خالص ہو اور وہ خوش عقیدگی کا حامل ہو۔ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حیثیت اور قدرت سے ان واقعات کو نبی کریم ﷺ کے طفیل وجود عطا فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا اظہار ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو جو فضل عظیم عطا فرمایا ہے ہم اسے محدود نہیں کر سکتے اسے جاننے یا نہ جاننے کے سلسلے میں منکر کے ساتھ گفتگو اور بحث اس شخص کو فائدہ بھی نہیں دے گی جس کے دل کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے زائل کر دیا ہو اور اس نے اپنا مطمع نظر اس کا مشرک قرار دینا اور گالی دینا قرار دیا ہے ہم اس کے ساتھ درج ذیل مختصر سی گفتگو کرتے ہیں اس کتاب میں وہ احادیث اور آثار مندرج ہیں جو سنت مطہرہ کی کتب اور دفاتر میں مروی ہیں نیز اس میں ان عظیم ائمہ کو پیش آنے والے واقعات بیان کیے گئے ہیں جن کے اقوال اور جن کی تصانیف کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اس طرح ہم ان خبروں، آثار اور واقعات کو دوسرے ائمہ کی کتابوں میں بھی نقل کیے ہوئے دیکھتے ہیں یہ واقعات ان کی تصانیف کے صفحات میں بکھرے ہوئے ہیں ہم آئندہ سطور میں ان ائمہ کا ذکر بطور حصر نہیں بلکہ بطور مثال کر رہے ہیں اب جو شخص کسی چیز کو رد کرنا چاہتا ہے تو وہ ان ائمہ پر رد کر کے اور ان پر طعن کرے جیسے کہ ان میں سے بہت سے لوگوں کا وطیرہ ہے ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان منطبق ہوگا کہ ظالموں کی ہلاکت میں ہی اضافہ ہوگا)

۱۰۔ امام یوسف بن اسماعیل نبھانی (ت، ۱۳۵۰) مصنف اور کتاب کا تعارف ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔

إِخْتَصَرْتُ فِي هَذَا الْبَابِ مَعَ زِيَادَاتٍ كَثِيرَةٍ كِتَابَ
مِصْبَاحِ الظُّلَامِ فِي الْمُسْتَغِيثِينَ بِخَيْرِ الْأَنَامِ فِي
الْيَقْظَةِ وَالْمَنَامِ تَأْلِيفِ الْإِمَامِ الْعَلَامَةِ شَيْخِ

الإسلام شمس الدين محمد بن موسى بن النعمان
 المزالي الفاسي رحمه الله وهو من أكابر العلماء
 المحدثين أخذ عن سلطان العلماء العزبن عبد
 السلام وإمام المحدثين في عصره الحافظ
 المنذري وغيرهما من الأئمة وكتابه هذا من
 أنفس الكتب المؤلفة في الاستغاثة بسيد
 المرسلين ﷺ نقل عنه مراراً القسطلاني في
 كتابه المواجه اللدنية وقد وقع لي منه نسختان
 صحیحتان أحدهما كتبت في عصر المؤلف
 يوم الخميس الخامس والعشرين من رمضان
 المبارك سنة سبع وسبعين وست مائة ووفاته
 سنة ٦٨٣ ولم أترك منه شيئاً سوى فوائد
 خارجة عن موضوع الكتاب وحتى نقلت شيئاً
 في هذا الباب غيره أعزوه إلى محله وما كان غير
 معزوه فهو منه وليعلم أنه رحمه الله سمع الكثير منه
 هذا الأخبار عن وقعت لهم بلا واسطة وروى
 قسماً منها بسائط قليلة وأجفت به ما لم يكن فيه
 من كتاب في هذا الشأن تأليف الشيخ العلامة
 نور الدين علي الحلبي صاحب السيرة (١)

(میں نے اضافات کثیرہ کیساتھ اس بارے میں امام علامہ شیخ الاسلام شمس
 الدین محمد بن موسیٰ بن نعمان المزالی الفاسی رحمہ اللہ کی کتاب مصباح
 الظلام فی المستغیثین بخیر الانام فی الیقظة و
 المنام کا اختصار کیا ہے یہ عالم اکابر علماء محدثین میں سے ہیں اور یہ

سلطان العلماء العز بن عبدالسلام اور اپنے دور کے امام المحدثین حافظ منذری اور دیگر آئمہ کے شاگرد ہیں، سید المرسلین ﷺ سے استغاثہ و فریاد رسی کے حوالہ سے نہایت ہی نفیس و قیمتی کتاب ہے اس سے امام قسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں کئی جگہ نقل کیا ہے میرے پاس اس کے دو صحیح نسخے ہیں ان میں سے ایک مصنف کے دور کا ہی تحریر کردہ ہے اس پر تاریخ ۶۷۷ بروز جمعرات پچیس رمضان المبارک ہے ان کا وصال ۶۸۳ ہجری میں ہوا میں نے موضوع کتاب سے خارج فوائد کے علاوہ ان کی کوئی شے ترک نہیں کی، جو چیز دوسرے سے نقل کی ہے میں نے اس کا حوالہ دے دیا ہے اور یہاں حوالہ نہیں دیا وہ انہی سے منقول ہے انہوں نے یہ کثیر واقعات بلا واسطہ سنے ہیں اور کچھ یہ بالواسطہ ہیں، میں نے اس کے ساتھ اس موضوع کی عظیم کتاب بھی متصل کر دی ہے جو صاحب سیرت شیخ علامہ نور الدین علی حلبی کی تالیف ہے)

تیسری کتاب کا نام و تعارف

یہ ”بُغْيَةُ الْأَخْلَامِ بِأَخْبَارِ مَنْ فَرَّجَ كُرْبُهُ بِرُؤْيَا الْمُصْطَفَى فِي الْمَنَامِ“ ہے۔ یہ صاحب سیرت حلبیہ امام نور الدین علی بن برہان الدین شافعی رحمہ اللہ علیہ (ت، ۱۰۴۴) کی تصنیف ہے، امام یوسف بن اسماعیل نبھانی (ت، ۱۳۵۰) نے حُجَّةَ اللَّهِ عَلَى الْعَالَمِينَ میں اس کی تلخیص کی ہے۔
امام نبھانی کہتے ہیں

وَقَدْ أَلَّفَ فِي هَذَا الشَّانِ الْعَلَامَةُ الشَّيْخُ عَلِيُّ الْحَلَبِيُّ
الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى كِتَابًا سَمَّاهُ بُغْيَةُ الْأَخْلَامِ
بِأَخْبَارِ مَنْ فَرَّجَ كُرْبُهُ بِرُؤْيَا الْمُصْطَفَى فِي الْمَنَامِ
وَهَا أَنَا أَنْقُلُ عَنْهُ مَا لَمْ يَذْكُرْهُ صَاحِبُ مِصْبَاحِ
الظُّلَامِ (۱)

(اس موضوع پر علامہ شیخ علی حلبی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب لکھی اس کا نام ”بُغْيَةُ الْأَخْلَامِ بِأَخْبَارٍ مَنْ فَرَّجَ كُزْبَهُ بِرُؤْيَا الْمُصْطَفَى فِي النَّامِ“ تو اب میں اس سے وہ چیزیں یہاں نقل کر رہا ہوں جنہیں صاحب مصباح الظلام نے ذکر نہیں کیا)

ص ۸۰۸ سے ۸۱۴ تک اس کا خلاصہ نقل کیا اور لکھا

إِنْتَهَى مَا نَقَلْتُهُ مِنْ كِتَابِ بُغْيَةِ الْأَخْلَامِ لِلْعَلَّامَةِ
الشَّيْخِ الْحَلْبِيِّ صَاحِبِ السِّيَرَةِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى (۱)
(کتاب بغیة الاحلام از شیخ حلبی صاحب السیرة
رحمہ اللہ تعالیٰ کا خلاصہ یہاں مکمل ہو گیا)

امام موصوف اپنی کتاب شواہد الحق میں چھٹے باب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ
اس میں صالحین و علماء کی وہ حکایات و آثار نقل کی ہیں جن میں سید المرسلین ﷺ سے
استغاثہ اور فریاد کے فوائد حاصل ہوئے۔

أَخَذْتُ ذَلِكَ مِمَّا نَقَلَهُ الثَّقَاتُ وَ ذَكَرَهُ الْأَئِمَّةُ
الثَّلَاثَةُ الْإِثْبَاتُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ بْنِ النُّعْمَانَ الْفَاسِي
فِي كِتَابِهِ مِصْبَاحُ الظُّلَامِ وَالْقُسْطَلَانِيُّ فِي كِتَابِهِ،
الْمَوَاهِبُ الدُّنْيَا وَنُورُ الدِّينِ الْحَلْبِيُّ فِي كِتَابِهِ بُغْيَةُ
الْأَخْلَامِ وَغَيْرُهُمْ (۲)

(میں نے یہ چیزیں ثقہ لوگوں اور ان تین مستند ائمہ سے نقل کیں ہیں
جو امام ابو عبد اللہ بن نعمان نے اپنی کتاب مصباح الظلام میں، امام
قسطلانی نے المواہب اللدنیہ اور امام نور الدین حلبی نے بغیة الاحلام میں
ذکر کی ہیں)

۴۔ التوسل و احکامہ

اس موضوع پر ایک اور اہم کتاب ”التوسل و احکامہ“ از عظیم محدث امام محمد عابد

(۱) ایضاً، ۸۱۴

(۲) شواہد الحق، ۲۲۳

سندھی (ت، ۱۲۵۷) ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور اولیاء کرام سے مدد و استغاثہ کے بارے میں سوال کا جواب قرآن سنت کی روشنی میں بڑی تحقیق سے دیا ہے یہ کتاب مفتی محمد جان نعیمی حفظہ اللہ تعالیٰ کی کاوش و تحقیق سے منظر عام پر آ چکی ہے ہم وہ سوال اور اس کے متعلقہ جواب کے حصص مع ترجمہ نقل کیے دیتے ہیں خطبہ مسنونہ کے بعد کتاب کی وجہ تالیف کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

فَقَدْ وَرَدَ سَوَالٌ فِي جَوَازِ الْإِسْتِغَاثَةِ وَالْخِطَابِ
بِأَغْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَعَ أَنَّ الْمُتَكَلِّمَ بِهَا فِي
الْمَدِينَةِ الْمَشْرَفَةِ أَوْ خَارِجَهَا؟

فَإِنْ قِيلَ بِالْجَوَازِ فَهَلْ هَذَا يُخْتَصُّ بِحَضْرَةِ الرَّسَالَةِ،
أَمْ يَعُمُّ كُلَّ وَوَلِيٍّ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ؟ كَمَا يُقَالُ: يَا
سَيِّدِي عَبْدَ الْقَادِرِ أَغْنِي، وَ يَا مَوْلَانِي خَوَاجَهُ
نَقَشَبَنْدَ أَدْرِكْنِي وَمَا يُقَالُ: مِنْ أَنَّ التَّخْلِيصَ مِنَ
الْهَكْرُوهِ وَنَحْوِهِ إِنَّمَا هُوَ بِيَدِ اللَّهِ تَعَالَى وَ لَيْسَ الْأَمْرُ
فِي ذَلِكَ إِلَى وَوَلِيٍّ بِوَجْهِهِ مِنَ الْوُجُوهِ نَعْمَ الْأَوْلِيَاءُ
وَالْأَنْبِيَاءُ يَشْفَعُونَ فِي الْعَرَصَاتِ الْحَشْرِيَّةِ لَكِنْ
ذَلِكَ خَاصٌّ بِذَلِكَ الْوَقْتِ بِشَرْطِ الْإِذْنِ وَالْأَمْرِ
وَ حَيْثُ لَا إِذْنَ وَ لَا أَمْرَ فَسَوَالُ الشَّفَاعَةِ مِنْهُمْ
وَ الْإِسْتِغَاثَةُ بِهِمْ فِي الْبُهْتَاتِ أَمْرٌ يَكَادُ لَا يَنْفَعُ بَلْ
لَا يَصِحُّ فَهَلْ هَذَا الْكَلَامُ وَ أَضْرَابُهُ مَقْبُولٌ عِنْدَ
الْعُلَمَاءِ الْأَعْلَامِ كَثَرَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى؟ (۱)

(ہم سے رسول اللہ ﷺ کو پکارنے اور مدد مانگنے کے حوالے سے سوال ہوا کیا یا رسول اللہ میری مدد کیجیے کہنا جائز ہے کہنے والا شہر مدینہ میں ہو یا اس سے باہر؟ اگر یہ جائز ہے تو کیا یہ صرف سرور عالم ﷺ کے ساتھ ہی

مختص ہوگا یا ہر ولی کو پکارا جاسکتا ہے مثلاً سیدی عبدالقادر انجمنی، یا مولائے
خواجه نقشبند اور کنی اور پھر یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مصیبت وغیرہ سے
نجات دینا اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے یہ درجہ کسی طرح بھی کسی
نبی و ولی کو حاصل نہیں ہاں بروز قیامت حضور ﷺ انبیاء علیہم السلام،
اولیاء شفاعت کریں گئے لیکن وہ بھی وہاں اذن و اجازت الہی سے ہوگی،
جب یہاں اجازت و اذن ہی نہیں تو ان مشکلات میں ان سے شفاعت و
سفارش نفع مند نہیں ہو سکتی اور نہ ہی یہ درست ہوگی کیا ایسی گفتگو اہل علم
کے ہاں مقبول و پسند ہے؟ اللہ تعالیٰ اہل علم کی اور کثرت فرمائے تاکہ وہ
دین کی خدمت کرتے رہیں)

اس کے جواب میں امام موصوف نے مستقل کتاب لکھی اور واضح کیا کہ ایسی مدد

چاہنا جائز اور قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

پہلے اس پر دلائل ذکر کرتے ہیں کہ میت مرنے کے بعد بھی شعور رکھتی ہے اور

اس میں سننے دیکھنے کی قوت پائی جاتی ہے یہ بحث ص ۳۰ تا ۵۴ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس

کے بعد نوا پکارنے کو ناجائز کہنے والے کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وَأَمَّا أَنْ يُنْكَرَ نِدَاءَ غَيْرِ اللَّهِ تَعَالَى فَيَقُولُ إِنَّهُ لَا
يَجُوزُ فَيُجَابُ عَلَيْهِ بِأَنَّ هَذَا مَرْدُودٌ بِمَا أَخْرَجَهُ
”ابن السني“ في ”عمل اليوم والليلة“ في ”باب
مَا يَقُولُ إِذَا خَدَرَتْ رِجْلُهُ“ عَنْ أَبِي سَعِيدِ
الْخُدْرِيِّ قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ ابْنِ عُمَرَ، فَخَدَرَتْ
رِجْلُهُ، فَجَلَسَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ أَذْكَرُ أَحَبَّ النَّاسِ
إِلَيْكَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدَاةُ، فَقَامَ وَ مَشَى، وَ أَخْرَجَ
أَيْضًا: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ
ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا فَخَدَرَتْ رِجْلُهُ،
فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَا لِرِجْلِكَ قَالَ اجْتَمَعَ

عَضْبُهَا مِنْ هُنَا، فَقُلْتُ أَدْعُ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ:
فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، فَاَنْبَسَطْتُ، وَ أَخْرَجَ أَيْضًا: عَنِ
الْهَيْشَمِ ابْنِ جَحْشٍ، قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَعْنِي ابْنَ الْعَاصِ فَنَدَرْتُ رِجْلَهُ،
فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ أَذْكَرَ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ، فَقَالَ يَا
مُحَمَّدُ ﷺ قَالَ: فَكَأَنَّمَا نَشَطُ مِنْ عُقَالٍ -

(جو غیر اللہ کی ندا کو جائز نہیں مانتا اس کا ردیوں ہے کہ تیری بات مردود اور غلط ہے کیونکہ امام ابن السنی نے اپنی کتاب ”عمل الیوم واللیلۃ“ کے باب ما یقول اذا خدرت رجلہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ چل رہا تھا تو ان کا پاؤں سن ہو گیا تو وہ بیٹھ گئے کسی آدمی نے ان سے کہا کہ تم اپنے سب سے پیارے کو پکارو تو انہوں نے یوں کہا ”یا محمد اے“ اور اس وقت اٹھے اور چل پڑے اور انہوں نے ہی حضرت عبدالرحمن بن سعد کے حوالہ سے نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا ان کا پاؤں سن ہو گیا میں نے کہا اے ابو عبدالرحمن تمہارے پاؤں کو کیا ہوا؟ فرمایا اس کے پٹھے جمع ہو گئے ہیں میں نے عرض کیا کہ تم اپنے سب سے پیارے کو پکارو تو انہوں نے ”یا محمد“ کہا تو صحت مند ہو گئے۔ انہوں نے ہی ہیشم بن جحش سے نقل کیا ہم حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص کے ہاں تھے ان کا پاؤں سن ہو گیا تو ایک آدمی نے ان سے کہا کہ تم اپنے سب سے زیادہ محبوب کو پکارو تو انہوں نے یوں پکارا ”یا محمد ﷺ“ تو وہ اس طرح درست ہو گئے کہ جیسے رسی کھول دی گئی ہو)

ان تمام روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَيُسْتَفَادُ مِنْ هَذِهِ الْآثَارِ جَوَازُ نِدَائِ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ
مَوْتِهِ قَرِيبًا كَانَ مِنْهَا وَبَعِيدًا عَنْهُ

(یہ تمام آثار آگاہ کر رہے ہیں کہ میت کو نداء کرنا جائز ہے خواہ آدمی اس سے قریب ہو یا اس سے دور ہو)

الفاظِ تشہد سے تائید

اس کے بعد الفاظِ تشہد سے تائید یوں ذکر کرتے ہیں۔

وَيُؤَيِّدُ ذَلِكَ مَا ثَبَتَ فِي الْفَاطِ التَّشَهُدِ "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ" فَإِنَّ "أَيُّ" مِنْ حَرْفِ النِّدَاءِ عَلَى أَنَّ فِيهِ مُخَاطَبَةَ الْمَيِّتِ بَعْدَ مَوْتِهِ، وَ يُسْتَفَادُ مِنْهُ: إِنَّهُ لَا يَقْتَصِرُ فِي جَوَازِهِ عَلَى إِشْتِرَاطِ قُرْبَةٍ مِنَ الْمَيِّتِ بَلِ الْقُرْبُ وَالْبُعْدُ سَوَاءٌ فِي هَذَا الْحُكْمِ، وَ ذَلِكَ لِأَنَّ الْمُصَلِّيَّ كَلِمَ مَأْمُورًا بِهَذِهِ الْقَوْلِ فِي تَشَهُدِهِ أَيَّن كَانَ

(کہ الفاظِ تشہد "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ" سے بھی ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے کیونکہ "ای" حرفِ نداء ہے اور اس میں وصال کے بعد خطاب ہے۔ اور اس سے یہ بھی مسئلہ سامنے آرہا ہے کہ نداء کے لیے فوت شدہ کے قریب ہونا ضروری نہیں بلکہ قرب و بعد دونوں اس حکم میں برابر ہیں اس لیے کہ نمازی تشہد میں الفاظ کہنے کا پابند ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو)

اس کے بعد غیر اللہ سے استعانت و مدد نہ ماننے والے کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وَأَمَّا: أَنْ يُنْكَرَ جَوَازَ الْإِسْتِغَاثَةِ بِغَيْرِ اللَّهِ تَعَالَى فَيُجَابُ عَلَيْهِ: بِأَنَّهُ مَرْدُودٌ بِمَا أَخْرَجَهُ "الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ" بِإِسْنَادِ رِجَالِهِ ثِقَاتٍ عَنْ عُثْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ عَنْ نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ قَالَ: "إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا، أَوْ أَرَادَ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أُنَيْسٌ

فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا تَرَوْنَهُمْ“ وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ إِنَّتَهَى لَفْظُ الطَّبْرَانِيِّ
(غیر اللہ سے مدد مانگنے کو ناجائز کہنا بھی مردود ہے کہ امام طبرانی نے ثقہ راویوں کی سند سے حضرت عقبہ بن غزوان سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی شے گم ہو جائے یا تم ایسی جگہ ہو کہ وہاں کوئی غمخوار نہ ہو تو مدد کا ارادہ ہو تو یوں پکارو اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے بندے بھی ہوتے ہیں جنہیں تم نہیں دیکھتے اور یہ نہایت ہی مجرب و آزمودہ چیز ہے)

وَقَدْ أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي ”مُصَنَّفِهِ“ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا مَوْقُوفًا أَنَّهُ قَالَ ”إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ فَلْيُنَادِ أَعِينُونِي عِبَادَ اللَّهِ رَحِمَكُمُ اللَّهُ“ وَ قَدْ جَاءَ فِي الْإِسْتِعَاذِ بِالْمَيْتِ مِنَ الْمَكْرُوهِ، مَا أَخْرَجَهُ ”ابْنُ السِّنِيِّ“ فِي ”عَمَلِ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ“ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِذَا كُنْتَ بِوَادٍ تَخَافُ فِيهِ السَّبَاعَ فَقُلْ: أَعُوذُ بِدَانِيَالٍ وَ بِالْحَبِّ مِنْ شَرِّ الْأَسَدِ (۱)

(امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا جب تم میں سے کسی کا چوپایہ گم ہو جائے تو یوں پکارو اے اللہ کے بندو! تمہیں اللہ تعالیٰ جزا دے میری مدد کو پہنچو امام ابن السنی نے اپنی کتاب ”عمل الیوم واللیلۃ“ میں مشکل کے وقت فوت شدہ کو پکارنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا جب تمہیں کسی وادی میں درندے کا خوف ہو تو یوں کہو میں حضرت دانیال کی پناہ لیتا ہوں)

۵۔ شَوَاهِدُ الْحَقِّ فِي الْإِسْتِغَاثَةِ بِسَيِّدِ الْخَلْقِ ﷺ
 اس مسئلہ پر پانچویں مستقل کتاب معروف بزرگ امام یوسف بن اسماعیل نبھانی (ت،
 ۱۳۵۰) کی ”شَوَاهِدُ الْحَقِّ فِي الْإِسْتِغَاثَةِ بِسَيِّدِ الْخَلْقِ ﷺ (مخلوق کے
 سردار ﷺ سے مدد مانگنے پر دلائل حقہ) ہے یہ عظیم کتاب مسلسل شائع ہو رہی ہے۔
 ہمارے سامنے اس کا دارالکتب العلمیہ بیروت کا نسخہ ہے جو ۱۹۹۶ء میں پہلی دفعہ شیخ
 عبدالوارث محمد علی کی تحقیق سے شائع ہوا۔ اس کے بڑے سائز کے صفحات ۳۲۳ ہیں۔
 دوسرا باب جو کہ جواز استغاثہ واستعانت پر ہے اس کے چند عنوانات ملاحظہ کیجئے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ فِي أَحَادِيثِ إِسْتِغَاثَةِ الصَّحَابَةِ بِهِ ﷺ

لِلْإِسْتِسْقَاءِ الْفَضْلُ الثَّانِي فِي بَعْضِ مَا قَالَهُ الْأَئِمَّةُ

وَالْعُلَمَاءُ وَثَبَتُوا بِهِ مَشْرُوعِيَّةَ الْإِسْتِغَاثَةِ لَهُ ﷺ

الْفَضْلُ الثَّالِثُ فِي تَوْضِيحِ مَسْأَلَةِ الْإِسْتِغَاثَةِ بِهِ ﷺ

ان جیسے درجنوں جزئیات استغاثہ پر بڑی تفصیل سے لکھا، شیخ ابن تیمیہ اور اس

کی ذریت کا خوب رد کیا، اس کتاب کا ترجمہ استاذ العلماء علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ
 نے کیا اور فرید بک سٹال نے اسے شائع کیا۔

أُمَّتُكَ كَاتِفًا وَاجْمَاعُ

دوسرے باب کی چوتھی فصل میں مسئلہ توسل واستغاثہ کی وضاحت وتفصیل

سامنے لاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لَوْ حَصَلَ مِنَ الْبُخَالِفِينَ أَدْنَى تَدْفِيقٍ لَعَرَفُوا

أَنْفُسَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ شُدُودُهُمْ مِنَ السَّوَادِ

الْأَعْظَمِ وَهُوَ جَمْهُورُ أُمَّةٍ ﷺ حَتَّى أَنْ الْعِلْمَ بِهَذِهِ

الْمَسْئَلَةِ أَى مَشْرُوعِيَّةِ السَّفَرِ لِزِيَارَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَ

مِثْلِهِ الْإِسْتِغَاثَةِ بِهِ ﷺ مِنَ الْأُمُورِ الْمَعْلُومَةِ مِنَ

الدِّينِ بِالضَّرُورَةِ عِنْدَ جَمِيعِ الْعُلَمَاءِ وَالْعَوَامِ مِنَ

أهل الإسلام

(اگر منکرین توسل اور مخالفین استغاثہ کو ادنیٰ درجہ تحقیق و تدقیق کا حاصل ہوتا تو وہ لامحالہ اپنی خطا اور غلطی کو پہچان جاتے کیونکہ وہ اس معاملہ میں سواد اعظم سے شذوذ اور علیحدگی اختیار کیے ہوئے ہیں اور جمہور امت کے پسندیدہ راستے سے انحراف کیے ہوئے ہیں حتیٰ کہ زیارت نبی کریم ﷺ کے لیے سفر کی مشروعیت و جواز اور آپ سے استغاثہ و التجا اور شفاعت کا جواز و استحسان ان امور سے ہیں جن کا اصل دین و اسلام ہونا جمیع علماء اعلام اور عوام اہل اسلام کو بالضرورتاً اور بالبداہتہ معلوم ہے)

پھر آگے چل کر رقمطراز ہیں

إِنَّ جَمْهُورَ الْأُمَّةِ الْمُحَدِّثِيَّةِ مِنَ الْفُقَهَاءِ الْمُحَدِّثِينَ
وَالْمُتَكَلِّمِينَ وَالصُّوفِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الْخَوَاصِّ
وَالْعَوَامِّ مِنْ جَمِيعِ مَذَاهِبِ الْإِسْلَامِ مَتَّفِقُونَ
بِالْقَوْلِ وَالْفِعْلِ عَلَى اسْتِحْسَانِ الْإِسْتِغَاثَةِ
وَالْتَوْسُلِ وَالتَّشْفِيعِ بِالنَّبِيِّ ﷺ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى لِقَضَاءِ
الْحَوَائِجِ الدُّنْيَوِيَّةِ وَالْآخِرَوِيَّةِ ، وَاسْتِحْبَابِ شَدِّ
الرِّحَالِ وَالسَّفَرِ لِزِيَارَتِهِ ﷺ مِنَ الْأَقْطَارِ الْبَعِيدَةِ
وَالْقَرِيبَةِ حَتَّى صَارَ ذَلِكَ عِنْدَهُمْ بِمَنْزِلَةِ الْأُمُورِ
الْمَعْلُومَةِ مِنَ الدِّينِ بِالضَّرُورَةِ بِحَيْثُ لَا يَجْهَلُهُ وَلَا
يَتَصَوَّرُ خِلَافَهُ أَحَدٌ ، بَلْ لَا يَتَوَهَّمُ خِلَافَهُ (۱)

(جمہور امت فقہاء و محدثین، صوفیاء و متکلمین اور جمیع فرق اسلامیہ کے خواص و عوام قولاً و عملاً حوائج دنیویہ و اخرویہ میں نبی اکرم ﷺ سے استغاثہ و توسل اور توجہ و تشفیع پر متفق و مجتمع ہیں اور شد رحال کے استحباب اور زیارت نبوی ﷺ کے لیے جواز سفر پر سب متفق و متحد ہیں خواہ اقطار و اکناف عالم سے ہی کیوں نہ ہو حتیٰ کہ یہ امر ان کے نزدیک ضروریات

دین سے ہو چکا ہے نہ تو کوئی اس سے بے خبر ہے اور نہ اس کے خلاف ان کے
 نزدیک قابل توجہ و تصور ہے بلکہ اس کے خلاف کا تو ہم وخیل ہی نہیں ہے)
 امام تاج الدین فاکہانی (ت: ۷۳۳) اس روایت ”يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَّجَّهُ بِكَ“ کے
 تحت لکھتے ہیں

وَقَدْ أَخْبَرَنِي شَيْخٌ بِمِصْرٍ: إِنَّهُ قَدْ كَانَ أَعْمَى وَ دَعَا

بِهَذَا الدُّعَاءِ الْمَذْكُورِ فَأَبْصُرَ وَرَأَيْتُهُ مُبْصِرًا (۱)

(مجھے ایک شیخ مصر نے بتایا کہ وہ نابینا تھے تو انہوں نے یہی دعائے مذکورہ

پڑھی اور دعا کی تو وہ بینا ہو گئے اور میں نے انہیں خود بینا دیکھا)

یہ تمام واقعات اس پر کس قدر شاہد ہیں کہ تمام محدثین، مفسرین اور اُمت کے
 اہل علم رسول اللہ ﷺ سے بعد از وصال اور دور سے بھی استغاثہ کو جائز ماننے اور اسے
 اپنی خوش بختی تصور کرتے

ان کے علاوہ سینکڑوں کتب میں رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ پر پورے
 پورے ابواب موجود ہیں جن میں اُمت کے ائمہ، محدثین، مفسرین اور صوفیاء نے
 آپ ﷺ سے مشکلات میں مدد و استغاثہ کیا اور ان کی حاجات برآئیں
 اس کے بعد مخالفین کا یہ کہنا کہ یہ محض شوقیہ اور تکلیف میں ماں کو پکارنے کی طرح
 ہے بالکل لغول و باطل ہو جاتا ہے

یہاں صرف امام فاکہانی کی کتاب ”الفجر المنیر“ کے باب استغاثہ کی فہرست
 ملاحظہ کیجئے

الباب الحادی عشر

فی من استغاث به ﷺ واغیث فی القدیم والحديث

استغاثۃ ابینا آدم به ﷺ

فصل: فی البستغیثین به ﷺ عند القحط وعدم الامطار وما جاء فی

ذلك من صحیح الاخبار

فصل: في من استغاث به ﷺ من الجوع

فصل: في من استغاث به ﷺ من شدة العطش

فصل: في استغاثة من لا ذقبرة واشتكى اليه ﷺ بفقره وضرره

فصل: في استغاثة الاسرى ممن كان في ايدي الظلمة والكفار

بالنبي المختار ﷺ

فصل: في استغاثة من شكا اليه ﷺ ذهاب بصره او وجعه

فصل: في من اشتكى اليه ﷺ وجع الضرس والحلق وضيق النفس

فصل: في من استغاث به ﷺ من ذوى العاهات والاراق والنسيان

فصل: في استغاثة الجبل بالنبي ﷺ واستكانته اليه

فصل: في استغاثة الظبية وملا ذها بالنبي ﷺ

فصل: في ملا ذ الحبرة لها فجعت بفرخيها بالنبي ﷺ

فصل:

المدد یا رسول اللہ ﷺ پر چند واقعات

چند ایسے واقعات کا مطالعہ بھی کر لیجیے جن میں امت کے بزرگوں نے آپ ﷺ سے مدد مانگی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی عملاً مدد فرمائی۔
 ۱۔ امام ابراہیم بن مرزوق بیانی فرماتے ہیں
 جزیرہ شقر سے ایک آدمی گرفتار کیا گیا اور اس کے سینے پر لمبی اور وزنی لکڑیاں رکھی گئیں اور اس کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا

فَكَانَ يَسْتَعِيْثُ وَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، فَقَالَ لَهُ
 كَبِيْرُ الْعَدُوِّ قُلْ لَهُ يَنْقُذُكَ - قَالَ فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ
 هَزَّهٗ شَخْصٌ وَقَالَ لَهُ اِذْنُ فَقَالَ لَهُ مَا تَرَى مَا اَنَا
 فِيْهِ فَاِذْنٌ حَتّٰى بَلَغَ اِلَى قَوْلِهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ
 اللّٰهِ ، فَرَزَالَ مَا كَانَ عَلٰى صَدْرِهِ مِنَ الْحَدِيْدِ وَالْعَصٰى
 وَظَهَرَ بَيْنَ يَدَيْهِ بُسْتَانٌ فَمَشٰى فِيْهِ فَاَنْفَتَحَ لَهُ مَوْضِعٌ
 فَدَخَلَ مِنْهُ

(اس درد و الم کی حالت میں وہ شخص بارگاہ رسالت پناہ ﷺ سے استغااثہ کرتے ہوئے یا رسول اللہ یا رسول اللہ کہتا ہے۔ دشمنوں کے سردار نے اس سے کہا اپنے رسول ﷺ سے کہہ کہ وہ تجھے خلاصی عطا فرمائے جب رات کی تاریکی چھا گئی تو ایک شخص نے آکر اسے جھنجھوڑا اور کہا۔ اٹھ اذان دے اس نے عرض کیا تم جانتے ہو میں کس حال میں ہوں جب حسب الامر اذان دینے لگا اور ”اشہدان محمد رسول اللہ“ تک پہنچا تو اس

کے سینے پر سے بھاری لکڑیاں اور زنجیر وغیرہ سب زائل ہو گئے اور اسے اپنے سامنے ایک باغ دکھائی دیا وہ اس میں چلنے لگا ایک جگہ ایک غار پر نظر پڑی اس میں داخل ہوا تو اپنے وطن جزیرہ شقر میں پہنچ گیا۔ اور اس شہر میں اس کا یہ واقعہ بہت مشہور ہوا)

صالحین میں سے ایک شخص نے بیان کیا جو کہ بلاؤ کفر میں اسیر تھا کہ جس شہر میں وہ قید تھا اس شہر کے امیر کا جہاز ساحل کے قریب لنگر انداز ہوا انہوں نے تمام قیدیوں کو بھی اکٹھا کیا اور اہل شہر کی ایک جماعت کو بھی جن کی مجموعی تعداد تین ہزار کے قریب ہوگی تاکہ وہ اس جہاز کو کھینچ کر کنارے کے ساتھ لگائیں مگر جہاز اتنا عظیم تھا کہ اتنی کثیر تعداد بھی اس کو نہ کھینچ سکی

فَجَاءَ أَحَدَهُمْ إِلَى الْمَلِكِ وَقَالَ لَهُ: هَذَا الْمَرْكَبُ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الْمُسْلِمُونَ بِشَرِّطٍ أَنْ لَا يَمْنَعُوا أَنْ يَتَكَلَّبُوا بِمَا يُرِيدُونَ - قَالَ فَجَمَعُونَا وَقَالُوا لَنَا قُولُوا مَا تُرِيدُونَ وَكُنَّا أَرْبَع مِائَةٍ وَخَمْسِينَ رَجُلًا فَقُلْنَا بِأَجْمَعِنَا - يَا رَسُولَ اللَّهِ وَجَبَدْنَا الْمَرْكَبَ جَبْدَةً وَاحِدَةً فَلَمْ يَتَوَقَّفْ إِلَى أَنْ أَخْرَجَنَا إِلَى الْبَرِّ بِبِرَّةٍ اسْتِغَاثِنَا بِالنَّبِيِّ ﷺ (۱)

(چنانچہ ایک شخص بادشاہ کے پاس آیا اور اسے کہا کہ اس جہاز کو صرف مسلمان ہی نکال سکتے ہیں مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہنا چاہیں ان پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے چنانچہ بادشاہ نے اس شخص کے مشورے کے مطابق ہم اہل اسلام کو جمع کیا اور ہمیں کہا کہ تم جس قسم کا نعرہ لگانا چاہو اور جو کلمات زبان پر لانا چاہو تمہیں مکمل آزادی ہے۔ ہماری مجموعی تعداد ساڑھے چار سو تھی ہم نے مل کر پکارا یا رسول اللہ! اور اس کو بڑے زور سے کھینچا تو وہ بغیر کسی رکاوٹ کے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ استغاثہ و توسل کی بدولت کنارے آگیا)

۳۔ امام حسین بن محمد شافعی (ت: ۹۲۲) اس مسئلہ پر رقمطراز ہیں
 آپ ﷺ جسد اطہر اور روح انور کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ کے وجود سے
 کوئی زمان، مکان، زمانہ اور وقت خالی نہیں۔ ولی کامل عارف باللہ شیخ عبد العزیز
 الدیرینی کے بارے میں منقول ہے۔

لَبَّا نُسِبَتْ إِلَيْهِ الْمَشِيخَةُ بِدَيْرَيْنِ، وَنَازَعَهُ فِيهَا
 جَمَاعَةٌ مِنَ الْأَشْرَافِ - اِتَّفَقَتْ أَرَاءُ أَهْلِ الْبِلَادِ
 وَالتَّلَادِ عَلَى مَوْعِدٍ بَعْدَ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ، وَإِنَّ السَّادَةَ
 الْأَشْرَافَ يُنَادُونَ جَدَّهُمْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، وَإِنَّ
 سَيِّدِي عَبْدَ الْعَزِيزِ يُنَادِيهِ أَيْضًا، وَإِنَّ كُلَّ مَنْ
 أَجَابَهُ النَّبِيُّ ﷺ كَانَ الْحَقُّ لَهُ، فَاجْتَمَعَ لِذَلِكَ
 جَمَاهِيرُ الْعُلَمَاءِ وَالنَّاسِ - فَقَالَ سَيِّدِي عَبْدُ الْعَزِيزِ
 لِلْأَشْرَافِ: تَقَدَّمُوا أَنْتُمْ وَنَادُوا، فَتَقَدَّمَ وَاحِدٌ بَعْدَ
 وَاحِدٍ مِنْهُمْ، كُلٌّ مِنْهُمْ يُنَادِي، يَا جَدِّي يَا رَسُولَ
 اللَّهِ، فَلَمْ يَجِبْ وَاحِدًا مِنْهُمْ - فَعِنْدَ ذَلِكَ تَقَدَّمَ
 الْعَارِفُ سَيِّدِي عَبْدُ الْعَزِيزِ فَقَالَ:

”يَا سَيِّدِي يَا رَسُولَ اللَّهِ“ فَسَمِعَ النَّاسُ قَاطِبَةً
 :”لَبَّيْكَ يَا عَبْدَ الْعَزِيزِ“

(کہ جب آپ دیرین میں سجادہ نشین ہوئے تو کچھ خاندانی لوگوں نے
 اعتراض اٹھایا۔ تمام اہل بلاد کا اس پہ اتفاق ہوا کہ نماز جمعہ کے بعد شیخ عبد
 العزیز سمیت تمام سادات اپنے جد کریم ﷺ کو آواز دیں اور جس کا
 جواب رسول اللہ ﷺ عطا فرمائیں، سجادگی اسی کا حق ہوگا۔ تمام اہل علم
 و شرف اور عوام جمع ہو گئے شیخ نے دوسرے سادات کو کہا پہلے تم عرض کرو۔
 ہر ایک نے یہ کلمات عرض کیے ”یا جدی یا رسول اللہ“ مگر
 کسی کو جواب عطا نہ ہوا۔ اس کے بعد شیخ عبد العزیز نے عرض کیا

”يَا سَيِّدِي يَا رَسُولَ اللَّهِ“ بس عرض کرنے کی دیر تھی تمام لوگوں نے یہ جواب سنا ”لَبَّيْكَ يَا عَبْدَ الْعَزِيزِ“

بلکہ ایک جماعت نے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ

إِنَّ الصَّفَّ الَّذِي يَلِي سَيِّدِي عَبْدَ الْعَزِيزِ سَمِعَ
وَالصُّفُوفَ الَّتِي خَلْفَهُ لَمْ يَسْمَعْ فَأَعَادَ النِّدَاءَ
فَنَادَتْ الْإِجَابَةُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (۱)

(کہ پہلی دفعہ صرف اسی صف کے لوگوں نے سنا جو شیخ عبدالعزیز کے ساتھ تھے اور پیچھے لوگوں نے نہ سنا تو انہوں نے تین دفعہ عرض کیا تو تینوں دفعہ حضور ﷺ کی طرف سے جواب نصیب ہوا)

غور کر لیجیے یہ ہے اہل اسلام کا عقیدہ، آج ہم اسی ذات اقدس کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنے والے کو مشرک و کافر قرار دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔
۴۔ امام صالح بن شوبلنسی نے بتایا کہ ہم کشتی میں سوار تھے کہ دشمن کے بیڑے نے ہمیں آلیا اور قریب تھا کہ ہماری کشتی کو تباہ کرنے کے لیے ٹکر لگاتے میں نے عرض کیا

يَا مُحَمَّدُ نَحْنُ فِي ضِيَاْفَتِكَ الْيَوْمَ فَسَبِعْنَا هِدَاةً فِي
الْبِسْطِجِ، فَاِذَا صَارِي الْبِسْطِجُ قَدْ اِنْكَسَرَ وَ سَقَطَ
قَلَاعُهُ وَ شَغَلُوا بِاَنْفُسِهِمْ فَدَخَلْنَا تُوْنَسَ سَالِبِيْنَ
بِبَرَكَةِ النَّبِيِّ ﷺ (۲)

(اے محمد ﷺ آج ہم آپ کی ضیافت میں ہیں تو فوراً دشمن کی عظیم کشتی میں زوردار دھماکہ ہوا کشتی کے وسطی عمود ٹوٹ گئے اور ان پر لٹکائے ہوئے بادبان بھی گر گئے چنانچہ انہیں اپنی جان بچانے کی فکر لاحق ہوئی اور ہم نبی کریم ﷺ کی برکت سے صحیح و سالم کنارے جا لگے اور تونس پہنچ گئے)

۵۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن موسیٰ بن نعمان المزالی مراکشی (ت: ۶۷۲) لکھتے ہیں کہ

(۱) وجود انبی فی کل مکان - ۵۳

(۲) شواہد الحق: ۲۳۱

میں نے شیخ ابو عبد اللہ محمد بن محمد تحیبی کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ

كَانَتْ الْحَمِي تَعْتَادُنِي، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ النَّوْبَةِ
أَخَذْتَنِي، فَأَخَذْتُ كِتَابَ "الشِّفَاءِ فِي شَرْفِ
الْبُصْطَفِيِّ رضي الله عنه" وَجَعَلْتُهُ عَلَى صَدْرِي وَعَلَى كَتِفِي
وَقُلْتُ: تَحْسِبْتُ بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (۱)

(مجھے باری کا بخار آیا کرتا تھا، جب اس کی باری کا دن آیا تو میں نے کتاب "الشفاء فی شرف البصطفی لے کر اپنے سینے اور کندھے پر رکھ لی اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا آپ پر بھروسہ ہے۔ اسی وقت تکلیف جاتی رہی جب کہ میں لیٹا ہوا تھا)

مجھے ایک نیک آدمی نے بیان کیا کہ -۶

أَهْلًا عَلَيْنَا شَهْرُ رَمَضَانَ فَأَخَذْتَنِي الْحَمِي فَخِفْتُ
مِنَ الْفِطْرِ فِيهِ، فَاسْتَغَثْتُ بِالنَّبِيِّ رضي الله عنه وَشَكَّوْتُ
إِلَيْهِ الْحَمِي: فَأَقْلَعَهَا اللَّهُ عَنِّي وَصَمْتُ شَهْرَ رَمَضَانَ
بِبِرَّةِ النَّبِيِّ رضي الله عنه (۲)

(ایک دفعہ رمضان المبارک کا چاند دکھائی دیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے بخار ہو گیا، مجھے خوف ہوا کہ میں روزہ نہیں رکھ سکوں گا۔ میں نے نبی اکرم رضي الله عنه سے بدد مانگی اور آپ کی بارگاہ میں بخار کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بخار سے نجات عطا فرمادی اور میں نے نبی اکرم رضي الله عنه کی برکت سے ماہ رمضان کے روزے رکھے)

مزید تفصیل کے لیے ان مستقل کتب کا مطالعہ کافی ہے جن کا تعارف آچکا ہے۔

(۱) مصباح الظلام: ۱۷۱

(۲) مصباح الظلام: ۱۷۲

فضل:

صحابہ اور نعرہ یا رسول اللہ صلی علیہ وسلم

شہر مدینہ یا محمد یا رسول اللہ کے نعروں سے گونج اٹھا
اہل مدینہ کو جب اطلاع ملی سرور عالم ﷺ مکہ المکرمہ سے شہر مدینہ کی طرف
روانہ ہو چکے ہیں تو وہ روزانہ نماز فجر کے بعد استقبال کے لیے اجتماعی طور پر اُس راستے
میں جا بیٹھتے جو مکہ المکرمہ سے آتا تھا جب خوب دھوپ نکل آتی تو پھر واپس ہو جاتے
جس دن آپ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جیسے
ہی آپ ﷺ کی سواری قبا سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئی تمام اہل مدینہ نے یہ اشعار پڑھ کر
استقبال کیا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ

وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا إِلَيْهِ دَاعٍ (۱)

(ہم پر وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند طلوع ہو گیا جب تک کوئی

اللہ کی طرف سے بلانے والا موجود ہے ہم پر اللہ کا شکر لازم ہے)

مختلف ٹولیوں نے آپ کو سلامی پیش کی۔ شہر مدینہ کی کیفیت صحیح مسلم میں یوں

بیان ہوئی کہ تمام شہر نعرہ 'يَا مُحَمَّدُ' اور نعرہ 'يَا رَسُولَ اللَّهِ' سے گونج اٹھا الفاظ

روایت پڑھیے۔

صَعَدَ الرَّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوتِ وَتَفَرَّقَ

الْغُلَبَانُ وَالْخُدَمُ فِي الطَّرِيقِ يُنَادُونَ يَا مُحَمَّدُ يَا

رَسُولَ اللَّهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ (۲)

(۱) فتوح الشام: ۱-۱۳۷

(۲) صحیح مسلم: ۲-۴۱۹

(مرد و خواتین گھروں کی چھتوں پر تھے۔ بچے اور نوجوان تمام راستوں میں پھیل گئے اور تمام کے تمام کہہ رہے تھے 'يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ'۔۔۔ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ)

اس جلوس میں خود رسول اللہ ﷺ شریک ہوئے اور آپ نے اس سے منع ہرگز نہیں کیا بلکہ اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ افسوس آج جہالت ہمیں لے ڈوبی۔ ہم کیسے فتویٰ جاری کر رہے ہیں اگر ہمیں ان چیزوں کا علم ہوتا تو ہم کبھی ایسی جرأت نہ کرتے۔

صحابہ اور یا محمد اہ

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یا محمد اور یا رسول اللہ کہنا بھی ثابت ہے۔

۱۔ امام احمد خفاجی (ت۔ ۱۰۶۹) صحابہ کا معمول نقل کرتے ہیں

وَالْمَنْقُولُ إِنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ فِي تَحِيَّةِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَجْوَةٌ (۱)

(منقول ہے کہ صحابہ کرام آپ ﷺ سے ملاقات کے وقت یوں سلام عرض کرتے الصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، يَا نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضور ﷺ کے ارشاد گرامی

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ رُوحِي حَتَّىٰ أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

(جب کوئی مسلمان مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹاتا

ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں)

کی تشریح میں لکھتے ہیں

إِنَّ الْمُرَادَ بِالسَّلَامِ قَوْلُهُمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (۱)

یہاں سلام سے مراد الصَّلَاةُ السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ جیسے کلمات ہیں۔

۲۔ امام ابن السنی اور امام بشکوال نے نقل کیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا

پاؤں سن ہو گیا تو ان سے کہا گیا

أَذْكَرُ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ

(انہیں یاد کرو جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہیں)

تو

فَصَاحَ يَا مُحَمَّدَاةَ فَا نْتَشَرَتْ (۲)

(انہوں نے بلند آواز سے کہا 'یا محمداء' تو پاؤں فوراً بیدار ہو گیا)

امام بخاری کے الفاظ ہیں

خَدَرَتْ رِجْلُ رَجُلٍ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ أَذْكَرُ أَحَبَّ

النَّاسِ إِلَيْكَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدَاةَ (۳)

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں مبارک سن ہو گیا تو ایک آدمی نے

کہا اپنے محبوب کو یاد کریں تو انہوں نے پکارا یا محمداء)

۳۔ شارح مسلم امام نووی نے کتاب الاذکار میں نقل کیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا

پاؤں سن ہو گیا تو ان کی توجہ دلائی گئی کہ تم اسے یاد کرو جس سے تمہیں سب سے

زیادہ محبت ہے۔ انہوں نے پکارا 'یا محمداء' ان کا پاؤں درست ہو گیا ایسے معلوم ہوا

فَكَانَتْهَا نَشِطٌ مِنْ عُقَالٍ (الاذکار باب ما یقول اذا خدرت رجلاً)

(کہ اس سے پہلے قید میں تھا اور وہ کھل گیا)

۴۔ امام ابن اثیر تاریخ میں نقل کرتے ہیں ۱۸ ہجری میں جب قحط ہوا تو بنو مزینہ نے

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی ہمارے لیے بکری

(۱) نسیم الریاض: ۵-۷۸

(۲) عمل الیوم واللیلہ: ۱۶۸

(۳) الادب المفرد: ۹۶۴

ذبح کریں فرمایا بکریوں میں کچھ باقی نہیں رہا انہوں نے اصرار کیا آخر بکری
ذبح کی جب کھال اتاری تو صرف سرخ ہڈیاں نکلیں یہ دیکھ کر پکار اٹھے 'یا محمد اہ'
پھر حضور ﷺ خواب میں تشریف لائے اور دوری قحط کی بشارت عطا فرمائی۔ (۱)

صحابہ کا نعرہ "یا محمد یا محمد"

امام واقدی (ت: ۷۰۲) نقل کرتے ہیں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ
خلافت میں عیسائیوں کے خلاف صحابہ اور تابعین پر مشتمل لشکر اسلامی جہاد کر رہا تھا۔
مشہور صحابی سیدنا عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اس لشکر کے سپہ سالار تھے حضرت خالد بن ولید
رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے اس موقع پر تمام مسلمان مجاہد یہ نعرہ بلند کرتے۔

النَّصْرُ النَّصْرُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ

(مدد ہو مدد ہو اے محمد ﷺ اے محمد ﷺ)

اس کے راوی صحابی حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے

نَصْرَنَا اللَّهُ عَلَيْهِمْ بِبُرْكَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ (۲)

(رسول اللہ ﷺ کی برکت و وسیلہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف
ہماری مدد فرمائی)

مسلمانوں کا شعار "یا محمد"

دوسرے مقام پر امام واقدی (ت: ۷۰۲) ہی نقل کرتے ہیں رومی عیسائیوں
کے خلاف مسلمان جہاد میں شریک تھے ان میں یہ صحابہ بھی تھے حضرت عیاض بن غنم
'حضرت فضل بن عباس' حضرت زیاد بن ابی سفیان' حضرت مغیرہ بن شعبہ' حضرت ابان
بن عثمان بن عفان' حضرت مسلم بن عقیل اور حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم اس
سخت جہاد میں۔

كَانَ شِعَارَ الْمُسْلِمِينَ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ بُنَادُونَ يَا مُحَمَّدُ

(۱) الکامل فی التاریخ: ۲-۵۵۶

(۲) فتوح الشام: ۲-۵

يَا مُحَمَّدُ يَا نَصَرَ اللَّهِ أَنْزِلْ (۱)

(اس رات مسلمانوں کا شعار اور نعرہ یہ تھا کہ وہ بار بار پکارتے یا محمد یا محمد

اے مدد الہی آ ہماری مدد کر)

انہوں نے ہی ایک اور مقام پر بیان کیا کہ اس لشکر کے سپاہی بیان کرتے ہیں

ہمارے حملہ کی صورت یہ تھی۔

كَانَ خَالِدٌ أَمَامَنَا فِي حَمَلَتِهِ وَنَحْنُ مِنْ وَرَائِهِ وَكَانَ

شِعَارُنَا يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ يَا مَنْصُورُ أُمَّتِكَ أُمَّتِكَ (۲)

(حضرت خالد رضی اللہ عنہ حملہ میں ہمارے آگے اور ہم ان کے پیچھے تھے۔

اور ہمارا شعار و نعرہ تھا یا محمد یا محمد یا منصور آپ کی امت آپ کی امت)

یعنی اپنی امت پہ نظر کرم و شفقت ہو۔

یا منصور کا نعرہ

حضور ﷺ کا اسم مبارک منصور (مدد کئے گئے، فاتح اور کامیاب) ہے کبھی کبھی

صحابہ و تابعین آپ ﷺ کے اس مبارک نام کا نعرہ لگاتے۔ فتوح الشام میں ہی ہے۔

وَكَانَ شِعَارُهُمْ يَا نَصَرَ اللَّهِ أَنْزِلْ يَا مَنْصُورَ أُمَّتِ

أُمَّتِ (۳)

(مجاہدین صحابہ کا نعرہ تھا اے اللہ کی مدد آ جا اے فتح مند نبی دشمنان اسلام

کو ہلاک کرو)

۸۔ سند المحدثین امام جمال الدین عبدالرحمن بن جوزی (ت۔ ۵۹۷) بیان کرتے

ہیں ہمیں طرطوس میں ہمارے شیخ علی بن یزید نے بتایا

کہ شہر طرطوس میں اولاً مسکن والے ہمارے والد گرامی نے بتایا تین بھائی اللہ کی بارگاہ

میں جہاد کرنے نکلے رومیوں نے انہیں گرفتار کر لیا، سلطان روم نے کہا

(۱) فتوح الشام: ۲-۱۹۱

(۲) فتوح الشام: ۱-۱۴۷

(۳) فتوح الشام: ۱-۱۷۴

لَا فَتْحَ أَعْظَمَ مِنْ هُوَ لَاءِ
(ان سے بڑھ کر کوئی فتح عظیم نہیں)

انہیں وہ شہر قسطنطنیہ لے گئے اور انہیں کہا تم اگر نصرانی ہو جاؤ تو
أَنْ أَجْعَلَ لَكُمْ الْمُلْكَ وَأَزْوَاجَكُمْ بَنَاتِي
(میں تمہیں حکومت دوں گا اور اپنی بیٹیوں کا نکاح تم سے کر دوں گا)

لیکن اہل ایمان نے

فَأَبَوْا عَلَيْهِ وَنَادَوْا "يَا مُحَمَّدَاةُ"

(صاف انکار کرتے ہوئے حضور ﷺ کا نام لے کر پکارا۔)

بادشاہ نے پوچھا یہ کیا کہتے ہو تو بتایا گیا

يَدْعُونَ نَبِيَّهُمْ

(یہ اپنے نبی کو پکار رہے ہیں)

بادشاہ نے کہا چونکہ تم نے میری بات نہیں مانی لہذا میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔
اس نے دیگوں میں تیل گرم کرنے کے لیے تین دن آگ جلائی ہر روز بلا کر کہا جاتا پیش
کش موجود ہے نصرانی ہو جاؤ

یا جلنے کے لیے تیار ہو جاؤ انہوں نے جواباً یہ ہی کہا کہ ہم جل جائیں گے مگر
اسلام نہیں چھوڑ سکتے۔

تیسرے دن اس نے ایک کو تیل میں پھینکا تو تیل میں جاتے ہی اس کی ہڈیاں
سامنے آئیں دوسرے سے کہا اگر نہ مانو گے تو تمہارا حشر بھی یہی ہو گا اس نے کہا میں بھی
اس حشر کے لیے تیار ہوں دوسرے کو ڈال دیا گیا تیسرے نے کہا میں بھی جلنے کے لیے
حاضر ہوں۔ بادشاہ دنگ رہ گیا اور کہنے لگا کہ ان سے زیادہ بہادر میں نے کبھی نہیں دیکھا،
ایک وزیر نے کہا آپ اسے میرے حوالے کر دیں میں اسے نصرانی بنا دوں گا
اس نے ان کے لیے ایک خوبصورت عورت کا انتظام کیا تا کہ وہ اسے دین سے برگشتہ کر
دے چالیس دن کی مدت مقرر ہوئی لیکن وہ حضور ﷺ کا ریوانہ تھا۔

فَأَقَامَ مَعَهَا نَهَارَهُ صَائِمًا وَلَيْلَهُ قَائِمًا

(اس نے دن کو روزہ رکھ لیا اور رات کو قیام)

بادشاہ نے رپورٹ مانگی تو لڑکی نے کہا چونکہ ان کے بھائی یہاں شہید ہوئے اس لیے یہ متوجہ نہیں ہوتا اگر کسی دوسرے شہر منتقل کر دیا جائے تو معاملہ درست ہو جائے گا دوسرے شہر منتقل کر دیا گیا مگر وہ متوجہ نہ ہوئے۔ اس لڑکی کے دل میں اثر ہوا وہ مسلمان ہو گئی وہاں سے دونوں سوار ہو کر نکل پڑے راستے میں کچھ سوار نظر آئے۔ لڑکی نے کہا اپنے رب سے دعا کرو اللہ تعالیٰ ان دشمنوں سے ہمیں محفوظ رکھے۔ جب وہ سوار قریب آئے۔

فَاِذَا هُوَ بِأَخْوِيهِ وَمَعَهَا مَلَأُ نِكَّةً تُرْسَلُ إِلَيْهِ

(تو وہ ان کے دونوں بھائی اور ان کے ساتھ فرشتے تھے)

انہیں سلام کیا اور پوچھا کہ تم کیسے آگئے حالانکہ تم تو شہید کر دیئے گئے تھے؟

تو بتایا۔

مَا كَانَتْ إِلَّا الْغَطْسَةَ الَّتِي رَأَيْتِ حَتَّى خَرَجْنَا فِي
الْفِرْدَوْسِ وَإِنَّ اللَّهَ أَرْسَلَنَا إِلَيْكَ لِنَشْهَدَ تَزْوِيجَكَ
بِهَذِهِ الْفَتَاةِ فَرَوْجُوهُ إِيَّاهَا

(وہ تو ایک غوطہ تھا جو تم نے بھی دیکھا ہم تو جنت الفردوس میں پہنچ گئے اب

اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری طرف بھیجا تا کہ ہم اس خاتون کے ساتھ

تمہارے نکاح میں شریک ہوں اس کے بعد ان دونوں کا نکاح کروایا)

یہ دونوں علاقہ شام پہنچے۔

امام فرماتے ہیں۔

وَكَانُوا مَشْهُورِينَ بِذَلِكَ مَعْرُوفِينَ بِالشَّامِ بِالزَّمَنِ
الْأَوَّلِ

(دور اول سے شام میں ان دونوں کا یہ واقعہ نہایت ہی مشہور و معروف ہے)

ان کے بارے میں لوگوں نے اشعار کہے مجھے ایک یاد رہا۔

سَيُعْطَى الصَّادِقِينَ بِفَضْلِ صِدْقِ
نَجَاةٍ فِي الْحَيَاةِ وَ فِي الْمَبَايَةِ (۱)

(اللہ تعالیٰ سچے ایمان والوں کو ان کے سچ کی برکت سے حیات و ممات
میں نجات عطا فرماتا ہے)

امام جلال الدین سیوطی نے بھی اسے نقل کیا (۲)

اس پر امام احمد رضا قادری کا یہ تبصرہ نہایت ہی خوبصورت ہے
مصیبت میں یا رسول اللہ ﷺ کہنا اگر شرک ہے تو شرک کی مغفرت و شہاد کیسی؟
اور جنت الفردوس میں جگہ پانی کیا معنی؟ اور ان کی شادی میں فرشتوں کو بھیجنا
کیونکر معقول؟ اور ان آئمہ دین نے یہ روایت کیونکر مقبول اور ان کی شہادت و ولایت
کس وجہ سے مسلم رکھی اور وہ مردان خدا خود بھی سلف صالحین میں تھے۔ (۳)
امام العصر مولانا محمد اشرف سیالوی نے یہ اور دیگر روایات صحابہ نقل کر کے لکھا
الحاصل ثابت ہو گیا کہ مجاہدین اسلام صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ان کے
تابعین بالاحسان کا یہی معمول اور طریقہ تھا لہذا اس پر ثابت قدم لوگ مشرک و کافر نہیں
تھے بلکہ کفر و شرک سے نکالنے والے مجاہدین و غازی اور شہداء کرام تھے اور وہ عند اللہ
مقبول و محبوب اور بعد از وفات و شہادت مدبر و متصرف بھی تھے لہذا یہ ندا برحق اور سراسر
صواب ہے۔ **فَلِلَّهِ الْحَمْدُ (۴)**

ائمہ مجتہدین کا ”تاج محمد یا منصور“

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پوتے اور مجتہدین کے امام حضرت
عبدالرحمن ہذلی کوفی کی زیارت کے حالات میں موجود ہے کہ وہ سر پر بلند ٹوپی رکھتے جس پر
تحریر ہوتا محمد یا منصور۔ امام محمد محدث پیشم بن جمیل انطاکی (جو نہایت ہی ثقہ عالم ہیں) کا
بیان ہے میں نے حضرت عبدالرحمن ہذلی کوفی کی زیارت کی وَعَلَى رَأْسِهِ قَلَنْسُوَةٌ

(۱) عیون الحکایات: ۱۹۷-۱۹۸ (۲) شرح الصدور: ۹۰

(۳) انوار الانتہا: ۸۸ (۴) گلشن توحید و رسالت: ۲-۲۷۶

أَطْوَلُ مِنْ ذِرَاعِ مَكْتُوبٍ فِيهَا مُحَمَّدٌ يَا مَنْصُورُ (۱)
(ان کے سر پر ہاتھ سے زیادہ لمبی ٹوپی تھی اور اس پر تحریر تھا یا محمد یا منصور)

”یا محمد اہ“ میں الف استغاثہ

بار بار ان روایات میں یا مُحَمَّدَاہ کا وظیفہ آرہا ہے اس میں الف برائے استغاثہ ہے جو منادی پر داخل ہے اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ندا کرنے والا شخص فریاد کرتے ہوئے مدد کا طلب گار ہوتا ہے گویا وہ کہہ رہا ہوتا ہے میں مشکل میں ہوں میری مدد کے لیے تشریف لائیے یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے اسے استغاثہ قرار دیا۔

حضرت ملا علی قاری (ت: ۱۰۱۴) نے شرح شفاء میں اس پر جو کچھ لکھا وہ

نہایت ہی قابل توجہ ہے۔

فَصَاحَ فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ (يَا مُحَمَّدَاةً) بِسُكُونِ

الْهَاءِ لِلنُّدْبَةِ وَكَأَنَّهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَصْدًا بِهِ إِظْهَارَ

الْمَحَبَّةِ فِي ضَمْنِ الْإِسْتِغَاثَةِ (۲)

(تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے یا محمد اہ کہا یہاں ”ہا“

ندبہ کے لیے ہے گویا انہوں نے استغاثہ کے ضمن میں اظہارِ محبت کیا۔)

یہی تشریح کرتے ہوئے شیخ رضی نے خوب لکھا۔ فرماتے ہیں:

فَإِذَا قُلْتَ يَا مُحَمَّدَاةً فَكَأَنَّكَ تُنَادِيهِ وَتَقُولُ لَهُ تَعَالِ

فَأَنَا مُشْتَاقٌ إِلَيْكَ (۳)

(جب تم نے یا محمد اہ کہا تو گویا پکار کر کے عرض کر رہے ہو کہ آپ تشریف لائیں

میں آپ کا مشتاق ہوں)

مفتی مدار اللہ مدر آرقش بندی دیوبندی کا موقف

انہی روایات کے تحت مفتی مدار اللہ مدر آرقش بندی مردان صوبہ سرحد کا یہ

اقتباس قابل توجہ ہے۔

(۲) شرح الشفاء: ۶-۳۱

(۱) میزان الاعتدال: ۷-۳۹۰

(۳) شرح کافیہ: ۱-۱۳۱

امام نوویؒ نے بھی اپنی کتاب شرح مسلم میں یہی واقعہ لکھا ہے جس میں انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جگہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نام لکھا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں۔

خَدَرْتُ رَجُلًا ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ يَا مُحَمَّدًا يَصِحُّ
الرَّجُلُ فِي الْوَقْتِ

(ابن عباس کا پاؤں سو گیا اس نے کہا یا محمد! تو اسی وقت اس کا پاؤں صحیح ہو گیا)

ادب المفرد اور شرح مسلم دونوں کی روایتوں میں جب ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تکلیف کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کو ”يَا مُحَمَّدُ“ سے پکارا تو ان کی تکلیف دور ہو گئی یہ دونوں جلیل القدر صحابی ہیں اور دونوں نے حضور ﷺ کو ”يا محمد“ سے پکارا یہ نداء اس عشق و محبت اور تعلق خاطر کی وجہ سے تھی۔ جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور اکرم ﷺ سے اپنے دل میں رکھتے تھے۔ صحابہ کرام اور عامۃ المسلمین کے خطاب اور نداء سے یہی مطلب لینا چاہیے اور اس کو غلط معانی کا جامہ پہنانا قطعاً نامناسب اور غلط ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضور ﷺ سے یہ کہا۔ کہ جو موت مقرر تھی۔ اس سے آپ کو گزرنا پڑا اور اس کے بعد عالم برزخ میں آپ پر دوسری موت طاری نہیں ہوگی۔ احادیث سے ثابت ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں روضہ منور کے سامنے زائرین جو درود و سلام پڑھتے ہیں۔ وہ حضور ﷺ سنتے ہیں اور زمین میں ایسے فرشتے مقرر ہیں جو درود پڑھنے والوں کا درود پہنچا دیتے ہیں۔

تمام اہل سنت و جماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ قبر شریف میں حضور ﷺ کو جو حیات حاصل ہے وہ شہیدوں کی حیات سے بدرجہ قوی تر ہے اور وہ حیات دنیوی سے بھی اعلیٰ و برتر ہے۔

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری فضائل درود میں فرماتے ہیں۔ کہ میرے خیال میں اگر ہر جگہ درود و سلام کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے یعنی تنہا سلام کہنے

کی بجائے ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ یعنی ”سلام“ کے ساتھ ”صلوٰۃ“ کا لفظ بڑھا یا جائے (۱)

حضرت سہارنپوری مولانا الیاس کے جلیل القدر جانشین ہیں اور ان کا تبحر علمی اور تقویٰ مسلم ہے وہ بھی ”صلوٰۃ و سلام“ کے ساتھ یا رسول اللہ ﷺ کہنے کے قائل ہیں۔

ہر نمازی قعدہ میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ کہتا ہے اور ”أَيُّهَا النَّبِيُّ“ منادویٰ دعا ہے اور اس کے اول میں حرف نداء یعنی ”یا“ مقدر ہے۔ تو عبارت یوں ہوئی ”یا ایھا النبی“ اور اس میں نداء اور خطاب دونوں موجود ہیں۔ تو معاذ اللہ اگر یہ الفاظ شرک کے ہوتے۔ تو نماز میں ان کے کہنے کی کیوں اجازت دی گئی۔ یہ الفاظ شبہ معراج سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ہم ان کو نماز میں بطور انشاء کہتے ہیں نہ بطور اخبار و حکایت کے۔ کیونکہ تشہد کے الفاظ کے معانی کا قصد اور ارادہ ضروری ہے۔ اور نمازی نبی علیہ السلام پر سلام پڑھتا ہے اور اپنے نفس پر بھی اور نیک بندوں پر بھی اور اگر شہادتیں کے معانی کو مقصود اور مراد نہ گردانا جائے اور بطور حکایت کے الفاظ شہادت کہے جائیں تو یہ بجائے خود مستوجب کفر ہیں۔ (۲)

(۱) فضائل درود۔ ص ۱۳۲

(۲) تقریظ بریا حرف محبت: ۱۳

فصل:

روایات پر اعتراضات کا رد

شیخ سرفراز لکھڑوی نے روایات ”یا مُحَمَّدُ“ پر یہ اعتراضات وارد کیے ہیں۔ گلدستہ توحید میں لکھتے ہیں

یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں اور پھر ہے بھی ضعیف۔ اس کی کوئی سند جرح سے خالی نہیں۔ چنانچہ اس کی ایک سند میں ابو شعبہ نامی راوی ہیں امام دارقطنی فرماتے ہیں، متروک ہے۔

دوسری سند میں محمد بن مصعب ہے انا م نسانی کہتے تھے ضعیف ہے امام ابو حاتم کہتے ہیں اس کی حدیث ضعیف ہے۔ علامہ خطیب کہتے ہیں کثرت سے غلطیاں کرتا تھا۔ عبد اللہ بن سیار فرماتے ہیں ضعیف تھا۔ ابو احمد الحاکم فرماتے ہیں کہ محدثین کے ہاں ضعیف تھا۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں اس سے احتجاج صحیح نہیں۔

تیسری سند میں زہیر بن معاویہ عن ابی اسحق ہے زہیر اگرچہ ثقہ تھے لیکن محدثین نے تصریح کی ہے کہ ان کی وہ حدیث جو ابو اسحق کے طریق سے ہوگی ضعیف ہے۔ اگرچہ روایت صحیح بھی ہو تب بھی یہ خبر واحد ہے حالانکہ سند میں بعض راویوں کا حال بھی آپ نے دیکھ لیا لہذا باب عقائد میں ان کی روایت کیسے حجت ہو سکتی ہے؟

اعتراضات کا علمی رد

ان اعتراضات کا علمی رد علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ کی زبان سے سنئے۔

علامہ سرفراز صاحب نے اس دلیل سے گلو خلاصی کے لیے جوابِ اول میں تین

سہارے لیے اول یہ موقوف ہے۔ دوم ضعیف ہے، سوم خبر واحد ہے اور باب عقائد میں اس کا اعتبار نہیں۔

امر سوم یعنی آخری سہارے اور تیسری بنیاد کی لغویت قبل ازیں اکابرین کی تصریحات سے واضح ہو چکی کہ عقائد دونوں طرح کے ہوتے ہیں قطعی و یقینی بھی اور ظنی و جزمی بھی اور صرف قسم اول کے لیے قطعی اولہ درکار ہوتے ہیں جبکہ قسم الثانی عام مخصوص لبعض، نص مؤول اور اخبار آحاد سے بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ لہذا یہ سراسر لغو عذر اور بے بنیاد بہانہ ہے اور دنیا کے علم و تحقیق میں پرکاہ کے برابر بھی اس کی اہمیت نہیں ہے۔

امر دوم کے متعلق معروض خدمت ہے کہ اس میں بھی علامہ صاحب نے مغالطہ دہی اور فریب کاری سے کام لیا کیونکہ ضعف سند سے علی الاطلاق متن حدیث کا ضعف لازم نہیں آتا بلکہ اس کا درجہ حسن یا درجہ صحیح میں ہونا بھی درست ہو سکتا ہے کیونکہ تمام سندوں کے احاطہ کا دعویٰ تو متعذر رہے تو عین ممکن کہ ان سندوں کے علاوہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہو یا کتاب اللہ سے یا سنت صحیحہ سے اجماع سے اس کے مضمون و مفہوم کی تائید و تصدیق ہو جائے تو بھی صحیح لغیرہ بن جائے گی نیز ضعیف حدیث جب متعدد طریق اور اسنادات کے ساتھ ثابت ہو تب بھی حسن لغیرہ بن جاتی ہے لہذا علامہ صاحب نے جواب کی دوسری شق میں کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں کیا

اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو

۱۔ یہ روایت امام بخاری نے الادب المفرد میں ذکر فرمائی ہے اور اس کی سند یہ ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو نَعِيمٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ
عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَ رَجُلٌ ابْنَ
عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ أَذْكَرُ أَحَبَّ
النَّاسِ عَلَيْكَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ رضي الله عنه (۱)

لیکن اس سند میں علامہ صاحب کے مجروح راوی موجود نہیں ہیں، لہذا ان سندوں کے ضعیف ہونے کے باوجود حدیث کے متن میں ضعف لازم نہیں آ سکتا

کیونکہ قابل وثوق اور معتمد علیہ راویوں سے بھی یہ مضمون اور متن حدیث مروی و منقول ہے اور خود علامہ صاحب نے بھی ”الادب المفرد“ کا حوالہ دیا ہے مگر سند پر جرح و قدح سے گریز کیا اور حدیث پر دیگر سندوں میں ضعف بیان کر کے ضعف کا حکم بھی لگا دیا، جو بددیانتی کی بدترین مثال ہے۔

۲۔ تعدد طرق سے ضعیف روایت بھی درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے اور تین سندیں تو علامہ صاحب نے خود تسلیم کیں اور چوتھی سند الادب المفرد کی ہے جو ان اعتراضات سے بھی منزہ و مبرا ہے لہذا اب بھی ضعف کا حکم بے جواز اور سراسر تحکم اور سینہ زوری ٹھہرا۔

۳۔ (الف) قبل ازین ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ (۱)

(رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو)

فرما کر واضح کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو پکارنا ممنوع نہیں ہے لہذا قریب و بعید کے لیے یا رسول اللہ یا نبی اللہ کے القاب سے پکارنا جائز ہے بلکہ حالت حیات اور بعد از وصال بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے

(ب) تشہد میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کے صیغوں سے سلام پیش کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ اور اس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع و اتفاق بلکہ تمام اعصار و ازمان میں جملہ ممالک اسلامیہ میں اس پر عمل دائمی اس انداز تسلیم اور اسلوب ذکر کے جواز و اباحت کی بین برہان ہے لہذا جب کتاب سنت اور اجماع سے اس کی تائید و تصدیق ہو گئی ہے تو متن کی صحت و قوت کے متعلق چوں چوں کی قطعاً گنجائش باقی نہیں رہ جاتی اور مدار استدلال متن حدیث ہوتا ہے سند تو صرف طریقہ ثبوت ہے۔

۴۔ امام بخاری اور امام ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق السنی اور امام نووی و دیگر علماء

اعلام نے ان روایات کو نقل کیا اور پاؤں وغیرہ سن ہو جانے کی صورت میں کیا کہنا چاہیے اور کیا چارہ اور حیلہ اور کون سی تدبیر اور طریق کار کارگر اور مؤثر ہو سکتا ہے اس کو بیان کیا تو صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ ذکر اور تدبیر اس عارضہ میں خلاصی سے مؤثر ہے۔ اگر مضمون حدیث ان کے نزدیک صحت و قوت کے درجہ میں نہ ہوتا تو اس سے استدلال کیوں کرتے بلکہ ان پر اس سے اجتناب لازم ہوتا تا کہ غلط عقیدہ اور فاسد نظریہ میں لوگوں کو مبتلا کرنے کا بارگراں ان کے سر نہ آسکتا لیکن جب اس مضمون و مفہوم پر مشتمل روایت کو ذکر بھی کیا اور اس سے استدلال بھی کیا اور اس مفسدہ کو بالکل خاطر میں نہ لائے جس نے علماء دیوبند کو مضطرب اور بے چین کر رکھا ہے تو معلوم ہو گیا کہ وہ حضرات اس مضمون کی صحت و قوت پر مطمئن تھے اور قبل ازیں امام نووی کا قول گزر چکا جس سے ان کے ہاں اس روایت کی تصریح و تقویت واضح ہو جاتی ہے اور امام جزری نے حصن حصین کے مقدمہ میں بھی اس امر کی تصریح کر دی

وَأَخْرَجْتُهُ مِنَ الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ

(کہ میں نے اس کتاب کو صحیح احادیث سے ترتیب دیا ہے)

لہذا اپنے آپ کو ان اکابر سے زیادہ محقق بنانے اور ثابت کرنے کی کوشش لا حاصل ہے اور ناقابل التفات اور نہ ہمارے لیے کسی کا یہ دعویٰ قابل التفات ہے کہ میں اگلے محققین سے تحقیق میں سبقت لے گیا ہوں

نوٹ: امام نووی روز و شب کے اعمال اور اقوال اور وظائف پر مشتمل کتب پر امام نسائی کی کتاب کو فوقیت دیتے ہیں اور اس پر بھی ابن السنی کی کتاب ”عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ“ کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ أَحْسَنُ مِنْهُ وَ أَنْفَسُ وَ أَكْثَرُ فَوَائِدَ كِتَابِ عَمَلِ

الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ لِصَاحِبِهِ الْإِمَامِ أَبِي بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ

إِسْحَاقَ السَّنِّي (إِلَى) لِكُونِهِ أَجْمَعَ الْكُتُبِ فِي هَذَا الشَّنَنِ (۱)

(اور امام نسائی کی کتاب ”عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ“ سے بھی زیادہ حسین، نفیس اور فوائد کے اعتبار سے جو کہ ان کے ساتھی اور مصاحب امام ابو بکر احمد بن محمد اسحق السنی کی ہے کیونکہ وہ اس فن میں تمام تر کتب سے زیادہ جامع ہے)

اور خود امام نووی اور امام شمس الدین جزری جیسے اکابر اور قاضی عیاض جیسے محقق و معتبر علماء کا اس سے استفادہ اور استفادہ اور اس پر اعتماد اور بھروسہ اس کی عمدگی اور قابل وثوق اور پُر اعتماد ہونے کی بین دلیل ہے۔

اور اگر اہل علم کا کسی ضعیف حدیث پر عمل اس کی تقویت کی دلیل بن جاتا ہے (جیسے کہ امام ترمذی کا بیان تقویت میں یہی معمول ہے) تو ایسے اکابر کو نہ صرف عمل کرنا بلکہ اہل اسلام سے عمل کروانا اور اس ذمہ داری کو اپنے سر لینا کیونکہ تقویت کی دلیل نہیں ہوگا۔

امرِ اوّل

علامہ صاحب فرماتے ہیں یہ حدیث مرفوع نہیں ہے موقوف (صحابی کا قول) ہے لہذا اس سے استدلال درست نہیں ہے لیکن علامہ صاحب نے یہاں بھی کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے متعلق کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ شرکیہ اور کفریہ الفاظ استعمال کریں اور نبی اکرم ﷺ سے استغاثہ اور استمداد اور امداد و اعانت اور فریادری کی التجا و درخواست کریں جو کہ شرک اور کفر ہو؟

لہذا جب صحابہ کرام کا یہ معمول ثابت ہو جائے تو یہ اتنا ضروری ہو جائے گا کہ اس کو کفر و شرک قرار دینا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ روافض کا طریقہ تو ہو سکتا ہے سنی بلکہ اصلی سنی کہلانے والوں کا یہ عقیدہ نہیں ہو سکتا اور صرف حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس میں منفرد بھی نہیں بلکہ دیگر صحابہ کرام اور اکابرین سے بھی اس طرح کی نداء پکار ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ عمل صحابہ بیان کرنے کے لیے مرفوع حدیث پیش نہیں کی جاسکتی بلکہ ان پر موقوف حدیث ہی ذکر کی جائے گی اور اگر صحابہ کرام کے عمل پر کوئی شخص مرفوع حدیث کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کے لیے کسی ہسپتال کی خدمات حاصل کرنا ضروری ہیں اور عمل صحابہ کو قابل تقلید نہیں سمجھتا تو اس کا علاج بھی ضروری ہے سرور عالم ﷺ سے مروی ہے

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ (۱)

(میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے)

نیز ان اکابر کے نزدیک اگر موقوف حدیث حجت نہ ہوتی تو مقام استدلال میں اس کو کیوں ذکر کرتے اور جب ایسے اکابر ملت اس کو حجت اور دلیل تسلیم کر لیں تو آج کل کے مولویوں کو انکار کی جرأت کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر ایسے مولوی حضرات کا کہنا مان لیا جائے تو نیا دین تیار کرنا پڑے گا اور دین سابق کو خیر باد کہنی پڑے گی اور ایسے لوگ تو اجماع صحابہ کے بارے میں غیر مقلدین کی طرح انکار حجت کر دیں گے اور اس کو بھی سند اور حجت ماننے سے انکار کر دیں گے کیونکہ وہ بھی بہر حال صحابہ پر ہی موقوف ہو گا مرفوع حدیث تو نہیں بن سکے گی حالانکہ اس کی حجیت کتاب و سنت سے ثابت ہے جیسے کہ فردا ہر صحابی کی اقتداء و اتباع کا جواز بھی احادیث سے ثابت ہے۔ (۲)

(۱) مشکوٰۃ۔ باب الفضائل

(۲) گلشن توحید: ۲۔ ۳۵۷ تا ۳۶۵

فصل:

میرے عینی بک یا سیدی یا رسول اللہ

یا رسول اللہ ﷺ

میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ ہیں

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سمیت تمام امت کا عمل

۱۔ امام دیلمی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے کلمات اذان کا جواب دیتے ہوئے ”أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ کے موقعہ پر

قَبْلَ بَاطِنِ الْأَنْمِلَتَيْنِ السَّبَابَتَيْنِ وَمَسَحَ عَيْنَيْهِ
(اپنی دونوں شہادت کی انگلیوں کے پورے چوم کر آنکھوں سے لگائے)

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيلِي فَقَدْ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي (۱)
(جس نے میرے دوست جیسا عمل کیا اُس کے لیے میری شفاعت ثابت ہوگئی)

۲۔ امام اسماعیل حقی (ت: ۱۱۳۷) امام ابوطالب مکی (ت: ۳۸۷) کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں، حضرت سفیان ابن عیینہ نے بیان کیا۔ دس محرم الحرام بروز جمعہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، نماز جمعہ ادا فرما کر آپ ﷺ ستون کے قریب تشریف فرما ہوئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، حضرت ابو بکر صدیق نے یہ کہتے ہوئے انگوٹھے آنکھوں پر لگائے۔

قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

(یا رسول اللہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ کا اسم گرامی ہے)

آپ ﷺ نے اذان مکمل ہونے کے بعد فرمایا، اے ابوبکر جس نے بھی شوق و محبت سے تجھ جیسا عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادے گا (۱)

۳۔ انہوں نے ہی المحیط کے حوالہ سے لکھا۔ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے حضرت ابوبکر صدیق بھی وہاں تھے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی جب انہوں نے کہا ”أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہوئے کہا

قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
(یا رسول اللہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ کا اسم گرامی ہے)

جب اذان ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا، اے ابوبکر! جو تم نے عمل کیا جو بھی اس طرح کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادے گا (۲)

تاریخ و حکمت

امام اسماعیل حقی (ت: ۱۱۳۷) نے قصص الانبیاء وغیرہ کے حوالے سے لکھا۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو آگاہ کیا میرے حبیب محمد ﷺ کا نور تمہاری صلب میں ہے اور میں انہیں تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں مبعوث کروں گا۔

فَسَأَلَ لِقَاءَ مُحَمَّدٍ ﷺ

(تو انہوں نے حضور ﷺ کی زیارت کے لیے عرض کیا)

تو اللہ تعالیٰ نے نور محمدی ﷺ کو ان کی انگلی شہادت اور بعض روایات کے مطابق ان کے انگوٹھوں میں منتقل کیا۔

فَقَبَّلَ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ظَفْرِي إِبْرَاهِيمَ وَمَسَحَ
عَلَى عَيْنَيْهِ

(تو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چومے اور

(۱) روح البیان: ۷-۲۷۲

(۲) روح البیان: ۷-۲۷۱

اپنی آنکھوں سے لگائے)

حضور ﷺ کو سیدنا جبریل امین علیہ السلام نے جب اس واقعہ کی اطلاع کی تو آپ ﷺ نے فرمایا

مَنْ سَمِعَ إِسْمِي فِي الْأَذَانِ فَقَبَّلَ ظَفْرِي إِبْهَامِيهِ
وَمَسَحَ عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمُ أَبَدًا

(جس نے حضور ﷺ کا نام اذان میں سنا اور اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا وہ کبھی نابینا نہیں ہوگا)

امام موصوف نقل کر کے لکھتے ہیں

فَصَارَ أَضْلًا لِذُرِّيَّتِهِ (۱)

(تو یہ ان کی اولاد کے لیے اصل و دلیل ہے)

اعتراض اول۔ روایت ضعیف ہے

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ امام عبد الرحمن سخاوی (ت: ۹۰۳) نے نقل کر کے لکھا

لَا يَصِحُّ (۲)

(یہ روایت صحیح نہیں ہے)

جواب:

حدیث کی تین اقسام ہیں۔ صحیح، حسن اور ضعیف۔ اگر کسی روایت کے بارے میں محدثین لکھیں یہ صحیح نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حسن یا ضعیف ہے یعنی عدم صحت سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث حسن یا ضعیف بھی نہ ہو مثلاً محدثین نے درج ذیل روایت

أَكَلَ الطَّيْنِ حَرَامٌ (مٹی کھانا حرام ہے)

کے بارے میں لکھا۔

(۱) روح البیان: ۷-۲۷۲

(۲) المقاصد الحسنہ: ۳۸۴

(یہ روایت صحیح نہیں ہے)

لَا يَصِحُّ

تو اس کے تحت ملا علی قاری (ت: ۱۰۱۴) نے یہی ضابطہ آشکار کرتے ہوئے لکھا۔

لَا يَلْزَمُ مِنْ عَدَمِ صِحَّتِهِ نَفْيُ وَجُودِ حُسْنِهِ وَضَعْفِهِ (۱)

(روایت کے عدم صحت سے اس کے حسن و ضعیف ہونے کی نفی لازم نہیں آتی)

دوسرے مقام پر شرب زمزم کی فضیلت پر دال روایت کے بارے میں لکھا اسے موضوع نہیں کہا جاسکتا ہاں ضعیف ہو سکتی ہے اگرچہ امام سخاوی نے اس کے بارے میں لکھا کہ یہ صحیح نہیں۔

لَا يُنَافِي الضُّعْفُ وَالْحُسْنُ (۲)

(تو یہ اس کے ضعیف و حسن ہونے کے مخالف و منافی نہیں ہے)

بعینہ یہی بات ہم زیر بحث روایت کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ امام سخاوی نے اس کے بارے میں لکھا کہ یہ صحیح نہیں ہے تو اس سے اس کا حسن اور ضعیف نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اگر اسے ضعیف قرار دیا جائے تو پھر بھی حسب ضابطہ فضائل اعمال میں اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

اعتراض ثانی: مرفوع نہ ہونا

دوسرا اعتراض یہ کیا جاسکتا ہے کہ امام سخاوی نے یہ لکھا کہ

لَا يَصِحُّ فِي الْمَرْفُوعِ مِنْ كُلِّ هَذَا شَيْءٍ (۳)

(اس مسئلہ میں کوئی صحیح مرفوع روایت موجود نہیں)

جواب:

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کو مرفوع کہا جاتا ہے اور صحابہ کے قول کو موقوف امام سخاوی کا مقصد اسی بات کو آشکار کرنا ہے کہ اس سلسلہ میں حضور ﷺ کا کوئی ارشاد گرامی درجہ صحت پر نہیں گویا وہ کہنا چاہتے ہیں جو ثابت ہے اس میں ضعیف ہے اور

(۱) الموضوعات الکبیر: ۶۶

(۲) الموضوعات الکبیر: ۲۳۶

(۳) القاصد الحسنہ: ۳۸۴

ہمیں اس سے انکار نہیں مگر پیچھے آچکا ہے کہ اس سے استدلال درست ہے۔
امام اسماعیل حقی (ت: ۱۱۳۷) نے یہی اصولی گفتگو کرتے ہوئے لکھا۔

قَالَ الْإِمَامُ الشَّخَاوِيُّ فِي الْمَقَاصِدِ الْحَسَنَةِ إِنَّ
هَذَا الْحَدِيثَ لَمْ يَصِحَّ فِي الْمَرْفُوعِ . . . يَقُولُ
الْفَقِيرُ قَدْ صَحَّ عَنِ الْعُلَمَاءِ تَجْوِيزُ الْأَخْذِ بِالْحَدِيثِ
الضَّعِيفِ فِي الْعَبَلِيَّاتِ فَكَوْنُ الْحَدِيثِ الْمَذْكُورِ
غَيْرَ مَرْفُوعٍ لَا يَسْتَلْزِمُ تَرْكَ الْعَمَلِ بِمَضْمُونِهِ

(امام سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں لکھا یہ حدیث بطور مرفوع صحیح نہیں
--- فقیر کہتا ہے علماء کے نزدیک اعمال میں حدیث ضعیف سے
استدلال صحیح ہوتا ہے تو حدیث مذکور کا مرفوع نہ ہونا اس کے مضمون پر عمل
سے مانع نہیں)

اس پر عمل علماء و فقہاء اور صوفیہ کے حوالہ دیتے ہوئے لکھا

وَ كَفَانَا كَلَامَ الْإِمَامِ الْبَيْهَقِيِّ فِي كِتَابِهِ فَإِنَّهُ قَدْ شَهِدَ
الشَّيْخُ الشُّهُرُورِيُّ فِي عَوَارِفِ الْمَعَارِفِ بِوُفُورِ
عَلَيْهِ وَ كَثْرَةِ حِفْظِهِ وَقُوَّةِ حَالِهِ (۱)

(اور ہمارے لیے امام (ابوطالب) کی کتاب میں گفتگو ہی کافی ہے
کیونکہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں ان کے
وفور علم، کثرت حفظ اور قوت حال کی گواہی دی ہے)

موقوف ہی مان لیں

ہم اسے موقوف ہی مان لیتے ہیں تو کیا صحابی کا قول حجت نہیں ہوتا جبکہ تمام امت کا
اتفاق ہے صحابی کا غیر اجتہادی قول حکم مرفوع میں ہوتا ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی (ت: ۸۵۲) لکھتے ہیں

مِثَالُ الْمَرْفُوعِ مِنَ الْقَوْلِ حُكْمًا مَا يَقُولُ الصَّحَابِيُّ

مَا لَا فَجَالَ لِإِجْتِهَادِ فِيهِ (۱)

(جب صحابی ایسی بات کہے جو اجتہادی نہ ہو تو وہ بھی مرفوع کے حکم میں ہی

ہوتی ہے)

حضرت ملا علی قاری (ت: ۱۰۱۴) نے زیر بحث روایت کے تحت امام سخاویؒ کی گفتگو اور مذکور اصول بیان کر کے معاملہ آشکار کر دیا۔ ملاحظہ کیجیے۔

قَالَ السَّخَاوِيُّ وَ كُلُّ مَا يُرْوَى فِي هَذَا فَلَا يَصِحُّ
رَفْعُهُ الْبَيِّنَةُ

(امام سخاوی نے لکھا اس مسئلہ میں جو کچھ مروی ہے اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں)

اس پر لکھا

قُلْتُ 'وَ إِذَا ثَبَتَ رَفْعُهُ عَلَى الصِّدِّيقِ فَيَكْفِي الْعَمَلُ
بِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي
وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ

(میں کہتا ہوں کہ جب یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے تو

عمل کے لیے اتنا کافی ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد عالی ہے تم پر میرا

طریقہ اور خلفاء راشدین کا طریقہ لازم ہے)

حضرت کی اگلی بات بھی سن لیجیے

قِيلَ لَا يُفْعَلُ وَلَا يُنْهَى وَغَرَابَتُهُ لَا تَخْفَى عَلَى ذَوِي

الموضوعات الكبير: ۲۱۰

النَّهْيِ (۲)

(بعض نے کہا نہ کیا جائے اور نہ اس سے منع کیا جائے لیکن اس بات کا

عجیب ہونا اہل شعور پر مخفی نہیں)

علماء کا عمل

یاد رہے امت کے اہل علم کا عمل بھی نہایت ہی اعلیٰ مقام رکھتا ہے اس سے بھی

(۱) نزہۃ النظر: ۵۲۸

(۲) الموضوعات الكبير: ۲۱۰

ضعیف حدیث کو تقویت ملتی ہے جبکہ بعض اوقات اہل علم و فضل کا عمل ہی کافی ہوتا ہے عظیم محدث مولانا احمد رضا خان قادری (ت: ۱۳۴۰) رقمطراز ہیں

پھر خادم حدیث پر روشن اصطلاح میں نفی صحت، نفی حسن کو بھی مستلزم نہیں نہ کہ نفی صلاح و تماسک و صلوح تمسک نہ کہ دعویٰ وضع کذب، تو عند التحقیق ان احادیث پر جیسے با اصطلاح محدثین حکم صحت نہیں یونہی حکم وضع و کذب بھی ہرگز مقبول نہیں بلکہ بتصریح ائمہ فن کثرت طرق سے جبر نقصان متصور اور عمل علماء و قبول قدماء حدیث کے لیے قوی، دیگر اور نہ سہی تو فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول اور اس سے بھی گزریے تو بلاشبہ یہ فعل اکابرین سے مروی و منقول اور سلف صالح میں حفظ صحت سے بھرپور روشنائی چشم کے لیے مجرب و معمول ایسے عمل پر بالفرض اگر کچھ نہ ہو تو اس قدر سند کافی لیکن اصلاً نقل بھی نہ ہو تو صرف تجربہ وانی کہ آخر اس میں کسی حکم شرعی کا ازالہ نہیں نہ کسی سنت ثابتہ کا خلاف اور نفع حاصل منع باطل۔ (۱)

یعنی جب اہل علم و فضل اس پر عمل کر کے برکات حاصل کرتے رہے تو ہمیں انکار کا حق نہیں کیونکہ وہ یقیناً ہم سے احادیث کے بارے میں زیادہ علم رکھتے ہیں۔

چند اسلاف کا عمل

یہاں ہم چند مسلمہ ہستیوں کا یہ عمل بھی نقل کر دیتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا عمل

پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا عمل مبارک آچکا ہے جس کے بارے میں اہل علم نے فرمایا

فَصَارَ أَصْلًا لِدُرِّيَّتِهِ (۲)
(یہ ان کی اولاد کے لیے دلیل ہے)

حضرت خضر علیہ السلام کا قول

امام ابو عباس احمد بن ابوبکر المراد ایمانی نے ایسی سند کے ساتھ نقل کیا جس میں

(۱) فتاویٰ رضویہ: ۵-۲۳۱

(۲) روح البیان: ۷-۲۷۲

انقطاع اور راوی مجہول ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اذان کے کلمات ”أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ سن کر یہ کہا کرو حضرت محمد ﷺ مرحبا آپ میرے حبیب اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں

ثُمَّ يُقْبَلُ إِبْهَامِيهِ وَيَجْعَلُهَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَزْمَدْ أَبَدًا (۱)
(پھر دونوں انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھو تو آنکھیں کبھی نہ دکھیں)

امام سید احمد طحاوی (ت: ۲۰۳۱) پہلے حدیث کا پھر اس عمل کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

وَكَذَا رَوَى عَنِ الْخَضِرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَبِمِثْلِهِ يُعْمَلُ
فِي الْفَضَائِلِ (۲)

(حضرت خضر علیہ السلام سے بھی اسی طرح مروی ہے اور ایسی روایت پر فضائل میں عمل کیا جاسکتا ہے)

امام حسن رضی اللہ عنہ کا قول

نواسہ رسول امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا ارشاد گرامی ہے جب مؤذن سے ”أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ سنو تو کہو ”وَقُرَّةُ عَيْنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ﷺ“

وَيُقْبَلُ إِبْهَامِيهِ وَيَجْعَلُهَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمِدْ وَلَمْ
يَزْمَدْ (۳)

(اور اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے تو وہ کبھی اندھانہ ہوگا اور نہ ہی آنکھیں دکھیں گی)

امام سخاوی نے متعدد بزرگوں کا یہ معمول اور تجربہ نقل کیا ہے۔

فقہاء اُمت اور قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

اسی لیے فقہاء اُمت نے اپنی کتب میں اس عمل کو مستحب قرار دیا ہے۔

(۱) موجبات الرحمة وعزائم المغفرة

(۲) حاشیہ علی المراتی الفلاح - ۱۱۱

(۳) المقاصد الحسنة: ۳۸۴

۱۔ امام سید احمد طحطاوی (ت: ۱۳۲۰) نے باب الاذان میں فائدہ کے عنوان کے تحت قہستانی کے حوالہ سے لکھا کہ کنز العباد میں ہے جب مؤذن سے اشہد ان محمدا رسول اللہ کے کلمات سنیں تو پہلی دفعہ کہیں

صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ
(یا رسول اللہ ﷺ آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہو)

اور دوسری دفعہ سن کر یہ پڑھیں۔

قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللهِ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ
وَالْبَصْرِ بَعْدَ وَضْعِ اِيْهَا مِيْهِ عَلٰى عَيْنَيْهِ فَاِنَّهُ ﷺ
يَكُوْنُ قَائِدًا اِلَى الْجَنَّةِ

(یا رسول اللہ! آپ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اپنے دونوں انگوٹھے
آنکھوں پر رکھ کر کہیے اے اللہ! میرے سمع و بصر میں اضافہ فرما تو ایسے
آدمی کو حضور ﷺ جنت میں لے جائیں گے)

اس پر مذکور حدیث کا حوالہ دیا

وَذَكَرَ دَيْلَمِيٌّ فِي الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ
رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا مِنْ مَسْحِ الْعَيْنِ (۱)
(اور امام دیلمی نے الفردوس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے
فرمان نبوی ذکر کیا جس نے آنکھوں پر انگوٹھے رکھے)

۲۔ امام محمد امین ابن عابدین شامی (ت: ۱۲۵۲) نے تترہ عنوان کے تحت یہی گفتگو
لکھی۔ ان کے الفاظ ہیں

يَسْتَحِبُّ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأُولَى مِنَ الشَّهَادَةِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا
قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللهِ

(مستحب یہ ہے کہ اذان کی پہلی شہادت سن کر پڑھا جائے صَلَّى اللهُ

عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اور دوسری مرتبہ پڑھا جائے یا رسول اللہ آپ
میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں)

اس پر کنز العباد اور فتاویٰ صوفیہ کا حوالہ دیا پھر کتاب الفردوس سے حدیث نبوی

ذکر کی (۱)

۳۔ نقایہ کے شارح نے اسے مستحب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے

وَاعْلَمُ أَنَّهُ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأُولَى
مِنَ الشَّهَادَةِ الثَّانِيَةِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرَّةٌ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (۲)
(واضح رہے اذان میں اولاً شہادت رسالت کے جواب میں یہ کہنا مستحب
ہے صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ دوسری مرتبہ کے جواب میں
یوں کہا جائے قرۃ عینی بک یا رسول اللہ)

۴۔ مولانا عبدالحی لکھنوی (ت: ۱۳۰۴) سے اذان سن کر انگوٹھے چومنے کے
بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے تفصیل کے ساتھ اس پر لکھا۔ سوال و جواب
دونوں ملاحظہ کیجیے

سوال:

(ناخنہائے ہر دو دست بر چشم نھادن ہنگام شنیدن نام آن سرور
کائنات ﷺ در اذان چه حکم دارد)
(اذان میں سرور عالم ﷺ کا نام سن کر دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کے
ناخن آنکھوں سے لگانے کا کیا حکم ہے؟)

جواب:

(بعضے فقہاء مستحب نوشتہ اندو حدیثی ہم دریں باب نقل مے سازند مگر صحیح
نیست و در امر مستحب فاعل و تارک ہر دو قابل ملامت و تشنیع نیستند در جامع

(۱) فتاویٰ شامی: ۲-۸۴

(۲) فتاویٰ رضویہ: ۵، ۵۳۵

(الرموزے آرد)

إِعْلَمُ أَنَّهُ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأَوَّلِ مِنَ
الشَّهَادَةِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعِنْدَ سَمَاعِ
الثَّانِيَةِ قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ثُمَّ يُقَالَ اللَّهُمَّ
مَتَّعِنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَبَعْدَهُ وَضَعَ ظَفْرِي الْيَدَيْنِ
عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَإِنَّهُ ﷺ يَكُونُ قَائِدًا إِلَى الْجَنَّةِ كَذَا
فِي كَنْزِ الْعِبَادِ (۱)

(بعض فقہاء نے اس عمل کو مستحب قرار دیا ہے اور اس بارے میں حدیث نقل کی ہے لیکن وہ صحیح نہیں مستحب پر عمل یا اسے ترک کرنے والے پر کوئی طعن و ملامت نہیں ہوتا جامع الرموز میں ہے اول شہادت رسالت سن کر کہا جائے صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اور دوسری دفعہ سن کر کہا جائے۔ قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ پھر کہا جائے اے اللہ میرے سمع و بصر میں اضافہ فرما اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے جائیں کیونکہ ایسے آدمی کو حضور ﷺ جنت میں لے جائیں گے، کنز العباد میں بھی اسی طرح ہے۔)

۵۔ علامہ عبدالشکور لکھنوی دہلوی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

اذان سننے والے کو مستحب ہے کہ پہلی مرتبہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللَّهِ سنے تو یہ بھی کہے صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اور جب دوسری مرتبہ سنے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو آنکھوں پر رکھ کر کہے

”قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اللَّهُمَّ مَتَّعِنِي بِالسَّمْعِ
وَالْبَصَرِ“ (۲)

۶۔ مشہور حنفی عالم مولانا احمد رضا قادری (ت: ۱۳۴۰) نے اس مسئلہ پر مستقل

کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الایہامین (انگوٹھے چومنے کی

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ مع خلاصۃ الفتاویٰ: ۱-۸۳

(۲) علم الفقہ: ۲-۱۵۹

برکت سے آنکھوں کا روشن رہنا) لکھی ہے اس میں حدیثِ ضعیف پر جو گفتگو کی ہے وہ انہی کا حصہ ہے اس کے متعلق سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں۔

حضور پر نور شفیع یوم النشور صاحب لولاک ﷺ کا نام پاک اذان میں سنتے وقت انگوٹھے یا انگشتان شہادت چوم کر آنکھوں سے لگانا قطعاً جائز جس کے جواز پر مقام تبرع میں دلائل کثیرہ قائم اور خود اگر کوئی دلیل خاص نہ ہوتی تو منع پر شرع سے دلیل نہ ہونا ہی جواز کے لیے دلیل کافی تھا۔ جو ناجائز بتائے ثبوت دینا اس کے ذمہ ہے کہ قائل جواز متمسک باصل ہے اور متمسک باصل محتاج دلیل نہیں پھر یہاں تو حدیث و فقہ و ارشاد علماء محدثین اس باب میں حضرت خلیفہ رسول ﷺ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ و حضرت ریحانہ رسول ﷺ سیدنا امام حسن و حضرت نقیب اولیاء رسول ﷺ سیدنا ابو عباس خضر علی الحبیب الکریم علیہم جمیعاً الصلوة والسلام وغیرہم اکابر دین سے حدیثیں روایت فرمائیں۔ جس کی تفصیل امام علامہ شمس الدین سخاویؒ نے کتاب مستطاب ”مقاصد حسنہ“ میں ذکر فرمائی اور جامع الرموز شرح نقایہ مختصر الوقایہ فتاویٰ صوفیہ و کنز العباد و رد المختار حاشیہ در مختار وغیرہا کتب فقہ میں اس فعل کے استحباب و استحسان کی صاف تصریح آئی ان میں اکثر کتابیں خود مانعین اور ان کے اکابر و عمائد مثل متکلم قنوجی وغیرہ کے مستندات سے ہیں اور ان حدیثوں کے بارے میں ان محدثین کرام و محققین اعلام نے جو تصحیح و تضعیف و تخریح و توثیق میں دائرہ اعتدال سے نہیں نکلتے اور راہ تسائل و تشدد نہیں چلتے حکم اخیر و خلاصہ بحث و تنقیر یہ قرار دیا کہ خود حضور اقدس ﷺ سے جو حدیثیں یہاں روایت کی گئیں باصطلاح محدثین درجہ صحت کو فائز نہ ہوئیں۔ مقاصد میں فرمایا۔

لَا يَصِحُّ فِي الْمَرْفُوعِ مِنْ كُلِّ هَذَا شَيْءٌ (۱)

(بیان کردہ مرفوع حدیث میں کوئی بھی درجہ صحت پر فائز نہیں)

مولانا ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں

كُلُّ مَا يُرْوَى فِي هَذَا فَلَا يَصِحُّ رَفْعُهُ الْبَتَّةَ (۲)

(اس بارے میں جو بھی روایات بیان کی گئیں ہیں ان کا مرفوع ہونا حتمی

(۱) المقاصد الحسنہ: ۳۸۵

(۲) الموضوعات الکبریٰ: ۲۱۰

طور پر صحیح نہیں)

علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی ردالمختار میں علامہ اسماعیل جراحی سے نقل فرماتے ہیں۔

لَمْ يَصِحُّ فِي الْمَرْفُوعِ مِنْ كُلِّ هَذَا شَيْءٌ (۱)

(بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی درجہ صحت پر فائز نہیں)

پھر خادم حدیث پہ روشن کہ اصطلاح محدثین میں نفی صحت نفی حسن کو مستلزم نہیں نہ نفی صلاح و تمسک و صلوح تمسک دعوی وضع کذب تو ہذا للتحقیق ان احادیث پر جیسے با اصطلاح محدثین حکم صحت نہیں یونہی حکم وضع کذب بھی ہرگز مقبول نہیں۔ (۲)

وجہ لڑائی۔ کم علمی

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے ارشاد الہی ”إِنَّ اللَّهَ وَ مَلَكَّتَهُ يُصَلُّونَ“ کی تفسیر میں مذکور عبارات کتب خصوصاً روح البیان کا خلاصہ لکھا اور آخر میں تحریر کیا۔

لَقَدْ فَضَّلْنَا الْكَلَامَ وَ أَطَوَّلْنَا لِأَنَّ بَعْضَ النَّاسِ

يُنَازِعُ فِيهِ لِقَلَّةِ عَلَيْهِ (۳)

(ہم نے اس مسئلہ پر تفصیلی اور طویل گفتگو اس لیے کر دی ہے کہ کچھ لوگ

علم میں کمی کی وجہ سے اس میں دوسروں سے لڑتے ہیں)

لہذا ہمیں لڑائی چھوڑ کر اپنی کم علمی کے ازالہ میں لگ جانا چاہیے تاکہ امت میں

اتحاد پیدا ہو جائے اگر یا رسول اللہ کہنا شرک و کفر ہوتا تو یہ تمام اہل علم اس سے منع کرتے نہ کہ امت کو کہنے کی تعلیم دیتے۔

(۱) ردالمختار: ۳-۵۸

(۲) فتاویٰ رضویہ: ۵-۲۳۰

(۳) حاشیہ جلالین: ۳۵۷

فصل:

جوزیہ رسول اللہ ﷺ اور علماء نجد و دیوبند

ہم اس فصل میں کچھ علماء نجد و دیوبند کے حوالہ جات انہی کی کتب سے نقل کر دیتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔

علماء دیوبند کے پیرومرشد اور ”یار رسول اللہ“

دیوبند بلکہ دونوں دیوبندی و بریلوی علماء کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے کئی مقامات پر اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے جو ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ایک مقام پر ہے۔
”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ بصیغہ خطاب میں بعض لوگ کلام کرتے ہیں یہ اتصال معنوی پر مبنی ہے ﴿لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (۱) عالم امر مقید بجهت بعد و قرب نہیں ہے پس اس کے جواز میں شک نہیں (۲)

زیارت رسول ﷺ کا وظیفہ

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی زیارت رسول ﷺ کے لیے یہ وظیفہ لکھتے ہیں جسے

دیدار نصیب نہ ہو

(صورت مثالیہ آنحضرت را تصور نمود و درود خواند و بطرف راست یا احمد و چپ یا محمد و دردل محمد رسول اللہ ضرب کند ہزار بار بگوید علانیہ یا در خواب از دولت دیدار مبارک مشرف شود) (۳)

(وہ آپ ﷺ کی مثالی صورت کا تصور کر کے درود شریف پڑھے ہزار مرتبہ دائیں بائیں طرف یا احمد، یا محمد اور دل میں رسول اللہ ﷺ کی

(۱) الاعراف: ۵۴ (۲) شمائل امدادیہ، ۵۰

(۳) ضیاء القلوب، ۵۸

ضرب لگائے بیداری یا خواب میں اسے دیدار مبارک کی دولت نصیب ہوگی)
 مقدس و مبارک محافل میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بارے میں کہتے ہیں
 اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے مضائقہ نہیں کیونکہ عالم خلق مقید بزمان
 و مکان ہے لیکن عالم امر زمان و مکان دونوں سے پاک ہے پس روضہ انور میں جلوہ گر
 ہوتے ہوئے قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں (۱)

یا رسول اللہ اور شیخ رشید احمد گنگوہی

شیخ رشید احمد گنگوہی سے سوال ہوا کچھ لوگ اس مضمون کے اشعار پڑھتے ہیں
 یا رسول کبریا فریاد ہے یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
 تو اس کے جواب میں لکھتے ہیں

ایسے الفاظ پڑھنے محبت اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو
 مطلع فرماد یوے یا محض محبت میں بلا کسی خیال کے جائز ہیں۔ (۲)

شیخ سرفراز خان صفدر گکھڑوی

شیخ سرفراز خان صفدر کہتے ہیں

اگر کوئی شخص محض عشق اور محبت کے نشہ میں سرشار ہو کر ”یا رسول اللہ“ اور ”یا نبی
 اللہ“ کہے تو بالکل جائز اور صحیح ہے ہم اور ہمارے اکابر اس کے قائل ہیں مگر آپ کو
 حاضر و ناظر ہو کر استمداد اور استعانت کے طور پر یا رسول اللہ کہنا جائز نہیں ہے (۳)

”یا محمد“ اور شیخ اشرف علی تھانوی

شیخ اشرف علی تھانوی (ت: ۱۳۶۲) نے اپنے مرید مولوی محمد اسحاق کانپوری کو ایک
 وظیفہ بتایا جس کی تاثیر ٹھنڈی اور وہ گرمی سے محفوظ کر دے، مولوی محمد اسحاق کانپوری سے سنیے۔
 اس سے قبل خاصہ مجھ سے (تھانوی صاحب نے) فرمایا کہ چونکہ آج کل گرمی

(۱) ضیاء القلوب، ۵۸،

(۲) فتاویٰ رشیدیہ، ۹۴،

(۳) تبرید النواظر: ۱۷۱

ہے اس لیے تم کو پاس انفاس (ذکر) بتاتا ہوں جس کی غالب تاثیر سرد ہے تاکہ گرمی میں تکلیف نہ ہو وہ یہ ہے کہ جب سانس اندر جائے تو ”صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ“ اور جب باہر آئے تو ”صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ“۔ زبان تالو سے لگا کر خیال سے کہا کرو، پاس انفاس میں سانس طبعی طور پر چلتے رہنا چاہیے قصداً سانس لینے سے بعض امراض پیدا ہوتے ہیں (۱)

(مبادی التصوف)

پیچھے تفصیل کے ساتھ حدیث نابینا گزری جس میں یا محمد کی تعلیم خود رسول اللہ ﷺ نے دی تھی اس حدیث سے موصوف استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں آپ ﷺ کا نام لے کر بلا نامناسب نہیں، ہاں اگر

يَنْتَفِي هَذَا النَّهْيُ لِإِنْتِفَاءِ الْعِلَّةِ إِذَا اقْتَرَنَ بِهِ مَا
يَقْتَضِي التَّعْظِيمَ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ مِنْ تَعْلِيهِهِ ﷺ
ضَرِيحًا قَوْلُهُ يَا مُحَمَّدُ (۲)

(کوئی قرینہ تعظیم ساتھ ہو تو پھر ممانعت ختم ہو جائے گی جیسے کہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے خود ایک نابینے کو یا محمد سے نداء کی تعلیم دی)

شیخ اشرف علی تھانوی کا استغاثہ

مولانا اشرف علی تھانوی حضور ﷺ سے ان الفاظ میں استغاثہ کرتے ہیں

يَا شَفِيعَ الْعِبَادِ خُذِي أُنْتِ فِي الْإِضْطِرَارِ مُعْتَمِدِي (۳)
(اے بندوں کے شفیع میری دستگیری فرما، مصیبت میں آپ ہی میرا سہارا ہیں)

وعظ اور یا رسول اللہ کہنا

تھانوی صاحب لکھتے ہیں

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ وعظ سے پہلے جب تک پوری توجہ اور حضور قلب کے ساتھ نہ کہہ لیں ”یا رسول اللہ میں اجازت چاہتا ہوں کہ آپ کی نیابت میں کچھ بیان

(۱) نظام القلوب، ۱۰۔ طبع مجتبیٰ دہلی

(۲) امداد الفتاویٰ: ۲-۳۸۹

(۳) نشر الطیب، ۱۸۶

کروں“ اس وقت تک وعظ نہ کہیں اور یہ اس لیے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور احباب یعنی علماء اولیاء، باطنی طریقہ سے ہماری امداد کریں پھر ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے بیان میں الجھن یا الغزش یا رکاوٹ نہ ہوگی (۱)

شیخ خلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں

اقول، سائل، کی مراد اس سے یہ تھی کہ نداء اور خطاب تو سب لغات میں حاضر موجود کے واسطے موضوع ہے سوا شعار و مدح میں جو نداء و خطاب پڑھا جاتا ہے اگر ذات فخر عالم کو حاضر و ناظر بالذات کوئی عقیدہ کرے تو مشرک ہوتا ہے اور اگر یہ عقیدہ نہیں بلکہ محض محبت میں کہتا ہے یا بوجہ اسی کے کہ اگر ضمن صلوة و سلام میں ہے تو ملائکہ آپ تک پہنچادیں گے اور جو بدون اس کے ہے وقت عرض اعمال کے پیش ہو جائے گا تو جائز ہے مگر چوں کہ اس مجمع میں سفہا اور اہل بدعت کہ تمام اولیاء تک کی نسبت ان کا عقیدہ عالم بالذات ہونے اور متصرف بالذات ہونے کا ہے موجود ہوتے ہیں تو بصورت نداء خطاب کے ان کے عقائد کا افساد اور ان کی بدعت و شرک کی تائید ہوتی ہے (۲)

یہاں انہوں نے سراسر زیادتی کی ہے کوئی مسلمان رسول اللہ کو بالذات متصرف نہیں مانتا اہل حدیث فاضل علامہ وحید الزماں اس مسئلہ پر رقمطراز ہیں

قَالَ مَوْلَانَا اسْحَاقُ فِي مِائَةِ مَسَائِلٍ هُنَاكَ فَرْقٌ بَيْنَ
نِدَاءِ النَّبِيِّ وَ نِدَاءِ غَيْرِهِ وَ نِدَاءِ النَّبِيِّ ظَاهِرُهُ الْجَوَازُ
إِذَا كَانَ بِنِيَّةِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ

وَبِهَذَا ظَهَرَ أَنَّ مَا تَقُولُهُ الْعَامَّةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ يَا
عَلِيٍّ أَوْ يَا غَوْثٌ فَمَجْرَدُ النِّدَاءِ لَا مُحْكَمٌ بِشَرِكِهِمْ
كَيْفَ وَقَدْ نَادَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَتْلِي بَدْرٍ يَا فُلَانُ
بُن فُلَانٍ وَ يَا فُلَانُ بِن فُلَانٍ وَ وَرَدَ فِي حَدِيثِ
عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَّجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي

(۱) دعوة الحق - ۱۲۹ از مولانا سید گل بادشاہ فاضل دیوبند

(۲) براہین قاطعہ بجواب انوار ساطعہ: ۲۷

صَحَّحَهُ الْبَيْهَقِيُّ وَالْجَزْرِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ حَدِيثٌ
حَسَنٌ صَحِيحٌ نَعَمْ لَيْسَتْ ثَنِي مِنْ هَذَا النَّبِيِّ إِنْ نَادَاهُ
بِنِيَّةِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ جَائِزٌ لَا مَرِيَّةَ
فِيهِ لِأَنَّهُ قَدْ وَرَدَ الْحَدِيثُ بِأَنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً مُوَكَّلِينَ
يَبْلُغُونِي عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ (۱)

(مولانا اسحاق نے 'سومسائل کے ضمن میں کہا کہ نبی ﷺ کو پکارنے میں اور غیر نبی کو پکارنے میں فرق ہے اور نبی ﷺ کو پکارنا ظاہراً جائز ہے جبکہ صلوة و سلام کی نیت کے ساتھ ہو اور اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ عوام جب یا رسول اللہ یا علی یا غوث اعظم کہتے ہیں تو محض نداء کی وجہ سے ہم ان پر شرک کا فتویٰ نہیں لگائیں گے اور شرک کا فتویٰ لگا بھی کیسے سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے مقتولوں کو یا فلاں بن فلاں اور یا فلاں بن فلاں کے ساتھ نداء دی اور حضرت عثمان بن حنیف کی حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں "يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي" اس حدیث کو بیہقی اور جزری نے صحیح قرار دیا اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا۔ ہاں اس ضابطہ سے نبی ﷺ مستثنیٰ ہیں اگر ان کو صلوة و سلام کی نیت کے ساتھ ندا دی جائے تو بلا شک و شبہ جائز ہے اس لیے کہ حدیث میں یہ بات وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے مقرر ہیں کہ وہ مجھ تک میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں)

محققین نجد اور یا رسول اللہ

یہاں ہم نامور سعودی عالم کا حوالہ دینا چاہتے ہیں جنہوں نے واضح کیا کہ محققین علماء نجد نے کسی جگہ "الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ" سے منع نہیں کیا ہم اسے پس منظر کے ساتھ ذکر کئے دیتے ہیں۔

شیخ حسین احمد مدنی دیوبندی نے نجدیوں کی خلاف کتاب 'الشَّهَابُ

الثَّاقِبُ، لکھی جس میں انہوں نے واضح کیا کہ علماء نجد 'الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ' پڑھنے سے منع کرتے ہیں سعودی عالم شیخ محمود بن عبد اللہ بن محمود التویجری نے تبلیغی جماعت کے خلاف کتاب لکھی اس میں انہوں نے شیخ حسین احمد مدنی کا اس بارے میں جو رد کیا وہ یہ ہے پہلے ان کا اعتراض نقل کیا

إِنَّهُ قَالَ فِي ص ٦٥ مِنْ كِتَابِ الشَّهَابِ الثَّاقِبِ وَقَدْ يُسْمَعُ مِنَ الْوَهَابِيَّةِ إِنَّهُمْ يَمْنَعُونَ عَنِ الْقَوْلِ بِالصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنَعَابَاتًا وَيَنْفِرُونَ مِنْ أَهْلِ الْحَرَمَيْنِ وَيَسْتَهْزِؤُونَ بِهِمْ وَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ

(حسین احمد نے اپنی کتاب الشہاب الثاقب ص ۶۵ پر لکھا ہے وہابیہ الصلاة والسلام عليك يا رسول الله پڑھنے سے سخت منع کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اہل حرمین سے نفرت اور ان سے استہزاء و مذاق کرتے ہیں)

اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ ان کے کلام میں دو احتمال ہیں

اول:

یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہل نجد رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھنے سے منع کرتے ہیں اگر ان کا مقصود یہ ہے تو یہ سوائے جھوٹ و کذب کے کچھ نہیں کیونکہ اہل نجد کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر درود شریف کے بغیر کوئی فرض و نفل نماز ہوتی ہی نہیں۔

دوسرا احتمال: کہ ان کا یہ مقصد ہو

إِنَّ أَهْلَ نَجْدٍ كَانُوا يَمْنَعُونَ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِالْكَيفِيَّةِ الَّتِي ذَكَرَهَا وَهِيَ أَنْ يَقُولَ الْقَائِلُ "الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ"

(کہ اہل نجد رسول اللہ ﷺ پر اس طریقہ سے درود شریف منع کرتے کہ کوئی یوں نہ کہے ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“

اس کے جواب میں لکھا

وَالْمَنْعُ مِنْ هَذِهِ الْكَيْفِيَّةِ فِي الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَمْ أَرَهُ فِي شَيْءٍ مِنْ كُتُبِ الْمُحَقِّقِينَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ وَعَلَى فَرَضٍ وَجُودِهِ فِي بَعْضِ كُتُبِهِمْ فَلَهُ وَجْهُ صَحِيحٌ (۱)

(رسول اللہ ﷺ پہ اس طریقہ سے درود شریف پڑھنے سے ممانعت بندہ نے اہل نجد کے محققین کی کسی کتاب میں نہیں دیکھی اور اگر بالفرض کسی کتاب میں ہو تو ممانعت کی وجہ صحیح موجود ہے)

اس سعودی عالم نے آشکار کر دیا کہ ہم میں سے کسی عالم نے بھی اس طریقہ سے درود شریف پڑھنے سے کبھی کسی کو منع نہیں کیا۔

ایک اور واقعہ

ایک اور واقعہ قاضی زاہد الحسینی دیوبندی کی زبان سے سنئے مرحوم علامہ عبد الحمید الخطیب شیخ الحرم و سابق رکن مجلس شوریٰ حکومت سعودیہ فرماتے ہیں ”جب میں مسجد حرام میں مدرس تھا تو مجھ سے شام کے حاجی نے آکر شکایت کی کہ میں بیت اللہ شریف کے مطاف میں ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کہہ رہا تھا کہ ایک عالم نے جو اپنے آپ کو نجدی ظاہر کرتا ہے روک دیا، میں نے جناب شیخ ابن مانع اور جناب شیخ عبد الظاہر امام مسجد حرام سے پوچھا تو ان دونوں نے فرمایا کہ اس کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، مگر جس نے روکا ہے وہ ان کے خلاف برا بھلا کہہ رہا ہے یہ بات اور اس قسم کی دوسری باتیں لوگوں کی نظر میں وہابیہ نجدیہ کی حقارت کا باعث بنی ہوئی

ہیں کیا واقعی علماء نجدیہ وہابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کہنا حرام ہے؟ تو میں نے اس کو جواب دیا کہ تمام اسلاف
وہابیہ اس سلام کو جائز قرار دیتے ہیں۔ (۱)

فصل:

الصلاة والسلام عليك يا رسول الله

صحابہ کرام معمول

(امام خفاجی کی عبارت کی علمی تحقیق)

امام احمد خفاجی (ت: ۱۰۶۹) کی ایک عبارت ”الْمَنْقُولُ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ فِي تَحِيَّةِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ نَبِيَّ اللَّهِ وَنَحْوَهُ“ ہے کہ صحابہ کرام نماز سے باہر بارگاہ نبوی ﷺ میں جن الفاظ سے سلام تحیہ پیش کیا کرتے ان میں ’الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ‘ بھی ہے اہل علم ہمیشہ اس عبارت کا یہی معنی کرتے آئے یہی وجہ تھی کہ محقق و صحیح کتاب شیخ محمد عبدالقادر عطاء نے اس عبارت کو یوں ضبط کیا۔

وَالْمَنْقُولُ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ فِي تَحِيَّةِ: الصَّلَاةِ

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ وَنَحْوَهُ (۱)

(اور منقول یہ ہے کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام تحیہ یوں

پیش کیا کرتے الصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: الصَّلَاةِ

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ)

انہوں نے تحیہ کے بعد باقاعدہ دو نقطے ڈال کر واضح کیا کہ یہاں قول ختم اور لفظ

’الصَّلَاةِ‘ مقولہ کا حصہ ہے نہ کہ قول کا اور یہی بات درست ہے کیونکہ بالیقین یہ نماز

سے باہر سلام کی مثال ہے نہ کہ نماز کے اندر، جیسے تفصیل آرہی ہے۔

لیکن ہمارے دور کے کچھ لوگوں نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ اس

سے مراد نماز سے باہر کا سلام نہیں بلکہ نماز کے اندر ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“

کہنا مراد ہے یعنی ایک تو لفظ ”الصَّلَاةُ“ صحابہ کے دور کا حصہ نہیں اور دوسرا یہ معاملہ

(۱) نسیم الریاض، ۱۸، ۵، طبع اول ۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۱ دارالکتب العلمیہ بیروت

نماز کے اندر کا ہے نہ کہ باہر کا، یعنی کبھی وہ نماز کے اندر ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کہا کرتے

چونکہ نسیم الریاض کے ایک نسخہ میں ”الصَّلَاةُ“ کے بعد واو کاتب سے رہ گیا تھا لہذا بعض لوگوں نے سطحی مطالعہ کے بعد کہہ دیا کہ عبارت کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ صحابہ نماز کے التحیات میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ وغیرہ کلمات پڑھا کرتے تھے نہ کہ نماز کے باہر۔

ان دنوں بندہ ”یا رسول اللہ“ کہنا اُمت کا متفقہ فیصلہ ہے“ پر لکھ رہا تھا لہذا اس موضوع پر مزید پڑھنے کا موقع ملا تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ یہاں معاملہ نماز کے باہر سلام کا ہے نہ کہ نماز کے اندر کا، جن جن اہل علم نے اس موضوع پر لکھا ہے ان تمام نے ایسی ہی عبارت تحریر کی اور واضح کیا کہ یہ نماز کے باہر سلام کی صورت ہے۔

کافی عرصہ ہوا علامہ غلام رسول سعیدی زید مجدہ نے ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کے جواز پر یہی عبارت یوں تحریر کی۔

صحابہ کرام سے ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کا ثبوت بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ اس درود شریف میں (صلاة و سلام) دونوں جمع ہو جاتے ہیں لیکن یہ درود شریف صحابہ کرام سے ثابت نہیں اس لیے بدعت ہے اس کے جواب میں گزارش ہے کہ یہاں کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ درود شریف صحابہ سے غیر ثابت ہے بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام بھی حضور ﷺ کے حضور ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ پڑھا کرتے تھے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی فرماتے ہیں۔

وَالْمَنْقُولُ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ فِي تَحِيَّةِ الصَّلَاةِ

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (۱)

(منقول ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ پر تحیہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“)

شیخ سرفراز خان صفدر کی گرفت

اس پر شیخ سرفراز خان گکھڑوی نے ان الفاظ سے علامہ سعیدی پر گرفت کی ان کی عبارت من و عن پڑھیے۔

مؤلف مذکورہ نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ”الصلاة والسلام عليك يا رسول الله“ کا ثبوت، اور اس کے ثبوت کے لیے وہ لکھتے ہیں کہ خفاجی الحنفی فرماتے ہیں۔

وَالْمَنْقُولُ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ فِي تَحِيَّةِ الصَّلَاةِ

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (۱) (ذکر بالجہر - ۲۱۲)

(منقول ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کو تحیہ پیش کرتے ہوئے کہتے تھے

الصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ)

الجواب:

پہلے ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کو حاضر و ناظر نہ سمجھے اور یہ سمجھے کہ فرشتے آنحضرت ﷺ کو پہنچاتے ہیں تو ”الصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کے مختصر الفاظ سے بھی درود شریف پڑھ سکتا ہے قبر مبارک کے قریب ہوتب بھی (کہ صحیح احادیث کی رو سے آپ بنفس نفیس خود سنتے ہیں) اور دور سے بھی (کہ حدیث صحیحہ کے پیش نظر فرشتے پہنچاتے ہیں کما مر) اور علامہ سمہودی کا واضح حوالہ اس پر عرض کیا جا چکا ہے لیکن مؤلف مذکور نے علامہ الخفاجی کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی ہے اور اس سے معبود الصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ پر جو استدلال کیا ہے وہ ان کے دجل و تلبیس یا جہالت اور کم فہمی کا زندہ ثبوت ہے علامہ خفاجی نے اس مقام پر خاصی تصریح کے ساتھ یہ بحث کی ہے کہ نماز کے اندر التحیات میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جہاں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ ثابت ہے وہاں ان سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ نماز کے التحیات اور تشہد میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ بھی پڑھتے تھے

بحث انہوں نے نماز کے اندر التحیات اور تشہد کی کی ہے اور الفاظ اس میں صرف ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ ہیں مگر مؤلف مذکور نے اپنی جہالت کی وجہ سے خارج از نماز اس سے ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ بنا ڈالا ہے علامہ خفاجی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اصل عبارت یہ ہے۔

وَالْمَنْقُولُ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ فِي تَحِيَّةِ الصَّلَاةِ
وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْكَ وَسَلَّمَ وَنَحْوَهُ فَمَا تَعَلَّمُوهُ زَائِدٌ عَلَى
التَّحِيَّةِ فِي الصَّلَاةِ أَخ (۱)

(اور ان سے منقول یہ ہے کہ وہ نماز کے سلام (التحيات) میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْكَ وَسَلَّمَ“ اور اس کی مانند الفاظ کہتے تھے سو جو انہوں نے سیکھا وہ نماز کے تحیہ پر زائد تھا)

اور آگے نماز سے باہر کے سلام کی بحث امام ابن عبدالبر کے حوالہ سے الگ کی ہے اور بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قُلْتُ عَلِمَ هَذَا مِنْ إِطْبَاقِ الْعُلَمَاءِ وَالْمُحَدِّثِينَ
مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ بِهَا فِي الصَّلَاةِ وَلِذَا
وَرَدَتْ مَذْكُورَةٌ فِي التَّشْهَدِ فِي كُتُبِهِمْ دُونَ بَابِ
الْأُدْعِيَةِ (۲)

(میں کہتا ہوں کہ بغیر کسی نکیر کے یہ علماء اور محدثین کے اجماع سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد نماز کے اندر سلام کہنا ہے اور اسی لیے یہ الفاظ ان کی کتابوں میں تشہد میں وارد ہوئے ہیں، دعاؤں کے باب میں وارد نہیں ہوئے)

الغرض یہ بات نماز کے اندر التحیات اور تشہد کے موقع پر سلام کہنے کی ہے اور

اس میں سلام کے لفظ ہیں مَعَهُودِ الصَّلَاةِ کے لفظ نہیں ہیں صَلَاةِ کے معنی یہاں نماز

(۱) نسیم الریاض، ۳-۲۵۲

(۲) نسیم الریاض، ۳-۲۵۲

کے ہیں اور حرف واؤ بھی درمیان میں موجود نہیں ہے الفاظ یہ ہیں ”فِي تَحِيَّةِ الصَّلَاةِ
السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ مگر ساون کے اندھے نے لفظ صلاة سے معبود
صلوة سمجھ لی اور الصلوة اور السلام کے درمیان علامہ خفاجی کی عبارت میں حرف واؤ نہیں
مگر مؤلف مذکور نے اپنی طرف سے خود واؤ بھی بڑھا دیا ہے اور معنی یہ کیا ہے کہ صحابہ کرام
حضور پر تحیہ پیش کرتے ہوئے کہتے تھے ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ
اللَّهِ“ بات کیا تھی اور مؤلف مذکور نے اپنی نادانی سے بنا کیا ڈالی ہے اور خیر سے کم علم،
اور بدیانتی حضرت مولانا تھانویؒ کی ثابت کر رہے ہیں جن کے علم و دیانت اور فہم و ذکا کا
سکہ دنیائے اسلام مانتی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جو توحید و سنت اور اخلاص کی
برکت سے حاصل ہوا ہے۔

مشام تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشان اس کا

ظن و تخمین سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری (۱)

ان کا تمام زور

انہوں نے سارا زور اس بات پر لگایا کہ یہ عبارت ”وَالْمَنْقُولُ أَنَّهُمْ كَانُوا
يَقُولُونَ“ کا تعلق نماز کے اندر التحیات سے ہے ان کے ان الفاظ پر پھر نظر ڈال لیجئے
۱۔ علامہ خفاجی نے اس مقام پر خاصی تصریح کے ساتھ یہ بحث کی ہے کہ نماز کے
اندر التحیات میں صحابہ کرام سے جہاں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“
ثابت ہے۔

۲۔ وہاں ان سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ نماز کے اندر التحیات اور تشہد میں
”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ بھی پڑھتے تھے۔

۳۔ بحث انہوں نے نماز کے اندر التحیات اور تشہد کی کی ہے الفاظ اس میں
”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ ہیں مگر مؤلف مذکور نے اپنی جہالت
کی وجہ سے خارج از نماز اس سے ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ“ بنا ڈالا۔

۴۔ الغرض یہ بات نماز کے اندر التحیات اور تشہد کے موقع پر سلام کہنے کی ہے

۵۔ یہاں صلاۃ کے معنی نماز کے ہیں

الغرض شیخ موصوف یہ بیان کر رہے ہیں کہ امام خفاجی کی عبارت ”وَالْمَنْقُولُ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ فِي تَحِيَّةٍ“ کا تعلق نماز کے اندر سلام کہنے سے ہے نہ کہ نماز سے خارج۔

حالانکہ محسوس یہی ہوتا ہے کہ شیخ موصوف اس قدر غصہ میں تھے کہ انہوں نے اس عبارت پر غور ہی نہیں کیا اگر وہ تسلی سے اس کا مطالعہ کرتے تو کبھی ایسی بات نہ کرتے کیونکہ نہایت ہی واضح ہے کہ اس عبارت کا تعلق صحابہ کے نماز سے باہر سلام تحیہ عرض کرنے سے ہے نہ کہ نماز کے اندر سلام سے

تحیہ کا مفہوم۔

یہاں تحیہ سے موصوف کا التحیات اور تشہد مراد لینا سراسر زیادتی ہے یہاں تحیہ سے مراد تحفہ سلام ہے جو ملاقات کے وقت صحابہ آپ ﷺ سے عرض کیا کرتے تھے آئیے پہلے اس عبارت کا پس منظر دیکھتے ہیں

معاملہ کیا ہے؟

عبارت سامنے لانے سے پہلے اچھی طرح اس معاملہ سے آگاہی ضروری ہے کہ اہل علم اس مقام پر کیا واضح کرنا چاہتے ہیں؟

سلام تحیہ کا طریقہ

وہ یہاں پر یہ آشکار کرنا چاہ رہے ہیں کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز سے باہر سلام کہنے کی تعلیم دی تھی جس پر وہ ابتداء اسلام سے کار بند تھے اس لیے جب وہ آپ ﷺ سے ملاقات کا شرف پاتے اور حاضر ہوتے تو سلام عرض کرتے کبھی ”السلام علیکم“ کبھی ”السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کبھی ”السَّلَامُ عَلَی رَسُوْلِ اللَّهِ“ اور کبھی ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ یہ سلام تحیہ کہلاتا ہے یعنی اس

کے لیے نماز کی طرح کوئی مخصوص الفاظ نہیں اس لیے وہ ان میں سے کسی کا انتخاب کر لیا کرتے۔

سلام نماز کا طریقہ

جب آپ ﷺ نے حالت نماز میں صحابہ کو تشہد کی تعلیم دی تو فرمایا اس میں مجھ پر سلام ان کلمات سے پڑھنا ہے ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ یعنی نماز میں انہی مخصوص الفاظ میں سلام عرض کرنا یہ نہیں کہ تم نماز سے باہر سلام تحیہ کی طرح اس میں تبدیلی اور انتخاب کرتے ہوئے کبھی ”السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ“ کبھی ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ وغیرہ پڑھو اس کی اجازت نہیں۔ آپ دیکھ لیں اس سلام مبارک کے کلمات سلام تحیہ سے زائد اور مخصوص ہیں۔

نزول آیت مبارکہ

جب آیت مبارکہ نازل ہوئی

﴿ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا

الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ ﴾ (۱)

صحابہ نے محسوس کیا کہ ہم نماز سے باہر سلام تحیہ پیش کیا کرتے تھے مگر نماز کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مخصوص اور زائد الفاظ سلام ہمیں سیکھائے لہذا ہمارا فرض بنتا ہے کہ صلوٰۃ کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ سے ہی پوچھیں تو ممکن ہے سلام مخصوص کی طرح صلوٰۃ بھی مخصوص ہو تو انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے درود ابراہیمی کی تعلیم دی۔

نماز میں صلوٰۃ کا طریقہ

اس پر مستند روایات موجود ہیں۔ کچھ ملاحظہ کر لیجئے

۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے

ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ

هَذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ نَصَلِّيْكَ

قَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ (۱)

ہم نے آپ پر سلام کا طریقہ جان لیا اب آپ پر صلاۃ کیسے پڑھیں تو فرمایا پڑھا کرو ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ اَلْخ“

۲۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ پر صلاۃ کا حکم دیا ہے۔

فَكَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ ؟

ہم آپ پر صلاۃ کیسے پڑھیں؟

کچھ دیر آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی ہم نے محسوس کیا کہ ہمیں سوال ہی نہیں کرنا چاہیے تھا اس کے بعد آپ ﷺ نے ہمیں صلاۃ کی یوں تعلیم دی قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ (پڑھا کرو اللہمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ اَلْخ) اور فرمایا

وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ (۲)

(اور سلام کا طریقہ وہی ہے جو تم پہلے سیکھ چکے ہو)

۳۔ امام ابن حبان، دارقطنی اور بیہقی نے روایت یوں نقل کی، یا رسول اللہ

أَمَّا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ

إِذَا صَلَّيْنَا فِي صَلَاتِنَا

(آپ پر سلام عرض کرنا ہم نے سیکھ لیا ہے ہم نماز میں صلاۃ آپ پر کیسے

پڑھیں؟)

رجوع کی حکمت

تمام اہل علم نے اس پر لکھا ہے کہ صحابہ کے صلاۃ کے بارے میں آپ ﷺ سے رجوع کی حکمت کیا تھی؟ شارح بخاری امام احمد بن محمد قسطلانی (ت: ۹۲۳) کے الفاظ ہیں۔

(۱) البخاری

(۲) مسلم

وَالْحَامِلُ لَهُمْ عَلَى ذَلِكَ أَنَّ السَّلَامَ هِمَّا تَقَدَّمَ بِلَفْظِ
مَخْصُوصٍ وَهُوَ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ
وَ بَرَكَاتُهُ فَفَهَبُوا أَيْضًا أَنَّ الصَّلَاةَ تَقَعُ بِلَفْظِ
مَخْصُوصٍ وَ عَدَلُوا عَنِ الْقِيَاسِ لِإِمْكَانِ الْوُقُوفِ
عَلَى النَّصِّ (۱)

(سبب اس کا یہ تھا کہ پہلے سلام کے لیے الفاظ مخصوص تھے ”السَّلَامُ
عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ“ انہوں نے محسوس کیا کہ
صلوات کے الفاظ بھی مخصوص ہونگے تو انہوں نے قیاس سے اعراض کیا
کیونکہ نص کا ملنا ممکن تھا)

نماز کے لیے سلام و صلاۃ کا مخصوص ہونا

اس سے یہ بات نہایت ہی کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ
اور تمام امت کو یہ تعلیم دی کہ جب نماز ادا کرو تو ہدیہ سلام و صلاۃ ان مخصوص کلمات
کے ساتھ پڑھا کرو۔ سلام کے کلمات ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَ
بَرَكَاتُهُ“ اور صلاۃ کے کلمات ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ“ الخ ہیں رہا نماز سے باہر کا
معاملہ تو اس کا طریقہ وہی ہے جو صحابہ میں جاری تھا۔

”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ السَّلَامُ عَلَى

رَسُولِ اللَّهِ، الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

یہی بات اس مقام پر اہل علم نے آشکار کی ہے کہ نماز میں سلام کے الفاظ زائد اور مخصوص
ہیں۔ ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ“ اور نماز سے باہر یہ
طریقہ مخصوص نہیں بلکہ جو طریقہ صحابہ میں جاری تھا وہی جاری رکھا گیا یہی وجہ ہے کہ صحابہ
مختلف الفاظ سے سلام عرض کیا کرتے اگر باہر یہ لازم ہوتا تو صحابہ ہر موقعہ پر انہی الفاظ
سے سلام کہنے کے پابند ہوتے حالانکہ

وَالْمَنْقُولُ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ فِي تَحِيَّةِ الصَّلَاةِ

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ نَبِيَّ اللَّهِ وَنَحْوَهُ فَمَا
تَعَلَّمُوهُ زَائِدٌ عَلَى التَّحِيَّةِ فِي الصَّلَاةِ (۱)

صحابہ کے بارے میں منقول یہی ہے کہ وہ سلام تحیہ (یعنی نماز سے باہر)
یوں عرض کیا کرتے ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ،
يَا نَبِيَّ اللَّهِ“ اس کے بعد جو رسول اللہ ﷺ نے انہیں سیکھا یا وہ نماز میں
اس سلام تحیہ سے زائد تھا اور وہ ہے ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ
رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“

کسی کا دعویٰ ہے

اگر اس کے بعد بھی کسی کا یہ دعویٰ ہے کہ صحابہ نماز کے التحیات میں کبھی ”الصلاة
والسلام عليك يا رسول الله“ کہا کرتے کبھی ”السلام عليك يا نبي الله“ کہتے اور کبھی اور
کلمات۔ تو وہ صحابہ پر زیادتی کر رہا ہے کیونکہ وہ تو بار بار یہ کہہ رہے ہیں کہ تم نماز میں
انہی کلمات سے سلام پڑھتے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سیکھائے
ان کے الفاظ پر نظر ڈالو

أَمَّا السَّلَامُ عَلَيْكَ قَدْ عَرَفْنَاهُ (۲)

(آپ پر سلام کا طریقہ ہم نے جان لیا ہے)

پھر رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں صلاۃ کی تعلیم دی تو ساتھ ہی فرمایا:

وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ (۳)

(اور سلام کا طریقہ وہی ہے جو تم پہلے سیکھ چکے ہو)

اس کے بعد اگر کوئی کہتا ہے کہ صحابہ سلام التحیات میں مختلف کلمات سے سلام کہا

کرتے تھے تو آپ ﷺ نے انہیں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَ
بَرَكَاتُهُ“ کا پابند بنایا تو یہ سراسر ظلم و زیادتی کے سوا کچھ نہیں۔

قدر زائد کے الفاظ

ان تمام اہل علم کی عبارت میں یہ جملہ ملے گا کہ نماز میں جو سلام سیکھا یا وہ باہر

کے سلام سے زائد ہے اور وہ ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَ
بَرَكَاتُهُ“ ہے یہ جملہ اعلان کر رہا ہے کہ باقی الفاظ سے سلام کا ذکر نماز سے باہر ہے نہ
کہ نماز کے اندر۔

الغرض ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ان تمام اہل علم کی عبارات میں یہاں تھیہ سے مراد
التحیات نہیں بلکہ نماز سے باہر سلام تھیہ ملاقات ہے۔

عبارت کا پس منظر

کامل طور پر اس معاملہ کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے اس عبارت کا پس منظر
سامنے لانا بھی نہایت ضروری و لازم ہے۔

قاضی عیاض مالکی (ت: ۵۴۴) نے ’الشفاء‘ میں درود شریف کے حوالے سے لکھا
امام ابو جعفر طبری، امام طحاوی اور دیگر ائمہ نے فرمایا کہ علماء متقدمین اور متاخرین
کا اس پر اجتماع ہے کہ تشہد نماز میں حضور ﷺ پر صلاۃ اور درود پڑھنا لازم نہیں۔

وَشَدَّ الشَّافِعِيُّ فِي ذَلِكَ فَقَالَ مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَى
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَعْدِ التَّشْهِدِ الْأَخِيرِ
فَصَلَاتُهُ فَاسِدَةٌ

(اس بارے میں امام شافعی کی رائے الگ ہے وہ کہتے ہیں جس نے آخری
تشہد کے بعد درود شریف رسول اللہ ﷺ پر نہ پڑھا اس کی نماز فاسد ہے)
لیکن ان سے پہلے یہ کسی کا قول نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی حدیث شاہد ہے متعدد
اہل علم مثلاً امام محمد بن حریر طبری اور امام قشیری نے ان پر طعن کیا امام مالک، حضرت
سفیان ثوری، اہل کوفہ اور دیگر کے ہاں نماز میں صلاۃ مستحب ہے۔

وَشَدَّ الشَّافِعِيُّ فَأَوْجَبَ عَلَى تَارِكِهَا فِي الصَّلَاةِ
الْإِعَادَةَ

(مگر امام شافعی کی الگ رائے ہے وہ نماز میں صلاۃ کے ترک پر اعادہ نماز
لازم قرار دیتے ہیں)

آگے چل کر لکھا

شواہع میں سے امام خطابی وغیرہ نے امام شافعیؒ کی مخالفت کی اور کہا کہ ان سے پہلے یہ کسی کا قول نہیں

پھر اس پر دلائل دیئے کہ نماز میں درود شریف فرض و لازم نہیں۔ (۱)
امام احمد خفاجیؒ (ت: ۱۰۶۹) اس شرح میں فرماتے ہیں، امام قطب الدین
خیضریؒ (ت: ۸۹۰) نے اس مسئلہ پر امام شافعیؒ کی تائید میں کتاب لکھی جس میں انہوں
نے قاضی عیاض مالکیؒ کا رد کیا ہے آئیے ان کے الفاظ میں پڑھیے۔

وَ اعْلَمُ أَنَّ الْإِمَامَ الْخَيْضِرِيَّ صَنَّفَ فِي هَذِهِ
الْبَسِئَةِ كِتَابًا سَمَّاهُ زَهْرَ الرِّيَاضِ فِي رَدِّ مَا شَنَّعَهُ
الْقَاضِي عِيَّاضُ طَالَعْتُهُ بِتَمَامِهِ

(یاد رہے امام خیضریؒ نے اس مسئلہ پر کتاب لکھی جس کا نام ہے ”زهر“
الریاض فی رد ما شنعه القاضی عیاض“ رکھا میں نے اس کا مطالعہ کیا)

اس کتاب کا خلاصہ لکھا اور آخر میں کہا

إِنْتَهَى زُبْدَةٌ مَا ذَكَرَهُ الْإِمَامُ الْخَيْضِرِيُّ هِمَّا يَهْمُنَا
هُنَا (۲)

(مقام کی ضرورت کے مطابق امام خیضریؒ کی گفتگو کا خلاصہ ختم ہوا)

یعنی جس عبارت میں آج ہمارا جھگڑا اور اختلاف ہے وہ شیخ خیضریؒ (ت: ۸۹۰)
کی عبارت ہے جس میں انہوں نے امام شافعیؒ کے دلائل سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

شیخ خیضریؒ کی عبارت کا ماخذ

جیسے یہ واضح کرنا ضروری تھا کہ یہ مذکورہ عبارت امام قطب الدین خیضریؒ کی
ہے اس طرح یہاں یہ سامنے لانا بھی ضروری ہے کہ امام شافعیؒ کے حق میں یہی دلائل انہی
الفاظ و عبارت میں شیخ شمس الدین بن قیوم (ت: ۷۵۱) نے اپنی کتاب جلاء الافہام میں

(۱) الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ۲-۶۲

(۲) نسيم الرياض، ۵-۲۱

ان سے تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے ذکر کیے ہیں شیخ خیضریٰ نے وہی دلائل انہی الفاظ میں اپنی کتاب میں ذکر کر دیئے خصوصاً متعلقہ عبارت بھی انہی کی ہے لہذا پہلے شیخ ابن قیم کے دلائل و عبارات مع ترجمہ ملاحظہ کر لیجئے اس کے بعد ہم شیخ خیضریٰ کی عبارات پر بات کریں گے۔

شیخ ابن قیم کی عبارت و دلائل

شیخ ابن قیم (ت: ۷۵۱ھ) نے پہلے امام شافعی کے مخالفین کے دلائل کا رد کیا ہے

اور اس کے بعد ان کے موقف پر دلائل دیتے ہوئے لکھا

قَوْلُهُ: الْفَرَايِضُ إِنَّمَا تَثْبُتُ بِدَلِيلٍ صَحِيحٍ لَا مُعَارِضَ لَهُ مِنْ مِثْلِهِ أَوْ بِإِجْمَاعِ قُلُنَا: إِسْمَعُوا أَدِلَّتْنَا الْآنَ عَلَى الْوُجُوبِ قُلْنَا عَلَيْهِ أَدَلَّةُ الدَّلِيلِ الْأَوَّلِ: قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿ إِنَّ اللَّهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ (۱)

وَوَجْهُ الدَّلَالَةِ إِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِالصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَ أَمْرُهُ، الْبَطْلُ عَلَى الْوُجُوبِ مَا لَمْ يَقُمْ دَلِيلٌ عَلَى خِلَافِهِ وَ قَدْ ثَبَتَ أَنَّ أَصْحَابَهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ سَأَلُوهُ عَنِ كَيْفِيَّةِ هَذِهِ الصَّلَاةِ الْبَامُورِ بِهَا فَقَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ الْحَدِيثِ، وَ قَدْ ثَبَتَ أَنَّ السَّلَامَ الَّذِي عَلَّمُوهُ هُوَ السَّلَامُ عَلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ وَ هُوَ سَلَامُ التَّشْهَدِ، فَخَرَجَ الْأَمْرَيْنِ وَ التَّغْلِيْبَيْنِ وَ النَّحْلَيْنِ وَاحِدًا - يُوضِّحُ أَنَّهُ عَلَيْهِمُ التَّشْهَدُ امْرًا لَهُمْ بِهِ فِيهِ، وَ فِيهِ ذِكْرُ التَّسْلِيمِ عَلَيْهِ ﷺ فَسَأَلُوهُ

عَنِ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ فَعَلَّبَهُمْ إِيَّاهَا، ثُمَّ شَبَّهَهَا بِمَا عَلَّمُوهُ
 مِنَ التَّسْلِيمِ عَلَيْهِ: وَهَذَا وَالتَّسْلِيمِ الْمَذْكُورَيْنِ فِي
 الْحَدِيثِ هُنَا الصَّلَاةُ وَالتَّسْلِيمُ عَلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ
 يُوضِّحُهُ أَنَّ لَوْ كَانَ الْمُرَادُ بِالصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمِ عَلَيْهِ
 خَارِجَ الصَّلَاةِ لَا فِيهَا لَكَانَ كُلُّ مُسْلِمٍ مِنْهُمْ إِذَا
 سَلَّمَ عَلَيْهِ يَقُولُ لَهُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ
 رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمِنَ الْمَعْلُومِ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا
 يَتَّقِدُونَ فِي السَّلَامِ عَلَيْهِ بِهَذِهِ الْكَيْفِيَّةِ بَلْ كَانَ
 الدَّخِلُ مِنْهُمْ يَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرُبَّمَا قَالَ
 السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَرُبَّمَا قَالَ: السَّلَامُ
 عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَنَحْوَ ذَلِكَ، وَهُمْ لَمْ
 يَزَالُوا يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ مِنْ أَوَّلِ الْإِسْلَامِ بِتَحِيَّةِ
 الْإِسْلَامِ وَإِنَّمَا الَّذِي عَلَّمُوهُ قَدَرٌ زَائِدٌ عَلَيْهَا وَهُوَ
 السَّلَامُ عَلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ يُوضِّحُهُ حَدِيثُ أَبِي إِسْحَاقَ
 كَيْفَ نَصَلِّي إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا فِي صَلَاتِنَا، وَقَدْ صَحَّحَ
 هَذِهِ اللَّفْظَةَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْحَفَاطِ مِنْهُمْ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ
 ابْنُ حَبَّانَ وَالحَاكِمُ -

وَالْبَيْهَقِيُّ، وَقَدْ تَقَدَّمَ فِي أَوَّلِ الْكِتَابِ، وَمَا أُعْلِتْ
 بِهِ وَالْجَوَابُ عَنْ ذَلِكَ

وَإِذَا تَقَرَّرَ أَنَّ الصَّلَاةَ وَالتَّسْلِيمَ عَنْ كَيْفِيَّتِهَا هِيَ
 الصَّلَاةُ عَلَيْهِ فِي نَفْسِ الصَّلَاةِ وَقَدْ خَرَجَ ذَلِكَ
 فَخَرَجَ الْبَيَانُ الْمَأْمُورُ بِهِ مِنْهَا فِي الْقُرْآنِ ثَبَتَ أَنَّهَا
 عَلَى الْوُجُوبِ، وَيُنْضَافُ إِلَى ذَلِكَ أَمْرُ النَّبِيِّ ﷺ
 بِهَا، وَلَعَلَّ هَذَا وَجْهٌ مَا أَشَارَ إِلَيْهِ الْإِمَامُ أَحْمَدُ

رَحْمَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَقُولُهُ كُنْتُ أَتَهَيَّبُ ذَلِكَ ثُمَّ تَبَيَّنْتُ
فَإِذَا هِيَ وَاجِبَةٌ وَقَدْ تَقَدَّمَ حِكَايَةَ كَلَامِهِ وَعَلَى هَذَا
الِاسْتِدْلَالِ أَسْئَلُهُ:

أَحَدُهَا: قَوْلُهُ وَالسَّلَامُ كَمَا عَلِمْتُمْ، يَحْتَمِلُ أَمْرَيْنِ:
أَحَدُهُمَا: أَنْ يُرَادَ بِهِ السَّلَامُ عَلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ وَ
الثَّانِي أَنْ يُرَادَ بِهِ السَّلَامُ مِنَ الصَّلَاةِ نَفْسِهَا قَالَهُ
إِبْنُ عَبْدِ الْبَرِّ

الثَّانِي: إِنَّ غَايَةَ مَا ذَكَرْتُمْ إِنَّمَا يَدُلُّ دَلَالَةً إِقْتِرَانِ
الصَّلَاةِ بِالسَّلَامِ وَالسَّلَامِ وَوَاجِبٌ فِي التَّشْهَدِ
فَكَذَا الصَّلَاةُ وَدَلَالَةُ الْإِقْتِرَانِ ضَعِيفَةٌ

الثَّلَاثُ: إِنَّا لَا نُسَلِّمُ وَجُوبَ السَّلَامِ وَلَا الصَّلَاةِ
وَ هَذَا الْإِسْتِدْلَالُ مِنْكُمْ إِنَّمَا يَتِمُّ بَعْدَ تَسْلِيمِ
وَجُوبِ السَّلَامِ عَلَيْهِ ﷺ وَالْجَوَابُ عَنْ هَذِهِ
الْأَسْئَلَةِ: أَمَّا الْأَوَّلُ: فَفَاسِدٌ جِدًّا فَإِنَّ فِي نَفْسِ
الْحَدِيثِ مَا يُبْطِلُهُ وَهُوَ أَنَّهُمْ قَالُوا هَذَا السَّلَامُ
عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ الصَّلَاةُ
عَلَيْكَ

لَفْظِ الْبُخَارِيِّ فِي حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ
أَيْضًا فَإِنَّهُمْ إِنَّمَا سَأَلُوا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ
كَيْفِيَّةِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ الْمَأْمُورِ بِهَا فِي الْآيَةِ
لَا عَنْ كَيْفِيَّةِ السَّلَامِ مِنَ الصَّلَاةِ وَأَمَّا السُّوَالُ
الثَّانِي فَسُّوَالٌ مَنْ لَمْ يَفْهَمْ وَجْهَ تَقْرِيرِ الدَّلَالَةِ
فَإِنَّا لَمْ نَحْتَجِّجْ بِدَلَالَةِ الْإِقْتِرَانِ وَ إِنَّمَا اسْتَدَلَّلْنَا
بِالْأَمْرِ بِهَا فِي الْقُرْآنِ وَبَيْنَا أَنَّ الصَّلَاةَ الَّتِي سَأَلُوا

النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يُعَلِّبَهُمْ إِيَّاهَا إِنَّمَا هِيَ الصَّلَاةُ الَّتِي فِي
الصَّلَاةِ

وَأَمَّا السُّؤَالُ الثَّلَاثُ: فِي غَايَةِ الْفَسَادِ فَإِنَّهُ
لَا يُعْتَرِضُ عَلَى الْأَدِلَّةِ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ
بِخِلَافِ الْمُخَالِفِ فَكَيْفَ يَكُونُ خِلَافُكُمْ فِي
مَسْأَلَةٍ قَدْ قَامَ الدَّلِيلُ عَلَى قَوْلِ مُنَازِعِيكُمْ
فِيهَا مُبْطَلًا لِذَلِكَ صَحِيحٌ لَا مُعَارِضَ لَهُ فِي
مَسْأَلَةٍ أُخْرَى وَهَلْ هَذَا إِلَّا عَكْسُ طَرِيقَةِ أَهْلِ
الْعِلْمِ فَإِنَّ الْأَدِلَّةَ هِيَ الَّتِي تَبْطُلُ مَا خَالَفَهَا مِنَ
الْأَقْوَالِ وَ يُعْتَرِضُ بِهَا عَلَى مَنْ خَالَفَ مُوجِبَهَا
فَتُقَدَّمُ عَلَى كُلِّ قَوْلٍ اِقْتَضَى خِلَافَهَا، لَا إِنَّ أَقْوَالَ
الْمُجْتَهِدِينَ تَعَارِضُ بِهَا الْأَدِلَّةَ وَ تَبْطُلُ مُقْتَضَاهَا
وَ تُقَدَّمُ عَلَيْهَا ثُمَّ إِنَّ الْحَدِيثَ حُجَّةً عَلَيْكُمْ فِي
الْمَسْئَلَتَيْنِ فَإِنَّهُ دَلِيلٌ عَلَى وَجُوبِ التَّسْلِيمِ وَ
الصَّلَاةِ عَلَيْهِ ﷺ فَيَجِبُ الْبَصِيرُ إِلَيْهِ (۱)

(ان کا یہ کہنا کہ فرائض ایسی صحیح دلیل سے ثابت ہوتے ہیں جس کے
معارض کوئی دلیل یا اجماع نہ ہو؟

ہم کہتے ہیں کہ اب وجود پر ہمارے دلائل سنئے ہمارے پاس اس پر کئی
دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: ارشاد خداوندی ہے۔ ”بے شک اللہ تعالیٰ اور اس
کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والوں تم بھی آپ پر درود
شریف اور خوب سلام بھیجو۔“

اس میں (وجوب پر) دلالت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ

نے مومنوں کو رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کا حکم دیا اور اس کا مطلق امر (حکم) وجوب پر دلالت کرتا ہے جب تک اس کے خلاف دلیل قائم نہ ہو۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ سے اس صلوٰۃ کی کیفیت کا سوال کیا جس کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: قولوا اللہم صل علی محمد اور یہ بات ثابت ہے کہ جس سلام کی ان کو تعلیم دی گئی تھی وہ نماز میں پڑھا جانے والا سلام ہے اور یہ سلام تشہد ہے پس دونوں احکام، تعلیمات کا محل ایک ہی ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو تشہد سکھایا اور نماز میں پڑھنے کا حکم دیا اور اس میں آپ پر سلام کا ذکر و طریقہ بھی موجود ہے۔ پس انہوں نے آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ان کو وہ سکھایا پھر اسے اس سلام سے تشبیہ دی جو ان کو پہلے سکھایا گیا تھا فرمایا ”و السلام کما قد علمتم“ اس میں اس پر دلالت ہے کہ حدیث میں مذکور صلوٰۃ و سلام وہی ہے جو نماز میں ہے نیز اس کی وضاحت اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ اگر صلوٰۃ و سلام سے مراد نماز سے باہر صلوٰۃ و سلام ہو تو نہ کہ اس کے اندر ہر سلام عرض کرنے والا ”السَّلَامُ عَلَیْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ کہنے کا پابند ہوتا اور یہ بات ہر ایک کو معلوم ہے کہ صحابہ اس کیفیت کے ساتھ سلام کو مقید نہیں کیا کرتے تھے بلکہ ان میں سے جو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ”السَّلَامُ عَلَیْكُمْ“ کہتا اور کبھی ”السَّلَامُ عَلَی رَسُوْلِ اللَّهِ“ اور کبھی ”السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللَّهِ“ اور اس طرح کے دیگر الفاظ سے سلام کیا جاتا تھا اور وہ آغاز اسلام سے مسلسل سلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق سلام تجیہ کہتے تھے اور اب جو کچھ ان کو سکھایا گیا وہ اس پر زائد تھا اور یہ نماز کے اندر کا سلام ہے اس کی مزید وضاحت اس طرح ہے کہ ابن اسحاق کی حدیث میں ہے صحابہ نے پوچھا جب ہم آپ پر نماز میں درود شریف پڑھیں تو کیسے پڑھیں؟ حفاظ

حدیث کی ایک جماعت نے ان الفاظ کو صحیح قرار دیا، ان میں ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دارقطنی اور بیہقی شامل ہیں، کتاب کے آغاز میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔

اس پر اعتراضات اور ان کا جواب بھی گزر چکا ہے جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ جس صلوٰۃ کی کیفیت کا سوال کیا گیا وہ نماز میں پڑھا جانے والا درود شریف ہے اور قرآن مجید میں جس درود شریف کا حکم دیا گیا یہ اس کی تفسیر و بیان ہے تو ثابت ہوا کہ اس سے وجوب مراد ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ملایا جائے نبی اکرم ﷺ نے بھی اس کا حکم دیا ہے شاید امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس میں مضطرب تھا پھر مجھ پر واضح ہوا کہ یہ واجب ہے ان کا کلام پہلے نقل کیا جا چکا ہے اس استدلال پر چند سوالات ہیں پہلا سوال: نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ سلام اس طرح ہے جس طرح تم جان چکے ہو اس میں دو باتوں کا احتمال ہے۔

(۱) نماز میں آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کرنا (۲) ممکن ہے نماز سے سلام پھیرنا مراد ہو جیسے امام ابن عبدالبر کہتے ہیں۔

دوسرا سوال: جو کچھ تم نے ذکر کیا، زیادہ سے زیادہ وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صلاۃ و سلام ملے ہوئے ہیں اور چونکہ تشہد میں سلام واجب ہے پس درود شریف کا حکم بھی اسی طرح واجب ہے لیکن باہم ان کے اکٹھا آنے سے وجوب پہ دلالت ضعیف ہے۔

تیسرا سوال: ہم اور صلاۃ کے وجوب کو تسلیم نہیں کرتے اور تمہارا یہ استدلال اس وقت کامل ہو گا جب آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کرنے کو واجب قرار دیا جائے۔

ان سوالات کے جواب

پہلے سوال کا جواب: یہ سوال بالکل باطل ہے کیونکہ خود نفس حدیث میں ایسی بات موجود ہے جو اس میں دوسرے احتمال کو باطل کرتی ہے وہ یہ ہے

کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر یہ سلام تو ہمیں معلوم ہے تو آپ کی بارگاہ میں ہدیہ صلاۃ کیسے پیش کریں؟ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں نیز انہوں نے اس صلاۃ و سلام کی کیفیت کا سوال کیا جن کا حکم آیت کریمہ میں دیا گیا، نماز میں سلام پھیرنے کے بارے میں سوال نہیں تھا۔

دوسرے سوال کا جواب:

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے یہ ایسے شخص کا سوال ہے جو دلالت کی تقریر و تفصیل سمجھ نہیں سکا ہم نے دونوں کے اکٹھا ہونے کو دلیل نہیں بنایا ہمارا استدلال قرآنی حکم سے ہے اور ہم نے بیان کیا کہ ان حضرات نے نبی اکرم ﷺ سے جس درود شریف کی تعلیم کا سوال کیا وہ نماز کے اندر کا درود شریف ہے۔

تیسرے سوال کا جواب:

اس میں انتہائی درجے کا فساد ہے کیونکہ کتاب و سنت کے جو دلائل مخالف کے خلاف ہوں ان پر اعتراض کا حق نہیں تو ایسے مسئلہ میں جس پر تمہارے مخالف نے دلائل قائم کیے ہوں تم کس طرح اختلاف کر سکتے ہو جب کہ تمہارا اختلاف ایسی دلیل صحیح کو باطل کرنے والا ہو جو دوسرے مسئلہ میں کوئی معارض نہیں۔ اور اہل علم کے طریقہ کے خلاف ہے کیونکہ دلائل تو وہ ہوتے ہیں جو مخالف کے قول کو باطل کر دیں اور ان کے ذریعے ان لوگوں پر اعتراض کیا جائے جو ان کے موجب کے خلاف ہے اور وہ مخالف اقوال پر مقدم ہوتے ہیں نہ یہ کہ مجتہدین کے اقوال کے ذریعے دلائل کی مخالفت کی جائے اور ان دلائل مقتضی کو باطل کر کے ان پر ان اقوال کو مقدم کیا جائے۔ پھر یہ حدیث دو مسئلوں میں تمہارے خلاف دلیل ہے کیونکہ یہ سلام اور درود شریف دونوں کے وجوب کی دلیل ہے پس اس کی طرف رجوع کرنا لازم ہے)

تائید تراجم

ہم نے جو ترجمہ کیا ہے کہ اس عبارت میں لفظ تحیۃ سے مراد نماز سے باہر سلام تحیہ ہے نہ کہ اس سے التحیات مراد ہے عبارت و ترجمہ بڑا واضح ہے اس سے اختلاف کی کوئی گنجائش تو نہیں مگر جو لوگ من مانی کرتے ہوئے الفاظ حدیث میں کمی بیشی کر دیں اور کاتب کی غلطی قرار دے کر بلا دلیل لفظ ”صَوْتُهُ“ کو ”صَلَاتُهُ“ بنا دیں ممکن ہے وہ کہیں یہ ترجمہ ہی غلط ہے ہم اسے نہیں مانتے لہذا بندہ اپنے ترجمہ کے علاوہ کچھ دیگر تراجم ذکر کر رہا ہے۔

۱۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری (ت: ۱۳۲۸) کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے جس میں انہوں نے نہایت واضح کہا کہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے پر صحابہ سلام عرض کرتے اور سلام تحیہ اول سلام سے ہی آپ کو عرض کیا جاتا تھا ان کے الفاظ یہ ہیں ہم کہتے ہیں کہ آپ کو ہمارے دلائل و جوب بھی سن لینے چاہیے دلیل اول: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ إِنَّ اللَّهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

أَمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَ سَلِّبُوا تَسْلِيمًا ﴾ (۱)

وجہ دلالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو نبی ﷺ پر صلاۃ و سلام کا امر فرمایا تھا اور امر مطلق و جوب کے لیے ہوتا ہے تا وقتیکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے اس درود مامور بھا کی کیفیت کا سوال کیا تو فرمایا کہا کرو ”اللہم صل علی محمد“ الخ اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ سلام جو آپ نے صحابہ کو سکھلایا تھا وہ نماز میں ہے یعنی سلام تشہد پس ہر دو امر، ہر دو تعلیم اور ہر دو محل کا مخرج ایک ہے جو واضح کرتا ہے کہ تشہد کی تعلیم بطور امر ہے اور سلام کا ذکر اسی میں ہے۔

پھر صحابہ نے درود کا سوال کیا تو وہ بھی سکھلایا اور اسے تسلیم کے ساتھ مشابہ کیا یہ دلالت کرتا ہے کہ جس صلاۃ و سلام کا ذکر حدیث میں ہے یہ دونوں وہی ہیں جو نماز میں ہیں۔

يُوضِّحُهُ إِنَّهُ كَانَ الْمُرَادُ بِالصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمِ عَلَيْهِ
خَارِجَ الصَّلَاةِ لَا فِيهَا لَكَ كُلُّ مُسْلِمٍ مِنْهُمْ إِذَا
سَلَّمَ عَلَيْهِ يَقُولُ "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ
وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ" وَ مِنَ الْمَعْلُومِ أَنَّهُمْ لَهُمْ
يَكُونُوا يَتَّقِدُونَ فِي السَّلَامِ عَلَيْهِ بِهَذِهِ الْكَيْفِيَّةِ
بَلْ كَانَ الدَّخِلُ مِنْهُمْ يَقُولُ

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ "رُبَّمَا" السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَ
رُبَّمَا قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ نَحْوَ ذَلِكَ
وَهُمْ لَمْ يَزَالُوا يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ مِنْ أَوَّلِ الْإِسْلَامِ
بِتَحِيَّةِ الْإِسْلَامِ وَإِنَّمَا الَّذِي عَلَّمُوهُ قَدَرُ زَائِدٍ عَلَيْهَا
وَهُوَ السَّلَامُ عَلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ

(بے شک یہ واضح کرتا ہے کہ اگر یہ صلاۃ و تسلیم نماز سے خارج ہوتے اور
نماز کے اندر مراد نہ ہوتی تب ضرور ہر شخص خدمت اقدس میں حاضر
ہونے کے وقت "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ بَرَكَاتُهُ" کہا کرتا
حالانکہ یہ بخوبی معلوم ہے کہ سلام کرنے میں صحابہ کو اس کیفیت کی پابندی
نہ تھی بلکہ جو آتا وہ السلام علیکم کہا کرتا کبھی السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ
اللَّهِ عرض کیا کرتا

اور سلام تحیت تو اول اسلام سے ہی آپ کو عرض کیا جاتا تھا پس جو کچھ (بعد
میں) سکھلایا گیا وہ اس مقدار (تحیت) سے زائد ہے جو بالتحقیق نماز کے
اندر سلام کرنا ہے)

ان کے الفاظ:

حالانکہ بخوبی معلوم ہے کہ سلام کرنے پر صحابہ کو اس کیفیت کی پابندی نہ تھی بلکہ جو
آتا السلام علیکم کہا کرتا یا کبھی السلام علی رسول اللہ یا کبھی السلام علیک
یا رسول اللہ عرض کیا کرتا اور سلام تحیت تو اول اسلام سے آپ کو عرض کیا کرتا پس جو کچھ

بعد میں سکھایا وہ اس مقدار تحت سے زائد ہے جو بالتحقیق نماز کے اندر سلام کرنا ہے۔ (۱)

۲۔ مولانا شا کر حسین صدیقی نے اس مقام کا یوں ترجمہ کیا۔

اس کے بعد اپنے آخر مقولے کے متعلق جس میں تم نے کہا ہے کہ فرائض کا ثبوت ہمیشہ دلائل صحیحہ سے ہے جن کا اسی درجے میں کوئی معارض نہ ہو اور اجماع کامل سے ہوا کرتا ہے ہمارے دلائل قویہ کو بنظر انصاف دیکھو اور اقرار کرو کہ کہاں تک ہم حق بجانب ہیں۔

پہلی دلیل:

اس مسئلہ میں آیت ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝﴾ (۱) (الاحزاب: ۵۶) ہے اس لیے کہ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اپنے حبیب پاک ﷺ پر صلوة و تسلیم کا حکم صادر فرمایا ہے اور ہر امر جب تک کہ اس کی مخالف کوئی دلیل صحیح نہ ہو مستلزم و محبوب ہے احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ نزول آیت کے بعد جب صحابہ کرام نے یہ کہا کہ سلام تو ہم کو معلوم ہے صلاۃ مامور بہا کس طور پر ادا کیا جائے آپ سے اس کی تعلیم حاصل کرنا چاہی تو آپ نے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ اَخِ ابْنِ كُوْتَعْلِيْمٍ فرمایا اور یہ طے شدہ عمل ہے اس سے پہلے جس سلام کی ان کو تعلیم فرمائی گئی تھی یہی سلام ہے جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے پس دونوں امر اور دونوں تعلیم اور دونوں محمل کا ایک ہی مخرج ہونا اپنی مشابہت تامہ کی وجہ سے اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ جس صلوة و سلام کا ذکر حدیثوں میں ذکر ہے وہ وہی صلاۃ و سلام ہے جس کا تعلق نماز سے ہے ورنہ اس سلام کی تعلیم اگر عام اور ہر موقع کے لیے ہوتی ضروری تھا کہ صحابہ وقت حضور میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کا جملہ استعمال فرمایا کرتے حالانکہ سلام دخول کسی ایک موقع پر سوائے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ کے ان الفاظ میں ادا کرنا ثابت نہیں ہے بلکہ صدر اسلام سے یہی مذکورہ جملے سلام کے لیے مستعمل تھے اس سے زائد جو کچھ تعلیم فرمائی گئی (اور غیر نماز میں اس کا

استعمال نہیں ہوا) وہ ہر نماز کے لیے مخصوص ثابت ہوتی ہے۔ (۱)
ان کے ان الفاظ پر غور کیجئے۔

ورنہ اس سلام کی تعلیم اگر عام اور ہر موقع کے لیے ہوتی تو ضروری تھا کہ صحابہ کرام وقت حضوری السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ کا جملہ استعمال فرمایا کرتے حالانکہ سلام دخول کسی ایک موقع پر بھی سوائے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ، يَا السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولِ اللَّهِ کے ان الفاظ میں ادا کرنا ثابت نہیں بلکہ صدر اسلام سے ہی مذکور جملے سلام کے لئے مستعمل تھے اس سے زائد جو کچھ تعلیم فرمائی گئی (اور غیر نماز میں اس کا استعمال نہیں ہوا) وہ ہر طرح نماز کے لئے مخصوص ثابت ہوتی ہے۔

انہوں نے واضح طور پر لکھا کہ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ اور السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولِ اللَّهِ کا تعلق نماز سے باہر سلام کے ساتھ ہے نہ کے اندر

۳۔ ”جلاء الافہام“ کا نہایت عمدہ ترجمہ علامہ محمد صدیق ہزاروی زید مجدہ نے بھی الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولِ اللَّهِ کے نام سے کیا ہے انہوں نے بھی یہی ترجمہ کیا۔ (۲)

لہذا شیخ سرفراز صفدری گلکھڑوی کا یہ لکھنا ہرگز درست نہیں کہ نماز کے اندر التحیات میں حضرات صحابہ کرام سے جہاں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ اخ ثابت ہے وہاں ان سے یہ بھی منقول ہے کہ نماز کے التحیات اور تشہد میں السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولِ اللَّهِ بھی پڑھتے تھے۔

امام حیضری کی عبارت:

اب ہم امام حیضری کی طویل عبارت لا رہے ہیں اسے خود ملاحظہ کر لیجئے کہ انہوں نے شیخ ابن قیم کی عبارت و دلائل ہی ذکر کیے ہیں بلکہ الفاظ تک انہی کے ہیں، طویل عبارت

(۱) اردو جلاء الافہام ۱۸۵-۱۸۶

(۲) ملاحظہ ہو ص ۳۳۹، ۳۴۰

لانے کی وجہ یہی ہے تاکہ تمام معاملہ اچھی طرح سامنے آجائے کہ یہ شیخ ابن قیم کی ہی عبارت ہے وہی دلائل، وہی اعتراضات اور وہی جوابات ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ محض دعویٰ ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ آئیے تمام عبارت مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ: فِي بَيَانِ الْأَدِلَّةِ عَلَى وَجُوبِهَا فِي
التَّشْهَدِ الْأَخِيرِ الدَّلِيلُ الْأَوَّلُ مِنْهَا قَوْلُ اللَّهِ
تَبَارَكَ وَتَعَالَى ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۗ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝﴾
(الاحزاب: ۵۶) وَجْهُ الدَّلَالَةِ عَلَى ذَلِكَ مِنْ هَذِهِ الْآيَةِ
إِتْفَاقُ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّ الْأَمْرَ الْمُنْطَلِقَ يَقْتَضِي
الْوَجُوبَ مَا لَمْ يَقُمْ دَلِيلٌ عَلَى خِلَافِهِ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ
وَ تَعَالَى فَأَمَرَ عِبَادَهُ الْمُؤْمِنِينَ بِالصَّلَاةِ وَ التَّسْلِيمِ
عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَ قَدْ ثَبَتَ أَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُمْ سَأَلُوهُ عَنْ كَيْفِيَّةِ هَذِهِ الصَّلَاةِ الْبَامُورِ
بِهَا فَقَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ ثَبَتَ أَنَّ
السَّلَامَ الَّذِي عَلَّمُوهُ هُوَ السَّلَامُ عَلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ وَ
هُوَ السَّلَامُ عَلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ وَ هُوَ سَلَامُ التَّشْهَدِ
فَصَارَ مَخْرَجَ الْأَمْرَيْنِ وَ التَّعْلِيمَيْنِ وَ الْمَحَلِّينِ وَاحِدًا
وَ مِمَّا يُوضِحُ هَذَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا عَلَّمَ أَصْحَابَهُ
التَّشْهَدَ عَلَّمَهُمْ فِيهِ التَّسْلِيمَ عَلَيْهِ الْبَامُورَ فَلَمَّا
عَلَّمُوا ذَلِكَ سَأَلُوهُ قَدْ عَلَّمْنَا السَّلَامَ عَلَيْكَ
الْبَامُورِ بِهِ فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ أَيِ الْبَامُورِ بِهَا
فَقَالَ لَهُمْ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ إِلَى آخِرِهِ ثُمَّ
قَالَ لَهُمْ وَ السَّلَامُ قَدْ عَلِمْتُمْ وَ سَوْفَ يَأْتِي لَفْظُ
الْحَدِيثِ بِتَمَامِهِ فِيمَا بَعْدُ فَاقْتَضَى مَا ذَكَرْنَاهُ أَنَّ

الصَّلَاةَ وَالتَّسْلِيمَ الْمَسْئُولَ عَنْهُمَا الْمَذْكُورَيْنِ فِي
 الْحَدِيثِ هُنَا فِي لَفْظِ حَالَةِ الصَّلَاةِ كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ
 الْحَالُ وَ يُؤَيِّدُ هَذَا التَّقْرِيرَ أَنَّهُ لَوْ كَانَ الْمُرَادُ
 بِالصَّلَاةِ وَ التَّسْلِيمِ عَلَيْهِ خَارِجَ الصَّلَاةِ لَا فِيهَا
 لَكَانَ كُلُّ مَنْ دَخَلَ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَقُولُ لَهُ السَّلَامُ
 عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ كَمَا عَلَّمُوهُ وَ
 كَذَلِكَ كُلُّ مَنْ قَصَدَ مُوَاجَهَتَهُ ﷺ بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ
 يَقُولُ لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ كَمَا صَلَّى
 عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِلَى آخِرِهِ وَ إِنَّ الْمَعْلُومَ الْمُقَرَّرَ أَنَّهُمْ
 لَمْ يَكُونُوا يَتَّقِيدُونَ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمِ عَلَيْهِ
 بِهَذِهِ الْأَلْفَاظِ بَلْ كَانَ الدَّخِلُ مِنْهُمْ عَلَيْهِ يَقُولُ
 لَهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ يَقُولُ السَّلَامُ
 عَلَيْكُمْ وَ رُبَّمَا قَالَ السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ أَوْ
 يَقُولُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ كَمَا هُوَ مَنْقُولٌ وَ
 نَحْوُ ذَلِكَ وَ لَمْ يَنْقُلْ أَنَّهُمْ سَلَّمُوا عَلَيْهِ مِنْ أَوَّلِ
 الْإِسْلَامِ إِلَّا بِتَحِيَّةِ الْإِسْلَامِ فَصَارَ الَّذِي
 تَعَلَّمُونَهُ ﷺ مِنَ الصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمِ قَدْرًا زَائِدًا عَلَى
 مَا عَلَّمُوهُ هُوَ الْمُحْتَاجُ إِلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ فَإِذَا تَقَرَّرَ أَنَّ
 الصَّلَاةَ الْمَسْئُولَ أَنَّ كَيْفِيَّتَهَا هِيَ الصَّلَاةُ عَلَيْهِ فِي
 نَفْسِ الصَّلَاةِ وَ خَرَجَ ذَلِكَ فَخَرَجَ الْبَيَانُ الْبَاطِنُ
 بِهِ مِنْهَا وَ فِي الْقُرْآنِ ثَبَتَ أَنَّهَا عَلَى الْوَجُوبِ
 وَ يُضَافُ إِلَى ذَلِكَ أَمْرٌ وَ فِعْلُهَا كَمَا سَيَأْتِي فَظَهَرَ بِمَا
 قَرَّرْنَاهُ وَجْهُ الدَّلَالَةِ أَنَّ الْآيَةَ الشَّرِيفَةَ فَإِنْ قُلْتَ
 هَذَا الدَّلِيلُ الَّذِي قَرَّرْتُمُوهُ لَنَا عَلَيْهِ إِيرَادُ

تَحْتَا جُونَ إِلَى الْجَوَابِ عَنْهَا أَحَدَهَا عَنْكُمْ قَرَّرْتُمْ أَنَّ
الصَّحَابَةَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمَا السَّلَامُ عَلَيْكَ
فَقَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ فَذَكَرَهَا لَهُمْ ثُمَّ
قَالَ وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ وَنَحْنُ نَقُولُ إِنَّ قَوْلَهُ
وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ يُحْتَبَلُ أَمْرَيْنِ أَحَدُهُمَا أَنْ
يُرَادَ بِهِ السَّلَامُ فِي الصَّلَاةِ كَمَا قَرَّرْتُمْ وَالثَّانِي أَنْ
يُرَادَ بِهِ السَّلَامُ مِنَ الصَّلَاةِ نَفْسِهَا كَمَا قَالَهُ ابْنُ
عَبْدِ الْبَرِّ وَعِنْدَكُمْ أَنَّهُ إِذَا احْتَبَلَ الدَّلِيلُ مُحْتَبَلًا
أَخْرَسَ سَقَطَ مِنْهُ الْإِسْتِدْلَالُ،

الْإِيرَادُ الثَّانِي فَإِنَّ غَايَةَ مَا ذَكَرْتُمْ يَدُلُّ دَلَالَةً
إِقْتِرَانِ الصَّلَاةِ بِالسَّلَامِ وَالسَّلَامُ وَاجِبٌ فِي
التَّشْهَدِ فَكَذَا الصَّلَاةُ وَدَلَالَةُ الْإِقْتِرَانِ ضَعِيفَةٌ
الْإِيرَادُ الثَّلَاثُ أَنْ لَا تُسَلِّمَ وَجُوبَ السَّلَامِ
وَالصَّلَاةِ وَهَذَا الْإِسْتِدْلَالُ مِنْكُمْ إِنَّمَا يَتِمُّ بِهِ
تَسْلِيمٌ وَجُوبَ السَّلَامِ وَ الصَّلَاةِ وَ هَذَا
الْإِسْتِدْلَالُ مِنْكُمْ إِنَّمَا يَتِمُّ بِهِ تَسْلِيمٌ وَجُوبَ
السَّلَامِ عَلَيْهِ ﷺ بِذَلِكَ فَهَذَا الْإِيرَادَاتُ ثَلَاثَةٌ
أَمَا الْإِيرَادُ الْأَوَّلُ فَفَاسِدٌ مِنْ أَصْلِهِ فَإِنَّ فِي نَفْسِ
الْحَدِيثِ مَا يُبْطِلُهُ فَإِنَّهُمْ قَالُوا هَذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ هَذَا
لَفْظُ الْبُخَارِيِّ فِي حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ وَلَمْ يَقُولُوا هَذَا
السَّلَامُ فَقَطْ وَ أَيْضًا فَإِنَّهُمْ إِنَّمَا سَأَلُوهُ ﷺ عَنْ
كَيْفِيَّةِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ الْمَأْمُورِ بِهَا فِي الْآيَةِ لَا
عَنْ كَيْفِيَّةِ السَّلَامِ مِنَ الصَّلَاةِ كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ مِنْ

الْفَاظِ الرَّوَايَاتِ فِي ذَلِكَ (۱)

(فصل اول: اس میں ان دلائل کا تذکرہ ہے جو تشہدِ اخیر میں وجوبِ درود پہ دال ہیں پہلی دلیل: اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۶) اس فرمانِ الہی کی وجوب پر دلالت یوں ہے کہ تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ کہ اس آیت مبارکہ میں امر مطلق ہے جو وجوب کا تقاضا کرتا ہے بشرطیکہ اس کے خلاف دلیل موجود نہ ہو تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے اہل ایمان بندوں کو رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ و سلام کا حکم دیا اور یہ ثابت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حکم شدہ صلاۃ کی کیفیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا یوں پڑھو **اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ** اور یہ بھی ثابت ہے جو سلام نماز کے اندر آپ ﷺ نے انہیں سکھایا تھا وہ سلام تشہد ہے تو دونوں احکام، تعلیمات اور مقامات ایک ہی ٹھہرے اس کی وضاحت یوں بھی ہو رہی ہے جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو تشہد سکھایا تو اس میں حکم شدہ اپنے اوپر سلام بھی سکھایا چونکہ وہ سلام کا طریقہ سیکھ چکے تھے تو انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا ہم حکم فرمودہ آپ پر سلام کا علم رکھتے ہیں آپ پر جس صلاۃ کا حکم ملا ہے اس کا طریقہ کیا ہے؟ تو فرمایا یوں پڑھو **اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ** پھر فرمایا سلام وہی ہے جو پہلے تم سیکھ چکے ہو اور عنقریب وہ حدیث کامل طور پر آ رہی ہے ہماری مذکورہ گفتگو تقاضا کر رہی ہے کہ جس صلاۃ و سلام کے بارے میں حدیث میں سوال مذکور ہے ان دونوں کا تعلق حالت نماز کے ساتھ ہے جیسے ظاہر حال سے واضح ہے۔

اس تفصیل کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ اگر یہاں آپ پر صلاۃ و سلام سے مراد نماز سے باہر ہوتا نہ کہ نماز کے اندر تو چاہیے تھا کہ ہر وہ شخص جو آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو وہ ان الفاظ میں ہی سلام

کہتا ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ جس کی آپ ﷺ نے انہیں تعلیم دی تھی اس طرح جو بھی آپ ﷺ پر ملاقات کے وقت صلاۃ کا ارادہ کرتا وہ ان الفاظ میں کہتا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ صَلَّى اللَّهُ كَمَا صَلَّى عَلَى إِبْرَاهِيمَ الخ حالانکہ بخوبی معلوم مسلم یہی بات ہے کہ صحابہ انہی الفاظ کی پابندی نہیں کیا کرتے بلکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور یوں عرض کرتے السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ یا کہتے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بسا اوقات کہتے السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ یا کہتے يَا نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى عَلَيْكَ جیسے منقول ہے یا اس کی مثل کلمات ہوا کرتے اور ان سے ابتداً اسلام سے تحیہ سلام کے علاوہ کچھ منقول نہیں تو جواب آپ ﷺ نے سکھایا وہ سابقہ سلام تحیہ سے زائد تھا اور اس کی ضرورت نماز کے لیے تھی۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ جس صلاۃ کے بارے میں سوال کیا اس صلاۃ کا تعلق نفس نماز سے ہے اور یہ حکم فرمودہ صلاۃ کی تفسیر و بیان بن جائے گا اور قرآن سے اس کا وجوب ثابت ہے اور اس کے ساتھ حضور ﷺ کا اس کے بارے میں حکم و فعل کو شامل کر لیا تو ہماری گفتگو سے آیت مبارکہ کی وجوب پر دلالت واضح ہو جائے گی، سوال جو دلیل تم نے دی اس پر چند اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کا جواب تمہارے ذمہ ہے۔ پہلا اعتراض، تم نے لکھا کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے آپ پر سلام کا طریقہ جان لیا آپ نے صلاۃ کا طریقہ سکھایا اور ساتھ فرمایا کہ سلام کا طریقہ تم نے پہلے ہی سیکھا ہوا ہے اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مراد نماز کے اندر سلام جیسے تم نے بیان کیا دوسرا یہ کہ اس سے نماز سے سلام پھیرنا مراد ہو، امام ابن عبدالبر مالکی یہی مراد لیتے ہیں اور یہ خیال رہے کہ جب دلیل میں دوسرا احتمال ہو تو اس سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔

دوسرا اعتراض، تمہاری گفتگو سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ صلاۃ و سلام کا اتصال و اکٹھا ہونا دال ہے کہ جس طرح تشہد میں سلام لازم ہے

اسی طرح صلاۃ بھی لازم ہے لیکن یہ اتصال کی دلالت ضعیف ہے۔
تیسرا اعتراض ہم نماز میں سلام کو وجوب تسلیم نہیں کرتے تمہارا استدلال
تب تام ہوتا ہے کہ پہلے یہ ثابت کرو کہ نماز میں آپ ﷺ پر سلام کرنا
واجب ہے یہ تین اعتراضات ہیں ان کا جواب سنئے۔ اعتراض اول فاسد
ہے کیونکہ الفاظ حدیث اسے باطل کر رہے ہیں کیونکہ صحابہ نے عرض کیا ہم
نے سلام کا طریقہ جان لیا ہے آپ پر صلاۃ کا طریقہ کیا ہے؟

اس کے لیے امام بخاری سے مروی روایت میں حضرت ابوسعید خدری
رضی اللہ عنہ سے ملاحظہ کر لیجئے۔ صحابہ نے فقط سلام کا نہیں کہا تھا بلکہ
انہوں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ اس صلاۃ و سلام کا طریقہ بتائیں جس کا
آیت مبارکہ میں حکم ملا ہے نہ کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بارے میں
سوال کیا ہے جیسے تمام روایات کے الفاظ اس پر شاہد ہیں)

ان کی تمام عبارت کا شیخ ابن قیم (ت: ۷۵۱) کی عبارت سے تقابل کروالیں
کسی بھی باشعور کے سامنے رکھ کر پوچھیں وہ یہی جواب دے گا کہ یہ تمام گفتگو شیخ ابن قیم
کی ہے۔

دونوں کی متعلقہ گفتگو

جس عبارت پر ہم گفتگو کر رہے ہیں اس مقام پر ان دونوں کی عبارت پر نظر
ڈال لیجئے۔ شیخ ابن قیم نے لکھا صحابہ کا یہ سوال نماز کے اندر صلاۃ و سلام کے بارے
میں تھا ورنہ

وَمِنَ الْمَعْلُومِ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَتَّقِدُونَ السَّلَامَ
عَلَيْهِ بِهَذِهِ الْكَيْفِيَّةِ بَلْ كَانَ الدَّخِلُ مِنْهُمْ يَقُولُ
السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرُبَّمَا قَالَ السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ
اللَّهِ وَرُبَّمَا قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَنَحْوَ
ذَلِكَ وَهُمْ لَمْ يَزَالُوا يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ مِنْ أَوَّلِ
الإِسْلَامِ بِتَحِيَّةِ الإِسْلَامِ وَإِنَّمَا الَّذِي عَلَّمُوهُ قَدَرُ

زَائِدٍ عَلَيْهَا وَهُوَ السَّلَامُ عَلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ (۱)

(صحابہ کے بارے میں بخوبی معلوم ہے کہ وہ سلام کہتے ہوئے کبھی بھی ان الفاظ و کیفیت کی پابندی نہیں کیا کرتے تھے بلکہ ان سے جو حاضر ہوتے وہ عرض کرتے السلام علیکم بسا اوقات عرض کرتے السلام عليك يا رسول الله اور اس کی مثل دیگر کلمات اور وہ ابتدائے اسلام سے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام تحیہ عرض کیا کرتے اور اس کے بعد جس کی آپ ﷺ نے نہیں تعلیم دی وہ اس سے کچھ زائد ہے اور وہ نماز میں سلام عرض کرنا ہے)

اب امام قطب الدین حیضری کی عبارت دیکھ لیں کہ اگر نماز کے باہر کا معاملہ مراد ہوتا نہ کہ اندر کا تو ہر آپ کے پاس آنے والا یوں سلام عرض کرتا السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ اور اس طرح جو ملاقات کے وقت صلاۃ عرض کرنا چاہتا وہ کہتا صَلَّيَ اللَّهُ كَمَا صَلَّى عَلَى إِبْرَاهِيمَ الخ

وَإِنَّ الْمَعْلُومَ الْبُقَرَّرَ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَتَّقِدُونَ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمِ عَلَيْهِ بِهَذِهِ الْأَفْظَادِ بَلْ كَانَ الدَّخِلُ مِنْهُمْ عَلَيْهِ يَقُولُ لَهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ يَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرُبَّمَا قَالَ السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَيَقُولُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ كَمَا هُوَ مَنْقُولٌ وَنَحْوُ ذَلِكَ وَلَمْ يَنْقُلْنَاهُمْ سَلَّمُوا عَلَيْهِ مِنْ أَوَّلِ الْإِسْلَامِ إِلَّا بِتَحِيَّةِ الْإِسْلَامِ فَصَارَ الَّذِي تَعَلَّمُونَهُ ﷺ مِنَ الصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمِ قَدَرًا زَائِدًا عَلَى مَا عَلَّمُوهُ هُوَ الْمُبْتَاجُ إِلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ (۲)

(حالانکہ بخوبی معلوم و مسلم ہے کہ وہ صلاۃ و سلام عرض کرتے ان الفاظ کی پابندی نہیں کیا کرتے تھے بلکہ ان میں جو بھی حاضر ہوتے یوں عرض

(۱) جلاء الافہام، ۲۰۸

(۲) زہر الریاض، ۶

کرتے السلام عليك يا رسول الله يا السلام عليكم بسا
اوقات يوم عرض کرتے السلام على رسول الله يا کہتے یا نبی الله
صلی الله عليك جیسے کہ ان سے منقول ہے اور اس طرح کے دیگر
کلمات اور ان سے یہ منقول نہیں کہ آپ کو ابتدا اسلام سے تحیہ سلام کے
علاوہ سلام کہتے ہوں جو آپ ﷺ نے صلاة و سلام کی انہیں تعلیم دی یہ
سابقہ سلام سے زائد تھا اور اس کی ضرورت نماز میں تھی

یہاں خوب غور کر لیجئے ان دونوں کی عبارت میں تحیہ سے مراد ہرگز التحیات نہیں بلکہ اس
سے مراد نماز سے باہر سلام تحیہ مراد ہے جس کی ابتداء اسلام سے صحابہ کو تعلیم حاصل تھی تو
اس سے التحیات مراد لینا سراسر زیادتی اور سینہ زوری کے سوا کچھ نہیں۔

امام قسطلانی کی گفتگو

بات مزید سمجھنے کے لیے شارح بخاری امام احمد بن قسطلانی (ت: ۹۲۳) کی یہ گفتگو بھی
ملاحظہ کیجئے یہ من وعن ہماری بات کی تائید کر رہی ہے۔

يُوضِحُ أَنَّهُ لَوْ كَانَ الْمُرَادُ بِالصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمِ عَلَيْهِ
خَارِجَ الصَّلَاةِ لَا فِيهَا لَكَانَ كُلُّ مُسَلِّمٍ مِنْهُمْ إِذَا
سَلَّمَ عَلَيْهِ يَقُولُ لَهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ
رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمِنَ الْمَعْلُومِ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا
يَتَّقِدُونَ بِالسَّلَامِ عَلَيْهِ بِهَذِهِ الْكَيْفِيَّةِ بَلْ كَانَ
الدَّخِلُ مِنْهُمْ يَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرُبَّمَا قَالَ
السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَنَحْوَهُ وَإِنَّمَا الَّذِي عَلِمُوهُ
قَدَرَزَائِدٍ عَلَيْهَا وَهُوَ السَّلَامُ فِي الصَّلَاةِ (۱)

(اسے یہ بھی واضح کر رہا ہے کہ یہاں اگر نماز سے باہر صلاة و سلام مراد
ہوتا نہ کہ اس کے بعد تو ہر سلام کہنے والا جب آپ کو سلام عرض کرتا تو وہ
پابند ہوتا السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته کا

حالانکہ بخوبی معلوم ہے کہ انہی الفاظ و کیفیت کے ساتھ سلام کرنے کی پابندی نہیں کیا کرتے تھے بلکہ جو بھی حاضر ہوتا وہ کبھی السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ کبھی السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ جیسے کلمات کہہ دیتا انہیں جو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا وہ ان سے قدر زائد الفاظ ہیں اور یہ نماز کے اندر کا سلام ہے)

یہ عبارت بھی شیخ ابن قیم (ت: ۷۵۱) کی ہی ہے

جب یہ آشکار ہو گیا کہ یہ تمام گفتگو شیخ ابن قیم سے لی گئی ہے اور اس میں یہ عبارت نماز کے باہر سلام کے بارے میں ہے نہ کہ نماز کے اندر التحیات کے بارے میں ہیں۔

ایک اور مقام۔ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

اگر کوئی ذہنی خلش اس کے بعد بھی باقی ہے تو امام خفاجی کا ہی اور ایک حوالہ و مقام کا مطالعہ کر لیجئے۔ قاضی عیاض مالکی (ت: ۵۴۴) نے عنوان قائم کیا،

فَصَلِّ فِي تَخْصِيصِهِ ﷺ بِتَبْلِيغِ صَلَاةٍ مَنْ صَلَّى عَلَيْهِ
(اور اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کو پڑھنے والوں کا درود پہنچانا)

اس کے تحت مکمل سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ذکر کی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى
أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

(جو بھی مجھ پر سلام کہے اس کے جواب کی مجھے اللہ تعالیٰ طاقت دیتا ہے
حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں)

اس کے تحت امام خفاجی اس عبارت پر اعتراض کر کے اس کا جواب دیتے ہیں اعتراض یہ ہے کہ:

كَلَامُ الْمُصَنِّفِ فِي تَبْلِيغِ الصَّلَاةِ لَهُ وَهَذَا فِي تَبْلِيغِ السَّلَامِ
(قاضی مصنف گفتگو آپ پر درود پہنچانے پر کر رہے ہیں حالانکہ حدیث
مذکور کا تعلق سلام پہنچانے کے ساتھ ہے)

اس کا جواب دیتے ہیں یہ اس لیے کہا

۱- أَنْ يُكُونَ لِمُنَاسَبَتِهِ لِلصَّلَاةِ
(کہ سلام کی صلاۃ کے ساتھ گہری مناسبت ہے)

۲- دوسرا جواب یہ ہے

فَهَمَّ مِنْهُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالسَّلَامِ قَوْلُهُمُ الصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (۱)
(انہوں نے سلام سے مراد تمام مسلمانوں کا یہ قول لیا ”الصلوة والسلام
علیک یا رسول اللہ“)

بحمد اللہ ان تمام شواہد سے تین باتیں نکھر کر سامنے آ گئیں

۱- یہاں تمام اہل علم نے واضح کیا کہ حضور ﷺ نے صحابہ کو ابتدائے اسلام سے سلام تحیہ سکھایا تھا اور اس میں مخصوص الفاظ کی پابندی نہ تھی لہذا صحابہ بوقت ملاقات مختلف الفاظ سے سلام عرض کرتے۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ، الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ ، السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ -
۲- جب آپ ﷺ نے تشہد نماز سکھایا تو نماز میں سلام عرض کرنے کا طریقہ بتایا۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ یہ الفاظ مخصوص اور سلام تحیہ سے زائد ہیں۔

۳- جب آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ نے صلاۃ کے بارے میں پوچھا تو اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ الْخ کی تعلیم عطا فرمائی
اگرچہ تمام نے یہ واضح کرنا تھا کہ اس موقع پر جو صلاۃ و سلام کی تعلیم ملی وہ نماز کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اس کی وضاحت کے لیے ایک اہم دلیل یہ دی کہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ سلام تحیہ میں اس کی پابندی نہیں کرتے تھے بلکہ جو سلام تحیہ ابتداً اسلام سے سیکھا اس کے مطابق جاری رکھا اور ان کا یہ سوال اس کے بارے میں نہیں تھا بلکہ نماز کے اندر سلام کے بارے میں تھا۔

الغرض ہمارا دعویٰ کہ امام خفاجی کی عبارت وَالْمَنْقُولُ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ فِي تَحِيَّةِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ کا تعلق نماز کے باہر سے ہے نہ کہ نماز کے اندر لہذا تہیہ کا معنی ہرگز التحیات نہیں بلکہ سلام تہیہ ہے جس کی نشاندہی تمام اہل علم نے کر دی ہے اگر یہاں کسی نسخہ میں واؤرہ گیا ہے تو یہ کتابت کی غلطی ہے۔ ورنہ واؤ کے بغیر عبارت کا مفہوم مقصود کے برعکس ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی عبارت سے مقصود نماز سے باہر صحابہ کے سلام کے بیان و مثال ہے نہ کہ نماز کے اندر، تو اگر واؤ نہ ہو تو معنی ہوگا کہ صحابہ نماز کے اندر ان کلمات سے سلام پہلے ہی کیا کرتے تھے حالانکہ یہ سراسر ظلم و زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے بندہ پر جب یہ معاملہ آشکار ہوا تو اسے احاطہ تحریر میں لے آیا تاکہ اگر کسی کو غلط فہمی ہو تو اس کا ازالہ ہو جائے۔

یہاں علامہ غلام رسول سعیدی کی کاوش کو بھی سراہنا ضروری ہے جنہوں نے خوب غور و فکر کے بعد عبارت تحریر کی۔ اس موقع پر مولانا محمد شہزاد مجددی حفظہ اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرنا ضروری ہے جنہوں نے امام خمیضی کی زہر الریاض کے مخطوط کی فوٹو کاپی مہیا کی۔

اے اللہ ہمیں ہمیشہ حق کی اتباع اور باطل سے اجتناب کی توفیق عطا فرما۔ آمین

فصل:

رسول اللہ ﷺ ہرگز نبی اور پتھر کی طرح نہیں

کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کو پہاڑوں اور پتھروں پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے وہ ہیں اس طرح کا معاملہ آپ ﷺ کا بھی ہے۔ اس مسئلہ پر علامہ سید احمد سید کاظمی (ت: ۱۴۰۶ھ) کی یہ علمی گفتگو بھی قابل مطالعہ ہے۔ حضور ﷺ کے شاہد و ناظر ہونے پر قرآنی دلائل دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

ان تمام اکابرین و حضرات علماء را سخین رضی اللہ عنہم اجمعین حتیٰ کہ مخالفین و معاندین کی منقولہ بالا عبارات صریحہ و واضحہ کی روشنی میں اس آیہ کریمہ ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ ﴾ (الانبیاء: ۱۰۷) کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم نے کتب معتبرہ کے حوالے سے نقل کی جس کی رو سے حقیقت محمدیہ کا ذوات مصلین بلکہ تمام ذرات کائنات میں جاری و ساری ہونا ثابت ہو گیا اور ساتھ یہ بات بھی آفتاب کی طرح روشن ہو گئی کہ نماز میں حضور ﷺ کو بصریہ خطاب پکارنا اور 'السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ' کہنا اس اصل عظیم پر مبنی ہے جس پر آیہ مبارکہ ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ ﴾ (الانبیاء: ۱۰۷) صاف طور پر دلالت کر رہی ہے نیز یہ اصل عظیم حضور نبی کریم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کی ایسی روشن اور قوی دلیل ہے جس کا انکار گمراہ اور کور باطن کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ ولله الحمد!

مقام حیرت

تعب ہے کہ جب صاحب فتح الملہم نے اس مقام پر وہی پیش کردہ عبارت 'فَإِذَا الْحَبِيبُ فِي حَرَمِ الْحَبِيبِ حَاضِرٌ' کو نقل کرنے کے باوجود حضور ﷺ کے حاضر ہونے کا انکار کیا ہے اور نماز میں الفاظ تشہد "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" کے

صیغہ خطاب کی توجیہ میں کہا ہے کہ یہاں الفاظ خطاب کا استعمال ایسا ہے جیسے کسی غائب مکتوب الیہ کے لیے خطوط میں خطاب کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ خط لکھتے وقت ہم اس کی موجودگی فرض کر لیتے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہمارا یہ خط اسے ضرور مل جائے گا حالانکہ وہ اس وقت ہمارے سامنے موجود نہیں ہوتا۔ (۱)

الْعِيَاذُ بِاللَّهِ: حضور ﷺ کو ایک عامی، بعید غائب، مکتوب الیہ پر قیاس کرنا اور بارگاہ رسالت کے تحفہ سلام کو عوام الناس کے سلام و پیام کی طرح ٹھہرانا پھر دربار نبوت میں ہمارا سلام پہنچنے کے یقین عامی مجہول بعید غائب مکتوب الیہ تک خط پہنچنے کے یقین کی مثل قرار دینا مذہبی بصیرت کی روشنی میں انتہائی کور باطنی، شقاوت قلبی اور محروم لقمستی کا نشان ہے۔

دل لرز جاتا ہے جب اس خوفناک تشبیہ کو پڑھتے وقت علماء راہنہ کی عبارات منقولہ بالا کی روشنی میں حضور ﷺ کی حقیقت مقدسہ کا تمام ذرات کائنات میں جاری و ساری ہونا اور حرم حبیب میں حبیب کا حاضر ہونا یاد آتا ہے۔

اس باطل توجیہ کے قائلین سے میں دریافت کرتا ہوں کہ بتائیے آج تک کسی معتمد عالم دین نے یہ توجیہ کی ہے۔ اگر آپ کے پاس کوئی تصریح موجود ہو تو پیش کیجئے ورنہ اس کے بطلان کو تسلیم کر کے حق کی طرف رجوع فرمائیے۔

پھر ان قائلین سے پوچھتا ہوں کہ آپ ﷺ کے سلام کو بعید غائب مکتوب الیہ کے سلام پر قیاس کر رہے ہیں۔ کیا دونوں میں کوئی علت جامعہ موجود ہے۔ کیا بعید غائب مکتوب الیہ کی حقیقت معاذ اللہ حقیقت محمدیہ کی طرح حقائق کائنات میں جاری و ساری ہے۔

آپ لوگ بعید غائب مکتوب الیہ تک اپنا خط پہنچنے کو یقینی فرما رہے ہیں۔ اس یقین کے لیے آپ کے پاس کون سی دلیل ہے، بسا اوقات قاصد ہمارا خط مکتوب الیہ تک نہیں پہنچاتا۔ کبھی خط پہنچنے سے پہلے قاصد مر جاتا ہے۔ بسا اوقات خط وصول ہونے سے قبل مکتوب الیہ فوت ہو جاتا ہے۔ کبھی ہمارے خطوط ضائع بھی ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں یقین کا دعویٰ کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ یقین کو ایسے بلند مقام پر پہنچانا کہ بارگاہ

نبوت میں نمازیوں کے سلام پہنچنے کے یقین کو معاذ اللہ اس کی مثل قرار دے دینا مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی ہی سے متصور ہو سکتا ہے اہل بصیرت مسلمان تو اس قول کو بارگاہ نبوت سے دوری اور مجبوی کی دلیل سمجھتا ہے۔

گیا گزرا قول

اس کے بعد اسی سلام تشہد کی بحث میں صاحب فتح الملہم نے انور شاہ کی عرف شذی سے ایک قول نقل کیا ہے جو علم و عقل انصاف و دیانت کی روشنی میں صاحب فتح الملہم کے قول سے بھی گیا گزرا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”الفاظ خطاب زبان عرب میں مخاطب کی خیالی صورت کو ذہن میں حاضر کرنے کے لیے (وضع کیے گئے) ہیں یہ ضروری نہیں کہ مخاطب کو اس کا علم ہو“ اس کے متعلق عرض ہے کہ انور شاہ صاحب کی اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے خطاب و ندا کے عام استعمالات کو بالکل سطحی نظر سے دیکھا غور و فکر سے کام لینے کی کوشش نہ کی۔

مخاطب میں اصل حاضر ہونا ہے۔

درحقیقت خطاب و حضور کے صیغوں اور ندا کے الفاظ کا استعمال دو طریقوں سے ہوتا ہے ایک اصل کے مطابق اور دوسرا خلاف اصل۔ کسی استعمال کو اصل کے مطابق قرار دینے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اصل محتاج دلیل نہیں اور خلاف اصل قرار دینا محتاج دلیل ہوتا ہے اس لیے عدول عن الاصل بغیر دلیل کے جائز نہیں۔

مخاطب میں اصل یہ ہے کہ وہ حاضر ہو، علم صرف پڑھنے والے مبتدی بھی جانتے ہیں کہ اصل ابحاث صرف میں خطاب و غیبت کے صیغوں کو حاضر و غائب سے تعبیر کیا جاتا ہے البتہ بعض اوقات غیر مخاطب کو بمنزل مخاطب اور غائب کو بمنزل حاضر نازل کر کے حاضر و مخاطب کے صیغے استعمال کیے جاتے ہیں مگر یہ استعمال بدہتہ خلاف اصل اور محتاج دلیل ہے۔

اس لیے انور شاہ صاحب کا فرض تھا کہ وہ ”السلام علیک ایہا النبی“ میں الفاظ خطاب کے استعمال کو خلاف اصل ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل قائم کرتے

لیکن الحمد للہ! وہ اقامت برہان سے عاجز رہے اور ان شاء العزیز ان کے اذنا ب و اتباع سے عاجز رہیں گے۔

تو اچھی طرح واضح ہو گیا کہ سلام تشہد میں الفاظ خطاب کا استعمال اصل کے مطابق ہے اور حضور نبی کریم ﷺ جو سلام تشہد میں ہمارے مخاطب ہیں، فی الواقع حاضر و موجود اور حرم حبیب میں جلوہ گر ہیں جب وہ تشریف فرما ہیں تو ناممکن ہے کہ ہمارے خطاب و ندا سے بے خبر رہیں

پھر یہ بھی ہے کہ جس طرح خطاب میں اصل حضور ہے بالکل اسی طرح ندا میں منادی کو بلانا اور اپنی پکار سنا کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنا اصل ہے یہی وجہ ہے جب ایسی چیزوں کو ندا کی جاتی ہے جن میں منادی ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی تو پہلے انہیں صلاحیت نداد رکھنے والی چیزوں کے منزل میں نازل کیا جاتا ہے اس کے بعد حرف ندا اس پر داخل کرتے ہیں جیسے ”یا جبال، یا ارض، یا ظبیات القاع“ کہ انہیں پکارنے والے کی طرف متوجہ ہونے کی صلاحیت رکھنے والے کی منزل میں نازل کرنے کے بعد ندا کی گئی ہے جیسے کہ شرح ملا جامی میں بالتفصیل مرقوم ہے۔

کیا رسول اللہ ﷺ مٹی و پتھر کی طرح ہیں

ثابت ہوا کہ منادی میں پکارنے والے کی پکار کو سننے اور متوجہ ہونے کی صلاحیت نہ رکھنا خلاف اصل ہے اور خلاف اصل ہمیشہ محتاج دلیل ہوتا ہے اس لیے ”یا جبال، یا ارض، یا ظبیات القاع وغیرہا اس قسم کی تمام مثالوں میں منادی کا پکارنے والے کی ندا سے بے خبر رہنا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہونا خلاف اصل ہے جس پر ان کا ظاہر حال دلیل ہے کہ بالبداہت ان میں جاننے، سننے اور متوجہ ہونے کی صلاحیت موجود نہیں۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کیا مٹی و پتھر کی طرح معاذ اللہ، حضور ﷺ کی ذات مقدسہ سے بھی علم و ادراک اور متوجہ ہونے کی صلاحیت کی نفی ہو سکتی ہے؟ کیا کسی ذی ہوش کے نزدیک معاذ اللہ، حضور ﷺ کا ظاہر حال بھی مٹی، پتھر اور جنگل کے ہرنوں جیسا ہو سکتا ہے اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کا قیاس یا جبال،

یا ارض اور یا ظبیات القاع پر کیسے صحیح ہوا؟

اور سلام تشہد میں الفاظ خطاب کے خلاف اصل استعمال پر کون سی دلیل قائم ہوئی؟ جب کوئی بھی دلیل خلاف اصل استعمال پر قائم نہ ہو سکی تو ثابت ہو گیا کہ یہاں الفاظ خطاب و ندا کا استعمال عین اصل کے مطابق ہے اور ان الفاظ کی تعلیم میں یہی حکمت ہے کہ حضور ﷺ حرم حبیب میں حاضر ہیں اور سلام عرض کرنے والے کی طرف ضرور متوجہ ہوتے ہیں، واللہ الحمد!

ندبہ ہے نداء نہیں

رہا یہ امر کہ انور شاہ صاحب نے عرف شذی میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کی مثال میں واجبلاہ، واویلاہ اور یازیداہ کو پیش کیا ہے تو اس کے جواب میں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ شاہ صاحب کو یہ شروفعاں اور واویلاہ کی ضرورت صرف اس لیے پیش آئی کہ اسی مقام پر علماء عارفین ”فَإِذَا الْحَبِيبُ فِي حَرَمِ الْحَبِيبِ حَاضِرٌ“ فرما چکے ہیں جو شاہ صاحب کے لیے ایک مصیبت عظمیٰ ہے اور مصیبت کے وقت ہر شخص گریہ زاری کے ساتھ واویلا پکارتا ہے اس لیے شاہ صاحب کی زبان پر بھی بے ساختہ واویلا جاری ہو گیا اور شدت آہ بکا میں انہیں اتنی بات بھی یاد نہ رہی کہ ان تینوں مثالوں میں ندبہ ہے ندا نہیں۔ وہ یہ بھی بھول گئے کہ ندا کے معنی ہیں پکارنا اور ندبہ کے معنی ہیں رونا، چلانا اور وہ شدت الم میں یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ یازیداہ میں حرف ”یا“ بمعنی واؤ ہے اور ورونے چلانے کے وقت صرف آواز بلند کرنے کے لیے بولا جاتا ہے اس سے ندا مقصود نہیں ہوتی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح محبت محبوب کے عیب کی طرف سے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے اس طرح بغض بھی مبعوض کے حسن و جمال کی طرف سے اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔

کیا کسی اہل ایمان کے تصور ﷺ میں بھی یہ بات آ سکتی ہے کہ ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ میں جس طرح خطاب اور ندا کے الفاظ مستعمل ہیں معاذ اللہ، اسی طرح واجبلاہ اور واویلاہ اور یازیداہ میں بھی ندبہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ع

(بسوخت عقل ز حیرت کہ اس چہ بواجبی است) (۱)

اس کے بعد اگر کوئی سید الانبیاء علیہ السلام کو پہاڑوں اور مٹی کی طرح ہی سمجھتا و مانتا ہے بلکہ ان کے پکارنے کی یا ہامان اور یا فرعون کی نقل گردانتا ہے تو اس کی سمجھ و شعور پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔

شیخ سرفراز گکھڑوی نے ظلم کی انتہا کرتے ہوئے لکھ دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا۔

﴿ وَ اِنِّي لَا ظُنُّكَ يَفِرُّ عَوْنٌ مَثْبُورًا ۝ ﴾ (۲)

اور بے شک میں تجھے خیال کرتا ہوں تو تباہ کر دیا جائے گا
اس آیت میں یا فرعون کے جملہ کو ذہن میں محفوظ رکھیے تاکہ کام آئے
----- بکار آمد (۳)

اگر حرف ”یا“ سے حاضر و ناظر ہی مراد ہو تو براہ کرم ذیل آیت کا مطلب ہمیں سمجھا دیں۔

۱- ﴿ يَهَامُنُ ابْنِ لِي صَرْحًا ﴾ (۴)

اے ہامان میرے لیے ایک بلند عمارت تعمیر کر

۲- ﴿ يَا هَلْ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ ﴾ (۵)

اے یہود و نصاریٰ دین میں تجاوز نہ کرو

۳- ﴿ وَ اِنِّي لَا ظُنُّكَ يَفِرُّ عَوْنٌ مَثْبُورًا ۝ ﴾ (۶)

اے فرعون میرے خیال میں تو ہلاک کر دیا جائے گا

۴- اسی طرح قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ”يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ“ (اے

(۱) تسکین الخواطر، ۵۷۳۵۲

(۲) بنی اسرائیل: ۱۰۲

(۳) تبرید النواظر: ۱۶۲

(۴) المؤمن: ۳۶

(۵) النساء: ۱۷۱

(۶) بنی اسرائیل: ۱۰۲

کافرو) کے الفاظ موجود ہیں (۱)
 کھلے الفاظ میں وہ کہتا ہے کہ یا رسول اللہ لفظ بھی اس طرح ہے جیسے
 يَفِرُّ عَوْنٌ، يَهَامُنٌ، ”يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ“
 حالانکہ کہاں حبیب خدا ﷺ اور کہاں یہ ناپاک؟

علماء اُمت اور علماء نجد و دیوبند کی سوچ میں فرق

امام العصر علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ نے اس عنوان کے تحت اس حقیقت کو
 ان الفاظ میں آشکار کیا ہے۔

مقام حیرت ہے کہ علماء اسلام انبیاء علیہم السلام کو بالعموم اور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ
 السلام کو بالخصوص ملائکہ پر قیاس کرتے ہیں اور علماء دیوبند آپ کو ہواؤں، پہاڑوں اور
 احباء کی منازل کی منازل اور ٹھکانوں پر قیاس کرتے ہیں۔

علماء سابقین ان کو کمالات ملکیہ سے متصف مانتے ہیں بلکہ کمالات الہیہ کا مظہر
 جانتے ہیں اور ان کے لیے دور دراز سے دیکھنے سننے کی قوتیں تسلیم کرتے ہیں اور علماء
 دیوبند ان کو پہاڑوں اور مکانوں وغیرہ کی طرح بے علم اور بے خبر جانتے ہیں علماء اعلام اور
 اکابرین ملت امتیوں کو نبی اکرم ﷺ کے قریب اور شعور اور علم و آگاہی پر نظر رکھنے اور
 غافل و زائل نہ ہونے کی تلقین کرتے ہیں جبکہ علماء دیوبند اس نظریہ و عقیدہ پر شرک کے
 فتوے صادر کرتے ہیں۔

(بہین تفاوت از کجاست تا کجا)

قبل ازیں علامہ حسین احمد کی زبانی پانچ صورتوں میں ندائے یا رسول اللہ کا مواد
 ذکر کیا جا چکا ہے جن میں پانچویں وجہ یہ تھی کہ پکارنے والے کے لیے بعد مسافت اور
 کثافت جسمانی باقی نہ رہے اور وہ جہاں کہیں بھی ہو براہ راست اپنے معروضات بارگاہ
 رسالت میں پیش کر سکتا ہو تو اس لیے بھی یا رسول اللہ پکارنا جائز ہے۔

اے کاش علماء دیوبند سید الانبیاء ﷺ میں اتنی صلاحیت اور استعداد بھی تسلیم کر
 لیتے جتنی کہ آپ ﷺ کے امتیوں میں تسلیم کر سکتے ہیں! ہمیں معلوم نہیں ہوسکا کہ آخر

افضل الخلاق علی الاطلاق اور خلیفۃ العظم فی السبع الطباق کے ساتھ اس قدر عداوت اور دشمنی کیوں ہے اور ان کے حق میں ایسے کمالات تسلیم کرنا ان کے لیے ناگوار کیوں ہے؟ جو آپ ﷺ کے امتیوں میں تسلیم کرتے ہیں، علاوہ ازیں ابلیس جیسے لعنتی میں بھی تسلیم کرتے ہیں۔ (۱)

مزید تفصیل کے لیے بندہ کا مقالہ ”کیا اولیاء اللہ اور بت ایک ہوتے ہیں“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

فصل:

قبل اعلان نبوت بھی حضرت انبیا علیہم السلام ساری مخلوق سے ممتاز ہوتے ہیں

نبوت و رسالت کے لئے استعداد و صلاحیت ذاتی کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو آراء ہیں۔

۱۔ استعداد ذاتی شرط نہیں نبوت و رسالت عطیہ الہی ہے اللہ جسے چاہے عطا فرمائے

۲۔ استعداد ذاتی شرط ہے اس کے بغیر نبوت نہیں مل سکتی، یہ فلاسفہ کا قول ہے۔

ان دونوں کے درمیان اعتدال و موافقت یوں کی گئی کہ استعداد ذاتی وجہ ترجیح

ہے نہ کہ موجب نبوت، یعنی اللہ تعالیٰ اسے نبوت دینے کا پابند نہیں ہاں اس کا طریقہ و

سنت یہی ہے کہ وہ دیگر سے اعلیٰ استعداد والے کو ہی اپنی نبوت و رسالت کے لئے منتخب

کرتا ہے اور ایسی استعداد دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

حکماء اور محققین اسلام کا یہی موقف ہے۔

اول موقف والوں نے دلیل دی ہے کہ ارشاد الہی ہے۔

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ط

(اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کہاں رکھے)

جو واضح کر رہا ہے کہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ جسے چاہے عطا فرمائے۔

لیکن سید شریف جرجانی (ت، ۸۱۲) نے لکھا۔

وَفِي دَلَالَةِ هَذَا الْآيَةِ عَلَى الْبَطْلِ نَوْعٌ خِفَاءٍ كَمَا

لَا يَخْفَى (۱)

(اس آیت کی مطلوب پر دلالت میں خفا ہے جو واضح ہے)
 علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (ت، ۱۰۶۷) نے 'نوع خفاء کمالاً یخفی' کی
 وضاحت کرتے ہوئے لکھا۔

لِأَنَّ الْبَطْلُوبَ أَنَّ الْبُخْصِصَ هَجْرًا الْمَشِيئَةَ وَالْآيَةَ
 إِنَّمَا تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ تَعَالَى يَعْلَمُ الْمَكَانَ الَّذِي يَجْعَلُ
 فِيهِ رِسَالَتَهُ وَهَذَا أَمْرٌ آخَرٌ بَلْ دَلَالَةُ الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ
 عَلَى إِشْتِرَاطِ الْإِسْتِعْدَادِ أَظْهَرَ فَانزَلَتْ
 الْآيَةَ لِلرَّدِّ عَلَيْهِمْ بِأَنَّ النَّبُوَّةَ لَيْسَتْ بِالنَّسَبِ
 وَالْمَالِ وَإِنَّمَا هِيَ بِفَضَائِلِ نَفْسَانِيَّةٍ يَخْتَصُّ بِهَا
 أَشْيَاءٌ عَنِ عِبَادَةِ فَيَجْتَبِي لِرِسَالَتِهِ مِنْ عِلْمٍ أَنَّهُ
 يَصْلُحُ بِهَا كَذَا فِي تَفْسِيرِ الْقَاضِي (۱)

(کیونکہ مطلوب یہ ہے کہ وہ تخصیص محض ہشیت الہی ہے اور آیت اس پر
 دل ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ محل جانتا ہے جس میں رسالت رکھنی ہے اور یہ اور
 بات ہے بلکہ آیت مبارکہ کی دلالت شرط استعداد پر خوب ظاہر ہے اس
 آیت میں ان لوگوں کا رد ہے کہ نبوت نسب و مال نہیں ملا کرتی یہ تو ذوات
 کے فضائل کی بنا پر ملتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے
 مخصوص فرمادے تو وہ اپنی رسالت کے لئے انہیں منتخب فرماتا ہے جس
 میں اس کی صلاحیت و استعداد ہو)

اس کے بعد اپنے اور فلاسفہ کے موقف میں فرق کرتے ہوئے لکھا۔
 ثُمَّ هَذَا لَا يَسْتَلْزِمُ الْإِيجَابَ الَّذِي يَقُولُهُ الْفَلَّاسِفَةُ
 لِأَنَّهُ تَعَالَى إِنْ شَاءَ أَعْطَى النَّبُوَّةَ وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَه
 وَإِنْ اسْتَعَدَّ الْمَحَلُّ

(یہ موقف اس ایجاب و لزوم کو مستلزم نہیں جو فلاسفہ کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ

چاہے تو نبوت عطا کرے اور اگر چاہے نہ دے اگرچہ محل میں استعداد ہو)

صحابی سے تائید

اس موقف کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے بھی ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا سب سے افضل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل پایا تو انہیں اپنا رسول بنا دیا، اس کے بعد دوبارہ دلوں کو دیکھا تو صحابہ کرام کے دلوں کا درجہ لوگوں سے بہتر پایا تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ و وزیر بنا دیا۔ روایت کے الفاظ ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهِ وَابْعَثَهُ بِرِسَالَاتِهِ ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَجَعَلَهُمْ وَزَرَءَ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَاتِلُونَ فِي دِينِهِ فَمَرَّ أَعْيُنُ الْمُسْلِمِينَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ سَيِّئٌ (۱)

(اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو سب سے بہتر دل سیدنا محمد ﷺ کا پایا تو اسے اپنے لئے منتخب کیا اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا پھر بندوں کے دلوں کو دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کے دل تمام سے بہتر پائے تو انہیں اپنے نبی کے وزیر بنایا انہوں نے دین کی خاطر جہاد کیا تو جسے مسلمان پسند کر لیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسند ہے اور جسے مسلمان ناپسند کر لیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ناپسند ہے)

امام نور الدین ہیشمی (ت۔ ۸۰۷) نے مجمع الزوائد کی جلد اول باب الاجماع

اور جلد آٹھ میں 'باب عظیم قدرہ' کے تحت نقل کیا اور لکھا۔

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْبَزَّازُ وَ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ وَالْأَوْسَطِ
وَ رِجَالُهُ مُوْتَقُونَ (۱)

(اسے امام احمد، بزار، طبرانی نے المعجم الکبیر اور اوسط میں نقل کیا اور اس
کے راوی ثقہ ہیں)

واضح رہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول غیر اجتہادی ہے یعنی یہ
انہوں نے بلاشبہ رسول اللہ ﷺ سے ہی سنا از خود وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتے لہذا یہ حکم
مرفوع (فرمان نبوی) میں ہے۔

حکماء اسلام کے دلائل

اس موقف کو حکماء اسلام نے قبول کیا اور اس پر دلائل فراہم کرتے ہوئے لکھا
کہ اللہ تعالیٰ نے ذوات کو مساوی و برابر نہیں بنایا بلکہ ان میں مختلف درجات رکھے ہیں
جس طرح پانی اور آگ کی ذات برابر نہیں، تاریکی اور روشنی برابر نہیں، کستوری اور پلیدی
برابر نہیں، اس طرح سر زمین کعبہ اور باقی زمین برابر نہیں، حجر اسود کی ذات باقی پتھروں
کے برابر نہیں اس طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کی ذوات دیگر ذوات کے ہرگز برابر
نہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسروں سے اعلیٰ صلاحیت دی ہے جو نبوت و رسالت پر وجہ
ترجیح ہے امام رازی، امام غزالی، شیخ ابن قیم، علامہ سید محمود آلوسی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر
بڑی تفصیلی گفتگو کی اور واضح کیا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ذوات دوسروں سے کئی
اعتبار سے ممتاز ہیں انہیں ہرگز دوسرے کے برابر و مساوی قرار دینا نہیں چاہیے ورنہ ترجیح
بلامرغ لازم آئے گی، آئیے امام رازی کی گفتگو کا مطالعہ کرتے ہیں۔

وَأَمَّا قَوْلُهُ: (اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ)
فَالْمَعْنَى أَنَّ لِلرِّسَالَةِ مَوْضِعًا مَخْصُوصًا لَا يَصْلُحُ
وَضْعَهَا إِلَّا فِيهِ فَمَنْ كَانَ مَخْصُوصًا مَوْضُوفًا بِتِلْكَ
الصِّفَاتِ الَّتِي لِأَجْلِهَا يَصْلُحُ وَضْعُ الرِّسَالَةِ فِيهِ
كَانَ رَسُولًا وَإِلَّا فَلَا وَالْعَالِمُ بِتِلْكَ الصِّفَاتِ

لَيْسَ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى
 وَاعْلَمْ أَنَّ النَّاسَ اخْتَلَفُوا فِي هَذِهِ السَّأَلَةِ: فَقَالَ
 بَعْضُهُمْ: النَّفُوسُ وَالْأَرْوَاحُ مُتَسَاوِيَةٌ فِي تَمَامِ
 الْمَاهِيَةِ فَحُصُولُ النَّبُوءَةِ وَالرِّسَالَةِ لِبَعْضِهَا دُونَ
 الْبَعْضِ تَشْرِيفٌ مِّنَ اللَّهِ وَإِحْسَانٌ وَتَفَضُّلٌ وَقَالَ
 آخَرُونَ: بَلِ النَّفُوسُ الْبَشَرِيَّةُ مُخْتَلِفَةٌ بِجَوَاهِرِهَا
 وَمَاهِيَّتِهَا، فَبَعْضُهَا خَيْرَةٌ طَاهِرَةٌ مِنْ عَلَائِقِ
 الْجَسَانِيَّاتِ مُشْرِقَةٌ بِالْأَنْوَارِ الْإِلَهِيَّةِ مُسْتَعْلِيَّةٌ
 مُنَوَّرَةٌ وَبَعْضُهَا خَسِيسَةٌ كُدْرَةٌ مُجَبَّةٌ لِلْجَسَانِيَّاتِ
 فَالْنَّفْسُ مَا لَمْ تَكُنْ مِنَ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ لَمْ تَصْلُحْ
 لِقَبُولِ الْوَحْيِ وَالرِّسَالَةِ ثُمَّ إِنَّ الْقِسْمَ الْأَوَّلَ يَقَعُ
 الْإِخْتِلَافُ فِيهِ بِالزِّيَادَةِ وَالنَّقْصَانِ وَالْقُوَّةِ
 وَالضُّعْفِ إِلَى مَرَاتِبَ لَا نِهَآيَةَ لَهَا فَلَا جَرَمَ كَانَتْ
 مَرَاتِبُ الرُّسُلِ مُخْتَلِفَةً فَمِنْهُمْ مَنْ حَصَلَتْ لَهُ تَبِعٌ
 عَظِيمٌ وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ الرَّفْقُ غَالِبًا عَلَيْهِ وَمِنْهُمْ
 مَنْ كَانَ التَّشْدِيدُ غَالِبًا عَلَيْهِ (۱)

(ارشاد الہی (اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کہاں رکھے) اس کا معنی
 یہ ہے کہ رسالت کے لئے مخصوص مقام کا ہونا ضروری ہے اس کے رکھنے
 کی اس میں صلاحیت ہے تو جو ان صفات سے موصوف و مخصوص ہوگا جن
 کی وجہ سے وہ محل رسالت بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو وہ رسول ہوگا ورنہ
 نہیں اور ان صفات کا عالم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

یاد رہے لوگوں کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں نفوس
 اور ارواح تمام ماہیت میں برابر مساوی ہیں تو ان میں بعض کو نبوت و

رسالت کا ملنا اور بعض کو نہ ملنا یہ اللہ تعالیٰ کا ہی احسان، فضل و کرم ہے لیکن دوسرے لوگ کہتے ہیں نفوس بشریہ اپنے جواہر اور ماہیات میں (برابر نہیں) اختلاف رکھتے ہیں ان میں سے بعض بہتر، علائق جسمانیات سے پاک، انوار الہی سے روشن، شفاف اور منور ہوتے ہیں۔ اور بعض ان میں خسیں، گھٹیا اور جسمانیات کی محبت میں گرے ہوتے ہیں تو جب تک نفس، قسم اول سے نہ ہو وہ قبول وحی و رسالت کی صلاحیت نہیں رکھتا پھر قسم اول میں بھی کمی بیشی اور قوت و ضعف کے اعتبار سے غیر محدود مراتب ہیں لہذا مراتب رسل بھی یقیناً مختلف ہونگے ان میں سے کچھ کے تبعین بہت زیادہ ہونگے کسی پر نرمی و شفقت کا غلبہ اور کسی پر جلال غالب ہوگا)

امام فخر الدین رازی (ت۔ ۶۰۶) نے (إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ) کے تحت امام حلیمی (ت، ۴۰۳) کے حوالہ سے اس مسئلہ پر یہ تفصیلی گفتگو کی ہے۔

فَنَقُولُ: فِي الْآيَةِ قَوْلَانِ الْأَوَّلُ: الْمَعْنَى أَنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ دِينَ آدَمَ وَ دِينَ نُوحٍ فَيَكُونُ الْإِصْطِفَاءُ رَاجِعًا إِلَىٰ دِينِهِمْ وَ شَرْعِهِمْ وَ مِلَّتِهِمْ، وَيَكُونُ هَذَا الْمَعْنَى عَلَى تَقْدِيرٍ حَذَفِ الْبُضَافِ وَالثَّانِي: أَنْ يَكُونَ الْمَعْنَى: إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُمْ، أَيْ صَفَاهُمْ مِنَ الصِّفَاتِ الذَّمِيَّةِ، وَزَيَّنَهُمْ بِالْخِصَالِ الْحَبِيدَةِ، وَ هَذَا الْقَوْلُ أَوْلَىٰ لَوْجْهَيْنِ أَحَدُهُمَا: أَنَا لَا تَحْتَاجُ فِيهِ إِلَى الْإِضْمَارِ

وَالثَّانِي: إِنَّهُ مُوَافِقٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ) وَ ذَكَرَ الْحَلِيمِيُّ فِي كِتَابِ "الْبِنَهَاجِ" أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا بَدَّ وَ أَنْ يَكُونُوا مُخَالَفِينَ لِغَيْرِهِمْ فِي الْقُوَى الْجِسْمَانِيَّةِ وَ الْقُوَى الرُّوحَانِيَّةِ، وَ أَمَّا الْقُوَى

الجِسْمَانِيَّةُ، فَهِيَ إِمَّا مُدْرِكَةٌ أَوْ مُحَرِّكَةٌ أَمَّا الْمُدْرِكَةُ:
 فَهِيَ أَمَّا الْحَوَاسُ الظَّاهِرَةُ، وَأَمَّا الْحَوَاسُ البَاطِنَةُ،
 أَمَّا الْحَوَاسُ الظَّاهِرَةُ فَهِيَ خَمْسَةٌ أَحَدُهَا: الْقُوَّةُ
 البَاصِرَةُ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
 وَسَلَّمَ فَخْصُوصًا بِكَمَالِ هَذِهِ الصِّفَةِ وَ يَدُلُّ عَلَيْهِ
 وَجْهَانِ الْأَوَّلُ: قَوْلُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ:
 ”زُوِيَتْ لِي الْأَرْضُ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا“
 وَالثَّانِي: قَوْلُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ”أَقْبَهُوا
 صُفُوفَكُمْ وَتَرَاصَّوْا فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي“
 وَ نَظِيرُ هَذِهِ الْقُوَّةِ مَا حَصَلَ لِإِبْرَاهِيمَ وَ هُوَ قَوْلُهُ
 تَعَالَى: (وَ كَذَلِكَ نُرَى إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ
 وَ الْأَرْضِ) (الأنعام: ٤٥) ذَكَرُوا فِي تَفْسِيرِهِ أَنَّهُ تَعَالَى
 قَوِي بَصَرُهُ حَتَّى شَاهَدَ جَمِيعَ الْمَلَكُوتِ مِنَ الْأَعْلَى
 وَ الْأَسْفَلِ قَالَ الْحَلِيمِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: وَ هَذَا غَيْرُ
 مُسْتَبْعَدٍ لِأَنَّ الْبَصَرَاءَ يَتَفَاوَتُونَ فَرُوِيَ أَنَّ زُرْقَاءَ
 الْيَمَامَةِ كَانَتْ تَبْصُرُ الشَّيْءَ مِنْ مَسِيرَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ
 فَلَا يُبْعَدُ أَنْ يَكُونَ بَصْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
 وَسَلَّمَ أَقْوَى مِنْ بَصْرِهَا وَ ثَانِيهَا: الْقُوَّةُ السَّامِعَةُ،
 وَكَانَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَقْوَى النَّاسِ فِي
 هَذِهِ الْقُوَّةِ، وَ يَدُلُّ عَلَيْهِ وَجْهَانِ أَحَدُهُمَا: قَوْلُهُ
 صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ”أَطَّتِ السَّمَاءُ وَ حَقَّ لَهَا
 أَنْ تَبْطَأَ مَا فِيهَا مَوْضِعُ قَدَمٍ إِلَّا وَ فِيهِ مَلِكٌ سَاجِدٌ
 لِلَّهِ تَعَالَى“ فَسَمِعَ أَطِيطَ السَّمَاءِ وَ الثَّانِي: أَنَّهُ سَمِعَ
 وَدِيًّا وَ ذَكَرَ أَنَّهُ هُوَ صَخْرَةٌ قُذِفَتْ فِي جَهَنَّمَ فَلَمْ

تَبْلُغُ قَعْرَهَا إِلَى الْآنَ، قَالَ الْحَلِيمِيُّ: وَلَا سَبِيلَ
 لِلْفَلَّاسِفَةِ إِلَى اسْتِبْعَادِ هَذَا، فَإِنَّهُمْ زَعَمُوا أَنَّ
 فِيثَا غَوْرَثَ رَاضٍ نَفْسَهُ حَتَّى سَمِعَ خَفِيفَ الْفَلَكَ،
 وَ نَظِيرُ هَذِهِ الْقُوَّةِ لِسُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي قِصَّةِ
 النَّهْلِ ﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّهْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ﴾
 (النمل: ١٨) فَاللَّهُ تَعَالَى أَسْمَعَ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ
 كَلَامَ النَّهْلِ وَأَوْقَفَهُ عَلَى مَعْنَاهُ وَ هَذَا دَخَلَ أَيْضًا
 فِي بَابِ تَقْوِيَةِ الْفَهْمِ، وَ كَانَ ذَلِكَ حَاصِلًا لِبُحْدِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تَكَلَّمَ مَعَ الذَّبِّ وَ مَعَ
 الْبَعِيرِ ثَالِثُهَا: تَقْوِيَةُ قُوَّةِ الشَّمِّ، كَمَا فِي حَقِّ يَعْقُوبَ
 عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَإِنَّ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا
 أَمَرَ بِحَمْلِ قَمِيصِهِ إِلَيْهِ وَ الْقَائِهِ عَلَى وَجْهِهِ، فَلَمَّا
 فَصَلَتِ الْعَيْرُ قَالَ يَعْقُوبُ ﴿إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ
 يُوسُفَ﴾ (يوسف: ٩٣) فَأَحْسَسَ بِهَا مِنْ مَسِيرَةِ أَيَّامٍ
 وَرَابِعُهَا: تَقْوِيَةُ قُوَّةِ الذُّوقِ، كَمَا فِي حَقِّ رَسُولِنَا
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَالَ: "إِنَّ هَذَا
 الذِّرَاعَ يُخْبِرُنِي أَنَّهُ مَسْبُومٌ" خَامِسُهَا: تَقْوِيَةُ
 الْقُوَّةِ اللَّامِسَةِ كَمَا فِي حَقِّ الْخَلِيلِ حَيْثُ جَعَلَ اللَّهُ
 تَعَالَى النَّارَ بَرْدًا وَ سَلَامًا عَلَيْهِ، فَكَيْفَ يُسْتَبَعَدُ
 هَذَا يُشَاهِدُ مِثْلَهُ فِي السَّبْنَدِلِ وَ النَّعَامَةِ، وَ أَمَّا
 الْحَوَاسُ الْبَاطِنَةُ فَمِنْهَا قُوَّةُ الْحِفْظِ، قَالَ تَعَالَى:

﴿سَنُقِرُّكَ فَلَا تَنْسَى﴾ (١)

وَ مِنْهَا قُوَّةُ الذِّكَاةِ قَالَ عَلِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ "عَلَّيْنِي

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَلْفَ بَابٍ
 مِنَ الْعِلْمِ وَاسْتَنْبَطْتُ مِنْ كُلِّ بَابٍ أَلْفَ بَابٍ“
 فَإِذَا كَانَ حَالُ الْوَلِيِّ هَكَذَا فَكَيْفَ حَالُ النَّبِيِّ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: وَأَمَّا الْقُوَى الْمُحَرِّكَةُ: فَمِثْلُ
 عُرُوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِلَى
 الْبِعْرَاجِ وَعُرُوجِ عَيْسَى حَيًّا إِلَى السَّمَاءِ وَرُفِعَ
 إِدْرِيسُ وَإِلْيَاسُ عَلَى مَا وَرَدَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ، وَ
 قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ
 أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ﴾ (النمل: ٢٠٠)
 وَأَمَّا الْقُوَى الرُّوحَانِيَّةُ الْعَقْلِيَّةُ: فَلَا بُدَّ أَنْ تَكُونَ
 فِي غَايَةِ الْكَمَالِ وَنِهَايَةِ الصَّفَاءِ، وَاعْلَمْ أَنَّ تَمَامَ
 الْكَلَامِ فِي هَذَا الْبَابِ أَنَّ النَّفْسَ الْقُدْسِيَّةَ النَّبُوَّةَ
 مُخَالِفَةً بِمَا هِيَ لِسَائِرِ النَّفُوسِ وَمِنْ لَوَازِمِ تِلْكَ
 النَّفْسِ الْكَمَالِ فِي الذِّكَاءِ وَالْفِطْنَةِ، وَالْحُرِّيَّةِ، وَ
 الْإِسْتِعْلَاءِ وَالتَّرْفُّعِ عَنِ الْجِسْمَانِيَّاتِ وَالشَّهَوَاتِ
 فَإِذَا كَانَتِ الرُّوحُ فِي غَايَةِ الصَّفَاءِ وَالشَّرْفِ وَ
 كَانَ الْبَدَنُ فِي غَايَةِ النُّقَاءِ وَالطَّهَارَةِ كَانَتْ هَذِهِ
 الْقُوَى الْمُحَرِّكَةُ وَالْبُدْرِكَةُ فِي غَايَةِ الْكَمَالِ لِأَنَّهَا
 جَارِيَةٌ فَجَرَى أَنْوَارٍ فَائِضَةٍ مِّنْ جَوْهَرِ الرُّوحِ
 وَاصِلَةٌ إِلَى الْبَدَنِ وَمَتَى كَانَ الْفَاعِلُ وَالْقَابِلُ فِي
 غَايَةِ الْكَمَالِ كَانَتِ الْأَثَارُ فِي غَايَةِ قُوَّةِ الشَّرْفِ
 وَالصَّفَاءِ (١)

(اس آیت کے بارے دو اقوال ہیں پہلا کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین

ابراہیم اور دین نوح علیہم السلام کو چن لیا تو اب چننے کی نسبت ان کے دین، شریعت اور ملت کی طرف ہوگی اور یہ معنی حذف مضاف ماننے کی صورت میں ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذوات کو چنا یعنی انہیں صفات بد سے محفوظ کر کے اعلیٰ فضائل و عادات سے مزین فرما دیا یہ قول ان دونوں دلائل کی وجہ سے اولیٰ و بہتر ہے، ایک یہ ہے کہ اس صورت میں عبارت پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں پڑتی دوسری یہ ہے کہ اس میں ارشاد الہی ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ کے موافق ہے امام حلیمی نے اپنی کتاب المنہاج میں لکھا حضرات انبیاء علیہم السلام کا جسمانی قوتوں اور روحانی قوتوں میں دوسروں سے جدا و مخالف ہونا ضروری ہے، جسمانی قوتیں دو طرح کی ہیں قوت مدرکہ ہے یا قوت محرکہ، قوت مدرکہ حواس ظاہری ہیں یا حواس باطنی، حواس ظاہری پانچ ہیں ایک قوت باصرہ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قوت میں کمال درجہ پر فائز ہیں اس میں دو دلائل ملاحظہ کیجئے اول رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا گیا ہے میں اس کے مشارق و مغارب کو دیکھتا ہوں دوسرا آپ ﷺ کا فرمان ہے اپنی صفیں درست کیا کرو کیونکہ میں پشت کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں، اس قوت کی نظیر حضرت ابراہیم علیہ السلام میں دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (اور اس طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنتیں دکھائیں) اس کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہ کو اس قدر قوت عطا کی کہ انہوں نے تمام ملکوت کو دیکھ لیا۔ خواہ وہ بلند تھی یا پست تھیں۔ شیخ حلیمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ کوئی بعید بات نہیں کیونکہ دیکھنے والوں میں تفاوت مسلم و موجود ہے۔ منقول ہے زرقاء یمامہ تین دن کی مسافت سے شی کو دیکھ لیتی تھی تو اس میں کیا بعد ہے کہ نبی کی نگاہ اس سے زیادہ قوی ہے۔

دوسری قوت سامعہ، ہے رسالت مآب ﷺ اس قوت میں تمام لوگوں سے زیادہ قوت رکھتے اس پر بھی دو دلائل سن لیجئے ایک یہ کہ فرمان نبوی ہے

آسمان چڑچڑاتا رہتا ہے اور اس کا چڑچڑانا حق ہے کیونکہ اس میں ایک قدم جگہ ایسی نہیں کہ یہاں فرشتہ بارگاہ الہی میں سجدہ ریز نہ ہو تو آپ ﷺ آسمان کی آوازیں لیتے ہیں۔ دوسری یہ کہ آپ ﷺ نے ایک آواز سنی اور بتایا کہ یہ دوزخ میں ایک پتھر پھینکا گیا ہے اور اس کی تہہ میں ابھی پہنچا ہے۔ شیخ حلیمی فرماتے ہیں کہ فلاسفہ بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے کیونکہ وہ خود کہتے ہیں کہ فیثا غورث نے اتنی ریاضت کی تھی کہ فلک کی آوازیں لیتا تھا۔ اور اس قوت کا اظہار حضرت سلیمان علیہ السلام سے واقعہ چیونٹی میں ہوا ہے (چیونٹی نے کہا اے چیونٹیوں اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ) تو اللہ تعالیٰ نے اس کی آواز و گفتگو حضرت سلیمان علیہ السلام کو سنا دی اور اس کے معانی سے بھی آگاہ کر دیا۔ اس سے ان کے فہم کا قوی ہونا ہی سامنے آتا ہے اور یہ قوت سیدنا محمد ﷺ کو حاصل تھی کیونکہ آپ نے بھیڑ سے اور اونٹ کے ساتھ گفتگو کی۔ تیسری قوت شامہ ہے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا میری قمیص لے جاؤ اور میرے والد کی آنکھوں پر رکھو، جب قافلہ وہاں سے چلا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا (میں یوسف کی خوشبو پارہا ہوں) تو انہوں نے کئی دنوں کی مسافت سے اسے محسوس کر لیا۔ چوتھی قوت ذائقہ ہے جیسے ہمارے رسول ﷺ کے بارے میں ہے کہ گوشت کی دستی نے مجھے اطلاع دی کہ وہ زہر آلود ہے۔ پانچویں قوت لامسہ، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو گئی اور اس میں کون سا بعد ہے جبکہ اس کی مثل سمندر اور نعمتہ ہیں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ رہے حواس باطنہ تو ان میں قوت حفظ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ہم آپ کو پڑھائیں گے کہ تم بھولو گے نہیں ان میں قوت ذکاوت ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے مجھے رسول اللہ ﷺ نے علم کا ہزار باب سکھایا اور میں نے ہر باب سے ہزار باب کا استنباط کیا۔ جب ایک ولی کا مقام یہ ہے تو نبی کریم ﷺ کا مقام و شان کیا

ہوگا؟ باقی قوت محرکہ کی مثال حضور ﷺ کا واقعہ معراج، حضرت عیسیٰ، حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہم السلام کا آسمانوں پر زندہ اٹھایا جانا جیسے احادیث میں موجود ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ وہ تخت لاتا ہوں تمہاری آنکھ جھپکنے سے پہلے۔ رہے عقلی و روحانی قوی تو ان کا بھی انتہائی کمال و صفا پر ہونا ضروری ہے۔

واضح رہے کہ خلاصہ کلام اس بات میں یہ ہے کہ نفس قدسی نبوی اپنی ماہیت میں باقی تمام نفوس کے مخالف ہوتا ہے تو اس نفس کے لوازمات میں سے ہے کہ یہ ذکاوت، فطانت، حریت، غلبہ اور جسمانیات و شہوات سے بلندی میں کامل ہو۔ جب روح انتہائی اعلیٰ اور صاف ہے اور بدن طہارت و نفاست میں انتہا پر ہے تو اب قوی محرکہ و مدد کہ بھی انتہائی کامل ہونگی کیونکہ ان کا اجراء فیض جو ہر روح سے بدن کو پہنچ رہا ہے۔ جب عمل والا اور قبول کرنے والا دونوں ہی کمال کے آخری درجہ پر ہیں تو اب آثار بھی شرف و صفا کی قوت میں انتہائی کامل ہونگے)

جب کفار نے انبیاء کو اپنی مثل قرار دیا تو حضرات انبیاء علیہم السلام نے کفار کے

جواب میں فرمایا

﴿ إِن نَّمَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۗ ﴾ (۱)

(ہم تمہاری طرح انسان ہیں مگر اللہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہے احسان کرے)

امام رازی اس کے تحت لکھتے ہیں۔

وَاعْلَمْ أَنَّ هَذَا الْبَقَامَ فِيهِ بَحْثٌ شَرِيفٌ دَقِيقٌ وَهُوَ أَنَّ جَمَاعَةً مِّنْ حُكَمَاءِ الْإِسْلَامِ قَالُوا: إِنَّ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَكُنْ فِي نَفْسِهِ وَبَدَنِهِ مُخْصُوصًا بِخَوَاصِّ شَرِيفَةٍ عَلَوِيَّةٍ قُدْسِيَّةٍ فَإِنَّهُ يَمْتَنِعُ عَقْلًا

حُصُولُ صِفَةِ النَّبُوَّةِ لَهُ وَأَمَّا الظَّاهِرِيُّونَ مِنْ أَهْلِ
السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَقَدْ زَعَمُوا أَنَّ حُصُولَ النَّبُوَّةِ
عَطِيَّةٌ مِّنَ اللَّهِ تَعَالَى يُصِيبُهَا لِكُلِّ مَنْ يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ وَلَا يَتَوَقَّفُ حُصُولُهَا عَلَى إِمْتِيَّازِ ذَلِكَ
الْإِنْسَانِ عَنِ سَائِرِ النَّاسِ بِمَزِيدِ إِشْرَاقِ نَفْسَانِي
وَقُوَّةِ قُدْسِيَّةٍ وَهُؤُلَاءِ تَمَسَّكُوا بِهَذِهِ الْآيَةِ، فَإِنَّهُ
تَعَالَى بَيَّنَّ أَنَّ حُصُولَ النَّبُوَّةِ لَيْسَ إِلَّا بِمَحْضِ
الْبِنَّةِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى وَالْعَطِيَّةِ مِنْهُ وَالْكَلَامُ فِي هَذَا
الْبَابِ غَامِضٌ غَائِضٌ دَقِيقٌ وَ الْأَوْلُونَ
أَجَابُوا عَنْهُ بِأَنَّهُمْ لَمْ يَذْكُرُوا أَفْضَالَهُمُ النَّفْسَانِيَّةِ
وَالْجَسَدَانِيَّةِ تَوَاضَعًا مِنْهُمْ وَاقْتَصَرُوا عَلَى قَوْلِهِمْ:
﴿ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ﴾
(ابراہیم: ۱۱) بِالنَّبُوَّةِ لِأَنَّهُ قَدْ عَلِمَ أَنَّهُ تَعَالَى لَا
يُخْصِمُهُمُ بِتِلْكَ الْكِرَامَاتِ إِلَّا وَهُمْ مَوْصُوفُونَ
بِالْفَضَائِلِ الَّتِي لِأَجْلِهَا اسْتَوْجَبُوا ذَلِكَ
التَّخْصِصَ كَمَا قَالَ تَعَالَى ﴿ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ
رِسَالَتَهُ ﴾ (الانعام - ۱۲۴) (۱)

(واضح رہے اس مقام پر نہایت ہی خوبصورت اور دقیق بحث ہے کہ حکماء
اسلام کی جماعت کہتی ہے کہ انسان جب تک اپنے نفس و بدن میں اعلیٰ،
بلند اور قدسی صفات نہ رکھتا ہو تو عقلاً اس کے لئے صفت نبوت کا حصول
محال ہے البتہ اہل سنت و جماعت کے اہل ظاہر کا خیال ہے کہ حصول
نبوت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور بندوں میں سے جسے چاہے عطا فرمادے تو
حصول نبوت اس پر موقوف نہیں کہ وہ انسان دیگر سے اضافی اشراق نفس

اور قوت قدسیہ سے مزین ہو۔ ان کا استدلال اسی آیت سے ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ حصول نبوت محض اللہ تعالیٰ کا احسان و عطیہ ہے اس بارے میں گفتگو نہایت ہی گہری اور دقیق ہے پہلے لوگوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ حضرت انبیاء علیہم السلام نے یہاں اپنے ذاتی و جسمانی فضائل کا تذکرہ بطور تواضع نہیں کیا اور (لیکن اللہ احسان فرماتا ہے بندوں میں سے جسے چاہے) نبوت دیدے پر ہی اکتفا کیا کیونکہ یہ از خود معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کرامات و اعزازات کے ساتھ انہی کو مخصوص کرتا ہے جو ایسے فضائل سے متصف ہوں جو انہیں اس تخصیص کے مستحق بنا لیں جیسے ارشاد الہی ہے اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کہاں رکھے آگے چل کر اختتام آیت کے تحت رقم طراز ہیں۔

وَرَأَيْتُ فِي كَلَامِ الشَّيْخِ أَبِي حَامِدٍ الْغَزَالِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ
فَضْلًا مَسْنًا وَحَاصِلُهُ: إِنَّ الْإِنْسَانَ إِمَّا أَنْ يَكُونَ
نَاقِصًا أَوْ كَامِلًا أَوْ خَالِيًا، عَنِ الْوُصْفَيْنِ أَمَّا
النَّاقِصُ فَمَاذَا أَنْ يَكُونَ نَاقِصًا فِي ذَاتِهِ وَلَكِنَّهُ
لَا يَسْعَى فِي تَنْقِيسِ حَالِ غَيْرِهِ وَ أَمَّا أَنْ يَكُونَ
نَاقِصًا وَ يَكُونَ مَعَ ذَلِكَ سَاعِيًا فِي تَنْقِيسِ حَالِ
لِغَيْرِهِ، فَالْأَوَّلُ: هُوَ الضَّالُّ وَالثَّانِي: هُوَ الضَّالُّ
الْمُضِلُّ وَأَمَّا الْكَامِلُ فَمَاذَا أَنْ يَكُونَ كَامِلًا وَلَا
يَقْدِرُ عَلَى تَكْمِيلِ الْغَيْرِ وَ هُمُ الْأَوْلِيَاءُ وَ أَمَّا أَنْ
يَكُونَ كَامِلًا وَ يَقْدِرُ عَلَى تَكْمِيلِ النَّاقِصِينَ وَ هُمُ
الْأَنْبِيَاءُ وَلِذَلِكَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ:

(عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ) (۱)

وَلَبَّا كَانَتْ مَرَاتِبُ النُّقْصَانِ وَالْكَمَالِ وَ مَرَاتِبُ
الْإِكْمَالِ وَالْإِضْلَالِ غَيْرَ مُتَنَاهِيَةٍ بِحَسَبِ الْكَمِّيَّةِ

وَالْكِيفِيَّةِ لَا جَزْمَ كَانَتْ مَرَاتِبُ الْوِلَايَةِ وَالْحَيَاةِ
غَيْرَ مُتَنَاهِيَّةٍ بِحَسَبِ الْكَمَالِ وَالنُّقْصَانِ فَالْوَلِيُّ هُوَ
الْإِنْسَانُ الْكَامِلُ الَّذِي لَا يَقْوَى عَلَى التَّكْمِيلِ وَ
النَّبِيُّ هُوَ الْإِنْسَانُ الْكَامِلُ الْبُكْمَلُ ثُمَّ قَدْ تَكُونُ
قُوَّتُهُ الرُّوحَانِيَّةُ النَّفْسَانِيَّةُ وَافِيَّةٌ بِتَّكْمِيلِ
إِنْسَانَيْنِ نَاقِصَيْنِ وَ قَدْ تَكُونُ أَقْوَى مِنْ ذَلِكَ
فِيكَفَى بِتَّكْمِيلِ عَشْرَةٍ وَ مِائَةٍ وَ قَدْ تَكُونُ تِلْكَ
الْقُوَّةُ قَاهِرَةً قَوِيَّةً تُؤَثِّرُ تَأْثِيرَ الشَّمْسِ فِي الْعَالَمِ
فَيُقَلِّبُ أَرْوَاحَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ مَقَامِ الْجَهْلِ
إِلَى مَقَامِ الْبَعْرِفَةِ وَ مِنْ طَلَبِ الدُّنْيَا إِلَى طَلَبِ
الْآخِرَةِ وَ ذَلِكَ مِثْلُ رُوحِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَإِنَّ وَقْتَ ظُهُورِهِ كَانَ الْعَالَمُ مَمْلُوءًا مِنْ
الْيَهُودِ أَكْثَرَهُمْ حُلُولِيَّةً وَ مِنْ الْبَجُوسِ قُبْحِ
مَذَاهِبِهِمْ ظَاهِرٌ وَ مِنْ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَ سَخْفِ
دِينِهِمْ أَظْهَرَ مِنْ أَنْ يُحْتَاجَ إِلَى بَيَانٍ فَلَبَّأَ ظَهَرَتْ
دَعْوَةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ سَلَّمَ فَسَرَتْ قُوَّةُ
رُوحِهِ فِي الْأَرْوَاحِ فَقَلَّبَ أَكْثَرَ أَهْلِ الْعَالَمِ مِنْ
الشِّرْكِ إِلَى التَّوْحِيدِ وَ مِنَ التَّجْسِيمِ إِلَى التَّنْزِيهِ وَ
مِنَ الْإِسْتِعْرَاقِ فِي طَلَبِ الدُّنْيَا إِلَى عَالَمِ الْآخِرَةِ
فَمِنْ هَذَا الْبِقَامِ يَنْكَشِفُ لِلْإِنْسَانِ
مَقَامُ النَّبُوَّةِ وَالرِّسَالَةِ، إِذَا عَرَفْتَ هَذَا فَانْقُولُ:
قَوْلُهُ: ﴿ وَمَا لَنَا إِلَّا نَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ ﴾ (إبراهيم: ١٢) إِشَارَةٌ
إِلَى مَا كَانَتْ حَاصِلَةً لَهُمْ مِنْ كَمَالَاتِ نَفُوسِهِمْ وَ

قَوْلُهُمْ فِي آخِرِ الْأَمْرِ ﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾
 (ابراہیم: ۱۲) إِيضًا إِلَى تَأْثِيرِ أَرْوَاحِهِمُ الْكَامِلَةِ فِي
 تَكْمِيلِ الْأَرْوَاحِ النَّاقِصَةِ فَهَذَا أَسْرَارٌ عَالِيَةٌ
 فَخَزُونَهُ فِي الْفَاطِطِ الْقُرْآنِ، فَمَنْ نَظَرَ فِي عِلْمِ الْقُرْآنِ
 وَكَانَ غَافِلًا عَنْهَا كَانَ مَحْرُومًا مِنْ أَسْرَارِ عُلُومِ
 الْقُرْآنِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ (۱)

(میں نے اس بارے میں شیخ ابو حامد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر کردہ
 خوبصورت فصل دیکھی جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان ناقص ہوگا یا کامل یا
 دونوں اوصاف سے خالی ہوگا۔ ناقص یا تو اپنی ذات میں ناقص ہوگا اور وہ
 کسی دوسرے کو ناقص بنانے کی کاوش نہیں کرے گا یا وہ ایسا ناقص ہوگا کہ
 دوسرے کے نقص کی کاوش کرے گا پہلا ناقص گمراہ، دوسرا خود بھی گمراہ اور
 دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اگر وہ کامل ہے تو اگر ایسا کامل ہے کہ وہ
 دوسروں کی تکمیل پر قادر نہیں تو وہ اولیاء ہیں یا وہ کامل ہونے کے ساتھ
 دوسرے ناقصوں کی تکمیل پر قدرت رکھتے ہوں گے حضرات انبیاء علیہم
 السلام ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے علماء بنی
 اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں، جب نقصان و کمال کے مراتب اور کامل و
 گمراہ کرنے کے درجات جب کیمیت و کیفیت کے اعتبار سے غیر محدود ہیں
 تو اب یقیناً باعتبار کمال و نقص مراتب ولایت و حیات بھی غیر محدود
 ہونگے۔ تو وہی وہ انسان کامل ہے جو دوسروں کی تکمیل پر قدرت نہیں رکھتا
 اور نبی ایسا انسان کامل ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی بھی تکمیل کرتا ہے پھر بعض
 اوقات یہ روحانی قوت دو ناقص انسانوں کی تکمیل کے لیے کافی ہوتا ہے اور
 کبھی اس سے زائد قوی ہوتی ہے کہ وہ دس اور صد کے لئے کافی بن جاتی
 ہے اور کبھی وہ قوت اس قدر غالب و قوی ہوتی ہے کہ وہ سورج کی طرح تمام

کائنات میں اثر کرتی ہے اور اکثر اہل علم کی ارواح کو مقام جہل سے مقام معرفت کی طرف اور طلب دنیا سے طلب آخرت کی طرف منتقل کر دیتی ہیں اس کی مثال روح محمد ﷺ ہے کیونکہ ان کے ظہور کے وقت یہ جہان یہود سے بھرا پڑا تھا اکثر نصاریٰ اللہ تعالیٰ کا جسم مانتے، حلولیہ اور مجوسی تھے ان مذاہب کا باطل ہونا ظاہر ہے بت پرست تھے اور ان کے دین کی کمزوری محتاج بیان نہیں جب سیدنا محمد ﷺ کی دعوت و پیغام کا ظہور ہوا تو آپ کی روحانی قوت ارواح کی طرف متوجہ ہوئی تو اکثر اہل جہان شرک سے توحید، تجسیم سے تنزیہ اور طلب دنیا میں مستغرق، عالم آخرت کی طرف متوجہ ہو گئے تو اس مقام سے انسان پر مقام نبوت و رسالت آشکار ہو جاتا ہے۔)

جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا تو اب سنیے

ارشاد الہی (ہمیں کیا ہے ہم اللہ پر توکل نہ کریں) میں اشارہ ہے ان کمالات کی طرف جو ان کے نفوس کو حاصل ہے اور آخر میں فرمایا (اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں توکل کرنے والے) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی ارواح کاملہ، ارواح ناقصہ کی تکمیل کرتی ہیں۔ یہ عظیم اسرار جو قرآنی الفاظ میں محفوظ و مخفی ہیں جو علوم قرآن کا مطالعہ کرے اور ان اسرار سے غافل رہے وہ علوم قرآن کے اسرار سے محروم رہے گا)

شیخ شمس الدین محمد بن قسیم (ت۔ ۷۵۱ھ) نے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے آئیے ان کی من و عن عبارت سے استفادہ کرتے ہیں۔ متعدد اشیاء مثلاً خانہ کعبہ کے امتیازات بیان کر کے کہتے ہیں۔

وَلَمْ يُوفِّقْ لِفَهْمِ هَذَا الْبَعْنَى مَنْ سَوَى مِنَ
الْأَعْيَانِ وَالْأَفْعَالِ وَالْأَزْمَانِ وَالْأَمَاكِينِ وَزَعَمَ
أَنَّهُ لَا مَزِيَّةَ شَيْءٍ مِنْهَا عَلَى شَيْءٍ وَإِنَّمَا هُوَ مُجَرَّدُ
التَّرْجِيحِ بِلَا مُرَجِّحٍ وَهَذَا الْقَوْلُ بَاطِلٌ بِأَكْثَرِ مَنْ

أَرْبَعِينَ وَجْهًا قَدْ ذَكَرْتُ فِي غَيْرِ هَذَا الْمَوْضِعِ فَإِنَّ
 مَذْهَبًا يَقْتَضِي أَنْ تَكُونَ ذَوَاتُ الرُّسُلِ كَذَوَاتِ
 أَعْدَائِهِمْ فِي الْحَقِيقَةِ، وَإِنَّمَا التَّفْضِيلُ بِأَمْرِ لَا يَرْجِعُ
 إِلَى اخْتِصَاصِ الذَّوَاتِ بِصِفَاتٍ وَمَزَايَا لَا تَكُونُ
 لِغَيْرِهَا، وَكَذَلِكَ نَفْسُ الْبُقَاعِ وَاحِدَةٌ بِالذَّاتِ
 لَيْسَ لِبُقْعَةٍ عَلَى بُقْعَةٍ مَزِيَّةٌ الْبَتَّةَ، هَوْلًا يَقَعُ فِيهَا
 مِنَ الْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ، فَلَا مَزِيَّةَ لِبُقْعَةِ الْبَيْتِ،
 وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمِنَى وَعَرَفَةَ وَالْمَشَاعِرِ عَلَى أَيِّ
 بُقْعَةٍ سَمَّيْتَهَا مِنَ الْأَرْضِ وَإِنَّمَا التَّفْضِيلُ بِإِعْتِبَارِ
 أَمْرِ خَارِجٍ عَنِ الْبُقْعَةِ لَا يُعْرَفُ إِلَيْهَا وَلَا إِلَى
 وَصْفٍ قَائِمٍ بِهَا وَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالَى قَدْ رَدَّ هَذَا
 الْقَوْلَ الْبَاطِلَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿ وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ
 قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِحَتَّى نُؤْتَى مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ﴾
 (الأنعام: ٦) قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ
 رِسَالَتَهُ ﴿ (الأنعام- ١٢٤) أَيْ لَيْسَ كُلُّ أَحَدٍ أَهْلًا وَلَا
 صَالِحًا لِتَحْمِلِ رِسَالَتِهِ بَلْ لَهَا مَحَلٌّ فَخُصُوصَةٌ
 لَا تَلِيْقُ إِلَّا بِهَا وَإِلَّا تَصْلُحُ إِلَّا لَهَا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِهَذِهِ
 الْمَحَالِّ مِنْكُمْ
 وَلَوْ كَانَتْ الذَّوَاتُ مُتَسَاوِيَةً كَمَا قَالَ بِهِؤَلَاءِ لَمْ
 يَكُنْ فِي ذَلِكَ رَدٌّ عَلَيْهِمْ وَ كَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى:
 ﴿ وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ
 عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴾ (١)

أَى: هُوَ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ لِمَنْ يَشْكُرُهُ عَلَى نِعْمَتِهِ
 فَيَخْتَصُّهُ بِفَضْلِهِ وَيَمُنُّ عَلَيْهِ مِمَّنْ لَا يَشْكُرُهُ فَلَيْسَ
 كُلُّ فَحْلٍ يَصْلُحُ لِشُكْرِهِ وَإِحْتِمَالِ مِنْتِهِ وَالتَّخْصِصِ
 بِكَرَامَتِهِ فَذَوَاتُ مَا اخْتَارَهُ وَاصْطَفَاهُ مِنْ
 الْأَعْيَانِ وَالْأَمَاكِينِ وَالْأَشْخَاصِ وَغَيْرِهَا مُشْتَبِلَةٌ
 عَلَى صِفَاتٍ وَأُمُورٍ قَائِمَةٌ بِهَا لَيْسَتْ بِغَيْرِهَا، وَ
 لِأَجْلِهَا اصْطَفَاهَا اللَّهُ، وَهُوَ سُبْحَانَهُ الَّذِي فَضَّلَهَا بِتِلْكَ
 الصِّفَاتِ، وَخَصَّصَهَا بِالِاخْتِيَارِ فَهَذَا خَلْقُهُ وَهَذَا
 إِخْتِيَارُهُ ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ﴾ (القصص: ٢٨)
 وَمَا أَبَيَّنْ بَطْلَانَ رَأْيٍ يَقْتَضِي بِأَنَّ مَكَانَ الْبَيْتِ
 الْحَرَامِ مُسَاوٍ لِسَائِرِ الْأَمَكِنَةِ، وَذَاتِ الْحَجْرِ
 الْأَسْوَدِ مُسَاوِيَةً لِسَائِرِ حِجَارَةِ الْأَرْضِ وَذَاتِ
 رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مُسَاوِيَةً لِدَاتِ غَيْرِهِ وَإِنَّمَا
 التَّفْضِيلُ فِي ذَلِكَ بِأُمُورٍ خَارِجَةٍ عَنِ الذَّاتِ وَ
 الصِّفَاتِ الْقَائِمَةِ بِهَا وَهَذِهِ الْأَقَاوِيلُ وَآمَثَالُهَا
 مِنَ الْجِنَايَاتِ الَّتِي جَنَاهَا الْمُتَكَلِّمُونَ عَلَى
 الشَّرِيعَةِ وَنَسَبُوهَا إِلَيْهَا وَهِيَ بَرِيئَةٌ مِنْهَا وَلَيْسَ
 مَعَهُمْ أَكْثَرُ مِنْ إِشْتِرَاكِ الذَّوَاتِ فِي أَمْرِ عَامٍ وَ
 ذَلِكَ لَا يُوجِبُ تَسَاوِيَهَا فِي الْحَقِيقَةِ لِأَنَّ
 الْمُخْتَلِفَاتِ قَدْ تَشْتَرِكُ فِي أَمْرِ عَامٍ مَعَ اخْتِلَافِهَا فِي
 صِفَاتِهَا النَّفْسِيَّةِ مَا سَوَى اللَّهُ تَعَالَى بَيْنَ الذَّاتِ
 الْمِسْكِ وَذَاتِ بَوْلٍ أَبَدًا وَلَا بَيْنَ ذَاتِ الْمَاءِ وَ
 ذَاتِ النَّارِ أَبَدًا وَالتَّفَاوُتُ الْبَيْنِ بَيْنَ الْأَمَكِنَةِ
 الشَّرِيفَةِ وَأَضْدَادِهَا وَذَوَاتِ الْفَاضِلَةِ وَأَضْدَادِهَا

و ذَوَاتِ الْفَاضِلَةِ وَ اَضْدَادِهَا اَعْظَمُ هِمًّا بَيْنَ
الْبِسْكِ وَالرَّجِيْعِ وَ كَذَالِكَ التَّفَاوُتُ بَيْنَ نَفْسِ
الْكُغْبَةِ وَ بَيْنَ بَيْتِ السُّلْطَانِ اَعْظَمُ مِنْ هَذَا
التَّفَاوُتِ اَيْضًا بِكَثِيْرٍ فَكَيْفَ تُجْعَلُ الْبُقْعَتَا سَوَاءٍ
فِي الْحَقِيْقَةِ وَ التَّفْضِيْلِ بِاِعْتِبَارِ مَا يَقَعُ هُنَاكَ مِنْ
الْعِبَادَاتِ وَ الِذْكَارِ وَ الدَّعَوَاتِ!

وَلَمْ نَقْصِدْ اِسْتِيْفَاءَ الرَّدِّ عَلٰى هَذَا الْبَدْهَبِ
الْمَرْدُوْدِ الْمَرْزُوْلِ، وَ اِنَّمَا قَصَدْنَا تَصْوِيْرَهُ وَ اِلٰى
الْلَّبِيْبِ الْعَادِلِ الْعَاقِلِ التَّحَاكُمِ، وَ لَا يَعْْبَاءُ اللهُ وَ
عِبَادُهُ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَ اللهُ سُبْحَانَهُ لَا يُخْصِصُ شَيْئًا وَ لَا
يُفْضِلُهُ وَ يَرْجِعُهُ اِلَّا لِیَعْنٰی یَقْتَضِيْ تَخْصِيْصَهُ وَ
تَفْضِيْلَهُ، نَعَمْ هُوَ مُعْطٰی ذٰلِكَ الْمُرْجِحِ وَ وَاِهْبَهُ فَهُوَ
الَّذِيْ خَلَقَهُ ثُمَّ اِخْتَارَهُ بَعْدَ خَلْقِهِ وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ
مَا يَشَاءُ وَ يَخْتَارُ (۱)

(اس حقیقت کی سمجھ انہیں حاصل نہیں ہوئی جنہوں نے ذوات، افعال، اوقات اور مقامات کو یہ کہتے ہوئے برابر قرار دیا ہے کہ کسی شے کو کسی شے پر کوئی فضیلت نہیں یہاں ہر ایک میں ترجیح بلا مرجح ہے حالانکہ یہ قول چالیس دلائل کی بناء پر باطل ہے جن کا ذکر ہم نے دوسرے مقام پر کیا ہے کیونکہ اس مذہب کا تقاضا یہ ہے کہ حضرات رسلان کرام کی ذاتیں، ان کے دشمنوں کی ذاتیں حقیقتہً برابر ہوں اور ان میں فضیلت کسی ایسے امر کی وجہ سے نہیں جو ان کی ذوات کو صفات و فضائل کے ساتھ مخصوص کر دے جو ان کے غیر میں نہیں اس طرح مقامات ذاتاً ایک اور برابر ہی ہیں کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں اس میں اعمال صالحہ کی وجہ فضیلت

ہے اسی طرح خانہ کعبہ، مسجد حرام، منیٰ، عرفہ اور مشاعر کوزمین کے کسی بھی حصہ کوئی فضیلت نہیں ان میں فضیلت ان سے امر خارجی کی وجہ سے ہے اس میں نہ ان کی ذات کا دخل ہے اور ان کے اوصاف کا حالانکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس باطل قول کا اس ارشاد میں رد فرمایا ہے جب ان کے پاس نشانی آئی تو انہوں نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں اس کی مثل حاصل ہو جو اللہ کے رسولوں کو ملی ہے تو فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے کہ رسالت کس کو عطا کرنی ہے یعنی ہر کوئی رسالت کے اہل و قابل نہیں بلکہ ان کے لیے مخصوص محل اور ذوات ہیں رسالت ان کے ہی لائق ہے اور وہی اس کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان محلات کو تم سے بہتر جانتا ہے اگر ذاتیں آپس میں برابر ہوتیں جیسے یہ قول والے کہتے ہیں تو اس زمانہ میں ان کفار کا رد نہ ہوتا اور اس طرح ارشاد الہی ہے۔

یعنی اللہ سبحانہ بہتر جانتا ہے ان کو جو اس کی نعمتوں پر شکر کرنے والے ہیں لہذا انہیں وہ اپنے فضل کے لئے مخصوص کرتا ہے اور انہی کو وہ ممتاز فرمادیتا ہے ان پر جو شکر نہیں کرتے تو ہر محل اس کے شکر کا صلاح، اس کے احسان کا مقام اور اس کی عطا فرمودہ عزت کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا تو وہ ذوات جنہیں اس نے منتخب کیا اور چنا خواہ ذوات ہیں یا مقامات، اشخاص ہیں یا کوئی اور وہ ایسی صفات پر مشتمل اور ایسے امور ان میں ہیں کہ جو دوسروں میں نہیں ان کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ان صفات کی وجہ سے انہیں فضیلت دی اور انہیں انتخاب کے لیے چن لیا، تو یہ اس کی خلق اور یہ اس کا اختیار ہے۔ ارشاد ہے اور تمہارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے چن لیتا ہے۔

اس قول کے بطلان پر بہت ہی واضح دلیل یہ ہے کہ اس کا تقاضا یہ بنتا ہے کہ بیت اللہ کی جگہ دیگر جگہوں کے برابر، حجر اسود کی ذات دیگر زمینی پتھروں کے برابر اور ذات رسول اللہ ﷺ دیگر ذاتوں کے برابر ہو اور ان میں فضیلت ان امور کی بنا پر ہو جو ان کی ذات اور ان میں موجود

صفات سے خارج ہو یہ اور ان کے ہم مثل اقوال ایسے ہیں جن کی نسبت متکلمین نے شریعت کی طرف کردی حالانکہ شریعت ان سے بری ہے اور ان کے پاس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ یہ ذوات امر عام میں مشترک ہیں حالانکہ یہ چیز حقیقت میں مساوی و برابر ہونے کا موجب و سبب نہیں کیونکہ اختلاف رکھنے والی اشیاء بعض اوقات امر عام میں مشترک ہوتی ہیں مگر ان کی صفات ذاتی میں اختلاف ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ذات کستوری اور ذات بول کو ہرگز برابر نہیں بنایا۔ ذات پانی اور ذات آگ ہرگز برابر نہیں، اعلیٰ مقامات اور ان کی اضداد، ذوات فاضلہ اور ان کی اضداد میں کستوری اور پلیدی میں فرق سے بھی زیادہ اور بڑا فرق ہے اسی طرح ذات کعبہ اور بیت سلطان میں اس تفاوت سے کہیں زیادہ تفاوت ہے تو ان دونوں مقامات کو حقیقت میں برابر کیسے قرار دے کر کہا جائے کہ ان میں یہی فضیلت عبادت و اذکار اور دعوات کی وجہ سے ہے یہاں ہمارا ارادہ اس مزدود و مسترد مذہب کا کامل رد نہیں ہمارا مقصد فقط اس کی تصویر لانا ہے اور فیصلہ عاقل منصف کے ہاتھ میں ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کسی شے کو اس کے بغیر اہمیت نہیں دیا کرتے تو اللہ تعالیٰ کسی شے کو مخصوص، فضیلت اور ترجیح نہیں دیتا مگر یہ کہ اس میں کوئی وصف ہوتا ہے جس کا تقاضا تخصیص و فضیلت بنتا ہے ہاں یہ مرجح اور سبب ترجیح عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اسے پیدا کیا اور تخلیق کے بعد اسے فضیلت بخشی اور تمہارا رب ہی جیسے چاہے پیدا کرے اور اسے فضیلت عطا کرے)

امام سید محمود آلوسی (ت۔ ۱۲۷۰) نے ارشاد الہی ﴿إِنَّ اللَّهَ أَصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا﴾ کی تفسیر میں لکھا۔

وَمِنْ هُنَا اسْتَدَلَّ بَعْضُهُمْ بِالْآيَةِ عَلَىٰ أَفْضَلِيَّةِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ وَ وَجْهُ الْإِصْطِفَاءِ فِي جَمِيعِ الرُّسُلِ أَنَّهُ سُبْحَانَهُ خَصَّهُمْ بِالنَّفُوسِ الْقُدْسِيَّةِ وَ مَا يَلِيْقُ بِهَا مِنْ

الْمَلَائِكَةِ الرُّوحَانِيَّةِ وَالْكَمَالَاتِ الْجَسْمَانِيَّةِ حَتَّى
أَنَّهُمْ إِمْتَازُوا كَمَا قِيلَ عَلَى سَائِرِ الْخَلْقِ خُلُقًا وَ
خُلُقًا وَ جَعَلُوا خَزَائِنَ أَسْرَارِ اللَّهِ تَعَالَى وَ مَظْهَرَ
أَسْمَائِهِ وَ صِفَاتِهِ وَ مَحَلَّ تَجَلِّيَةِ الْخَاصِّ مِنْ عِبَادِهِ وَ
مَهَبِطِ وَ حِيَةٍ وَ مَبْلَغِ أَمْرِهِ وَ نَهْيِهِ (۱)

(اس آیت مبارکہ سے بعض اہل علم نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ملائکہ پر افضل ہونے پر استدلال کیا ہے اور تمام رسل میں انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں نفوس قدسیہ، ان کے مناسب روحانی ملکات اور جسمانی کمالات عطا فرمائے حتیٰ کہ وہ باقی مخلوق سے خلقت اور خلق میں ممتاز قرار پائے اور اللہ تعالیٰ کے اسرار کے خزان بن گئے۔ اس کے اسماء و صفات کا مظہر، اس کی خاص تجلیات کا محل، اس کی وحی کا مہبط اور اس کے اوامر و نواہی کے مبلغ بن گئے)

امام سید محمود آلوسی (ت۔ ۱۲۷۰) نے فلاسفہ اور علماء اسلام کے درمیان

موافقت بیان کرتے ہوئے لکھا۔

وَ جُمْلَةً (اللَّهُ أَعْلَمُ الْخِ اسْتِنَافَ بَيَانِيٍّ وَ الْمَعْنَى أَنَّ
مَنْصَبَ الرِّسَالَةِ لَيْسَ مِمَّا يَنَالُ بِمَا يَزْعُمُونَهُ مِنْ
كَثْرَةِ الْبَالِ وَ الْوَلَدِ وَ تَعَاضِدِ الْأَسْبَابِ وَ الْعَدَدِ وَ
إِمَّا يَنَالُ بِفَضَائِلِ نَفْسَانِيَّةٍ وَ نَفْسِ قُدْسِيَّةٍ
أَفَاضَهَا اللَّهُ تَعَالَى بِمَحْضِ الْكَرَمِ وَ الْجُودِ عَلَى مَنْ
أَكْمَلَ اسْتِعْدَادَهُ، وَ نَصَّ بَعْضُهُمْ عَلَى أَنَّهُ تَابِعٌ
لِلْإِسْتِعْدَادِ الذَّاتِيِّ وَ هُوَ لَا يَسْتَلْزِمُ الْإِيْجَابَ الَّذِي
يَقُولُهُ الْفَلَّاسِفَةُ لِأَنَّهُ سُبْحَانَهُ إِنْ شَاءَ أَعْطَى ذَلِكَ وَ
إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ وَ إِنْ اسْتَعَدَّ الْمَحَلُّ، وَ مَا فِي

(الْمَوَاقِفِ) مِنْ أَنَّهُ لَا يَشْتَرِطُ فِي الْإِرْسَالِ
الِاسْتِعْدَادَ الذَّاتِي بَلِ اللَّهُ تَعَالَى يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ
شَاءَ فَحُبُولٌ عَلَى الْإِسْتِعْدَادِ الذَّاتِي الْمَوْجِبِ، فَقَدْ
جَرَتْ عَادَةُ اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يَبْعَثَ مِنْ كُلِّ قَوْمٍ
أَشْرَفَهُمْ وَأَطْهَرَ هُمْ جَبَلَةً (۱)

جملہ (اللَّهُ أَعْلَمُ) نیا جملہ ہے اور معنی یہ ہے کہ منصب رسالت ایسی چیز
نہیں جو ان کے خیال کے مطابق کثرت مال، اولاد، اسباب کی بنا پر حاصل
ہو جائے یہ تو فضائل نفس والے اور نفوس قدسیہ کو ملتی ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے
کرم و جوذ کی وجہ سے اسے عطا کرتا ہے جن کی استعداد کامل ہو بعض نے یہ
تصریح کی ہے کہ یہ مرتبہ استعداد ذاتی کے تابع ہے اور یہ چیز اس ایجاب و
لزوم کو مستلزم نہیں جو فلاسفہ کہتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ چاہے اسے عطا
کرے اور اگر چاہے تو نہ دے اگرچہ محل میں استعداد ہو جو کچھ موافق میں
ہے (کہ رسول بنانے کے لئے استعداد ذاتی شرط نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے
رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کرے) سے مراد بھی ایسی استعداد
ذاتی ہے جو موجب ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی جاری سنت یہی ہے کہ وہ ہر قوم
سے انہی کو رسول بناتا ہے جو جمعی طور پر سب سے افضل و پاکیزہ ہوں)

علامہ شیخ محمد طاہر بن عاشور، ارشاد الہی ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾
(الانعام - ۱۲۴) کے تحت لکھتے ہیں۔

وَقَدْ أَفَادَتِ الْآيَةُ: إِنَّ الرِّسَالَةَ لَيْسَتْ هِمًّا يَنَالُ
بِالْأَمَانِيِّ وَلَا بِالتَّشْهِي وَلَكِنَّ اللَّهَ عَلِمَ مَنْ يَصْلُحُ لَهَا
وَمَنْ لَا يَصْلُحُ، وَ لَوْ عَلِمَ مَنْ يَصْلُحُ لَهَا وَ أَرَادَ
الرِّسَالَةَ لَأَرْسَلَهُ فَإِنَّ النُّفُوسَ مُتَفَاوِتَةً فِي قُبُولِ
الْفَيْضِ الْإِلَهِيِّ وَ لَا إِسْتِعْدَادَ لَهُ وَ الطَّاقَةَ عَلَى
الِإِضْطِلَاعِ بِحَمْلِهِ فَلَا تَصْلُحُ لِلرِّسَالَةِ إِلَّا نَفْسٌ

خَلَقَتْ قَرِيبَةً مِنَ النُّفُوسِ الْمَلَكِيَّةِ بَعِيدَةً عَنِ
رِذَائِلِ الْحَيَوَانِيَّةِ، سَلِيمَةً مِنَ الْأَدْوَاءِ الْقَلْبِيَّةِ
فَالْأَيَّةُ دَالَّةٌ عَلَى أَنَّ الرَّسُولَ يُخْلَقُ خَلْقَةً مُنَاسِبَةً
لِمُرَادِ اللَّهِ مِنْ أَرْسَلَهُ وَاللَّهُ حِينَ خَلَقَهُ عَالِمٌ بِأَنَّهُ
سَيُرْسَلُهُ وَ قَدْ يُخْلَقُ اللَّهُ نَفُوسًا صَالِحَةً لِلرِّسَالَةِ
وَلَا تَكُونُ حِكْمَةً فِي إِرْسَالِ أَرْبَابِهِ فَالِاسْتِعْدَادُ
دَمِهِئِي لِإِصْطِفَاءِ اللَّهِ تَعَالَى وَ لَيْسَ مُوجِبًا لَهُ وَ ذَلِكَ
مَعْنَى قَوْلِ بَعْضِ الْمُتَكَلِّمِينَ، إِنَّ الْإِسْتِعْدَادَ
الذَّاتِي لَيْسَ بِمُوجِبٍ لِلرِّسَالَةِ خَلَافًا لِلْفَلَاسِفَةِ وَ
لَعَلَّ مُرَادَ الْفَلَاسِفَةِ لَا يَبْعَدُ عَنِ مُرَادِ الْمُتَكَلِّمِينَ،
وَ قَدْ أَشَارَ ابْنُ سِينَا فِي الْإِشَارَاتِ إِلَى شَيْئِي مِنْ
هَذَا فِي النَّبِطِ التَّاسِعِ (۱)

(یہ آیت مبارکہ آگاہ کر رہی ہے کہ رسالت ایسی چیز نہیں جو محض آرزو اور خواہش سے مل جائے ہاں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کون اس کی صلاحیت رکھتا ہے اور کون نہیں رکھتا اگر وہ جانتا ہے کہ اس میں صلاحیت ہے اور وہ اسے رسول بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے کیونکہ نفوس فیض الہی کی قبولیت، اس کے لئے صلاحیت اور اسے برداشت کی قوت میں مختلف ہیں تو رسالت کے لئے وہی نفوس صلاحیت رکھتے ہیں جو نفوس ملکیہ کے قریب، رذائل حیوانیہ سے دور اور قلبی بیماریوں سے محفوظ ہوں۔

تو آیت مبارکہ واضح کر رہی ہے کہ رسول کی خلقت ہی اللہ تعالیٰ کے مقصد ارسال کے مناسب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی خلقت کے وقت ہی جانتا ہے کہ وہ انہیں رسول بنائے گا کبھی اللہ تعالیٰ ایسے نفوس پیدا کرتا ہے جو رسالت کے صالح ہوتے ہیں لیکن ان اصحاب کے رسول

بنانے میں حکمت نہیں ہوتی تو استعداد اللہ تعالیٰ کے انتخاب کی تیاری تو ہو سکتی مگر موجود و لازمی سبب نہیں بعض متکلمین کے اس قول کا معنی یہی ہے کہ استعداد ذاتی رسالت کا موجب نہیں بخلاف فلاسفہ تو ممکن ہے فلاسفہ کی مراد متکلمین کے مراد کے مخالف نہ ہو۔ ابن سینا نے اشارات کے نمط تاسع میں اسی طرف اشارہ کیا ہے)

علامہ عبدالعزیز پر ہاروی (ت۔) اس اختلاف اور اس میں

تطبیق دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

زَعَمَ الْحُكَمَاءُ أَنَّ كَمَالَاتِ النَّبُوَّةِ تَابِعَةٌ لِاسْتِعْدَادِ
مَادَّةِ الْبَدَنِ وَاعْتِدَالِهِ وَرَدَّهُمُ الْمُتَكَلِّمُونَ بِأَنَّ
الْحَقَّ سُبْحَانَهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَفِي كَلَامِ
صَاحِبِ الْفُتُوْحَاتِ مَا يُوَافِقُ الْحُكَمَاءَ وَعِنْدِي
أَنَّهُمْ لَوْ جَعَلُوا اعْتِدَالَ الْبَدَنِ مِنَ الشَّرْوَطِ
الْعَادِيَةِ لَمْ يَبْعُدْ (۱)

(حکماء کہتے ہیں کمالات نبوت مادہ بدن اور اس کے اعتدال کے تابع ہے اس کا متکلمین نے رد کرتے ہوئے کہا کہ حق تعالیٰ اپنی رحمت کے لئے جسے چاہے چن لے، صاحب فتوحات کا کلام حکماء کے موافق ہے میرے نزدیک اگر اعتدال بدن کو وہ شرط عادیہ میں سے قرار دیں تو کوئی حرج نہیں)

غور کیجئے ائمہ امت عطاء نبوت و رسالت سے پہلے ہی حضرات انبیاء علیہم السلام

کے ذوات کے دوسرے کے برابر و مساوی ماننے کو تیار نہیں بلکہ ایسا کہنے کو بے وقوفی اور پاگل پن قرار دے رہے ہیں۔

ایک ہمارے معاشرے کے نادان لوگ ہیں جو عطاء نبوت کے بعد بھی فرق ماننے کے لئے تیار نہیں کوئی بڑا بھائی، کوئی انہیں چوکیدار، چرواہا، ڈاکیا اور کوئی انہیں چوہدری کا درجہ دیتا ہے یہاں ہم امام غزالی کی اہم نصیحت کا تذکرہ کر دیتے ہیں تاکہ بات واضح ہو جائے۔

امام غزالی کی اہم نصیحت :

حضرت حجۃ الاسلام امام محمد غزالی (ت ۵۰۵) نے اسلامی عقائد واضح کرنے کے لیے ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام 'الاقتصاد فی الاعتقاد' (معتدل عقائد) ہے۔ ان کی تفصیل میں جانے سے پہلے انہوں نے امت مسلمہ کو ایک اہم نصیحت کی ہے جو درج ذیل ہے۔

الْأَقْطَابُ الْمَقْصُودَةُ وَجُمْلَتُهُمَا مَقْصُورَةٌ عَلَى النَّظْرِ فِي
اللَّهِ تَعَالَى فَإِنَّا إِذَا نَظَرْنَا فِي الْعَالَمِ لَمْ نَنْظُرْ فِيهِ مِنْ
حَيْثُ أَنَّهُ عَالَمٌ وَجِسْمٌ وَسَمَاءٌ وَأَرْضٌ بَلْ مِنْ حَيْثُ
أَنَّهُ صَنَعَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِنْ نَظَرْنَا فِي النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ لَمْ نَنْظُرْ فِيهِ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ إِنْسَانٌ وَشَرِيفٌ
وَعَالِمٌ وَفَاضِلٌ بَلْ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ وَإِنْ
نَظَرْنَا فِي أَقْوَالِهِ لَمْ نَنْظُرْ مِنْ حَيْثُ أَنَّهَا أَقْوَالٌ وَ
مُخَاطَبَاتٌ وَتَفْهِيمَاتٌ بَلْ مِنْ حَيْثُ أَنَّهَا تَعْرِيفَاتٌ
بِوَسِطَتِهِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى (۱)

(بنیادی مقصد تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کے بارے میں جاننے میں محدود ہے تو اس جہاں کو ہم صرف یہی نہ دیکھیں کہ یہ جہاں ہے اس میں اجسام اور آسماں اور زمین ہے بلکہ اسے اس اعتبار سے دیکھیں کہ یہ ہمارے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ اس طرح جب نبی ﷺ کی طرف دیکھیں تو یہ نہ دیکھیں کہ آپ انسان، بزرگ اور عالم و فاضل ہیں بلکہ اس جہت سے دیکھیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ جب ہم آپ ﷺ کے اقوال دیکھیں تو انہیں صرف اقوال، خطابات اور تفہیمات ہی نہ جانیں بلکہ یہ جانیں کہ یہ آپ ﷺ کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات و تعلیمات ہیں)

اس کے بعد اگر کوئی سید الانبیاء علیہ السلام کو پہاڑوں اور مٹی کی طرح ہی سمجھتا و مانتا ہے بلکہ ان کے پکارنے کو یا ہامان اور یا فرعون کی مثل گردانتا ہے تو اس کی سمجھ و شعور پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔

مآخذ و مراجع

| | | | |
|-------|-------------------------------------|---------------------|-----|
| | | قرآن | ۱- |
| | | سنن ترمذی | ۲- |
| ۵۲۷۹ | امام ابو عیسیٰ ترمذی | مسند احمد | ۳- |
| ۵۲۲۱ | امام احمد بن حنبل | المستدرک | ۴- |
| ۵۲۰۵ | امام حاکم نیشاپوری | تلخیص المستدرک | ۵- |
| ۵۷۲۸ | امام شمس الدین ذہبی | سنن ابن ماجہ | ۶- |
| ۵۲۷۳ | امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید | صحیح ابن خزیمہ | ۷- |
| ۵۳۱۱ | امام ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ | تاریخ ابن ابی خنیثہ | ۸- |
| ۵۳۱۱ | امام احمد بن ابی خنیثہ | دلائل النبوة | ۹- |
| ۵۲۵۸ | امام ابو بکر حسین بیہقی | المعجم الکبیر | ۱۰- |
| ۵۳۶۵ | امام سلیمان بن احمد ایوب طبرانی | المعجم الصغیر | ۱۱- |
| ۵۳۶۰ | امام احمد طبرانی | تحفة الاحوذی | ۱۲- |
| ۵۱۳۵۳ | شیخ محمد عبدالرحمن مبارکیوری | الترغیب والترہیب | ۱۳- |
| ۵۶۵۶ | امام حافظ زکی الدین عبدالعظیم منذری | القول البدیع | ۱۴- |
| ۵۹۰۲ | امام محمد عبدالرحمن سخاوی | الاذکار | ۱۵- |
| ۵۶۷۶ | امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی | الحصن الحصین | ۱۶- |
| ۵۸۳۳ | امام محمد بن جزری | مجموعۃ الفتاوی | ۱۷- |
| ۵۷۲۸ | شیخ احمد بن تیمیہ | مقالات کوثری | ۱۸- |
| ۵۱۳۷۱ | شیخ محمد زاہد الکوثری | جواہر القرآن | ۱۹- |
| | شیخ غلام اللہ خان راولپنڈی | تہذیب التہذیب | ۲۰- |
| ۵۸۵۲ | حافظ ابن حجر عسقلانی | نسیم الریاض | ۲۱- |
| ۵۱۰۶۹ | امام احمد خفاجی | تسکین الصدور | ۲۲- |
| | شیخ سرفراز خان صفدر | مجموعۃ رسائل توسل | ۲۳- |
| | محمد اقبال قریشی | مصباح الزجاجہ | ۲۴- |
| ۵۱۴۱۳ | امام عبداللہ الصدیق غماری | البصائر | ۲۵- |
| | علامہ حمد اللہ داجوی | الحرز الثمین | ۲۶- |
| ۵۱۰۱۴ | ملا علی قاری حنفی | زرقاتی علی المواہب | ۲۷- |
| ۵۹۲۳ | امام احمد قسطلانی | | |

| | | | |
|-------|---|--|-----|
| ۵۶۷۶ | امام نووی | شرح صحیح مسلم | ۲۸- |
| ۵۸۰۷ | امام نورالدین علی ہمشی | مجمع الزوائد | ۲۹- |
| ۵۱۲۱۳ | امام عبداللہ صدیق غماری | الرد المحتلم المبتین علی کتاب القول المبین | ۳۰- |
| ۵۱۳۶۱ | شیخ اشرف علی تھانوی | الوسیلہ | ۳۱- |
| ۵۱۲۱۳ | امام عبداللہ صدیق غماری | ارغام المبتدع الغمی بجواز توسل النبی ﷺ | ۳۲- |
| ۵۱۳۶۱ | شیخ اشرف علی تھانوی | نشر الطیب | ۳۳- |
| ۵۱۰۱۴ | ملا علی قاری | مرقاۃ المفاتیح | ۳۴- |
| ۵۱۳۶۱ | شیخ اشرف علی تھانوی | مناجات مقبول | ۳۵- |
| ۵۷۷۶ | علامہ کرمانی | حاشیہ بخاری | ۳۶- |
| ۵۲۶ | امام مسلم بن حجاج | مسلم | ۳۷- |
| ۵۲۸۱ | امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا | مجاہد الدعویۃ | ۳۸- |
| ۵۲۵۶ | علامہ ابومحمد علی بن احمد بن حزم | المحلی | ۳۹- |
| ۵۲۵۶ | شیخ ابومحمد علی بن حزم ظاہری | الفصل فی الملل | ۴۰- |
| | شیخ تیبی | کتاب الترغیب | ۴۱- |
| ۵۸۲۶ | امام ابوالفضل عبدالرحیم | طرح الشریب | ۴۲- |
| ۵۲۳۵ | امام ابن ابی شیبہ | مصنف ابن ابی شیبہ | ۴۳- |
| ۵۸۵۲ | حافظ ابن حجر عسقلانی | فتح الباری | ۴۴- |
| ۵۲۵۶ | امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری | البخاری | ۴۵- |
| ۵۲۶۳ | امام ابن عبدالبر مالکی | الاستیعاب | ۴۶- |
| ۵۶۰۶ | امام فخرالدین رازی | تفسیر کبیر | ۴۷- |
| ۵۱۲۷۰ | امام سید محمود آلوسی حنفی | روح المعانی | ۴۸- |
| | شیخ عبدالماجد دریا آبادی | تفسیر ماجدی | ۴۹- |
| ۵۱۳۹۹ | سید ابوالاعلیٰ مودودی | تفہیم القرآن | ۵۰- |
| ۵۶۸۵ | امام قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی | انوار التزیل | ۵۱- |
| ۵۱۰۶۹ | امام احمد خفاجی | حاشیہ الخفاجی | ۵۲- |
| ۵۱۰۳۳ | علامہ امام علی بن برہان حلبی | سیرت حلبیہ | ۵۳- |
| ۵۷۴۲ | امام خطیب ولی الدین تبریزی | مشکوٰۃ المصابیح | ۵۴- |
| ۵۳۱۰ | امام ابن جریر طبری | جامع البیان | ۵۵- |
| | ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری | ندائے یا محمد ﷺ | ۵۶- |
| ۵۲۵۸ | امام ابوبکر حسین بیہقی | شعب الایمان | ۵۷- |
| ۵۲۸۵ | امام دارقطنی | سنن الدارقطنی | ۵۸- |
| ۵۵۳۸ | شیخ جار اللہ زمخشری | الکشاف | ۵۹- |

| | | | |
|-------|---|----------------------------------|-----|
| ۵۸۵۵ | امام بدرالدین محمود عینی | عمدة القاری | -۶۰ |
| ۵۷۲۳ | امام شرف الدین طیبی | الکاشف عن حقائق السنن | -۶۱ |
| ۵۹۱۱ | امام جلال الدین سیوطی | الدر المنثور | -۶۲ |
| ۵۵۰۵ | امام محمد غزالی | احیاء علوم الدین | -۶۳ |
| ۵۱۰۸۸ | امام علاء الدین الحسکفی | الدر المختار | -۶۴ |
| ۵۹۷۳ | امام عبدالوہاب الشعرانی | کتاب المیزان | -۶۵ |
| ۵۱۰۵۲ | شیخ عبدالحق محدث دہلوی | اشعة اللمعات | -۶۶ |
| ۵۱۳۰۲ | علامہ عبدالحی لکھنوی | السعایہ | -۶۷ |
| ۵۳۰۲ | شیخ احمد الطحطاوی | الطحطاوی | -۶۸ |
| ۵۱۰۱۳ | حضرت ملا علی قاری | الحرز الثمین | -۶۹ |
| ۵۷۰۹ | امام ابوالعباس احمد بن عطاء اللہ سکندری | تاج العروس | -۷۰ |
| | علامہ محقق دوانی | اخلاق جلالی | -۷۱ |
| ۵۱۳۰۷ | علامہ صدیق حسن خان بھوپالی | مسک الختام شرح بلوغ المرام | -۷۲ |
| ۵۱۴۰۲ | مولانا زکریا سہانپوری | اوجز المسائل | -۷۳ |
| ۵۹۱۱ | امام جلال الدین سیوطی | الخصائص الکبریٰ | -۷۴ |
| ۵۹۲۳ | امام احمد قسطلانی | المواہب اللدنیہ | -۷۵ |
| ۵۹۲۲ | امام محمد بن یوسف صالحی شامی | سبل الہدئی والرشاد | -۷۶ |
| ۵۱۳۲۹ | شیخ محمد شمس الحق | عون المعبود | -۷۷ |
| ۵۷۸۰ | امام ابو حفص عمر علی المعروف ابن الملقن | غایۃ السؤل فی خصائص الرسول | -۷۸ |
| ۵۸۹۳ | امام قطب الدین خیزی | اللفظ المکرم لخصائص النبی المعظم | -۷۹ |
| ۵۱۰۱۳ | ملا علی قاری | شرح الشفاء | -۸۰ |
| ۵۱۲۲۵ | قاضی ثناء اللہ پانی پتی | المنظہری | -۸۱ |
| | شیخ سرفراز خان صفدر | تبرید النواظر | -۸۲ |
| ۵۱۰۵۲ | شیخ عبدالحق محدث دہلوی | مدارج النبوت | -۸۳ |
| ۵۹۱۱ | امام احمد قسطلانی | مسائلک الحنفیاء | -۸۴ |
| ۵۱۰۵۲ | شیخ عبدالحق محدث دہلوی | تحصیل البرکات | -۸۵ |
| | شیخ حسین احمد مدنی | الشہاب الثاقب | -۸۶ |
| | علامہ محمد اشرف سیالوی | گلشن توحید و رسالت | -۸۷ |
| ۵۱۱۶۱ | مولانا الشیخ نظام الدین | عالمگیری | -۸۸ |
| ۵۱۲۰۶ | علامہ احمد سعید کاظمی | حیات النبی ﷺ | -۸۹ |
| ۵۱۳۵۰ | امام یوسف نبھانی | شواہد الحق | -۹۰ |
| ۵۱۳۵۰ | امام یوسف نبھانی | سعادة الدارين | -۹۱ |

| | | | |
|-------|--------------------------------------|-------------------------|-----|
| ۵۷۷۴ | حافظ ابن کثیر | تفسیر ابن کثیر | ۹۲ |
| | شیخ حسین علی | تفسیر بے نظیر | ۹۳ |
| ۵۷۲۸ | حافظ ابن تیمیہ | اقتضاء الصراط المستقیم | ۹۴ |
| | مفتی تقی عثمانی | حکمت فتح الملہم | ۹۵ |
| ۱۲۵۷ھ | امام محمد عابد سندھی | التوسل و احکامہ | ۹۶ |
| | ڈاکٹر خالد محمود | مقام حیات | ۹۷ |
| ۹۱۱ھ | امام جلال الدین سیوطی | انباء الاذکیاء | ۹۸ |
| ۱۳۳۵ھ | مولانا محمد انوار اللہ فاروقی | انوار احمدی | ۹۹ |
| ۱۳۳۶ھ | شیخ خلیل احمد سہارنپوری | بذل الجھود | ۱۰۰ |
| ۱۲۵۷ھ | امام محمد عابد سندھی | المواہب اللطیفۃ | ۱۰۱ |
| ۱۲۵۰ھ | شیخ محمد علی شوکانی | فتح القدر | ۱۰۲ |
| ۱۰۵۷ھ | ابن علان صدیقی | الفتوحات الربانیہ | ۱۰۳ |
| ۱۳۳۶ھ | شیخ خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی | براہین قاطعہ | ۱۰۴ |
| ۲۵۸ھ | امام احمد بن حسین بن علی بیہقی | السنن الکبریٰ | ۱۰۵ |
| ۱۷۹ھ | امام مالک | الموطاء | ۱۰۶ |
| ۲۵۸ھ | امام ابو بکر حسین بیہقی | معرفة السنن والآثار | ۱۰۷ |
| ۲۱۱ھ | امام عبدالرزاق | مصنف | ۱۰۸ |
| ۳۲۱ھ | امام ابو جعفر طحاوی حنفی | شرح مشکل الآثار | ۱۰۹ |
| ۱۳۳۵ھ | شیخ حسن علی ستاف | صحیح صفة صلاة النبی | ۱۱۰ |
| ۸۱۷ھ | امام مجد الدین فیروز آبادی | الصلوات والبشر | ۱۱۱ |
| ۱۳۲۳ھ | شیخ رشید احمد گنگوہی | فتاویٰ رشیدیہ | ۱۱۲ |
| ۱۲۱۳ھ | امام عبداللہ صدیق غماری | کتاب الرؤیا | ۱۱۳ |
| | مولانا صوفی اللہ دتہ | تفریح الخاطر | ۱۱۴ |
| | شیخ سرفراز خان صفدر | تبرید النواظر | ۱۱۵ |
| | مرزا زاہد میر پوری | مقام نبوت | ۱۱۶ |
| ۱۳۶۱ھ | مولانا اشرف علی تھانوی | امداد الفتاویٰ | ۱۱۷ |
| | شیخ احمد زینی دحلان | سیرت دحلانیہ | ۱۱۸ |
| ۲۹۲ھ | امام ابو بکر احمد بزار | مسند بزار | ۱۱۹ |
| ۳۶۳ھ | حافظ ابن السنی ابو بکر احمد بن محمد | عمل الیوم واللیلہ | ۱۲۰ |
| | نواب قطب الدین خان دہلوی | نظرفر جلیل شرح حصن حصین | ۱۲۱ |
| ۱۲۵۰ھ | شیخ محمد علی شوکانی | تحفۃ الذاکرین | ۱۲۲ |
| ۱۳۶۷ھ | علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی | اطیب البیان | ۱۲۳ |

| | |
|--|--|
| نواب صدیق حسن بھوپالی | ۱۲۴ - نزل الابرار |
| ۱۳۶۱ھ مولانا اشرف علی تھانوی | ۱۲۵ - امداد المشتاق |
| مولوی ذوالفقار علی دیوبندی | ۱۲۶ - کرامات امدادیہ |
| ۱۳۳۱ھ شیخ محمد نظام الدین کیرانوی | ۱۲۷ - کشف الاستار |
| ۱۳۲۰ھ شیخ ناصر الدین البانی | ۱۲۸ - السلسلۃ الضبیۃ |
| شیخ محمود سعید ممدوح | ۱۲۹ - احادیث وسیلہ پرا اعتراضات کا علمی محاکمہ |
| ۱۰۱۴ھ ملا علی قاری | ۱۳۰ - موضوعات الکبریٰ |
| شیخ سرفراز خان صفدر | ۱۳۱ - گل دستہ توحید |
| ۹۷۴ھ علامہ ابن حجر ہیتمی | ۱۳۲ - فتاویٰ حدیثیہ |
| ۹۲۳ھ امام احمد قسطلانی | ۱۳۳ - المواہب اللدنیہ |
| ۷۷۴ھ شیخ ابن عبد الہادی | ۱۳۴ - الصارم المنکی |
| ۹۷۴ھ حافظ ابن حجر مکی | ۱۳۵ - الجوہر المنظم |
| ۷۵۶ھ امام تقی الدین سبکی | ۱۳۶ - شفاء السقام |
| ۷۵۱ھ شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن قیم | ۱۳۷ - جلاء الافہام |
| ۸۲۲ھ امام محمد بن عبداللہ ناصر الدین دمشقی | ۱۳۸ - سلاۃ الکلیب بوفاۃ الحلبیب |
| ۱۳۵۰ھ امام یوسف بن اسماعیل نبھانی | ۱۳۹ - حجۃ اللہ علی العالمین |
| شیخ موسیٰ | ۱۴۰ - حقیقۃ التوسل |
| ۱۳۶۱ھ شیخ اشرف علی تھانوی | ۱۴۱ - بوادر النوادر |
| ۹۱۱ھ امام جلال الدین سیوطی | ۱۴۲ - تدریب الراوی |
| ۷۷۸ھ علامہ شمس الدین ذہبی | ۱۴۳ - میزان الاعتدال |
| ۱۳۵۲ھ مولانا انور شاہ کشمیری | ۱۴۴ - فیض الباری |
| ۹۱۱ھ امام جلال الدین سیوطی | ۱۴۵ - انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء |
| ۸۱۶ھ امام زین الدین ابو بکر المراغی | ۱۴۶ - تحقیق النصرة |
| شیخ منظور احمد نعمانی دیوبندی | ۱۴۷ - معارف الحدیث |
| شیخ سرفراز خان صفدر | ۱۴۸ - تسکین الصدور |
| ۲۸۲ھ قاضی اسماعیل اسحاق | ۱۴۹ - فضل الصلاة |
| مولانا فخر الدین دہلوی مرحوم | ۱۵۰ - الحرز الصمین |
| ۱۰۵۲ھ شیخ عبدالحق محدث دہلوی | ۱۵۱ - جذب القلوب |
| ۱۳۵۰ھ امام یوسف نبھانی | ۱۵۲ - جوہر البحار |
| ۱۱۰۹ھ امام محمد مہدی القاسمی | ۱۵۳ - مطالع المسرات |
| ۱۳۷۲ھ مفتی کفایت اللہ دیوبندی دہلوی | ۱۵۴ - کفایت المفتی |
| ناشر و مرتب سعودی کمیٹی | ۱۵۵ - نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم |

| | | |
|-------|---|--|
| ۱۴۰۲ھ | شیخ محمد زکریا سہارنپوری | ۱۵۶۔ فضائل درود |
| ۹۷۳ھ | حافظ ابن حجر مکی | ۱۵۷۔ المنح المکیہ |
| ۱۳۴۰ھ | امام احمد رضا قادری | ۱۵۸۔ انباء الحی |
| ۲۵۸ھ | امام بیہقی | ۱۵۹۔ رسالہ حیات الانبیاء |
| ۷۳۷ھ | امام ابن الحاج | ۱۶۰۔ المدخل |
| ۱۰۳۱ھ | امام عبدالرؤف مناوی | ۱۶۱۔ اتیسیر شرح جامع الصغیر |
| ۶۷۲ھ | امام ابو عبد اللہ محمد بن موسیٰ بن نعمان | ۱۶۲۔ مصباح النظام |
| ۷۲۸ھ | امام محمد عثمان ذہبی | ۱۶۳۔ العبر |
| ۹۱۱ھ | امام جلال الدین سیوطی | ۱۶۴۔ تنویر المحکم فی امکان رؤیۃ النبی والملك |
| ۷۶۸ھ | امام عبد اللہ بن سعد یافعی | ۱۶۵۔ مرآة الجنان |
| ۹۱۱ھ | امام نور الدین علی بن احمد سمهودی | ۱۶۶۔ وفاء الوفاء |
| ۸۰۸ھ | ابن خلدون | ۱۶۷۔ مقدمتہ |
| | شیخ سرفراز صفدر | ۱۶۸۔ اخفاء الذکر |
| ۵۴۴ھ | ابوالفضل قاضی عیاض مالکی | ۱۶۹۔ الشفاء بتعريف حقوق المصطفى |
| | امام خیضری | ۱۷۰۔ زبر الریاض |
| ۱۳۴۸ھ | نواب وحید الزمان حیدرآبادی | ۱۷۱۔ ہدیۃ المہدی |
| | شیخ ابن عبد اللہ ہادی | ۱۷۲۔ الخ |
| ۴۵۷ھ | حافظ امام بیہقی | ۱۷۳۔ المسائل |
| ۸۵۲ھ | امام ابن حجر عسقلانی | ۱۷۴۔ الاصابہ |
| | شیخ عبد الجبار غزنوی | ۱۷۵۔ اثبات الالہام والبیعۃ |
| ۹۷۴ھ | امام ابن حجر مکی | ۱۷۶۔ فتاویٰ الکبریٰ |
| ۲۳۵ھ | امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابن شیبہ | ۱۷۷۔ المصنف |
| ۱۰۰۳ھ | امام عبدالرؤف مناوی | ۱۷۸۔ فیض القدر |
| | شیخ سرفراز خان صفدر | ۱۷۹۔ آنکھوں کی ٹھنڈک |
| | علامہ محمد عوامہ مدنی | ۱۸۰۔ حاشیہ المصنف |
| ۳۲۱ھ | امام ابو جعفر احمد طحاوی حنفی | ۱۸۱۔ شرح معانی الآثار |
| ۱۱۸۲ھ | علامہ محمد بن اسماعیل | ۱۸۲۔ سبل السلام |
| ۸۵۲ھ | حافظ ابن حجر عسقلانی | ۱۸۳۔ تلخیص الحبر |

يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْظِرْ حَالَنَا

یا رسول اللہ! ہمارے حال پر نظر کرم فرمائیں

يَا حَبِيبَ اللَّهِ اسْمِعْ قَالَنَا

یا حبیب اللہ! ہماری فریاد خود سماعت فرمائیں

يَا نَبِيَّ اللَّهِ نُورِ صُدُورَنَا

یا نبی اللہ! ہمارے سینوں کو نور عطا فرمائیں

يَا نُورَ اللَّهِ نُورِ عِيُونَنَا

یا نور اللہ! ہماری آنکھوں کو نور بخشیں

يَا رَوْفُ يَا رَحِيمُ نُورِ قُلُوبَنَا

اے مہربان و کریم! ہمارے دلوں کو نور بخشیں

إِنَّا فِي بَحْرِ هَمٍّ مَغْرَقُونَ

ہم غموں کے سمندر میں غرق ہیں

خُذْ يَدِي سَهْلٌ لَنَا أَشْكَالَنَا

میرا ہاتھ تھام لیں، اور ہماری مشکلات کو آسان فرمائیں

أَعْتَنَا أَعْتَنَا يَا سَيِّدِي

فریاد سنیں، فریاد سنیں، فریاد سنیں۔ اے میرے آقا!

أَمِدُّنَا أَمِدُّنَا يَا مَوْلَانِي

مدد، مدد، مدد فرمائیں، اے میرے مالک!



امیر کاوان اسلام

معیاری حقائق کا مجموعہ



کادینی، علمی اور تحقیقی لٹریچر

- | | | | |
|--|--|--|---|
| <ul style="list-style-type: none"> □ امام احمد □ برکات □ زوال □ آئیے □ اساس □ جماعت □ منتخب □ قرآنی □ سرفرازی □ کیا اولیٰ □ یار رسول □ اسلام □ منہاج □ متعدد □ تفسیر □ تفسیر □ امامت □ عصمت □ روح □ علم نبوی □ The □ PHET (SAW) □ Nikkahs 2 | <ul style="list-style-type: none"> □ شب □ اسلام اور □ اسلام اور □ والدین □ نسب نبوی □ وسعت □ اسلام اور □ اسلام اور □ نظام حکومت □ فضیلت □ شان نبوت □ تفسیر سورہ □ شاہکار □ ایمان والا □ حضور □ امتیازات □ دور رسول □ صحابہ کی □ رفعت ذکر □ مزاج نبوی □ تبسم نبوی □ منہاج | <ul style="list-style-type: none"> □ معارف الاحکام □ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم □ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ششم □ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم □ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم □ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد نواں □ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم □ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم □ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد سولہم □ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد سولہم □ صحابہ اور محافل نعت □ صحابہ کے معمولات □ علم نبوی اور منافقین □ حضور رمضان کیسے گزارتے ہیں □ سدرہ تبریٰ راہ گزر □ منہاج اصول الفقہ □ فیذخائر محمدیہ □ مسلک صدیق اکبر عیسیٰ رسول □ شرح سلام رضا □ نور خدا سیدہ حلیمہ کے گھر □ اسلام اور تحدید ازواج □ اسلام میں محرمی کا تصور □ فضائل طہین حضور | <ul style="list-style-type: none"> □ شرح آج سب مترادف دی □ حضور کے آباء کی شانیں □ والدین مصطفیٰ کا زندہ ہو کر ایمان لانا □ علماء نجد کے نام اہم پیغام □ جسم نبوی کی خوشبو □ کیا سگ مدینہ کھلوانا جائز ہے؟ □ ہر مکان کا اجالا ہمارا نبی □ سب رسولوں سے اعلیٰ ہدایتی □ صحابہ اور بوسہ جسم نبوی □ محبت اور اطاعت نبوی □ نفل پاک حضور □ صحابہ اور علم نبوی □ امام احمد رضا اور مسئلہ ختم نبوت □ قصیدہ بردہ پر اعتراضات کا جواب □ خواب کی شرعی حیثیت □ علم نبوی اور امور دنیا □ معراج حبیب خدا □ محافل میلاد اور شاہ اربل □ حضور کی رضاعی مائیں □ ترک روزہ پر شرعی وعیدیں □ عورت کی امامت کا مسئلہ □ عورت کی کتابت کا مسئلہ |
|--|--|--|---|

- | | | |
|---|---|---|
| <ul style="list-style-type: none"> □ محفل میلاد پر □ اللہ اللہ حضور کی □ میلاد النبی اور □ مشاقان جمال نبوی □ تفسیر کبیر (آخری باب) □ حضور کے ظاہر اور باطن | <ul style="list-style-type: none"> □ حضور نے متعدد نکاح کیوں فرمائے؟ □ نماز میں خشوع و خضوع کیسے حاصل کیا جائے؟ □ حدیث شریک پر اعتراضات کی حقیقت □ احوال و آثار - مولانا عبدالحی لکھنوی □ والدین مصطفیٰ کے بارے میں صحیح عقیدہ □ تحریک تحفظ ناموس رسالت کی تاریخی کامیابی | <ul style="list-style-type: none"> □ کیا رسول اللہ نے اجرت پر بکریاں چرائیں؟ □ آنکھوں میں بس گیا سراپا حضور کا □ رسول اللہ کے عمل و ترک فہم کی حکمتیں مسئلہ ترک □ حضور کے والدین کے بارے میں سلاف کا مذہب □ ہجر کے قیدیوں کے بارے میں حضور کا فیصلہ خطائیں □ علمی مقالہ جلالہ، دوم، ۱۹۱۱ء - انیس خدا ملکیت مصطفیٰ |
|---|---|---|